﴿ يا أيها الذين آمنوا ان جائكم فاسق بنبأٍ فتبينوا (الحجرات:۶/۴۹) ﴾
یعنی اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو!۔

حضرت معاویہؓ

اور

عباراتِ اکابرؒ

﴿ جلد اوّل ﴾

تصنیف :
مفتی محمد وقاص رفیعؔ
فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور

من منشورات :
ادارۃ التحقیق والادب
ایبٹ آباد روڈ، اسلام پور، واہ کینٹ، ضلع راولپنڈی

کتاب کا نام	:	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابرؒ (جلد اوّل)
مصنف	:	مفتی محمد وقاص رفیعؔ
صفحات	:	ایک ہزار (1000)
تعداد	:	گیارہ سو (1100)
تاریخِ اشاعت	:	اگست سنہ 2019ء
موبائل نمبر	:	+92300-5808678
عام قیمت	:	سولہ سو (1600) روپے

استدعاء:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بشری بساط کے مطابق کتاب ہذا کی کتابت وطباعت، ترتیب وتصحیح اور جلد بندی میں خوب احتیاط کی گئی ہے، تاہم پھر بھی بشر ہونے کے ناطے اگر کوئی بھول چوک ہوگئی ہو یا کوئی غلطی رہ گئی ہو تو براہِ کرم اس کے بارے میں ہمیں ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کرکے موجودہ غلطی کا تدارک کیا جاسکے۔ از مؤلف

......اسٹاکسٹ......

ادارۃ التحقیق والادب

ایبٹ آباد، روڈ، اسلام پور، واہ کینٹ ضلع راولپنڈی

انتساب:

کچھ عرصہ سے اربابِ علم وقلم کا دستور ہے کہ وہ اپنی دینی وعلمی خدمات کو کسی عظیم ترین شخصیت یا کسی مشہور ترین مرکزیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، بناء بریں میں بھی اپنی اِس دینی وعلمی خدمت کو اپنے مادرِ علمی، منبعِ علوم وفنون، مرکز دعوت وتبلیغ مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جس کی خوش گوار فضاؤں اور مشک بار ہواؤں کے دامن تربیت میں پل کر میں اِس علمی کاوش کے لائق ہوا۔

فہرست مضامین

﴿......راویٔ بخاری محدث عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ......﴾

......مفسر قرآن امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ......

﴾......امام ابوعبداللہ محمد حاکم نیشاپوری......﴿

مُقَدِّمَة

ألحمد لله الذي هدانا بنبيه التوبة ورسوله الرحمة وفضلنا بجماعة الصحابة وأمير المؤمنين معاوية ثم سلكنا مسلک أهل السنة والجماعة من الأئمة الأخيار وأصحاب البراعة وعصمنا من الذين هم عووا صباحا ومساءً أسلافاوأخلافا ويقرون بأنهم يتبعون الصحابة وان كانواهم أسوء حالاًوالصلوٰة والسلام الأتمان الأكمال علي نبيه وحبيبه محمد المصطفي وعلي آله المجتبي من الصحابة والتابعين والأئمة الهدي . أما بعد :

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

قربِ قیامت کا زمانہ رواں دواں ہے۔ پندھرویں صدی ہجری اپنے جوبن پر ہے۔ چراغِ نبوت اور شمعِ رسالت کو چودہ صدیاں بیت چکیں ہیں۔ زمانۂ خیر القرون کے انوار و برکات سمٹتے جا رہے ہیں۔ بدعات و رسومات کا دورِ دورہ ہے۔ ایسے میں دن بدن فتنوں اور نت نئے فرقوں کا ظہور ایک بدیہی امر ہے۔ کفر و شرک اور ظلمت و جہالت اِس وقت اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ کبھی تو قرآن و حدیث پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و یقین کے ساتھ کھیلا جاتا ہے تو کبھی سیرت و تاریخ کو ہدفِ تنقید بنا کر اُن کے ایمانی کیفیت کو ڈانوا ڈول کیا جاتا۔ کبھی نت نئی ایجادات کے ذریعے اُن کے افکار و خیالات کو منتشر کیا جاتا ہے تو کبھی اساطین اُمت، اکابرین اسلام اور بزرگانِ دین کی زندگیوں کو غلط رنگ دے کر اُن کے روحانی آبا وَ اجداد سے اُن کا رشتۂ ایمانی کاٹا جاتا ہے۔

چنانچہ موجودہ زمانہ میں اسی طرح کے ایک نئے ٹولے نے جنم لے رکھا ہے جو مشہور صحابی، کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت و عقیدت کی آڑ میں ہماری مسلمان نسل کو اپنے اکابر و اسلاف سے بہت بری طرح سے متنفر اور بدظن کرنے پر تلا ہوا ہے۔

انہیں حضرات میں سے حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی

بھی ہیں جنہوں نے اپنے مذموم افکار ونظریات اور اپنے مکروہ عزائم وخیالات کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت وعقیدت کا لبادہ اُوڑھ کر اکابر علمائے اہل سنت واساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبارات کو کھینچ تان کر، اُن کو توڑ مروڑ کر اور اُن کا سیاق و سباق حذف کر کے خواہ مخواہ اُنہیں ''ناقدین معاویہؓ'' کی فہرست میں شامل کر کے عوام الناس کو اُن سے متنفر وبدظن کرنے کا بیڑہ اُٹھا رکھا ہے۔

اگر واقعی یہ حضرات ایسے ہی تھے جیسا کہ دعویٰ ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہؓ کا ایسا دیوانہ پیدا نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے اِن ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، اِن کا احتساب کرتا اور اِن کے خلاف تقریراً یا تحریراً یا احتجاجاً کوئی کارروائی عمل میں لاتا اور ''ناقدین معاویہؓ'' نامی کتاب لکھ کر جو سعادت آج پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی قسمت میں سمیٹی ہے وہ حاصل کرتا؟ آخر یہ امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوجعفر الطحاویؒ، امام ابوالحسن الاشعریؒ، امام ابومنصور الماتریدیؒ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، امام الحرمین الجوینیؒ، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، امام نووی شافعیؒ، علامہ شمس الدین ذہبیؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ تاج الدین سبکیؒ، علامہ ابن ہمام حنفیؒ، علامہ ابن حجر ہیتمیؒ، علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ، مولانا سرفراز خان صفدرؒ، علامہ علی شیر حیدریؒ، اور مولانا محمد نافع صاحبؒ وغیرہ حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے اِن ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، اُن کا احتساب نہ کر سکے اور آنے والی نسل کو اُن کی ''صحابہ دُشمنی'' سے آگاہ نہ کر سکے؟ جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ تھکے ماندے بوڑھے کندھوں پر اُٹھانا پڑ رہا ہے۔

ممکن ہے کوئی یہ یاوہ گوئی اڑائے کہ بعض حضرات (امام عبدالرزاقؒ، امام حاکمؒ، امام ابوبکر الجصاصؒ، اور علامہ تفتازانیؒ وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد کیا ہے اور انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نقاد باور کرایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو اُن علماء نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی طور پر نقد نہیں کیا (جیسا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ''ناقدین معاویہؓ'' پر مستقل ایک کتاب لکھی ہے) بلکہ اُنہوں نے مختلف زمانوں میں فرداً فرداً

ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اِن ہی نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے اُن کے اِس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے مذکورہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے اِن بعض علماء کو اپنے دلائل قویہ، وحجج بینہ کی بناء پر خاموش کر کے اُن حضرات پر سے ''نقد معاویہؓ'' کا الزام نہ صرف یہ کہ صاف کیا ہے، بلکہ اُس کی دوٹوک الفاظ میں تردید بھی کی ہے۔ (تفصیل آگے کتاب میں آ رہی ہے۔)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنی کتاب ''سیدنا معاویہؓ کے ناقدین'' کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زیرِ نظر کتاب میں بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جن کی زندگی ''مدحِ صحابہ'' و ''ردّ قدحِ صحابہ'' میں بسر ہوئی اور اُن کی عبارات اِس کتاب میں شامل کرنے سے دل ودماغ پر سخت بوجھ محسوس ہوتا رہا۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے قابل اعتراض ریمارکس عدالت میں پیش نہ ہوتے (جو آج بھی ایبٹ آباد کی ایک عدالت میں مقدمہ کی مثل کا باقاعدہ حصہ ہیں) اور دُشمنانِ معاویہؓ اپنے مؤقف کی تائید میں ان سے استدلال نہ کرتے تو اِس بوجھ کے اُٹھانے سے معذوری کا اظہار کر دیا جاتا۔'' [۱]

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اِن قابل اعتراض ریمارکس کا کوئی تسلی بخش جواب پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے پاس نہیں تھا تو پھر اگر قرآنِ مجید کے اِس حکم ﴿**فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون**﴾ کے بموجب اِن کا جواب دیگر حضرات علمائے کرام سے لے لیا جاتا اور خواہ مخواہ اپنے تھکے ماندے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اِس بوجھ کے اُٹھانے سے معذرت کر لی جاتی تو کیا یہ زیادہ مناسب نہیں تھا؟ ؎

آپ ہی اپنی اداؤں پر غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو بے ادبی ہوگی

بہر حال پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب بھی اگر اِس بوجھ کو خوب امانت داری ودیانت

داری کے ساتھ اُٹھاتے اور اعلیٰ حضرت کی طرح اکابر کی عبارات کو توڑے مروڑے، اُن میں قطع وبرید کئے اور اُن کا سیاق وسباق حذف کئے بغیر ایسا کرتے تو اسے بھی کسی نہ کسی درجے میں ایک کام اور ایک فریضے کا اتمام کہا جا سکتا تھا، لیکن حد تو یہ ہے کہ پروفیسر آں موصوف نے اپنی کتاب میں اکابر علمائے اہل سنت کے عبارات کو توڑ مروڑ کر، اُن میں قطع برید کر کے اور اُن کا سیاق و سباق حذف کر کے اُس خدع ودجل، مکر وفریب اور ''التباس الحق بالباطل'' کا مظاہرہ کیا ہے کہ الامان الحفیظ۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ اِس پر مستزاد یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''اِس ضمن میں اگرچہ اور بھی بڑے بڑے نام پائے جاتے ہیں تاریخ میں، لیکن ؎

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

حقیقت کی آنکھ سے اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ دو رنگی بھی دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین وگستاخی پر دلالت کر رہی ہے۔ بایں حیثیت کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ اور اُن کی رفعت وعظمت کے پیش نظر اُن کی مدح وردِ قدح اور اُن کا دفاع محض اِس وجہ سے ترک کر دینا کہ اِس سے مخلوقِ خدا میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکے گی، فرقہ واریت کی ساکھ متاثر ہوگی اور امن عالم کا نظام سپوتاژ ہوگا، تو یہ بجائے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شدید ترین توہین ہے۔ اِس لئے کہ اِس سوچ اپروا اور اِس نظریئے کا حامل شخص کوئی سبائی اور رافضی تو ہوسکتا ہے لیکن کم از کم سنی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ نیز اِس قسم کا نظریہ رکھنے والا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث کی وعید میں آتا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''اذا ظهرت الفتن أو قال البدع وسب أصحابي فليظهر العالم علمه فمن لم يفعل ذلک فعليه لعنة الله والملئكة والناس أجمعين لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا .

ترجمہ:

(ألصواعق المحرقة في الرد علي أهل البدع والزندقة :ص ٣ ، ألناشر : ألمكتبة

الحقيقة شارع دار الشفقة، فاتح ٥٧ استنبول ـ تركي نقلا عن الجامع بين آداب الراوي والسامع للخطيب البغدادي)

پھر طُرفہ تماشا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب تمام تر نصوصِ شرعیہ یعنی آیاتِ قرآنیہ واحادیث متواترہ واقوال سلف صالحین کی جملہ حدود بڑی بے دردی کے ساتھ پھلانگتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اتنے آگے نکل گئے کہ جانے اَن جانے میں موصوف نے اپنی دودھاری تلوار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی سمیت دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تہہ تیغ کرڈالا اور اِس جوشیلی اندھیرے میں کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بدترین توہین وتنقیص اور گستاخی وبے ادبی کا ارتکاب کرڈالا۔

دفاعِ صحابہؓ کی آڑ میں پروفیسر آں موصوف کی گل افشانیاں ذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

۱؎ (ناقدین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: ص ۱۷، طبع اوّل ۲۰۱۳ء)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام جصاص رحمہ اللہ کی عربی عبارت سے اپنا من چاہا مطلب کشید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۳-قرآن ﴿ لاينال عهدي الظالمين ﴾ کی رُو سے معاویہ رضی اللہ عنہ امامت خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔

۴-معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ متغلب تھا۔ ۱؎

ایک جگہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی ایک عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علی سوار ہوئے اور معاویہ بھاگ گیا۔'' ۲؎

ایک دوسری جگہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی ایک عربی عبارت کا بالکل غلط اور بے ہودہ اور علامہ موصوف پر بالکل جھوٹا اور دجل وخیانت پر مبنی بلکہ عربی گرائمر سے عاری ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا۔'' ۳؎

ایک جگہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ایک عربی عبارت کا انتہائی بے ادب ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اللہ کی قسم! بلی والا (ابوہریرہ) اگر میرے قابو میں آجاتا تو میں اُس کی گردن ماردیتا۔'' ؎

ممکن ہے کوئی یہ یاوہ گوئی اُڑائے کہ مذکورہ بالا عربی عبارات کے یہی تراجم دیگر علماء مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا جمیل احمد سکروڈوی وغیرہ وغیرہ نے بھی کئے ہیں تو اُس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں بھی معلوم ہے کہ یہ تراجم اُنہوں نے بھی کئے لیکن چوں کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں اُصول وضع کیا ہے کہ:

''حدیث میں ''سبّ صحابہؓ'' کی جو ممانعت آئی ہے اُس سے مراد گالیاں دینا نہیں، بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ ہے جو صحابہ کرام کے استخفاف میں کہا جائے۔'' (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۵۱) اِس بناء پر ہم نے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو خود اُن کے اُصول کے مطابق ناقدین صحابہ ثابت کیا ہے۔ رقیع

چناں چہ ایک جگہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہوئے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی شدید ترین توہین و گستاخی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(ذخیرہ اندوزی کے) اِس (مذکورہ) اختلاف کے پیش نظر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سختی کے ساتھ نہ صرف اپنے نظریہ کی تبلیغ و اشاعت کرتے بلکہ ہر اُس آدمی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے جو اُن کا حامی نہ ہوتا۔ اُن کی سختی کا اندازہ اِس بات سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک شخص کو صرف اِس بات پر کہ جس نے زکوٰۃ ادا کردی اُس نے اپنا فرض ادا کردیا زخمی کردیا تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ سپر اُن سے لے کر فرمایا: ''ابوذر! اللہ کا خوف کرو! اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبان قابو میں رکھو!۔ (طبری: ۴/ ۲۸۴)

حاشیہ: (یاد رہے کہ یہ وہی طبری ہے جس کے بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''صد افسوس کہ امام طبری نے اُن خبیث، مردود، سبائی رافضی، شیعہ، کذاب اور دروغ گو راویوں پر اعتماد کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزامات عائد کر کے قرآن وحدیث کے واضح احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔'' (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۹۰) مگر سخت حیرت ہے کہ آج خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب خود امام طبریؒ کے اُن ہی خبیث، مردود، سبائی، رافضی، شیعہ، کذاب اور دروغ گو راویوں کی روایات پر اعتماد کر کے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر الزامات عائد کر کے قرآن وحدیث کے واضح احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ رفیع)

اُنہوں نے اپنا معمول یہ بنالیا کہ وہ امیروں کے پاس جاتے اور فرماتے: ''اے لوگو! تم فقیروں کی خبر گیری کرو!۔ اور جن آیات میں جمع زر کی مذمت کی گئی ہے اُنہیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور عذابِ آخرت سے ڈراتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی برملا تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ غرباء نے اُمراء پر دست اندازی شروع کر دی، جس سے اُن کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ اور شام جیسے مستحکم، متحد اور متفق صوبے کے امن کو اندرونی طور پر خطرہ لاحق ہو گیا۔ جب عبداللہ بن سبا کو اِس اختلاف کا علم ہوا تو وہ فوراً دِمَشق پہنچا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بار بار ملاقات کر کے اُنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مزید اکسایا۔'' (ابن اثیر: ۳/ ۵۷)

موصوف تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں:

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے نظریئے پر ڈٹے رہے اور اُس کی نشر واشاعت میں مصروف رہے، جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ رُونما ہو جائے۔ لہٰذا اُنہوں نے تمام صورتِ حال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ: ''فتنہ نے اپنی سونڈ ہلانی شروع کر دی ہے، اِس لئے تم اغماض اور مصالحت سے کام لو اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو!۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۵) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اِس نظریئے کو اُمت میں قبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ کیوں کہ وہ اسلام کی روح کے مطابق نہ تھا۔ تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں: ''موصوف کے اِس نظریہ کے پیش نظر بعض

مؤرخین انہیں مزدک کی تحریک اور اُس کے مکتب خیال سے متاثر سمجھتے ہیں۔ اِسی لئے اُنھوں نے اِنہیں ''أول اشتراکي في الاسلام''یعنی اسلام میں سب سے پہلا کمیونسٹ قرار دیا ہے۔(فجر الاسلام، امین احمد: ص۱۱۱، خیرالدین زرکلی، اعلام الرجال: ۲/۱۳۶، الدولۃ العربیہ الاسلامیہ، علی حسن خرپوشی: ص۱۰۳، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ: ص۴۶۸، ۴۶۹)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی مذکورہ بالا تبرائی عبارت سے حسبِ ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں:

۱-حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہ تھا اور اُن کی زبان اور ہاتھ قابو میں نہ تھے۔

۲-حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اُمراء کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔(اِن دونوں اُمور سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ!) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث کے سراسر خلاف تھا جس میں آتا ہے:

" ألمسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده ."

(صحيح البخاری و صحيح المسلم)

ترجمہ:

۳-عبداللہ بن سباء نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بار بار ملاقات کر کے جب اُنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسایا تو وہ عبداللہ بن سباء کی باتوں میں آ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف برانگیختہ ہوگئے، یہاں تک کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ عبداللہ سباء کو پکڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ اللہ کی قسم! یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر (رضی اللہ عنہ) کو برانگیختہ کر کے آپ کے پاس بھیجا تھا۔مگر حیرت ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ناقدین معاویہؓ کی فہرست میں کھڑا نہیں کیا؟

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے شام کے امن وسلامتی کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔

۴-حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو فتنہ پرور سمجھتے تھے۔(یہ حضرت ابوذر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابہ کرام کی شدید ترین توہین ہے)

۵-حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نظریہ اسلام کی روح کے خلاف تھا۔(استغفر اللہ العظیم)

اور صرف یہی نہیں بلکہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک جگہ تو مشہور صحابی، فاتح قادسیہ وایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی صف میں لا کھڑا کر دیا۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''دُشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ اُنہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے اور اُن کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے ، وہ اُنہیں اسلام دُشمن ثابت نہ کر سکے ، اُنہیں کسی معرکے میں آنحضرت ﷺ کا مدمقابل نہ دکھا سکے تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر ''فتح مکہ'' کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے۔'' ۵

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۹۵)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۱۲)

۳ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۱۶)

۴ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۳۶)

۵ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۲۸)

حالاں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے کے قائل نہیں ہیں بلکہ فتح مکہ کے بعد اُن کے اسلام لانے کے قائل ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

'' فسعد ممن لم يعلم به .'' ۱

ترجمہ: پس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے کا) علم نہیں ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ایک جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ظالم باور کرانے کی بھڑک مارتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کی ابتدا نہیں کی بلکہ وہ تو اس بات کے شدید حریص تھے کہ مسلمانوں میں باہم قتال وخونریزی نہ ہو۔ بہرحال یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں اپنے دفاع میں مجبوراً آنا پڑا ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ **أذن للذين يقتلون بأنهم ظلموا** ﴾ یعنی جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے انہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس آیت میں مظلوم کو اپنی مدافعت میں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ آیت اگرچہ کفار کے متعلق ہے مگر ''اذنِ جنگ'' کی علت ''کفر'' نہیں بتائی گئی، بلکہ ''ظلم'' اور ''زیادتی'' بتائی گئی ہے''۔ (تذکرہ امیر معاویہ: ص ۸۰۵،۷۰۵)

گویا اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جنگ صفّین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن مظلوم کی سی تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن ظالم کی سی تھی (نعوذ باللہ منہ!) کیوں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی اس کی دلیل سے تو یہی مترشح ہو رہا ہے کہ اِس آیت میں مظلوم کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ظلم وزیادتی کرنے والے شخص کے خلاف جنگ کرے! تو اب سوال یہ ہے کہ جنگ صفّین میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی، تو کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ!) ظلم وزیادتی کرنے والے تھے؟ نیز کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ظالم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں مظلوم بنا کر پیش کرنا یہ کھلی ہوئی یزیدیت اور ناصبیّت نہیں ہے؟

اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک اور موقع پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔'' ۲

حالاں کہ خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل جمل وصفّین کی طرف ''بغاوت'' کی نسبت کی ہے۔

تسلی کے لئے مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(مصنف ابن أبي شيبة : ٥٣٥/٧ ، ألناشر : مكتبة الرشد ، ألرياض) و (ألفتاويٰ الكبريٰ لابن تيمية :٥٣٩/٣ ، ألناشر : دارالكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و(حقوق آل البيت لابن تيمية : ٣٤/١ ، ألناشر: دارالكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (مجموع الفتاويٰ لابن تيمية : ٥١٦/٢٨ ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و(منهاج السنة النبوية لابن تيمية : ٤٩٧/٤،٤٠٦/٧ ألناشر : جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية) و (ألمنتقيٰ من منهاج الاعتدال في نقض كلام أهل الرفض والاعتزال للذهبي : ٢٧٤/١) و(ألسنن الكبري للبيهقي: ٣١٥/٨ ، ألناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)و (مناقب الشافعي للبيهقي : ٤٥٠/١، ألناشر : مكتبة دار التراث ، ألقاهرة)

۱ (تطهير الجنان للهيتمي : ص ٧ ، ٨ ألناشر : مكتبة الحقيقة ، شارع دار الشفقة ، فاتح ٥٧، استنبول ، تركي)

۲ (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین:ص ۱۱۶)

و(ألتنبيه علي مشكلاة الهداية لابن أبي العز : ٢٩٩/٤، ألناشر : مكتبة الرشد ، ناشرون ، ألمملكة العربية ، ألسعودية) و (حياة الصحابة للكاندهلوي : ١٩٩/٣ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان) ان تمام حوالہ جات کی تفصیل عربی اور اردو عبارات کے ساتھ آگے کتاب میں آرہی ہے۔

اِن تمام حوالہ جات میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے

اصحاب جمل وصفّین کی طرف بغاوت کی نسبت کی ہے، جس کی بناء پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد صحابی پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ **فیا أسفا** ......

ایک جگہ پر وفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ایک حامی کی زبان سے اہل شام کے متعلق نازیبا کلمات سنے تو فرمایا: ﴿ **لا تقولوا فانهم زعموا أنا بغينا عليهم وزعمنا أنهم بغوا علينا فقاتلناهم** ﴾ (کہ ایسے مت کہو کوئی کلمہ خیر ہی کہو ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے اور ہم نے یہ گمان کیا ہے کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے اس اس پر قتال ہوا) (تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ، ص ۹۰۵)

ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں خود حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنا یہ گمان ظاہر فرمایا کہ ہم نے اُنہیں باغی خیال کیا اور اُنہوں نے ہمیں باغی خیال کیا۔ گویا دونوں ایک دوسرے کو باغی سمجھ رہے تھے۔ حالاں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی کہنے والا اُن کا گستاخ ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''صحابہ کا تخطیہ اہل سنت والجماعت کا اصل مذہب نہیں، بلکہ ایک رخصت اور مخلص ہے۔ یعنی اصل تو یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مشاجراتی اور اجتہادی خطاء کو بھی زبان پر نہ لایا جائے، لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورتِ شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے یہ موضوع زیر بحث آ بھی جائے تو اجتہادی خطاء وصواب سے زیادہ کوئی لفظ ہرگز استعمال نہ کیا جائے!۔'' (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۴۹)

اب یہاں پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہاں کس ضرورتِ شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے یہ موضوع زیر بحث لایا؟ اور دوسرے یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب یہاں کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے کہ اُنہوں نے اجتہادی خطاء وصواب سے زیادہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے ''بغاوت'' کا

لفظ استعمال فرما دیا ہے؟ کیا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اُصول کے مطابق ''ناقدین معاویہؓ'' کی فہرست میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے گا!۔

جب کہ اُدھر دوسری طرف پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہ بھی اُصول مقرر کر رکھا ہے کہ:

''بعض حضرات' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص مرتکب ہوئے ہیں، جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کے بغیر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بیان کیا جا سکتا ہے۔'' (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۵۰)

تو اِس کے جواب میں اِس موقع پر ہم یہی کہیں گے کہ بعض حضرات' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص مرتکب ہوئے ہیں، جب کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کے بغیر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بیان کیا جا سکتا ہے۔''

اسی طرح ایک دوسری جگہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''......نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی ضرورت تھی اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے مقام ومرتبہ پر رکھنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریض وتوہین کی کوئی ضرورت۔ یہ دونوں اُمور اہل السنّت والجماعت کے دائرے سے باہر ہیں جو ''سبّ صحابہؓ'' میں شامل ہیں۔'' (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۵۰)

تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر آپ اپنی مذکورہ بالا عبارات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے مقام ومرتبہ پر رکھنے کے لئے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی تعریض وتوہین کے کیوں مرتکب ہوئے ہیں؟ اِس صورت میں تو آپ خود اپنے ہی اُصولوں کی رُوشنی میں ''ناقد معاویہؓ'' کی فہرست میں آتے ہیں۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی توہین و گستاخی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مخالفین کے متعلق خود حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ کا اپنا قول یہ ہے کہ:''زید بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جنگ صفّین میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں اِس طرح تھا کہ میرا گھٹنا اُن کے گھٹنے سے ٹکرا رہا تھا کہ ایک آدمی نے کہا:'' **کفر اهل الشام** ''(یعنی شامیوں نے کفر کیا) تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿لا تقولوا ذلک نبینا و نبیهم واحد وقبلتنا وقبلتهم واحدة﴾

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۵/۲۹۰)

ترجمہ: ایسا مت کہو! (کیوں کہ) ہمارا نبی اور اُن کا نبی ایک ہے! اور ہمارا قبلہ اور اُن کا قبلہ ایک ہے!۔

(تذکرہ امیر معاویہؓ ص ۱۵۷)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی شاطری و عیاری ملاحظہ فرمائیے کہ اُنہوں نے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کے وہ الفاظ تو نقل کر دیئے جس سے اُن کا اپنا مدعا ثابت ہو رہا تھا لیکن اِس کے بعد کے الفاظ (جو اُن کے خلاف جا رہے تھے) دانستہ طور پر نقل نہیں کئے، تاکہ روایت اُن کے خلاف نہ جائے اور وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی گستاخی میں پکڑے نہ جائیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی مکمل روایت اِس طرح ہے:

عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: كُنْتُ إِلَى جَنْبِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ بِصِفِّينَ ,وَرُكْبَتِي تَمَسُّ رُكْبَتَهُ ,فَقَالَ رَجُلٌ: كَفَرَ أَهْلُ الشَّامِ فَقَالَ عَمَّارٌ: لَا تَقُولُوا ذَلِکَ نبينا ونبيهم واحد . وَقِبْلَتُنَا وَقِبْلَتُهُمْ وَاحِدَةٌ، وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ مَفْتُونُونَ جَارُوا عَنِ الْحَقِّ، فَحَقٌّ عَلَيْنَا أَنْ نُقَاتِلَهُمْ حَتَّى يَرْجِعُوا إِلَيْهِ .'' (اُلمصنف لا بن اُبی شیبہ ج۱۵ص۲۹۰)

ایک شخص نے اہل شام کے حق میں کفر کی نسبت کی اور ان کو کافر کہنے لگا تو حضرت عمار نے سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو کیونکہ ان کے اور ہمارے نبی ایک ہیں اور ان کا اور ہمارا قبلہ ایک ہے لیکن بات یہ ہے کہ وہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور امر حق سے متجاوز ہو گئے ہیں، ہم پر

لازم ہے کہ ہم ان کے ساتھ قتال کریں تا کہ وہ حق کی طرف پلٹ آئیں۔

حالاں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے خود یہ اُصول لکھا ہے کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف ''سلطان جائز'' کی نسبت خواہ کسی تاویل سے کی جائے انتہائی نامناسب اور احترام صحابیت کے خلاف ہے!'' (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۳۰۱)

اور یہاں تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں بلکہ اُن کے پورے گروہ (جس میں کئی ہزار صحابہ وتابعین شامل تھے) کو ''جائز'' بلکہ ''مفتون'' کہہ ڈالا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا صاحب ہدایہ کی طرح صحابی رسولؐ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بھی (نعوذ باللہ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں انتہائی نامناسب اور اُن کے مقام صحابیت کے خلاف الفاظ کہے ہیں؟۔ اسی طرح اگر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہاں تاویل کر سکتے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کے بارے میں اِنہیں وہاں تاویل کرتے ہوئے موت کیوں آتی ہے؟۔ **فما هو جوابكم فهو جوابنا.**

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام عبدالرزاق الصنعانی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عبدالرزاق عام شیعہ نہیں بلکہ پکے اور کٹر شیعہ بلکہ رافضی تھے۔ (مفہوم)
(سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۹۰)

اسی طرح مؤرخِ اسلام امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''صد افسوس کہ امام طبری رحمہ اللہ نے اِن خبیث، مردود، سبائی، شیعہ، کذاب اور دروغ گو راویوں پر اعتماد کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزامات عائد کر کے قرآن وحدیث کے واضح احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔'' (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۹۰)

امام ابوبکر جصاص حنفی رازی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض وعناد میں جملہ دُشمنانِ معاویہؓ سے سبقت لے گئے ہیں۔ موصوف کی تفسیر ''احکام القرآن'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے قلم نے جابجا ''بغض معاویہؓ'' کا زہر بکھیرا ہے۔(سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۹۳)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ''سوئے ظن'' رکھتے تھے۔(سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۱۹۶)

۱۳۲۲ھ میں پہلی مرتبہ فتاویٰ عزیزی کا فارسی سے اردو ترجمہ کیا گیا، اِس کے بعد سے مسلسل یہ فتاویٰ شائع ہو رہا ہے اور ہر لائبریری کی زینت ہے۔ اعدائے صحابہؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اِس فتویٰ کو بہ طورِ دلیل پیش کر رہے ہیں۔ دوسرے اداروں کا کیا ذکر؟ خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ادارے ''دارالاشاعت'' کی طرف سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مایۂ ناز کتاب ''تحفۂ اثنا عشریہ'' شائع ہوئی ہے، اِس میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کافی مواد موجود ہے۔'' (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ۱۵۹)

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ اور قلم تو پرائمری ماسٹر اوکاڑوی کا ہے، لیکن ذہن اور دماغ غلام حسین نجفی کا۔'' (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۲۸۲)

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''موصوف نے مختلف موضوعات پر متعدد کتب ورسائل بھی تالیف کیے، جن میں جارحانہ انداز، تلخ نویسی، اور غیظ وغضب پوری طرح چھلکتا ہے۔ اغیار کے ساتھ اپنوں کو بھی خوب رگیدا گیا ہے۔(سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ۲۹۱)

خطیب اسلام حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب رحمہ اللہ کے ''خطبات'' میں سے ایک خطبے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اِس خطبے کو بار بار پڑھیے! یقین نہیں آتا کہ یہ تقریر ''ضیاء القاسمی'' صاحب نے جھاڑی ہوگی۔

الفاظ کی بناوٹ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل تشیّع کا کوئی ''ضیاء القاسمی'' نامی ذاکر مرکزی امام گاہ میں مجلس شریف پڑھ رہا تھا تو مکتبہ قاسمیہ والوں کو اُس کی تقریر پسند آ گئی تو اُنہوں نے اِس خطبے کو اہل تشیّع سے بھاری قیمت وصول کر کے ''خطبات قاسمی جلد اوّل'' کا حصہ بنا دیا۔ پھر اسی کتاب کے آخری صفحہ پر یہ اشتہار بھی دے دیا کہ: خطباء اور علماء کے لئے جمعہ پڑھانا آسان ہو گیا'' اِس خطبے سے جتنے خطباء اور عوام مستفید ہوئے اِس کا ثواب یقیناً خطیب اوّل کے اعمال نامے میں ہی جمع ہوگا...... جناب ضیاء القاسمی صاحب نے خطبائے اہل سنت پر یقیناً احسان کیا ہوگا، مگر زیر بحث خطبہ میں موصوف نے غلام حسین نجفی کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ (تذکرۂ خلیفۂ راشد امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: ص ۵۱، ۵۲)

جبل استقامت حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہمارے اکثر علماء وہی ''شیعی اندازِ فکر'' اپنائے ہوئے ہیں۔ محرم میں شادی وغیرہ، پنج تن پاک، امام اور علیہ السلام کے علاوہ ''دما دم مست قلندر'' وغیرہ اِس کی واضح مثالیں ہیں۔ مؤخر الذکر اصطلاح تو جرنیل سپاہِ صحابہؓ مولانا محمد اعظم طارق صاحب رحمہ اللہ نے بھی استعمال کر دی۔ جب نواز شریف اور قومی اسمبلی کو اسحاق خان کی طرف سے برطرف کیا گیا تھا تو کسی صحافی نے جناب اعظم طارق صاحب سے پوچھا کہ اگر عدالت نے اسمبلی بحال کر دی تو کیا ہوگا؟ موصوف وجد میں آ گئے اور فرمایا کہ: ''امن ہو یا جنگ ہم ہیں صدر کے سنگ'' اور اب ''دما دم مست قلندر ہوگا'' یہ خالص شیعی اندازِ فکر اور سبائی نعرہ ہے، کیوں کہ اِس کا دوسرا حصہ ''علی دا پہلا نمبر'' ہے۔ شیعیت کے اثرات کہاں کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ لاشعوری طور پر بعض علماء بھی وہی اصطلاحات استعمال کر دیتے ہیں۔ تعجب تو مولانا اعظم طارق صاحب پر ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی ''دفاعِ صحابہؓ'' کے لئے وقف کر رکھی ہے اور دُشمن ہر وقت اُن کی جان کے پیچھے پڑا ہوا ہے مگر لاشعوری طور پر ''توہین صحابہؓ'' کا ارتکاب اُن سے بھی ہو جاتا ہے۔''

(تذکرۂ خلیفۂ راشد امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: ص ۵۲)

فاتح یزیدیت حضرت مولانا عبد الجبار سلفی صاحب زید مجدہم اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حالاں کہ مولانا اعظم طارق صاحب رحمہ اللہ نے دوسرا مصرع نہیں کہا تھا۔
اعتراض تو تب بنتا ہے جب وہ ’’علی دا پہلا نمبر‘‘ کہہ کر شیعی بولی بولتے۔ بہ طورِ مزاح صحافیوں کے سامنے صرف ’’دمادم مست قلندر‘‘ کہنے پر ایک مجاہد سنی عالم دین کو ’’توہین صحابہ‘‘ کا مرتکب قرار دینا بڑی یزیدی جسارت ہے۔ مگر یہ جسارت کوئی نئی نہیں۔ اور اب تو سب نے دیکھ لیا ہے کہ اُمت مسلمہ کے جملہ اکابر کو اِن ہی لوگوں (پروفیسر طاہر ہاشمی اینڈ کمپنی) نے ’’ناقدین معاویہؓ‘‘ قرار دیا ہے۔‘‘

(دفاعِ حضرت حسین: ص ۷۷-۲۷، ناشر: ادارہ مظہر التحقیق لاہور)

بہر حال ’’نقد معاویہ‘‘ سے متعلق ہم نے اپنی ہمت و بساط اور بشری طاقت کے مطابق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ان تمام شنیعہ ورذیلہ تلبیسات و دجالیات اور فریب کاریوں کی مکمل طور پر قلعی کھولی اور انہیں طشت از بام کیا ہے اور اکابر علمائے اہل سنت کی طرف منسوب ایک ایک واقعہ اور ایک ایک جزئی کی اصل حقیقت کا قدیم و جدید ماخذ کی طرف مراجعت کر کے بڑی محنت و جاں فشانی کے ساتھ سراغ لگایا ہے اور اُن کی طرف غلط طور پر منسوب ’’نقد معاویہؓ‘‘ جیسے بدنما داغ کا انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے انتہائی سنجیدگی و متانت اور بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دفاع کیا ہے۔ **فالحمد لله علي ذلک .**

یاد رہے کہ ہماری یہ کتاب ’’حضرت معاویہؓ اور عباراتِ اکابرؒ‘‘ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب ’’سیدنا معاویہؓ کے ناقدین‘‘ کا جواب برائے جواب ہی نہیں بلکہ ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو اکابر علمائے اہل سنت کی بعض موہوم و مشتبہ عبارات کے دفاع میں اگرچہ بہت پہلے لکھنی چاہیے تھی لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کہ نصف یا قریب النصف کام تو اُنہوں نے ہمارے لئے آسان کر دیا ہے اور باقی نصف یا زائد از نصف کام اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق اور اُس کی خاص مہربانی سے ہم نے خود مکمل کیا ہے۔

ہمیں اُمید تو نہیں ہے کہ ناصبیت گزیدہ طاہری ٹولہ ہماری اِس کتاب کو انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے ہدایت کی نیت سے پڑھنے کی کوشش کرے گا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ پروفیسر صاحب کی مذکورہ بالا کتاب پڑھ کر ہمارے جن بھائیوں کا دماغ تشویش کا شکار ہوا ہے

اُن کی تسلی وتشفی کا سامان اِس سے ان شاءاللہ! ضرور ہو جائے گا۔

ہم نے اپنی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے صرف اُنہیں اکابر علماء کی عبارات کا دفاع کیا ہے جو علمی دُنیا میں اپنا ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے ہیں اور اب وہ اِس جہانِ فانی سے رخصت بھی ہو چکے ہیں۔ اِن کے علاوہ جو دوسرے علماء ہیں اُن پر کام کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اِس لئے کہ جملہ عبارات اکابر کا احاطہ ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مؤقف بیان کرنا مقصود ہے، اس لئے سر دست صرف اکیس کبار علماء ہی کی عبارات کے دفاع پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

باقی رہے وہ کبار علماء جو ابھی بہ قید حیات ہیں جیسے مبلغ اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر طارق جمیل صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد سعید خان صاحب دامت برکاتہما تو اوّلاً تو عرض یہ ہے کہ بندہ نے ازخود ان دونوں حضرات سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے، مولانا طارق جمیل صاحب سے تو تاحال کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا، البتہ مفتی محمد سعید خان صاحب سے بندہ کی ایک دو نشستیں ہوئی ہیں اور حضرت مفتی صاحب نے اپنی عبارات کے جوابات دینے کا وعدہ بھی فرمایا ہے، لیکن دوبارہ تاحال حضرت مفتی صاحب سے بندہ کا کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ اب اِن شاء اللہ! اِن دونوں حضرات سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ اِن کی مبہم اور متنازعہ عبارات وتعبیرات کا تسلی بخش حل سامنے آسکے اور اُن کی مراد واضح ہو سکے۔ نیز اِس کے ساتھ ساتھ بندہ کی یہ کوشش بھی رہے گی کہ اگر یہ دونوں حضرات اپنی اپنی عبارات وتعبیرات کا جواب از خود ہی تحریر فرما دیں تو بہت ہی زیادہ مناسب اور کارآمد رہے گا کہ:

"تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں"

باقی رہے شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم تو اِس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بندہ نے اُن کی طرف پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے تمام اعتراضات فوٹوسٹیٹ کرا کے بھجوائے تھے جس کے جواب میں حضرت نے بندہ کو فون کر کے آگاہ فرمایا کہ میری سوائے ایک غلطی کے جو سہواً مجھ سے لاعلمی کی بنیاد پر صادر ہو گئی تھی اور بعد میں اُس پر میں نے معذرت نامہ بھی لکھ دیا تھا باقی تمام اعتراضات بے بنیاد اور خلافِ حقیقت ہیں۔ اِس لئے

مولانا اللہ وسایا صاحب پر بھی فی الحال کام کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ ہاں! پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت کے متعلق مطلوبہ مواد ہمیں فراہم کر کے دیں تو ہم حضرت سے رابطہ کر کے اُس کے بارے میں بھی تحقیق کر کے دے سکتے ہیں۔ **واللہ المستعان وعلیہ التکلان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ !.**

فقط والسلام:
ہیچ مداں محمد وقاص رفیعؔ
اسلام پور (واہ کینٹ)
۲۳ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جرنیل اسلام سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم

نام ونسب:

آپ رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی معاویہ رضی اللہ عنہ کنیت ابوعبدالرحمان، والد کا نام ابوسفیان رضی اللہ عنہ دادا کا نام حرب اور والدہ کا نام ہندؓ ہے۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے والد کی طرف سے آپؓ کا سلسلہ نسب یہ تحریر فرمایا ہے:

''معاویہ (رضی اللہ عنہ) بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی......الخ۔ [1]

ولادت باسعادت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال قبل ۶۰۸ء میں ہوئی ،ماں باپ نے اُس وقت کے عرب کے دستور کے مطابق مختلف علوم وفنون سے آپ رضی اللہ عنہ کو آراستہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

حلقہ بگوشِ اسلام:

مشہور قول کے مطابق ویسے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں عمرۃ

القضاء سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے، لیکن کچھ والدہؓ کے ڈر اور کچھ دیگر معقول اعذار کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا قبولِ اسلام مخفی رکھا، پھر عین فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد بزرگوار حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے ہم راہ واشگاف الفاظ میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام

لانے کا اعلان کیا۔ [1]

حسن صورت اور حسن سیرت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قدرتِ الٰہیہ نے جہاں ظاہری حسن صورت کے لحاظ سے گلابی رنگ، کتابی چہرہ، سروقد جاذب نظر، اور پُرکشش بانکپن جیسی خوب صورت شکل و وجاہت سے نواز رکھا تھا، تو وہیں حسن سیرت کے لحاظ سے بھی آپؓ کو اپنی خشیت وللّٰہیت، اطاعت پیمبری صلی اللہ علیہ وسلم، حلم و بردباری، عفو درگزر، عمدگیٔ اخلاق، بلندیٔ کردار، فقر و استغناء عاجزی وانکساری، ظرافت طبع اور سادگی جیسی عمدہ صفات اور اعلیٰ صلاحیتوں سے بھی وافر حصہ عطا فرما رکھا تھا۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور کتابت وحی:

چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ''کتابت وحی'' ایک نازک ترین مگر عظیم ترین کام تھا اور اس کے لئے جس احساسِ ذمہ داری، امانت داری و دیانت داری اور جس علم و فہم کی ضرورت تھی وہ تمام باتیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بوجہ اتم موجود تھیں، اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جانے کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دور شناس نے آپ رضی اللہ عنہ کی علمی پختگی اور عملی شیفتگی کو فوراً بھانپ لیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو ''وحی'' جیسے نازک مگر عظیم کام پر مامور فرما دیا، جسے نہایت عمدگی اور بہتر انداز میں آپ رضی اللہ عنہ سرانجام دیتے رہے، تا آں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار کاتبین وحی کے کبار اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہونے لگا۔

چنانچہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق کتابت وحی کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے زیادہ رہنے کا شرف پہلے نمبر پر اگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے تو دوسرے نمبر پر بلا شرکت غیرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔ [2]

[1] (جمهرة أنساب العرب لابن حزم : ١/١١١ ،ألناشر:دارالكتب العلمية ، بيروت) و(نسب قريش لمصعب ألزبيري : ١/١٢٦ ، ألناشر : دار المعارف ، ألقاهرة)

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے اپنے باہر اور دور دراز سے آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارات اور ان کے

۱؎ "حکيٰ ابن سعد أنه کان يقول : لقد أسلمت قبل عمرة القضية ولکني کنت أخاف أن أخرج اليٰ المدينة لأن أمي کانت تقول : ان خرجت قطعنا عنک القوت ." (ألاصابة في تمييز الصحابة : ۴۱۲/۳ ، ألناشر : دار الکتب العلمية ، بيروت)

۲؎ "وکان زيد بن الثابت من ألزم الناس لذلک ، ثم تلاه معاوية بعد الفتح ، فکانا ملازمين الکتابة بين يديه صلي الله عليه وسلم في الوحي وغيره ذلک ، لا عمل لهما غير ذلک ." (جوامع السيرة لابن حزم : ۲۷/۱ ، ألناشر : دار الکتب العلمية ، بيروت)

قیام وطعام کا انتظام واہتمام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرما رکھا تھا۔ ۱؎ اور مکہ مکرمہ سے آجانے کے بعد تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر اپنے آپ کو حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ۲؎

مختلف غزوات میں شرکت:

مکہ مکرمہ سے آجانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مستقل طور پر آنحضرت رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے لگ گئے تھے اور تمام غزوات بالخصوص غزوۂ حنین، غزوۂ طائف، غزوۂ یمامہ اور چھوٹی بڑی کئی گشتی اور جنگی مہموں میں شرکت فرمائی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مسلسل حاضری، کتابت وحی، امانت داری ودیانت داری اور دیگر صفات محمودہ سے متاثر ہو کر حضور نبی پاک ﷺ نے متعدد بار کئی مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں دُعائیں فرمائی۔

چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

" أللهم اجعله هاديا مهديا و اهد به ." ۳؎

ترجمہ:اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو(لوگوں کے لئے)''ہادی''(سیدھا راستہ دکھانے والا)اور''مہدی''(ہدایت یافتہ)بنادیجئے!اوراس کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت عطا فرمادیجئے!۔

۱؎ (تاریخ اسلام:۲/۷بحوالہ:سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ :ص۴۰،ناشر اشاعت المعارف، فیصل آباد)

۲؎ (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ :ص۴۰،ناشر اشاعت المعارف،فیصل آباد)

۳؎ (جامع الترمذي : ٦٨٧/٥ ، ألناشر : شركة مكتبة و مطبعة مصطفىٰ ألبابي ألحلبي) و (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير الجزري : ٤٧٤/٣ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (كنز العمال للمتقي الهندي : ٣٢٧/١٣ ألناشر : مؤسسة الرسالة) و (ألتاريخ الكبير للبخاري : ٣٢٧/٧ ، ألناشر: دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، ألدكن) و (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ٣١٠/٤ ، ألناشر : دار الكتب العلمية) و (مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي : ١٧٥٨/٣ ، ألناشر : ألمكتب الاسلامي ، بيروت) و (ألبداية والنهاية لابن كثير : ١٢٩/٨ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي) و (سير أعلام النبلاء للذهبي : ١٤٣/٧ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة) و (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء للأصبهاني: ٣٥٨/٨ ، ألناشر: ألسعادة ، بجوار محافظة مصر) و(ألمعجم الأوسط للامام الطبراني : ٢٠٥/١ ، ألناشر : دار الحرمين ، ألقاهرة)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

" أللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب ." ۱؎

ترجمہ:اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو حساب اور کتاب کا علم سکھلا دیجئے!اوراسے(جہنم کے)عذاب سے بچادیجئے!۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

" أللهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب ." ۲؎

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا دیجئے! اور اسے (جہنم کے) عذاب سے بچا دیجئے!۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

" أللهم املأه علماً ." [۳]

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کا سینہ (علم وحکمت سے) بھر دیجئے!۔

[۱] (صحيح ابن حبان : ١٩٢/١٦ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت) و (مسند أحمد : ٣٨٣/٢٨ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة) و (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي : ٣٥٦/٩ ، ألناشر : مكتبة القدسي ، ألقاهرة) و (كنز العمال في سنن الأقوال و الأفعال للمتقي ألهندي : ٥٨٨/١٣ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت) و (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ٣٠٩/٤ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت) و (ألاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر : ١٤٢٠/٣ ، ألناشر : دار الجيل ، بيروت) و (سير أعلام النبلاء للذهبي : ٣٢٢/١٨ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة) و(ألتاريخ الكبير للبخاري : ٣٢٧/٧ ، ألناشر: دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، ألدكن ، ألهند) و(ألبداية والنهاية لابن كثير : ٣٥٦١٢٩/٨ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان) و (موارد الظآن الیٰ زوائد ابن حبان للهيثمي : ٥٦٦/١ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۲] (مجمع الزوائد و منبع الفوائد للهيثمي : ٣٥٦/٩ ، ألناشر : مكتبة القدسي ، ألقاهرة) و (ألاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر : ١٦٤/٢ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و(سير أعلام النبلاء للذهبي : ١٤٣/٧ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة) و (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ٣٠٩/٤ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت)

[۳] (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ٣١٠/٤ ، ألناشر : دار

الكتاب العربي ، بيروت)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے اوّل ایام ہی میں آپ رضی اللہ عنہ روایت حدیث کی طرف متوجہ ہو گئے اور کئی ایک احادیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اپنی ہمشیرہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیں، جن کی تعداد علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ایک سو تئیس (۱۲۳) ہے۔ [1]

جہادِ شام کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو امیر لشکر بنا کر جب کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اِس لشکر کا علم بردار بنا کر روانہ فرمایا۔ [2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں:

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں جو علاقے رُومیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن کے ہاتھ سے چھین کر وہاں اسلامی شوکت وحشمت کا پھریرا لہرا دیا، نیز اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر "قلعہ عرفہ" کو فتح کیا جس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو اُردن کا گورنر مقرر فرما دیا۔ [3]

عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں پہلے بحری بیڑے کا قیام:

عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلا اسلامی بحری بیڑا ایجاد کیا، جو ۲۸ھ میں "بحیرۂ روم" میں اُترا، چنانچہ کچھ ہی دنوں بعد یورپ و افریقہ کی وسیع و عریض زمین پر اسلامی جھنڈا لہراتا ہوا نظر آنے لگا۔ [4]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد مرتضوی رضی اللہ عنہ میں:

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد

[1] (أعلام الاسلام : ص ٢٢٦)

۲ (محاضرات تاريخ الامم الاسلامية : ٤ / ٤٧١) "**قال البلاذري : فدفعه (أي اللواء) أبو بكر اليٰ يزيد بن أبي سفيان ، فسار به ومعاوية أخوه يحمله بين يديه .**" (فتوح البلدان للبلاذري : ١/ ١١٢ ، ألناشر : دار ومكتبة الهلال ، بيروت)

۳ (تاریخ ملت :۳/ ۸، بحوالہ: سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ :ص ۴۲، ناشر: اشاعت المعارف ،فیصل آباد)

۴ (سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ :۴۵، ۴۶، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

مقرر ہوئے، لیکن افسوس کہ آپ رضی اللہ عنہ کا انتخاب ایک انتہائی پرآشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، اور قصاصِ دم عثمان رضی اللہ عنہ کے حصول کے لئے آمادۂ بغاوت ہوگئے، یہاں تک کہ جنگ جمل کی صورت میں دونوں جماعتوں میں زبردست ٹکراؤ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے طرفین کی اکثریت خاک وخون میں لت پت ہوگئی۔ اس جنگ میں ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے، گوکہ اِس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا لشکر فاتح رہا، لیکن اِس کے باوجود اِن کے قصاصِ دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کی اہمیت بدستور باقی رہی، جسے بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لے کر اُٹھے، یہاں تک کہ جنگ صفّین کی صورت میں ایک اور لڑائی ہوئی، اِس لڑائی میں ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اِس لڑائی میں بھی متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کی شہادت ہوئی، جن میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہما حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے تھے اور اہل شام کے ہاتھوں شہید ہوئے، اور حضرت عبید اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ذوالکلاع رضی اللہ عنہ اور حضرت حوشب رضی اللہ عنہ وغیرہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے تھے اور اہل عراق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ ابتلاء وخلافت یعنی خلافت علویہ رضی اللہ عنہ کے قیام سے لے

کر آپ رضی اللہ عنہ کی وفات تک کے درمیانی ادوار میں جنگ جمل، جنگ صفین، تحکیم حکمین، مصالحت امام حسن رضی اللہ عنہ، استلحاقِ زیاد، اور یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لینے تک کی صورت میں پیش آنے والے مختلف حالات وواقعات کی مکمل تفصیلی روداد اور تحقیقی مباحث آگے ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ ابتلاء وخلافت علمائے اہل سنت والجماعت کی نظر میں'' کے عنوان کے تحت آ رہی ہیں۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

''جنگ صفّین'' کے بعد کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: ''جاؤ علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو! کیوں کہ وہ زیادہ جاننے والے ہیں۔'' اُس نے عرض کیا کہ: ''اِس بارے میں مجھے آپ کا جواب

[1] ملاحظہ فرمائیں کتاب ہذا کا صفحہ نمبر ۵۳۔ رفیع

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے زیادہ پسند ہے۔'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''تو نے بہت بری بات کہی، کیا تو ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم سے بھر دیا ہے؟'' اور اُس کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ''(اے علی رضی اللہ عنہ) تو میرے لئے ایسے ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے اُس کا حل تلاش کرتے۔''[1]

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کر رہے تھے کہ ایک شخص بولا: ''آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کر رہے ہیں، اگر اہل شام سن لیں تو......تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''مجھے اِس کی پرواہ نہیں۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ بے ساختہ رُونے لگے اور بار بار ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے رہے، اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ اندرونِ خانہ تشریف فرما تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ: ''آپ رضی اللہ عنہ اُن سے لڑتے بھی رہے اور اُن کے لئے رُو بھی رہے ہیں۔'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''تیرا بھلا ہو! تو نہیں جانتی کہ آج لوگ کس قدر علم وفضل اور فقہ سے محروم ہو گئے ہیں۔''[2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا کہ کچھ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر یا فاسق کہہ رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''وہ میرے بھائی ہیں ''کافر'' یا ''فاسق'' نہیں ہیں۔'' [۳] اور مزید وضاحت کے لئے ایک

[۱] '' عن أبي حازم قال : جاء رجل الي معاوية فسأله عن مسألة ، فقال : سل عنها عليّ بن أبي طالب ، فهو أعلم قال : يا أمير المؤمنين ! جوابک فيها أحب اليّ من جواب عليٍّ قال : بئس ماقلت ، لقد كرهت رجلاً كان رسول الله صلي الله عليه وسلم يغزره بالعلم غزراً ، ولقد قال له : '' أنت مني بمنزلة هارون من موسيٰ الا أنه لا نبيّ بعدي .'' وكان عمر اذا أشكل عليه شيٌ أخذه منه . '' أخرجه أحمد في المناقب : (ألرياض النضرة في مناقب العشرة للطبري : ١٦٢/٣ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[۲] ''عن جريربن عبد الحميد عن مغيرة قال: لما جاء قتل علي اليٰ معاوية جعل يبكي ويسترجع ، فقالت له امرأته: تبكي عليه وقد كنت تقاتله ، فقال لها : ويحک ! انک لاتدرين مافقد الناس من الفضل والفقه والعلم . (تاريخ دمشق لابن عساكر : ١٤٢/٥٩ ، ألناشر : دارالفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و (ألبداية والنهاية لابن كثير : ١٣٩/٨ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)

[۳] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ: ۱۶، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

فرمان جاری کیا، جس میں تحریر تھا کہ:

''ہمارے معاملہ کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہمارا اہل شام (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور اُن کا اللہ ایک، ہمارا اور اُن کا نبی ایک، ہمارا اور اُن کا اسلام ایک، اللہ و رسول کی تصدیق میں نہ ہم اپنے کو اُن سے زیادہ کہتے ہیں اور نہ وہ اپنے کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں، بلکہ معاملہ دونوں کا ایک ہی ہے، صرف دم عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم میں اور اُن میں اختلاف ہوا ہے اور ہم اِس (دم عثمان رضی اللہ عنہ) سے بری ہیں۔'' [1]

ایک موقع پر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

'' قتلانا وقتلاهم في الجنة .'' [2]

ترجمہ: ہمارے اوران (اہل شام) کے مقتولین جنتی ہیں!۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی رحلت کا وقت جب قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور اُن کو وصیت فرمائی کہ: ''بیٹا! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت قبول کرنے سے ہرگز نفرت نہ کرنا! ورنہ باہم کشت وخون ریزی دیکھو گے۔'' [3]

اِس قسم کی روایات کتب تاریخ میں بے شمار ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سبائیوں کی فتنہ سامانیوں کے سبب اِن بزرگوں میں اتفاقیہ طور پر جو رنجشیں، کشمکشیں، کشیدگیاں اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ اختلافِ بُعد پیدا ہو گیا تھا وہ جلد ہی دُور ہو گیا تھا اور اِن میں رشتے ناطے اور محبت واخوت کا سلسلہ (دوبارہ) شروع ہو گیا تھا۔ [4]

[1] '' ومن كتاب له عليه السلام كتبه الىٰ أهل الأمصار يقص فيه ماجرىٰ بينه و بين أهل صفين وكان بدء أمرنا أنا التقينا بالقوم من أهل الشام ، والظاهر أن ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا في الاسلام واحدة ولا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق برسوله ، ولايستزيدوننا ، والأمر واحد الا مااختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء .''(شرح نهج البلاغه لابن أبي الحديد: ۱۱/۱۷۵)

[2] (مصنف بن أبي شيبة : ۷/۵۵۲ ، ألناشر : مكتبة الرشد ، ألرياض)

۳؎ (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ: ص ۱۶، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)
۴؎ (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ: ص ۶۲، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت:

''معاہدۂ صلح'' کے کچھ ہی عرصہ بعد ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور آپؓ کی جگہ آپؓ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جانشین خلافت ہوگئے، تو شیعانِ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے پر آمادہ کیا اور زور دیا، تو اُس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا وصیت یاد آگئی کہ:

''بیٹا! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت قبول کرنے سے ہرگز نفرت نہ کرنا! ورنہ

باہم
کشت وخون ریزی دیکھوگے۔'' ۱؎

اس لئے آپ نے اُن سے فرمایا کہ:

''میرے والد ماجد مجھ سے فرما چکے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دِن خلیفہ ہوکر رہیں گے، خواہ ہم کتنی ہی بڑی فوج لے کر اُن کے مقابلے میں نکلیں، لیکن غالب وہی رہیں گے، کیوں کہ منشائے خداوندی کو ٹالا نہیں جاسکتا۔'' ۲؎

حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سبائیوں کو پسند نہ آئی، اور وہ آپ کے دُشمن ہوگئے، اور کھلم کھلا آپ رضی اللہ عنہ کو ''کافر'' اور ''**مذلل المؤمنین**'' (یعنی مؤمنوں کو ذلیل کرنے والے) کہنے لگے۔ ۳؎ یہاں تک کہ مدائن میں آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا، خیمہ لوٹا اور آپ رضی اللہ عنہ کو نیزوں سے مارا۔۴؎ یہ ناقابل برداشت اذیتیں اُٹھانے کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اب اپنے والد گرامی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلینا ہی بہتر ہے۔

چنانچہ آپ نے مشورہ کے لئے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور بڑے بہنوئی حضرت عبداللہ بن

۱؎ (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ: ص ۶۲ ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

؎۲ (ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء:۳/۲۸۳)

؎۳ "**ألسلام عليک يا مذل المؤمنين .**"(شرح نهج البلاغة لابن الحديد: ۲۰/۱۰ و ٦٧)

؎۴ "**حتي نازعوه بساطا كان جالسا عليه وطعنه بعضهم حين ركب طعنة أثبتوه و أشوته فكرههم الحسن كراهة شديدة وركب فدخل القصر الأبيض من المدائن فنزله وهو جريح.**"(ألبداية والنهاية لابن كثير : ۱٦/۸، دار احياء التراث العربي ، بيروت)

جعفر رضی اللہ عنہ کوطلب کیا،حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوقدرے اختلاف تھا،لیکن حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے صلح کرنے کی پرزُور موافقت کی۔

اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ ابھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا دل میں سوچا ہی تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے دِل میں آرزوئے صلح لئے بے چین وبے قرار ہورہے تھے،آپ رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا،اِس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی ''تحریک صلح'' اُن کے سامنے پیش کردی،اوراُس کے بعد
ایک سادہ کاغذ پراپنی مہرثبت فرما کرحضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ:''آپ جتنی شرطیں چاہیں اِس پرلکھ دیں مجھے منظور ہیں۔'' چنانچہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی شرطیں لکھ دیں جنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاکسی ترمیم کے منظور فرمالیا۔ ؎۱

اور اِس طرح حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے اپنی دلی رضاء ورغبت کے ساتھ منصب خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوسونپ دیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کواپنا خلیفہ تسلیم فرما کرخلافت جیسے عظیم منصب سے اپنے آپ کوعلیحدہ کردیا۔

بعض اصحاب کی خواہش ہوئی کہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اِس کا اعلان فرمادیتے توبہتر

تھا، چنانچہ حضرت حسن
مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے یہ خطبہ دیا:

''مسلمانو! میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی ہے اور اِن کو اپنا امیر
اور خلیفہ تسلیم کرلیا ہے، اگر امارت وخلافت اِن کا حق تھا تو اِن کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق
تھا تو میں
نے اُن کو بخش دیا۔''

اِس تقریر کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اپنے معاہدے کے مطابق پچاس لاکھ درہم نقد
اور ایک لاکھ درہم
سالانہ وظیفہ لے کر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور اِس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین
گوئی کہ:

ل ''**ولما رأي الحسن من أصحابه الفشل أرسل اليٰ عبد الله بن عامر بشرائط اشترطها عليٰ معاوية عليٰ أن يسلم له الخلافة . وكانت الشرائط : أن لا يأخذ أحداً من أهل العراق باحنة ، وأن يؤمن الأسود والأحمر ، ويحتمل ما يكون من هفواتهم ، ويجعل له خراج الأهواز مسلماً في كل عام ، ويحمل اليٰ أخيه الحسين بن علي في كل عام ألفي ألف ، ويفضل بني هاشم في العطاء والصلات عليٰ بني عبد شمس .**'' (أخبار الطوال للدينوري : ١/٢١٨ ، ألناشر : دار احياء الكتب العربي ، ألقاهرة)

'' **ان ابني هذا سيد . لعل الله أن يصلح به بين فئتين
عظيمتين من
المسلمين .**'' ل

ترجمہ: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعہ
مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

اب جا کر پوری ہوئی۔

فتوحاتِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک نظر:

۹ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''قیساریہ'' کو فتح کیا۔ ۲۷ھ میں بحری بیڑہ لے کر ''قبرص'' کی جانب بڑھے اور تاریخ اسلام کی پہلی بحری جنگ لڑی۔۲ ۲۸ھ میں قبرص کا عظیم الشان جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ ۳ ۳۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے ''قسطنطنیہ'' کے قریبی علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔ ۴ ۳۳ھ میں ''افرنطہ، ملطیہ اور رُوم'' کے کچھ قلعے فتح کئے۔ ۵ ۳۵ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ''غزوۂ ذی خشب'' پیش آیا۔۶ ۴۲ھ میں ''غزوۂ سجستان'' پیش آیا اور ''سندھ'' کا کچھ حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگین آیا۔۷ ۴۳ھ میں ''سوڈان'' کا ملک فتح ہوا اور ''سجستان'' کا مزید علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔۸ ۴۴ھ میں ''افغانستان'' کا مشہور شہر ''کابل'' فتح ہوا اور مسلمان ''ہندوستان''

۱ (صحیح البخاري : ۱۸٦/۳ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

۲ '' **فيها (أي في سنة سبع وعشرين) ركب معاوية بالجيش في البحر وغزا قبرص .** '' (ألعبر فی خبر من غبر للذهبي : ۲۱/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۳ '' **وقيل فيها غزوة قبرص .** '' (ألعبر فی خبر من غبر للذهبي : ۲۲/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۴ '' **فيها سار معاوية وتوغل في الروم فالتقي العدو بالقرب من القسطنطينية .** '' (ألعبر فی خبر من غبر للذهبي : ٤٤/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۵ '' **فيها غزا معاوية أفرنطية وملطية وحصن المرأة من أرض الروم .** '' (ألعبر فی خبر من غبر للذهبي : ۲٥/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

٦ '' **فيها غزوة ذي خشب وعليٰ الناس معاوية .** '' (ألعبر فی خبر من غبر للذهبي

: ٢٦/١ ، ألناشر : دار الكتب العلمية

بيروت ، لبنان)

ے " **فيها غزا عبد الرحمان بن سمرة سجستان، فافتتح زرنج وغيرها وسار راشد بن عمرو فشن الغارات و وغل**

في بلاد السند ."(ألعبر فى خبر من غبر للذهبي : ٣٦/١ ، ألناشر : دار الكتب

العلمية ، بيروت ، لبنان) =

میں ''قندابیل'' کے مقام تک پہنچ گئے۔ ۱؎ ۴۵ھ میں ''افریقہ'' پرلشکرکشی کی گئی اورایک بڑا حصہ مسلمانوں کے زیرنگین آیا۔ ۲؎ ۴۷ھ میں ''افریقہ'' کے مزید علاقوں میں غزوات جاری رہے۔ ۳؎ ۵۰/۵۱ھ میں ''غزوۂ قسطنطنیہ'' پیش آیا جہاں پہلی بار مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ ۴؎ ۵۴ھ میں مسلمان ''نہرجیحون'' کوعبورکرتے ہوئے ''بخارا'' تک پہنچے تھے اوربعض دوسرے علاقے بھی فتح کیے۔ ۵؎ اور ۵۶ھ میں ''غزوۂ سمرقند'' پیش آیا۔ ۶؎

وفات حسرت آیات:

۶۰ھ میں جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی عمرعزیز کی اٹھہتر ویں بہار سے گزر رہے تھے تو اچانک ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کی طبیعت کچھ ناسازسی ہوگئی اور پھر آئے دن خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی، تا آں کہ دمشق کے مقام پر مؤرخہ ۲۲ رجب المرجب ۶۰ھ میں اسی مرض کی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ نے ''داعیٔ اجل'' کو لبیک کہا اور اس طرح علم وحلم، زہد وتقویٰ اور تدبر وسیاست کا یہ آفتابِ جہان تاب اور ماہتابِ عالم تاب عالم دُنیا کے اُفق میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

" **انالله وانا اليه راجعون** ."

= ۸؎" **فيها فتحت الرخج من أرض سجستان وافتتح عقبة بن نافع كوراً من بلاد السودان** ."(ألعبر في خبر من غبر

للذهبي : ٣٧/١ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

١ " **فيها افتتح عبد الرحمان بن سمرة مدينة كابل . وفيها غزا ألمهلب بن أبي صفرة في أرض الهند و وصل اليٰ قندابيل فالتقي العدو فهزمهم .**"(العبر فی خبر من غبر للذهبي : ١/ ٣٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

٢ " **فيها معاوية بن خديج افريقية .**" (ألعبر فی خبر من غبر للذهبي : ١/ ٣٨ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

٣ " **وغزا رويفع بن ثابت الأنصاري أمير أطرابلس الغرب أفريقية .** " (ألعبر في خبر من غبر للذهبي : ١/ ٣٩ ،

ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

٤ " **فيها غزا يزيد بن معاوية ألقسطنطينية وقيل في سنة احديٰ .**" (العبر فی خبر من غبر للذهبي : ١/ ٤٠ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

٥ " **فيها غزاعبيد الله بن زياد فقطع نهرجيحون اليٰ بخاري وافتتح بعض البلاد.**"(العبر فی خبر من غبر للذهبي :

١/ ٤٣ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

٦ " **وفيها استعمل معاوية سعيد بن عثمان بن عفان عليٰ خراسان فغزا سمر قند.**" (ألعبر فی خبر من غبر للذهبي :

١/ ٤٤ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور ''باب الصغیر''
دمشق میں آپ رضی اللہ عنہ کو محو
استراحت کردیا گیا۔ ١

١ " **صلي عليه ضحاک بن قيس ودفن بمقابر باب الصغير .**" (ألبداية والنهاية

لابن كثير (بتغير يسير) : ١٥٢/٨
١٥٣، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ ابتلاء وخلافت
علمائے اہل سنت والجماعت کی نظر میں

تمہید:

اصل کتاب اور نفس مضمون کے شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر انتہائی مختصر اور جامع مانع انداز میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ ابتلاء (یعنی خلیفہ بننے سے پہلے کے دور) اور ''دورِ خلافت'' (یعنی خلیفہ بننے کے بعد کے دور) میں رُونما ہونے والے حالات وواقعات کے متعلق اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کا مسلک پیش کر دیا جائے تا کہ اپنا مسلک معلوم ہونے کے بعد اصل مضمون کے سمجھنے میں آسانی واقع ہو سکے اور افراط وتفریط اور زیغ وضلال سے حفاظت کا سامان ہو سکے۔ **فأقول وبالله التوفيق :**

خلافت عثمانی کا زوال:

خلیفہ سوم سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں جو اختلافات کھڑے کئے گئے تھے، اُن کا بنیادی مقصد اسلامی شیرازہ کو بکھیرنا اور اُس کی مرکزی قوت کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ اُس وقت کے فسادی الفطرت شریر لوگوں (جو بعد میں جا کر ''سبائی'' اور ''خوارج'' کے نام سے مشہور ہوئے) نے بظاہر یہ بہانا سامنے رکھ رکھا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارندوں اور اُن کے حکام نے اسلامی احکامات کو ترک کر رکھا ہے، اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جبر واستبداد کا نظام اپنا رکھا ہے، سو اب جب کہ خلیفہ وقت اِن مسائل کے حل کرنے میں ناکام اور بے بس ہیں تو اُنہیں ''منصب خلافت'' خود ہی چھوڑ دینا چاہیے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُن کے دام میں نہ آئے، اور

اُن کا مطالبہ نہ مانا، وہ لوگ مختلف علاقہ جات سے آ کر مدینہ منورہ میں ایک جگہ مجتمع ہوئے اور اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اِس صورتِ حال کا علم ہوا تو اُنہوں نے والی شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور والی بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور والی کوفہ کو مدینہ منورہ کے اِن ابتر حالات سے خبردار کیا اور مفسدین کی مدافعت اور مدینہ منورہ سے اُن کے اخراج کے لئے فوجی دستے طلب کئے۔

اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے حضرت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، یزید بن اسد قشیری رضی اللہ عنہ نے بھی ایک دستہ ارسال کیا اور اہل کوفہ و بصرہ نے بھی حفاظتی دستے مدینہ منورہ کی طرف بھیجے، لیکن جب مدینہ منورہ میں مفسدین کو امدادی لشکروں کے آنے کی خبر ملی تو اُنہوں نے محاصرہ تنگ کر دیا اور امدادی لشکروں کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی اُنہوں نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت:

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین وانصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تو اُن کی دیکھا دیکھی میں باغی بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر آمادہ ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چوں کہ اُن لوگوں سے دل برداشتہ اور ناخوش تھے، اِس لئے اُنہوں نے برسرِعام اُن کی بیعت لینے سے انکار کر دیا، لیکن جب صورت حال اور زیادہ پیچیدہ ہوگئی، اور مسلمانوں میں عام خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہو گیا، تو حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اُن لوگوں کی بیعت قبول کر لی۔

شہادت عثمانی رضی اللہ عنہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اثرات:

مکہ، بصرہ اور شام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب اِس صورت حال کا علم ہوا کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کیا، وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شامل ہیں، تو وہ بہت زیادہ پریشانِ خاطر ہوئے اور قصاصِ دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے کو تاخیر میں ڈالنے کی وجہ سے بہت زیادہ مضطرب ہوئے، حتیٰ کہ نزاکت حالات کے پیش نظر اُنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کرنے کے سلسلہ میں تاخیر کی اور اِس موقع پر بیعت میں شامل نہیں

ہوئے۔

اصل میں اِن حضرات کے سامنے بھی یہی رائے تھی کہ قصاصِ دم عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی بہتر صورت پیدا کر کے پہلے اِس مسئلے کو حل کیا جائے اور بعد میں بیعت لی جائے، اس لئے کہ قصاصِ دم عثمان رضی اللہ عنہ کے اِس مسئلے کو تاخیر میں ڈالنا موجب فساد بھی ہے اور کئی خرابیوں کا باعث بھی۔

اہل مدینہ نے جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اُس کے بعد جلد ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بعض اُمہات المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن وغیرہن پہلے ہی حج کے موقع پر وہاں تشریف لے گئی ہوئی تھیں۔ پھر ان حضرات کے وہاں ''شہادتِ عثمانی رضی اللہ عنہ'' کے قصاص کے مسئلہ میں مذاکرات ہوئے اور دیگر اکابرین کے ساتھ بھی اِس مسئلہ پر گفتگو ہوئی، آخر کار اِن حضرات

نے بصرہ کی طرف سفر اختیار کیا اور وہاں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا۔

اہل شام کی طرف شہادت عثمانی رضی اللہ عنہ کی اطلاع:

شہادت عثمانی رضی اللہ عنہ کے اس اندوہ ناک واقعہ کے اثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ پر بجلی بن کر گرے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دیگر شامی صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعینؒ نے بھی قصاصِ دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کا اظہار کرنا شروع کر دیا، اِن حضرات کی بھی یہی رائے ہوئی کہ حضرت قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے قصاصِ دم عثمان رضی اللہ عنہ لیا جائے پھر اُس کے بعد بیعت خلافت لی جائے، اِس صورت کے بغیر ہمارا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت تسلیم کر لینا مشکل ہے۔

عمالِ عثمانی رضی اللہ عنہ کی معزولی:

عنانِ خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ عمالِ عثمانی رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اُن کی جگہ نئے عمال کا تقرر کیا جائے، کیوں کہ عثمانی عمال ''تحریک قصاص'' سے متاثر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطمئن نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت

علی رضی اللہ عنہ کومشورہ دیا کہ ابھی حالات انتہائی نازک ہیں،اس لئے عمالِ عثمانی رضی اللہ عنہ کوابھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے،بعد میں حالات کے مطابق جوتبدیلی چاہے عمل میں لائی جائے [۱] لیکن حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نےحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اِس رائے کوقبول نہیں فرمایااور حضرت عثمانِ
غنی رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ عمال کواپنے اپنے مناصب سے معزول کردیااوراُن کی جگہ اپنے عمال مقررکردیئے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے مصر،شام،بصرہ اورکوفہ وغیرہ علاقہ جات سے عمالِ عثمانی رضی اللہ عنہ کومعزول کرکے اُن کی طرف اپنے کئی عمال روانہ کیے،لیکن وہاں کے لوگوں سے اِن کے سخت معارضے پیش آئے اورمخالفتیں بھی سامنے آئیں،اورقصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کامطالبہ بھی ہرجگہ سنا گیا،بلکہ یہ بات روز بروزشدت اختیار

[۱] **"ثم ان ابن عباس رضي الله عنهما أشارعليٰ عليٍّ باستمرار نوابه في البلاد اليٰ أن يتمكن الأمر وأن يقر معاوية خصوصاً عليٰ الشام ."** (ألبداية والنهاية لابن كثير : ۲۵۵/۷ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

کرتی گئی،اورحالات سدھرنے کے بجائے اُلٹامزید بگڑتے گئے۔

جب حالات کسی بھی طرح نہ سدھرے توجمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے پردوفریقوں حضرت علی رضی اللہ عنہ اورحضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان''جنگ جمل''کامشہورواقعہ پیش آیا،جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ غالب ہوئے اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کالشکرمغلوب ہوا
اورحضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اورحضرت زبیر رضی اللہ عنہ اِس جنگ میں شہید ہوئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگ جمل کے حالات وواقعات جب ملک شام پہنچے تواس

موقع پر اہلِ شام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کے لئے آمادہ کیا اور اس مطالبے پر اُن کو اپنا امیر بنا کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ بیعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے نہیں، بلکہ صرف قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کی طلب کے لئے تھی۔ [1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُنہیں سمجھانے کے لئے سفیر بھیجے مگر وہ بیعت پر آمادہ نہ ہوئے، آخر خلافت اسلامیہ کو دو ٹکڑے ہونے سے بچانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لشکر تیار کیا۔

اُدھر قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کی طلب لئے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر محرم ۳۷ھ میں بلادِ شام کے مشرقی جانب ''صفّین'' نامی ایک مقام پر آوارد ہوا اور اِدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شام کی مشرقی سرحد کے قریب آ پہنچے اور دونوں
فریق اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ مجتمع ہو گئے۔

اہلِ شام کا مؤقف:

فریق اوّل (اہلِ شام) کا مؤقف یہ تھا کہ ہمارا مطالبہ صرف قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے خلافت کے بارے میں ہمارا کوئی نزاع نہیں، چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود ہیں، لہٰذا اُن سے قصاص لیا جائے، نیز جب تک قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہیں اور اُن کو شرعی سزا نہیں دی جاتی، اُس وقت تک ہم بیعت نہیں کر سکتے، یا بصورتِ دیگر قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے

[1] ''عن ابن شهاب الزهري قال: لما بلغ معاوية رضي الله عنه وأهل الشام قتل طلحة والزبير رضي الله عنهما و هزيمة أهل البصرة وظهور علي رضي الله عنه عليهم دعا أهل الشام معاوية رضي الله عنه للقتال معه علي الشوريٰ والطلب بدم عثمان رضي الله عنه فبايع معاوية رضي الله عنه أهل الشام علي ذلک أميرا غير خليفة.'' (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۵۹/۱۲۶، ألناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

حوالے کر دیا جائے تا کہ ہم خود اُن سے دمِ عثمان کا قصاص لے سکیں۔ [1]

اہلِ عراق کا مؤقف:

جب کہ فریق ثانی (اہلِ عراق) کا مؤقف یہ تھا کہ پہلے خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، اور اُس کے بعد قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ پیش کیا جائے، پھر اِس کے بعد اِس کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا، نیز جب مہاجرین وانصار نے خلیفہ وقت یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کرلی ہے، تو اہلِ شام کو بھی چاہیے کہ وہ بھی خلیفہ وقت کی بیعت کریں، اگر وہ یہ صورت اختیار نہیں کریں گے تو وہ لوگ ہمارے نزدیک ''باغی'' کہلائیں گے اور ہمارا اُن سے قتال کرنا ضروری ہوگا۔ ؎۲

؎۱ " **وحجة معاوية ومن معه ما وقع معه من قتل عثمان مظلوماً و وجود قتله نأعيانهم في العسكر العراقي .**"(فتح الباری شرح صحيح البخاری لابن حجر العسقلاني : ۲۸۸/۱۳ ألناشر : دار المعرفة ، بيروت)

" **فلما بويع له طلب أهل الشام في شرط البيعة التمكن من قتلة عثمان وأخذ القود منهم ، فقال لهم عليٌّ : أدخلوا في البيعة واطلبوا الحق تصلوا اليه .**" **فقالوا : لا تستحق بيعة وقتلة عثمان معک تراهم صباحاً ومساءً .**"(ألجامع لأحكام القرآن ألمعروف بتفسير القرطبي : ۳۱۸/۱۶ ، ألناشر : دار الكتب المصرية ، ألقاهرة)

؎۲ " **وبعثه وكتب معه كتاباً اليٰ معاوية يعلمه باجتماع المهاجرين والأنصار عليٰ بيعته ويخبره بما كان فى وقعة الجمل ويدعوه اليٰ الدخول فيما دخل فيه الناس .**" (ألبداية والنهاية : ۲۸۲/۷ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي)

" **وكان عليٌّ يقول : أدخل في البيعة وأحضر مجلس الحكم وأطلب الحق تبلغه .**" (شرح الترمذي

لابن العربي ألمالكي : ٢٢٩/١٣)

" فقال لهم علي رضي الله عنه : أدخلوا في البيعة و أطلب الحق تصلوا اليه ."(ألجامع لأحكام القرآن ألمعروف بتفسير القرطبي : ٣١٨/١٦ ، ألناشر : دار الكتب المصرية ، ألقاهرة)

" و كان رأي عليٍّ رضي الله عنه أنهم يدخلون في الطاعة ثم يقوم وليُّ دم عثمان رضي الله عنه فيدعي به عنده ثم يعمل معه مايوجبه حكم الشريعة المطهرة ." (الاصابه فى معرفة الصحابه: ٤٦٦/٤ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

" اذ حجة عليٍّ ومن معه ما شرع لهم من قتال أهل البغي حتي يرجعوا اليٰ الحق ."(فتح البارى شرح صحيح البخارى: ٢٨٨/١٣، ألناشر :دار المعرفة ، بيروت) و (كتاب التمهيد لابى شكور السالمي : ص ١٦٦، ١٦٧ ألناشر : حزب الأحناف ، لاهور)

رنگ میں بھنگ یعنی فریقین کے درمیان مساعیٔ صلح میں فسادیوں کا کردار:

ہر چند کہ اس موقع پر بعض اکابر نے دونوں فریقوں کے درمیان رفعِ نزاع اور صلح کی مساعی کیں، لیکن اِن مخلصین حضرات کے علاوہ عوامی قسم کے بہت سے شریر عناصر بھی یہاں موجود تھے جو اپنی جبلتی شر پسندی اور فطرتی فساد انگیزی کے سبب فریقین کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے بجائے اُلٹا اُن میں بدظنی پھیلانے، اُنہیں ایک دوسرے سے دُور کرنے اور معاملہ سلجھانے کے بجائے مزید اُلجھا دینے اور صلح کے بجائے قتال قائم رکھنے پر مصر ہوئے، اِس لئے اِن مخلصین کی طویل جدوجہد کے بعد بھی کوئی مابہ الاتفاق ایسی چیز سامنے نہ آسکی کہ جس پر نزاع ختم ہوسکتا، اور فریقین اپنے اپنے موقف سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے اور حالات میں روز بروز شدت بڑھتی چلی گئی۔

چنانچہ لڑائی شروع ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا اور فریقین کے ہزاروں آدمی قتل ہو گئے ،حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ ما کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے ،جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے حضرت عبیداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ذوالکلاع رضی اللہ عنہ اور حضرت
حوشب رضی اللہ عنہ وغیرہم حضرات شہید ہوئے ،باقی مقتولین کی صحیح تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں ۔[1]

تحکیم الحکمین :

اس موقع پر اہل شام کی طرف سے قتال ختم کرنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ اللہ کی کتاب کا فیصلہ فریقین کو تسلیم کر لینا چاہیے'' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باہمی مصالحت کی اس دعوت کو قبول فرمایا،اور کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے ،اور لڑائی بند کر دی گئی ،اور طے یہ ہوا کہ ہر ایک فریق کی
طرف سے ایک ایک حکم (ثالث) اس مسئلہ کے فیصلہ کے لئے مقرر کیا جائے ۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حکم منتخب ہوئے اور حضرت معاویہ

[1] ''وكان ممن قتل مع معاوية ذو كلاع وحوشب و عبيد الله بن عمر بن الخطاب وعمرو بن الحضرمي وحابس بن سعد الطائي وعروة بن داؤد الدمشقي في جماعة كثيرة . وقتل من أصحاب عليٍّ عمار بن ياسر وهاشم بن عتبة بن أبي وقاص وعبد الله بن بديل بن ورقاء ألخزاعي وعبد الله بن كعب المرادي وعبد الرحمان بن كلدة
الجمحي في جماعة كثيرة .''

(تاريخ خليفة بن خياط : ١٩٤/١ ، ألناشر : دار القلم ، مؤسسة الرسالة ، دمشق ، بيروت)

رضی اللہ عنہ کی جانب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ثالث تسلیم کئے گئے اور طے یہ ہوا کہ کتاب اللہ کی رُوشنی میں یہ دونوں حضرات جو فیصلہ کریں گے وہ منظور کرلیا جائے گا، لیکن آخر کار یہ دونوں فیصل حضرات کسی ایک چیز پر متفق نہ ہوسکے اس
بناء پر لوگوں میں افتراق وانتشار مزید بڑھ گیا۔

واقعۂ تحکیم کے بعد اہل شام نے شام کی حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ماہِ ذی قعدہ ۳۷ھ میں اپنے لئے اہل شام سے امارت کی بیعت لے لی۔ (یہ بیعت ''بیعت امارت'' تھی ''بیعت
خلافت'' نہیں تھی۔) [۱]

تحکیم میں ناکامی کے واقعہ سے لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ۴۰ھ تک کے درمیانی دور میں فریقین کے عمال اور فوجی قائدین کے درمیان جو تصادم اور تعارض کے مختلف واقعات پیش آئے اُن کی حیثیت مقامی اور وقتی جھڑپوں سے زیادہ نہیں، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اس دور میں کوئی بڑا
معرکہ برپا نہیں ہوا۔

چنانچہ ۳۸ھ اور ۳۹ھ کے درمیان دونوں گروہوں کے مابین مختلف علاقہ جات میں معارضات کے متعدد واقعات پیش آئے جن کے اسباب وعلل جو کچھ بھی ہوں ان کی تفصیلات ذکر کرنا مطلوب نہیں، تاہم اتنا ذکر کردینا
لازمی ہے کہ ان حالات میں ایک قسم کی اضطرابی کیفیت تھی اور ملک میں باہمی انتشار کا دورِ دورہ تھا۔

اندریں حالات دونوں فریقین کے درمیان حرب وضرب کے سلسلے کو ختم کرنے کے لئے مراسلت ومکاتبت
ہوئی جس کے نتیجہ میں ۴۰ھ کے وسط میں بین الفریقین صلح ہوگئی اور یہ صلح درجِ ذیل شرائط پر مشتمل تھی:

۱- عراق کا ملک اور اُس کے ملحقات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم کے تحت ہوں

گے۔

۲- ملک شام اور اُس کے ملحقات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ہوں گے۔

۳- کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا۔

۴- ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال سے گریز کریں گے، اور کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا
فریق اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔ ۲

۱ ” وبايع أهل الشام لمعاوية بالخلافة في ذي القعدة سنة سبع وثلاثين .“
(تاريخ خليفة بن خياط : ١٩٢/١ ،
ألناشر : دار القلم ، مؤسسة الرسالة ، دمشق ، بيروت)

۲ ” وفي هذه السنة فيما ذكر جرت بين عليّ وبين معاوية المهادنة بعد مكاتبات جرت بينهما يطول بذكرها =

جنگ جمل و صفّین کے فریقین کی صحیح حیثیت:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جو جنگیں لڑیں وہ کسی سیاسی اختلاف کی بناء پر اقتدار کے حصول کی خاطر نہیں تھیں بلکہ تحفظ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر تھیں اور دونوں فریقوں کا مؤقف اس بارے میں دیانت دارانہ اور مبنی پر اجتہاد تھا۔ چنانچہ ہر ایک فریق دوسرے کو رائے اور اجتہاد میں غلطی پر ضرور سمجھتا تھا لیکن کسی کو فاسق قرار نہیں دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ شاید دُنیا کی تاریخ میں یہ ایک دو ہی جنگیں ایسی ہوں کہ جن میں دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے
لوگ دوسرے لشکر میں جا کر اُن کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ ۱

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: ”کیا اہل بغاوت (جمل و صفّین والے) مشرک ہیں؟“ تو آپؓ نے فرمایا کہ: ”یہ لوگ تو شرک سے بھاگ کر اسلام کی طرف

آئے ہیں، یہ کیسے مشرک ہوسکتے ہیں؟۔" پوچھا گیا کہ:" پھر یہ لوگ منافق ہیں؟۔" تو آپؓ نے فرمایا کہ:" منافق لوگ تو اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں" (اور یہ لوگ تو بہت کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں) پھر پوچھا گیا کہ:" آخر اِن کا کیا حکم ہے اور یہ کس درجہ کے لوگ ہیں؟۔" تو آپؓ نے فرمایا کہ:" یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔"۲؎

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے اِس فرمان سے معلوم ہوا کہ:

= الکتاب علي وضع الحرب بینهما ویکون لعليّ العراق ، ولمعاویة الشام فلا یدخل أحدهما عليٰ صاحبه في

عمله بجیش ولا غارة ولا غزوة ." (تاریخ طبری: ۵/ ۱۴۰ ، ألناشر :۔ دار التراث ، بیروت)

" وأمسک کل واحد منهما عن قتال الأخر و بعث الجیوش اليٰ بلاده واستقرالأمر علي ذلک ."

(کتاب التمهید لأبي الشکور السالمي : ۱۶۹ ، ألناشر : حزب الأحناف ، لاهور)

۱؎ **"وکانوا اذا تحاجزوا دخل هٰٓؤلآء في عسکر هٰٓؤلآء وهٰٓؤلآء في عسکر هٰٓؤلآء فیستخرجون قتلاهم فیدفنونهم ."**

(ألبدایة والنهایة : ۷/ ۳۰۸ ، ألناشر : دار احیاء التراث العربي)

۲؎ **" سئل عليٌّ بن أبي طالب (رضي الله عنه) وهو القدوة عن قتال أهل البغي من أهل الجمل وصفین أمشرکون هم ؟ قال : لا ، من الشرک فروا . فقیل : أمنافقون ؟. قال : لا ، لأن المنافقین لا یذکرون الله الا قلیلاً ، قیل له : فما حالهم ؟. قال : اخواننا بغوا علینا .**" (ألجامع لأحکام القرآن ألمعروف بتفسیر القرطبي : ۱۶/ ۳۲۳ ، ۳۲۴ ،

ألناشر : دار الکتب المصریة ، ألقاهرة)

" اخواننا بغوا علینا ." ۱؎

ترجمہ: ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔

میں ''اخوت'' سے اسلامی بھائی چارگی اور دینی اخوت مراد ہے اور ''بغاوت'' سے لغوی اور عرفی بغاوت مراد نہیں جو شرعی خلیفہ کی اطاعت نہ کرنے اور کسی علاقے پر قابض ہو جانے، سرکشی، مار دھاڑ اور ظلم و ستم کو مستلزم ہوتی ہے، بلکہ اِس سے فقہی احکام کے اعتبار سے اصطلاحی بغاوت مراد ہے۔

چناں چہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت نہایت مضبوط سے منعقد ہو چکی تھی اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلا شبہ غلط تھا اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''بغاوت'' کے ذیل میں آتا تھا جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہِ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا، لیکن چوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر مبنی سہی لیکن دیانت دارانہ تھے اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل ''اجتہادی غلطی'' کے ذیل میں آتا ہے، اسی لئے ان پر طعن کرنا جائز نہیں۔''

جنگ صفّین میں فریقین میں سے حق پر کون تھا؟

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس مسئلے کو وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک جنگ صفّین میں فریقین میں سے حق پر کون تھا؟ تو اس بارے میں علمائے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اس جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی صادر ہوئی تھی، لیکن اس کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا یا آپ رضی اللہ عنہ کو فاسق و فاجر کہنا جائز نہیں، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کو اس جنگ میں مخلص اور نیک سمجھنا اور آپ رضی اللہ عنہ کے مقام صحابیت کا پورا پورا احترام بجالانا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ

ل (ألجامع لأحكام القرآن ألمعروف بتفسير القرطبي: ۱۶/۳۲۳، ۳۲۴،

ألناشر : دار الكتب المصرية ، ألقاهرة)

۲ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق :ص۲۶۲، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

واجب ہے، البتہ آپؓ کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شبہ اور تاویل میں لغزش کی بناء پر آپؓ سے اس بارے میں خطائے اجتہادی صادر ہوئی تھی جو نوع کے لحاظ سے خروج تھا، جب کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس بارے

میں مجتہد مصیب ہونے کے سبب حق پر اور نوع کے لحاظ سے شرعی خلیفہ تھے۔

اِس میں شک نہیں کہ اجتہادی اُمور میں قطعی اور یقینی طور پر کسی بھی ایک فریق کو مجتہد مخطی یا مجتہد مصیب نہیں کہا جا سکتا کہ اصل حقیقت حال کی اطلاع تو شارع کے علاوہ کسی کو بھی نہیں ہو سکتی، تاہم اگر شارع کی طرف سے کسی ایک فریق کے بارے میں خطائے اجتہادی یا خطائے غیر اجتہادی کا تعین کر دیا جائے تو اُس صورت میں قطعی اور یقینی

طور پر اُس فریق کو مجتہد مخطی یا مجتہد مصیب کہا جا سکتا ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ اسی نوعیت کا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

" تقتلك ألفئة الباغية ." [۱]

ترجمہ: تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔

اور اِس بات پر تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک افسر حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ جنگ صفّین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب اور حق پر تھے اور ان کے مدمقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مخطی اور غلطی پر تھے اور خلیفہ برحق کے خلاف دُنیوی احکام کے اعتبار سے بغاوت کر رہے تھے۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

’’یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ جن لوگوں (علماء) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے ’’باغی‘‘ یا ’’امام جائر‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے، اُن کی مراد بھی خود اُن کی تصریح کے مطابق صرف یہی ہے کہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح سے قبل نفس الامر کے اعتبار سے برسرِ حق نہ تھے،
ورنہ چوں کہ اُن کی یہ ’’بغاوت‘‘ تاویل کے ساتھ تھی اس لئے وہ مجتہد مخطی تھے۔ ملاحظہ فرمائیے! :(فتح القدير : ٥/٤٦١) و (ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء : ١/٧)
و (تطهير الجنان بهامش الصواعق : ٤٠ ۔‘‘ [2]

[1] (صحيح المسلم : ٤/٢٢٣٦ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)
[2] (حاشیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق :ص ۱۵۱، ناشر : مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

باہمی مصالحت اور معاہدۂ جنگ بندی:

۴۰ھ جب ’’اہل عراق‘‘ اور ’’اہل شام‘‘ کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا اور دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہو گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان قیام امن کے یہ حالات دُشمنانِ اسلام کو کسی بھی طرح گوارا نہ ہوئے، اُنہوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان آپس میں لڑنے کے بجائے ایک دوسرے کے قریب ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کے حالات اب کشیدگی سے امن کی طرف سفر کرنے لگ گئے ہیں تو اُنہوں نے اسی سال رمضان ۴۰ھ میں ایک خاص منصوبہ کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کروائے
اور اسلام سے اپنے بغض وعداوت کا پورا ثبوت دیا۔

شہادت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

چنانچہ تین خارجی اکٹھے ہوئے: (۱) ابن ملجم (۲) برک بن عبداللہ تمیمی (۳) عمرو بن

بکر تمیمی۔ابن ملجم نے کہا:''علی رضی اللہ عنہ کوختم کرنے کی ذمہ داری میں لیتاہوں۔''برک نے کہا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ کا صفایا کرنامیرے ذمہ ہے۔''عمر
بن بکرنے کہا:''عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کومیں دیکھ لوں گا۔''

چنانچہ ابن ملجم کوفہ پہنچ گیااورشب جمعہ مؤرخہ ۱۷رمضان المبارک کواُس دروازے کے چھجے کے نیچے آکر بیٹھ گیاجس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کے لئے نکلا کرتے تھے،جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کے لئے اس دروازے سے نکلے تو ابن ملجم نے آپؓ کے سر کے اگلے حصے پر وار کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ اس کوپکڑو!ابن ملجم پکڑا گیا،اِس کے بعد آپؓ نے فرمایا:''اگر میں مرجاؤں تو اس کوقتل کردینااوراگرزندہ رہ گیاتومجھے معلوم ہے کہ اس کے ساتھ کیاکرنا چاہیے۔'' [1] لیکن حضرت علی اس بیماری سے جانبر نہ ہوسکےاور ۱۷رمضان المبارک ۴۰ھ کوصبح صادق کے وقت جمعہ
کے روزتریسٹھ برس کی عمرمیں سفرآخرت اختیارکرگئے۔

[1] ''فأما ابن ملجم فسار الیٰ الکوفة فدخلها و جلس لیلة الجمعة لسبع عشرة لیلة خلت مقابل السدة التي یخرج منها عليؓ،فلما خرج عليؓ ضربه ابن ملجم بالسیف عليٰ قرنه،فسال دمه عليٰ لحیته رضي الله عنه و نادیٰ :علیکم به ، ومسک ابن ملجم ، ثم قال عليؓ: ان مت فاقتلوه و ان عشت فأنا أعلم کیف أصنع به .''(ألبدایة و النهایة لابن کثیر:۳۶۲/۷ ، (بحذف و اختصار) ألناشر : دار احیاء التراث العربي ، بیروت ، لبنان)و (ألکامل في التاریخ لابن أثیر : ۷۴۰/۲ ، دار الکتاب العربي ، بیروت ، لبنان) و (تاریخ ابن خلدون : ۶۴۶/۲ ، ألناشر : دار الفکر ، بیروت)

حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعداہل عراق نے جلد ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت خلافت کرلی،کچھ قلیل عرصہ تک تو حالات حسب معمول پرسکون رہے،لیکن چندماہ بعد

بعض امراء اور اہل جیش نے آپؓ کو اہل شام
کے ساتھ قتال پر آمادہ کرنا چاہا تھا، لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ قتال بین المسلمین کو پسند نہیں فرماتے تھے
۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں اُن کے سامنے صلح کی تجویز رکھی اور چند شرطیں رکھیں کہ اگر وہ اِس کو قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو جائیں گے اور مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپؓ کی تمام شرطیں کھلے دل سے قبول فرمائیں اور اُن کا پوری طرح ایفاء کیا، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے امر خلافت آپؓ کے سپرد کر دیا اور خود خلافت جیسے عظیم مگر انتہائی نازک عہدے سے علیحدہ ہو گئے، اس بناء پر اس سال ''عام الجماعت'' کہا جاتا ہے۔ [۱]

عام الجماعت:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اس صلح کی اہل اسلام کے نزدیک بڑی اہمیت ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے جہاں ایک بہت بڑے انتشار بین المسلمین کا خاتمہ ہوا تو وہیں اتفاق بین المسلمین کا دورِ دورہ بھی شروع ہو گیا اور تمام اہل اسلام ایک بار پھر ایک کلمہ پر مجتمع ہو گئے۔ [۲] اور اُنھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا متفقہ
امیر اور خلیفہ تسلیم کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور فرقت کے بعد دوبارہ ایک مرکز پر متفق ہو گئے۔ [۳]

مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کی صحت وحقانیت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان یہ مصالحت حضور نبی اکرم ﷺ کی اس پیشین گوئی:

''ان ابني هذا سيد و لعل الله أن يصلح به بين
فئتين

۱"**وصالح الحسن بن عليٍّ معاوية بن أبي سفيان وسلم له الأمر وبايعه الناس جميعاً فسمي عام الجماعة .**"(تاريخ

دمشق لابن عساكر : ۱۱۹/۵۹ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

۲" **فلما تواجه الجيشان و تقابل الفريقان سعي الناس بينهما في الصلح فانتهي الحال اليٰ أن خلع الحسن نفسه**

من الخلافة وسلم الملک اليٰ معاوية بن أبي سفيان ."(البداية والنهاية :

۲۳/۸، ألناشر : دار احياء التراث العربي)

۳(صحيح البخاري : ۱۸۶/۳ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

عظيمتين من المسلمين ." ۳

ترجمہ: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

کا مصداق ٹھہری، جس میں بنو ہاشم کے حضرات اور بہت سے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے جن کے مدت العمر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات اور روابط دُرست رہے اُن کے عمل وتعاون سے گویا اس صلح کی صحت پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی اور پھر جن حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلی، تو اس کے بعد حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق قرار پائے اور مسلمانوں کے امیر المؤمنین ٹھہرے اور امام صادق کے لقب کے مستحق ہوئے۔

خلافت یا ملوکیت؟ ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد حکومت بلاشبہ خلافت راشدہ ہی کا آئینہ دار اور اس کے مشابہ تھا، لیکن اُس معیار کا نہ تھا جس معیار کا عہد حکومت حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تھا، نیز ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

" **ألخلافة بعدي ثلاثون سنة ثم تكون ملكا .**" ۱

ترجمہ: میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال رہے گی پھر بادشاہت ہوگی۔

اور یہ تیس سال مصالحت حسن رضی اللہ عنہ پر پورے ہوگئے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت' خلافت نہیں رہی بلکہ اُس نے ملوکیت کی صورت اختیار کر لی اور اس طرح خلافت سے ملوکیت کا دور شروع ہوگیا، لیکن اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ قرآنِ مجید کی رُو سے ملک عطا کیا جانا اور ملوک بنایا جانا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا
احسان اور نعمت ہے، جسے خود اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں اپنے نیک بندوں کے حق میں بطورِ نعمت کے ذکر کرتے ہیں کہ:

"یا قوم اذکروا نعمۃاللہ علیکم اذجعل فیکم أنبیاء وجعلکم
ملوکاً
وآتکم مالم یؤت أحداً من العلمین ." ۲

۱ (صحیح ابن حبان : ۳۹۲/۱۵ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بیروت)
۲ (ألمائدة : ۲۰/۵)

ترجمہ: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم
میں انبیاء کو بنایا اور تم کو بادشاہ اور ملوک بنایا اور تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جو اس دور کے
لوگوں میں
سے کسی کو عطاء نہیں کیں۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ کبار علماء نے خلافت و ملوکیت دونوں کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات میں جمع کرنے کی ایک نہایت ہی مناسب اور برمحل تطبیق کی ہے جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بہ یک وقت خلیفہ برحق اور بادشاہِ عادل ہونا مترشح ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد حکومت کی نظر سے دیکھا جائے تو آپ رضی اللہ عنہ کا عہد حکومت ''ملوکیت'' نظر آتا ہے اور اگر آپ رضی اللہ عنہ کے بعد کے خلفاء کے عہد حکومت کی نظر سے دیکھا

جائے تو آپ ؓ کا عہد حکومت خلافت عادلہ نظر آتا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" فلم يكن من ملوك المسلمين ملك خير من معاوية ولا كان الناس في زمان ملك من الملوك خيراً منهم في زمن معاوية اذا نسب أيامه اليٰ أيام من بعده و أما اذا نسبت اليٰ أيام أبي بكر وعمر ظهر التفاضل ." ؎

ترجمہ: مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہ ؓ سے بہتر نہیں ہوا اور اگر اُن کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں اتنے بہتر نہیں رہے، جتنے حضرت معاویہ ؓ کے زمانے میں۔ ہاں! اگر اُن کے زمانے کا مقابلہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ (ترجمہ ختم)

استلحاقِ زیاد کا مسئلہ:

۴۴ھ میں "استلحاقِ زیاد" کا واقعہ پیش آیا جس کا مختصر پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کے والد ماجد حضرت ابوسفیان ؓ نے زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق سمیہ نامی ایک عورت سے نکاح کیا جو جاہلیت میں جائز سمجھا جاتا تھا، اسلام نے اسے منع تو کر دیا، لیکن اُس سے پیدا ہونے والی اولاد کو غیر ثابت النسب یا ولد الحرام قرار نہیں دیا، زمانۂ جاہلیت کے اِس نکاح سے

؎ (منهاج السنةالنبويةفي نقض كلام الشيعةالقدرية لابن تيمية:٦/٢٣٢،ألناشر:جامعةالامام محمدبن سعودالاسلامية)

زیاد کا تولد ہوا۔ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت ہی میں خفیہ طور پر زیاد کے نسب کا اقرار کر کے اپنے ساتھ اُس کا استلحاق کر لیا تھا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ ''استلحاقِ زیادؔ'' کا مسئلہ بنیادی طور پر دومختلف رخوں میں بٹا ہوا ہے۔اُن دونوں رخوں کوخوب کھول کر بیان کرنا اوراُن کواہل اسلام سامنے پیش کرنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام صحابیت کے پیش نظرانتہائی اہم اورضروری ہے،تا کہ اِس مسئلہ کے مالہ وماعلیہ اوراُن کے جملہ اسباب ودواعی کومع الدلائل بیان کرکے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات کے بارے میں سبائیت ورافضیت اورسنیت کے لبادے میں چھپے ناقدین کے پھیلائے ہوئے زہریلے،جھوٹے اورمنفی پروپیگنڈوں کوبے نقاب کیا جائے اوراُن کا اصل چہرہ دُنیاکے سامنے متعارف کرایا جائے اورحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات اور آپؓ کے بلند مقام صحابیت کا انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے صحیح معنوں میں دفاع کیا جائے۔ **فنقول وبالله التوفيق:**

مسئلہ ہذا کا پہلا رُخ:

اِس مسئلے کا پہلا رُخ یہ ہے کہ ۴۴ھ میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کا استلحاق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرنا چاہا تو سب سے پہلے اُنہوں نے اِس پرتقریباً دس شواہد اکٹھے کیے،(جن میں بعض جلیل القدرصحابہ بھی شامل تھے)جب تمام گواہوں نے زیاد کے ابوسفیان ﷛ کے ساتھ نسبی انتساب کی گواہی دے دی،تو تب حضرت معاویہ ﷛ نے زیاد کا استلحاق کیا،اورآپؓ نے قسم کھا کرفرمایا:

" أما والله لقد علمت العرب أني كنت أعزها في الجاهلية وأن الاسلام لم يزدني الا عزا وأني لم أتكثر بزياد من قلة ولم أتعزز به من ذلك لكن عرفت حقا له فوضعته موضعه ."

(ألكامل في التاريخ لابن أثير) و (تاريخ الأمم والملوك للطبري) و (تاريخ ابن خلدون)

ترجمہ:اللہ کی قسم!تمام عرب جانتا ہے کہ جاہلیت میں مجھے ان سب سے زیادہ عزت حاصل تھی۔اوراسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا ہے۔لہٰذاایسانہیں ہوسکتا کہ میری نفری تھوڑی تھی توزیاد کے ذریعے میں نے اُس میں اضافہ کیا ہے۔اورنہ یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے

میں ذلیل تھا تو زیاد کی وجہ سے مجھے عزت مل گئی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ میں نے اُس کا حق سمجھا ہے جسے اُس کے حق دار تک پہنچا دیا ہے۔(ترجمہ ختم)

اِس واقعہ کے بعد اِس معاملہ کے متعلق زیاد نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اِس معاملے میں اگر گواہوں نے برحق گواہی دی ہے تو الحمدللہ! اور اگر اُنہوں نے ناحق گواہی دی ہے تو میں اِن گواہوں کو اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔"

چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" فخطب معاوية فاستلحقه فتكلم زياد فقال ان كان ما شهد به الشهود به حقا فالحمد لله و ان يكن باطلا فقد جعلتهم بيني وبين الله ." (الاصابة في تمييز الصحابه لابن حجر : ص ۱/۵۶۳)

ترجمہ:

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شروع شروع میں تو "استلحاقِ زیاد" کو درُست نہیں سمجھتی تھیں، بلکہ اِس کی مخالفت کرتی تھیں۔

چناں چہ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ زیاد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو "زیاد بن ابی سفیان" کے نام سے خط لکھا، مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی جواب میں "زیاد بن ابی سفیان" لکھ دیں گی تو مجھے اپنے استلحاقِ نسب کی سند مل جائے گی، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اِس کے جواب میں یہ الفاظ لکھے: "اُم المؤمنین کی طرف سے اپنے بیٹے زیاد کی طرف"

اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زیاد کا استلحاق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ درُست نہیں سمجھتی تھیں، لیکن بعد میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حقیقت حال واضح ہوئی تو اُنہوں نے زیاد کو "زیاد بن ابی سفیان" کے نام سے خط لکھا۔

چناں چہ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ مرہ کے کچھ لوگ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا سفارشی خط زیاد کے پاس لے جانا چاہتے تھے،

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما زیاد کو ''ابن ابی سفیان'' لکھنے سے ہچکچا رہے تھے، اِس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صاف یہ الفاظ لکھ دیئے:

من عائشة أم المؤمنين الي زياد بن أبي سفيان''

(تھذیب ابن عساکر:)

ترجمہ: اُم المؤمنین عائشہ کی طرف سے زیاد بن ابی سفیان کی طرف۔

زیاد کے پاس جب یہ خط پہنچا تو اُس نے خوشی کے مارے یہ خط بھرے مجمع میں پڑھ کر سنادیا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''استلحاقِ زیاد'' شرعی واخلاقی اُصولوں کی رُوشنی میں بالکل صحیح اور درُست تھا جو اُنہوں نے کسی سیاسی یا ذاتی مفاد کی خاطر ہرگز نہیں بلکہ ایک حق دار کو اُس کا حق پہنچانے کی غرض سے کیا تھا اور وہ اپنے اِس اقدام میں مخلص اور حق بہ جانب تھے۔

مسئلہ ہذا کا دوسرا رُخ:

اِس مسئلے کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ ''استلحاقِ زیاد'' کے اس واقعہ کو اُس دور کے بعض دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم درُست نہیں سمجھتے تھے، اُن کے پیشِ نظر یہ شرعی قاعدہ تھا کہ:

'' ألولد للفراش وللعاهر الحجر ''[1]

اولاد صاحب فراش کی ہوتی ہے اور بغیر نکاح والے کے لئے پتھر ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ''بچہ جس کے بستر پر پیدا ہو اُس کا نسب اسی سے ثابت ہوگا اور بغیر نکاح والے (زانی) کو سنگ سار کیا جائے گا''، لیکن اِس کے برعکس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی رُو سے زیاد کا استلحاق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ درُست سمجھتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ تھی کہ مذکورہ بالا شرعی قاعدہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور درُست ہے، لیکن اُس کا محمل اُس وقت درُست ہوسکتا ہے جب کہ صاحب فراش کی طرف سے اولاد کے حق میں

دعویٰ پایا جائے، حالاں کہ زیاد جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے (یعنی عبید مولیٰ ثقیف) اُس کی طرف سے زیاد کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں پایا جاتا ہے، اس لئے زیاد کا استلحاق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

لیکن کچھ ہی عرصہ بعد جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اسی قسم کا ایک واقعہ آیا، جس میں زیاد کے واقعہ کے برعکس صاحب فراش کا دعویٰ بھی موجود تھا تو آپؓ نے اس کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ: ''حضورِ اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ: ''بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور بغیر نکاح والے کے لئے پتھر ہیں۔'' اِس لئے بچہ صاحب فراش کو دے دیا جائے، تو اِس پر فریق مخالف نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ پھر زیاد کے حق میں آپ نے یہ فیصلہ کیوں صادر نہیں فرمایا، بلکہ اُس کا تو آپ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ استلحاق کرلیا ہے حالاں کہ وہ عبید مولیٰ ثقیف کے بستر پر پیدا ہوا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے اجتہاد میں غور کیا تو آپؓ کو اپنے اجتہاد کا خطاء ہونا معلوم ہوا کہ حدیث تو مطلق ہے اُس میں صاحب فراش کی طرف سے دعویٰ پائے جانے یا نہ پائے جانے کی کوئی تصریح نہیں ہے اِس لئے آپؓ نے اپنے سابقہ اجتہادی مؤقف سے رجوع کرتے ہوئے صاف بہ بانگ دُہل اور دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمایا کہ:

'' قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية ''

(مسند أبي يعلي ٦/٧/٤٤) و مجمع الزوائد للهيثمي : ٥/١٤)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہؓ کے فیصلے سے بہتر ہے۔

اوراس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سابقہ اجتہادی مؤقف سے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک کی طرف رجوع فرمالیا۔ [۲]

حقیقت حال:

''استلحاقِ زیاد'' کے واقعہ کے متعلق سابق ولاحق دونوں پہلوؤں کو اُن کے مالہ و ماعلیہ سمیت بیان کردیا گیا ہے، جس سے مسئلہ ہذا کے پہلے رُخ کے بھی اسباب ودواعی سامنے

آ گئے ہیں اور دوسرے رُخ کی تفصیل بھی معلوم ہوگئی ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اِس مسئلہ میں رجوع (اگر چہ وہ علیٰ سبیل الالزام کے ہے) بھی ثابت ہو چکا ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شانِ صحابیت اور مقام علمیت میں اضافہ ہوا ہے بلکہ اِس سے آپؓ کی دیانت داری وحق پسندی اور اپنی اجتہادی رائے کے مقابلے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ترجیح دینے کا بھی پتہ چل گیا ہے، اِس لئے کہ کسی مسئلہ میں اپنی سابق رائے سے رجوع کر لینا نہ اخلاقاً قبیح ہے اور نہ شرعاً غلط ہے۔ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے بے شمار مجتہدین حضرات کا ایک عرصہ بعد اپنے سابقہ مؤقف سے رجوع کرنا ثابت ہے۔

استخلافِ یزید:

یزید کی ولی عہدی کے مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی اختلاف تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو محض اپنا بیٹا

ل (صحیح البخاري : ۵٤/۳ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

۲ (اعلاء السنن للعلامة ظفر أحمد العثماني : ۱۵ـ٤۹۸......۵۰۰ (ألناشر : ادارة القرآن والعلوم الاسلامية ، كراتشي) و (مسند أبی يعلي ألموصلي : ۳۸۳/۱۳ ، ألناشر : دار المأمون للتراث ، ألدمشق) و (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر)

ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اسے خلافت کا اہل سمجھنے کی وجہ سے ولی عہد بنانا چاہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت دیانت داری کے ساتھ ان کی ہم نوا تھی، اور وہ پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اِس کی مخالفت کی تھی وہ کسی ذاتی خصومت یا حرصِ اقتدار کی بناء پر مخالفت نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل نہیں ہے، تاہم جمہور اُمت کا کہنا یہ ہے کہ اس معاملے میں رائے اُنہی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحیح تھی جو یزید کو ولی
عہد بنانے کے مخالف تھے۔

اس کی مختلف وجوہ ذکر کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم

ارقام فرماتے ہیں:

''۱- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بے شک اپنے بیٹے کو نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا، لیکن اُن کا عمل ایک ایسی نظیر بن گیا جس سے بعد کے لوگوں نے نہایت ناجائز فائدہ اُٹھایا، اُنہوں نے اس کی آڑ لے کر خلافت کے مطلوبہ نظام شوریٰ کو درہم برہم کر ڈالا، اور مسلمانوں کی خلافت بھی شاہی خانوادے میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔

۲- بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یزید کا فسق و فجور کسی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں، اس لئے اس کو خلافت کا اہل تو سمجھا جا سکتا تھا، لیکن اُمت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو نہ صرف دیانت وتقویٰ بلکہ ملکی انتظام اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی یزید کے مقابلے میں بہ درجہا بلند مقام رکھتے تھے، اگر خلافت کی ذمہ داری ان کو سونپی جاتی تو
بلاشبہ وہ اس سے کہیں بہتر طریقے پر اہل ثابت ہوتے۔

یہ درُست ہے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنانا شرعاً جائز ہے۔ [۱] (بشرطے کہ اس میں شرائط خلافت موجود ہوں) لیکن افضل یہی ہے کہ خلیفہ ایسے شخص کو بنایا
جائے جو تمام اُمت میں اس منصب کا سب سے زیادہ لائق ہو۔

۳- نیک نیتی کے ساتھ بیٹے کو ولی عہد بنانا بھی شرعاً جائز تو ہے، لیکن ایک طرف موضع تہمت ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا ہی بہتر ہے، اور شدید ضرورت کے بغیر ایسا کرنا

[۱] (ألأحكام السلطانية للماوردي ص٦ المكتبة المحموديه مصر، الاحكام السلطانيه لابی يعلى الفراء ص٧، طبع مصطفى البابى، العواصم من القواصم ص٢١١ المكتبه السلفية، المسايرة لابن الهمام: ص ١٣٦، ١٣٧ مكتبه دار العلوم ديو بند بحوالہ حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ص۱۲۴، ۱۲۵)

اپنے آپ کو ایک سخت آزمائش میں ڈالنا ہے، اسی لئے تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس سے پرہیز کیا، خاص طور سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو لوگوں کے کہنے کے باوجود
اپنے قابل اور لائق فرزندوں کو ولی عہد بنانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ۱
یزید اور اُس کی ولی عہدی کے سلسلے میں ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے، جمہور اُمت
کے معتدل اور محقق علماء کا یہی مسلک ہے۔'' ۲

۱ (تاريخ الطبري : ٣/٢٩٢ و ٤/١١٢،١١٣، ألمطبعة الاستقامة ، ألقاهرة ،
بحوالہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق:ص
۱۲۴،۱۲۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)
۲ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق:۱۲۳......۱۲۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

......نقاب کشائی یا تلخ نوائی......

اشاعت اسلام، تبلیغ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں حضرات انبیائے عظامؑ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور آج تک ہمارے اکابرین و اسلاف نے جوان تھک محنتیں، پیہم کوششیں، مسلسل جدوجہد
اور مختلف ملکوں اور علاقوں کی خاک چھانی ہے اسے کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات اللہ تعالیٰ کا پاک دین لے کر اس دنیا میں تشریف لائے، اُس کی نشر و اشاعت کی اور اُسے دُنیا کے چپے چپے تک پہنچا کر اُس کا حق ادا کر دیا۔اسی طرح اِن کے بعد اِن کے دیگر متبعین و حواریّین نے بھی اِس کی خوب نشر و اشاعت کی اور اسے چہار دانگ عالم میں پھیلا کر یہ امانت دوسروں
کے ہاتھوں میں پہنچا کر راہیٔ آخرت ہو گئے۔

آج ہم تک جو اتنی شان و شوکت اور قوت کے ساتھ یہ دین پہنچا ہے یہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر کو عطا فرمایا، آپ ﷺ نے اِس کی خوب نشر و اشاعت کی، اِس کو پھیلانے میں دن دگنی رات چگنی محنت کی، اور اپنا تن، من، دھن سبھی کچھ اِس پر لگا دیا، اور اپنے دنیا سے جانے سے پہلے اپنی تئیس سالہ محنت کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ

امانت سپرد کر کے اِس دُنیا سے تشریف لے گئے۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آگے یہ امانت تابعین عظامؒ کے ہاتھوں میں پہنچائی، اُنہوں نے تبع تابعینؒ کے ہاتھوں میں، اُنہوں نے ائمہ مجتہدینؒ کے ہاتھوں میں اور پھر اُنہوں نے بعد میں آنے والے ہمارے اکابرین واسلاف کے ہاتھوں میں یہ امانت پہنچائی اور اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے مکمل طور پر سبک دوش کر کے اس
دنیا سے پردہ فرما گئے۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء .**

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کل کے اس گئے گزرے دور میں بعض عاقبت نااندیش لوگ اہل سنت والجماعت کا لبادہ اوڑھ کر انہی حضرات ائمہ مجتہدینؒ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اساطین امتؒ کے خلاف بعض ایسے
خیالات ونظریات کے حامل ہو گئے ہیں جو کسی بھی طرح ان مقدس اور پاک ہستیوں کو زیب نہیں دیتے۔

اسلام کی چودہ سوسالہ درخشاں تاریخ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کے بارے میں عموماً اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خصوصاً مختلف قسم کے نظریات رکھنے والے افراد تقریباً ہر دور میں ہی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے اگر اس بارے میں افراط سے کام لیا ہے تو کسی نے تفریط سے۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کی محبت کا دم بھرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور اُن کی توہین وتنقیص بیان کی ہے تو کسی نے آپؓ کی محبت وعقیدت سے سرشار ہو کر آپؓ کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے ایسے قلابے باندھے ہیں کہ جن سے آپؓ کا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم ہونا مترشح ہوتا ہے۔ حالاں کہ اہل سنت والجماعت کا اِس بات پر اجماع ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ضرور ہیں لیکن معصوم نہیں ہیں۔ اُن سے اجتہادی اور غیر اجتہادی ہر قسم کی غلطیوں کا صدور ممکن ہی نہیں بلکہ اُن کا وقوع بھی ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی تمام اجتہادی وغیر اجتہادی (بشری) خطاؤں سے عفو ودرگزر کا معاملہ فرمایا ہے۔

تاہم مذکورہ بالا ان تمام مختلف نظریات کے حامل افراد کے بیچوں بیچ اکثریت اُن افراد

کی تھی کہ جنہوں نے میانہ روی سے کام لیتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غلوعقیدت اور اُن کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہونے سے اپنے آپ کو ہمیشہ ایک طرف رکھے رکھا، اور اُن کے بارے میں اپنا دامن داغ دار ہونے سے ہمیشہ بچائے رکھا۔ بالخصوص مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے آگ وخون کے سمندر سے وہ بڑی سلامت فکر کے ساتھ پار ہو گئے ہیں۔ ایسے افراد کی جماعت کو اصطلاح شرع میں ''اہل سنت والجماعت'' کہا جاتا ہے۔ علمائے اہل سنت والجماعت نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لینے کے بجائے قرآن وحدیث کی رُوشن تعلیمات کے زیر سایہ رہ کر

اُن کی مکمل زندگی کا مطالعہ کیا جسے کما حقہ سمجھنے میں وہ لوگ سو فی صد کامیاب ہوئے۔

لیکن آج بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جن اکابرین دین واساطین امت کی مسلسل کوششوں، ان تھک محنتوں اور پیہم جدوجہد کے طفیل یہ دین متین آج ہم تک پہنچا ہے ''اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کا مصداق آج کل کے بعض عاقبت نااندیش لوگ اُنہیں کی ذات بابرکات کو ہدف تنقید بناتے پھر رہے ہیں، انہیں کی ذات کو ملامت کر رہے ہیں اور اُن کی طرف طرح طرح کی باتیں منسوب کر رہے ہیں۔ کیا ان بزرگوں کی دین متین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کی جانے والی اِن لازوال و بے مثال قربانیوں کا یہی نتیجہ ہے یا کیا انہیں اُن کی اِن خدمات جلیلہ کا یہی صلہ ملنا چاہیے؟؟؟۔

بھلا! (۱) راویٔ بخاری محدث عبدالرزاق (۲) امام ابن جریر طبریؒ (۳) امام ابوبکر الجصاصؒ (۴) امام حاکم نیشاپوریؒ (۵) علامہ برہان الدین مرغینانیؒ (۶) علامہ سعدالدین تفتازانیؒ (۷) جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانیؒ (۸) مشہور عاشق رسول ملا عبد الرحمٰن جامیؒ (۹) محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفیؒ (۱۰) شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی (۱۱) شیخ احمد ملا جیونؒ (۱۲) بیہقیٔ وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۴) قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۵) قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۶) محدث عصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۷) ابوحنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ (۱۸) امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ (۱۹) شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی

(۲۰) مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ (۲۱) قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، جیسے چوٹی کے اساطین اُمت اور علمائے اہل سنت کے اُمت پر تمام تر احسانات کو یکسر بھلا کر اُن کی دینی وملی خدمات کو فراموش کر کے، اُن کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم کرنا ،اُن کے خلاف الزام تراشیاں کرنا، اُن کی عبارات کو موڑ توڑ اور کھینچ تان کر اُن سے اپنی مرضی کا مطلب نکالنا، اُن کی عظیم نسبت اہل سنت والجماعت کا رشتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین عظامؒ سے کاٹنا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کو (خاکم بدہن) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد وگستاخ ٹھہرانا' کیا یہ سب کچھ اُن کی روحوں کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟ کیا یہ اُن کی دینی وملی خدمات کو فراموش کرنا نہیں ہے؟ کیا یہ اُنہیں ہدف تنقید بنانا اور اُنہیں طرح طرح کے طعنوں سے مطعون کرنا نہیں ہے ؟ نیز کیا یہ آج کل کی نوجوان نسل کے دلوں میں اُن کے خلاف نفرتوں کے بیج بونا، اُنہیں اپنے روحانی آباؤ اجداد سے بدظن اور متنفر کرنا اور اُن کو
اپنے اسلاف کے خلاف دُشنام طرازیاں کرنے کا موقع فراہم کرنے کے مترادف
نہیں ہے؟؟؟۔

لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے اور اگر اس کا بروقت کا محاسبہ نہ کیا گیا تو اس کی زہریلی وبا
مسلمانوں میں اپنے جراثیم اس طرح پھیلا دے گی کہ جن کو نکالتے نکالتے شاید صدیاں بیت جائیں۔

چنانچہ اس قسم کی ناپاک اور مذموم کوششیں گزشتہ کئی سالوں سے ہمارے اکابر و
اسلاف حضرات علمائے اہل
سنت والجماعت کے خلاف تاہنوز برابر جاری ہیں۔

آپ بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور علمائے اہل سنت:

چنانچہ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اغیار کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خصوصیت کے ساتھ طعن وتنقید کا ہدف بننے کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد علمائے اہل

سنت والجماعت پر لنکا ڈھاتے ہوئے پروفیسر
طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''......علاوہ ازیں تصوف، تفضیلیت اور تشیع نوازی کے روپ میں حضرت

معاویہ
رضی اللہ عنہ پر اپنوں کی نوازشات بھی اہل تشیع سے کچھ کم نہیں ہیں ۔
وہ تو ہیں کھلے دُشمن اُن کا خیر سے کیا ذکر؟
دُوستی مگر حضرت آپ کی قیامت ہے۔''[۱]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں:

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مقام پر بے
جا گرفت کرتے
ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی ''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں، اوّل روافض، خیر! اُن کا سوئے ظن چنداں جائے تعجب نہیں، کیوں کہ وہ ایسے
مقدس حضرات سے سوئے ظن رکھتے ہیں جن کا مثل تمام اُمت مرحومہ میں ایک بھی نہیں۔

دوسرا گروہ اُن جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں، یہ لوگ اپنے کو ''سُنّی'' کہتے ہیں مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے اُمور اُصول وفروع میں اہل سنت کے مخالف ہیں اور فرقہ ہائے شیعہ
میں داخل ہیں۔

تیسرا گروہ اس زمانہ کے بعض اہل ظاہر کا ہے، بعض روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے اور بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل تک اُن کے ذہن کی

۱ (سیدنا معاویہ کے ناقدین: ص۹)

رسائی نہ ہوئی، ان سب میں زیادہ مضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا"۔

امام اہل سنت نے یہاں "ناقدین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" میں روافض کے

علاوہ

جاہل صوفیوں اور بعض اہل ظاہر کا ذکر کر کے دوسرے اور تیسرے گروہ کو بالترتیب سب

سے زیادہ مضرت رساں قرار دیا ہے، لیکن موصوف نے "صرفِ نظر" سے کام لیا ہے

ورنہ اہل ظاہر اور جاہل صوفیوں کے علاوہ بعض مفسرین، محدثین، متکلمین، مبلغین، فقہاء،

جید علماء، اور مقررین بھی دوسرے اور تیسرے گروہ سے پیچھے نہیں رہے، جس کا زیر نظر

کتاب کے مطالعہ سے "کچھ کچھ" اندازہ ہو جائے گا، اس ضمن میں اگرچہ اور بھی بڑے

بڑے نام تاریخ میں پائے جاتے

ہیں، لیکن ۔

افسوس! بے شمار "سخن ہائے گفتنی"

خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے [۱]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتلائی دور کے بارے میں علمائے اہل سنت کا معتدل مسلک:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ ابتلاء و خلافت کے بارے میں جو مؤقف اور نظریہ

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اختیار کر رکھا ہے وہ اتنا کڑا اور سخت ہے کہ اُس کی زد میں چار و

ناچار ہر طبقہ کے علماء، مفسرین، محدثین، متکلمین، مبلغین اور فقہاء وغیرہم سب ہی آ جاتے ہیں،

جس کا بہترین شاہکار خود آں موصوف کی زیر نظر یہ کتاب ہے، جب کہ علمائے اہل سنت

والجماعت نے متفقہ طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ ابتلاء و خلافت کے بارے میں جو مؤقف

اور نظریہ اختیار کر رکھا ہے وہ اس قدر معتدل، نپا تلا اور قرآن و سنت کی نصوص کے تمام پہلوؤں

اور تاریخی حقائق سے مطابقت رکھتا ہے جس کے پیش نظر علمائے اہل سنت کے تمام طبقات تو کجا

کوئی ایک طبقہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے

حق میں سوئے ظن رکھنے والے گروہوں میں پوری طرح سے نہیں اُتر سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں

سوئے ظن رکھنے والے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جو اپنی جگہ بالکل صحیح اور درُست ہے لیکن پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے نزدیک
مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقسیم اتنی جامع نہیں جتنی کہ خود اُن کی اپنی تقسیم جامع ہے۔

۱؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱، ۱۲)

پروفیسر ہاشمی صاحب نے لکھا ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کا ''زیرِ نظر کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' کے مطالعہ سے ''کچھ کچھ'' اندازہ ہو جائے گا اور اِس ضمن میں اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جاتے
ہیں مگر فسادِ خوفِ خلق سے ہم ناگفتہ رہ گئے۔''

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ ان شاء اللہ! ہمارے بھی اِس جوابی دعویٰ پر ہماری بھی اِس زیر نظر کتاب ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر'' کے مطالعہ سے ''کچھ کچھ'' کیا بلکہ ''بہت کچھ اندازہ'' ہو جائے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی
اور پروپیگنڈا کیا تھا؟ ؎

فسوف تريٰ اذا انكشف الغبار

أ فرس تحت رجلك أم حمار

باقی رہی پروفیسر ہاشمی صاحب کی یہ بات کہ اِس ضمن میں اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جانے اور فسادِ خلق کے خوف سے ناگفتہ رہ جانے کی تو اس بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ دورنگی ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی کہ ایک طرف تو وہ ''سخن ہائے گفتنی'' میں کچھ اِس طرح سے گویا ہوئے کہ پوری چار سو چونسٹھ (۴۶۴) صفحات کی ایک ضخیم کتاب لکھ ماری، جس میں بڑے بڑے تاریخی نام ذکر کرنے کے باوجود وہ ''فسادِ خوف خلق'' سے پوری طرح مطمئن رہے، اور دوسری طرف اس ضمن میں تاریخ میں اور بھی بڑے بڑے پائے جانے والے ناموں کو فسادِ خوفِ خلق کے سبب سے ذکر نہ کر کے کچھ اس طرح سے ''ناگفتہ''

ہوئے کہ بالکل ہی چُپ سادھ گئے، گویا آپ کو
سانپ سونگھ گیا ہے؟ ؎
''دورنگی'' چھوڑ ''یک رنگ'' ہوجا!
یاسراسر موم ہوجا یا سراسر سنگ ہوجا
کیا آج کل کے اِس پُرفتن دور میں چارسو چونسٹھ (۴۶۴) صفحات پر مشتمل 'سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'
جیسی ایک بے معنی و بے ہودہ ضخیم کتاب لکھ مارنا خوفِ خلق کے فساد سے ناگفتہ رہ جانا کہلاتا ہے؟ ؎
آپ ہی اپنی ''اداؤں'' پے غور کریں!
ہم اگر عرض کریں گے تو بے ادبی ہوگی

علمائے اہل سنت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سُنّی ناقدین کے تنقیدی کلمات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''سب'' سے علاوہ ''طعن'' کی جملہ قسمیں بھی پائی جاتی
ہیں:

''طَعَنَ فِيْهِ وَعَلَيْهِ'': طنز کرنا، تنقید کرنا، اعتراض کرنا، آواز کسنا۔
''طَعَنَ فِيْ شَرَفِهٖ'': عزت پر حملہ کرنا۔
''طَعَنَ فِيْ قَوْلِهٖ'': بات کو غلط ثابت کرنا، ردوقدح کرنا۔

حالاں کہ اہل سنت والجماعت کے تمام طبقات کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی
صحابیت ثابت ہے اور جملہ صحابہ کرام کے بارے میں ''کف لسان'' کا حکم دیا گیا ہے ......''[۱]

الزام تنقید کا دفعیہ:

حاشا وکلا کہ اس قسم کے تنقیدی کلمات علمائے اہل سنت والجماعت میں سے کسی نے جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے ہوں، یہ سب پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا علمائے اہل سنت والجماعت پر جھوٹ وافتراء ہے اور قارئین کی نظروں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے، علمائے اہل سنت والجماعت کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کے تنقیدی کلمات کہنے سے کوئی تعلق نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے نہ تو یہاں اور نہ ہی اپنی اس پیش نظر پوری کتاب میں کسی ایک بھی جگہ کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی کسی اہل سنت والجماعت کے مستند عالم دین کا نام لے کر کہا ہے کہ انہوں نے اس قسم کے الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی ہو۔ ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ چوں کہ بلا حوالہ و بلا دلیل ہے اس لئے مردود اور ناقابل التفات ہے۔

دیگراں رانصیحت خود را فضیحت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کے بارے میں کوئی غیر صحابی ہرگز جج اور منصف نہیں بن سکتا۔ ساری اُمت ''کف لسان اور امساک'' کی پابند ہے۔''[۱]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ایک سوال:

مگر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ہم صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ آپ اس قاعدے کو مطلق مانتے ہیں، یا مقید؟ اگر مطلق مانتے ہیں تو پھر آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاؤں کے بارے میں پھر آپ کیوں جج اور منصف بنے بیٹھے ہیں؟ کیا یہ حکم صرف دوسروں کے لئے ہے اور آنجناب اس سے مستثنیٰ ہیں؟ بڑی عجیب منطق ہے کہ:

''دیگراں رانصیحت اور خود را فضیحت؟''

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۲)

توقف وامساک اور کفِ لسان کا حکم علیٰ الاطلاق نہیں!

پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ تحقیق بھی بالکل غلط ہے جو اُنہوں نے علیٰ الاطلاق ذکر کی ہے کہ ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کے بارے میں ساری اُمت ''کفِ لسان'' اور ''امساک'' کی پابند ہے۔'' حالاں کہ بعض اوقات ضرورت شرعیہ وشدیدہ کے پیشِ نظر ایسے مواقع ضرور نکل آتے ہیں کہ جہاں ''کفِ لسان'' اور ''امساک'' کی پابندی اُمت واجب نہیں رہتی، بلکہ اُس وقت مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس مسئلے کو واضح کرنا اُمت پر واجب ہو جاتا ہے اور ''توقف'' و ''امساک'' اور ''کفِ لسان'' اُس وقت بجائے خود ایک جرم بن کر رہ جاتا ہے۔

مناسب یہ تھا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے مسئلہ کے حوالے سے ضروت شرعیہ وشدیدہ کی مابہ الاتفاق کوئی ایسی جامع تعریف کرتے کہ جس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ کہاں ''کفِ لسان'' اور امساک'' واجب ہے اور کہاں واجب نہیں ہے، اس لئے کہ ہر ہر موقع پر ''کفِ لسان'' اور ''امساک'' واجب نہیں بلکہ
بعض مواقع پر یہ ناجائز بھی ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر اُنہوں نے یہ کام نہیں کیا تو پھر ہم ہی ایسے مواقع کی نشان دہی کرائے دیتے ہیں کہ کہاں ''کفِ لسان'' اور ''امساک'' واجب ہے اور کہاں واجب نہیں، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ''کفِ لسان'' اور ''امساک'' کا یہ حکم مطلقاً نہیں ہے بلکہ اِس کے بعض مخصوص مواقع ہیں کہ جہاں کبھی تو یہ واجب ہو جاتا ہے، اور کبھی واجب نہیں رہتا بلکہ
ناجائز ہو جاتا ہے۔

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۷)

توقف وامساک اور کفِ لسان کا شرعی حکم:

''مشاجرات صحابہ'' کے مسئلے میں علمائے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ:

۱- اوّل تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں بلا ضرورت

شرعیہ وشدیدہ کے غور وخوض کرنا مناسب نہیں کہ ایمان اور عقیدے کی سلامتی اسی میں ہے اور یہی
شیوۂ اسلاف ہے۔ نیز اس بارے میں جو
روایات وحکایات منقول چلی آرہی ہیں بلاوجہ اُن میں بھی غور وخوض اور بحث وتمحیص کرنا جائز
نہیں۔

چنانچہ امام شمس الدین دمشقی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۴۷ھ) لکھتے ہیں:

" سئل أبو حنيفة عن علي ومعاوية وقتلي صفين ، فقال :
أخاف أن أقدم علي الله تعاليٰ بشيٍ يسألني عنه ، واذا أقامني يوم
القيامة بين يديه لا
يسألني عن شيٍ من أمورهم ، يسألني عما كلفني، فالاشتغال بذلک
أوليٰ."[1]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ
عنہما اور مقتولین صفّین کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپؒ نے فرمایا کہ: ''میں اِس
سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی بات پیش کروں جس کا وہ مجھ سے سوال
کریں، اور جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے اپنے سامنے کھڑا کریں گے تو ان
(حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مقتولین صفین) کے بارے میں مجھ سے
سوال نہیں فرمائیں گے، بلکہ مجھ سے وہ سوال فرمائیں گے جس کا میں مکلّف ہوں، سو
میرا اُسی کی تیاری مصروف ومگن رہنا (میرے لئے)
زیادہ بہتر ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" ذكروا اختلاف أصحاب محمد صلي الله عليه وسلم عند عمر بن عبد العزيز، فقال : أمر أخرج الله أيديكم منه ماتعملون ألسنتكم فيه ."[۲]

ترجمہ: کچھ لوگوں نے حضرت عمر بن عزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے نبی اکرم

[۱] (عقود الجمان في مناقب الامام الأعظم أبي حنيفة النعمان : ص ٣٠٥)

[۲] (ألطبقات الكبريٰ لابن سعد ألمعروف بطبقات ابن سعد : ٢٩٧/٥، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

کے صحابہ ﷺ کے اختلاف کا ذکر کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ یہ وہ معاملہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ

نے تمہارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا ہے، تو پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟۔

نیز آپؒ لکھتے ہیں:

" تلک دماء كف الله يدي عنها، وأنا أكره أغمس لساني فيها ."[۱]

ترجمہ: یہ وہ خون ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں کو محفوظ رکھا ہے، سو

میں پسند نہیں کرتا کہ اپنی زبان کو اس سے آلودہ کروں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

" تلک دماء طهر الله عنها أيدينا فلنطهر عنها ألسنتنا ."[۲]

ترجمہ: (جنگ جمل وصفین میں بہنے والے) یہ وہ خون ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں کو (ملوث

ہونے سے) پاک رکھا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی اس سے پاک رکھیں۔

اسی طرح امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۵ھ) فرماتے ہیں:

" تلک دماء طهر الله أيدينا منها أفنلطخ ألسنتنا ؟." ۳

ترجمہ: (جنگ جمل وصفّین میں بہنے والے) یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو (ملوث ہونے سے) پاک رکھا ہے تو کیا اب ہم ان سے اپنی زبانوں کو آلودہ کریں؟۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱ھ) کے بارے میں منقول ہے:

"وانما نهيٰ عن الخوض في النظم (أي في نظم العقيدة عن الخوض في مشاجرات الصحابة) لأن الامام أحمد كان ينكر عليٰ من خاض ويسلم أحاديث الفضائل وقد تبرأ من ضللهم أو كفرهم وقال: ألسكوت عما جريٰ بينهم ." ۴

۱ (ألطبقات الكبريٰ لابن سعد ألمعروف بطبقات ابن سعد : ٥/٢٩٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲ (شرح المواقف للجرجاني : ٨/٣٧٤)

۳ (ألناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية للفرهاروي : ص ٦)

۴ (شرح عقائد سفاريني ٢/٣٨٦)

ترجمہ:اور " ألدرة المضية "کی نظم میں جو"مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کے معاملے میں غوروخوض سے منع کیا گیا ہے، وہ اس لئے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اُس شخص پر نکیر فرمایا کرتے تھے جو اس بحث میں اُلجھتا ہو، اور فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو احادیث آئی ہیں اُنہیں تسلیم فرما کر اُن لوگوں سے برأت کا اظہار فرمایا کرتے تھے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گم راہ یا کافر کہتے
ہیں اور کہتے تھے کہ (صحیح طریقہ) مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سکوت اختیار کرنا
ہے۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح ایک دوسری جگہ آپؒ سے یہ بھی منقول ہے:

" **وقال أحمد : لا أتكلم في هذا ألسكوت عنه أسلم .**"[1]

ترجمہ:امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرتا۔اس بارے
خاموش رہنا سب سے بڑی سلامتی ہے۔

ایک طرح علامہ محمد بن صالح بن محمد العثیمین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۲۱ھ) اشعار کے انداز میں لکھتے ہیں:

واحذر من الخوض الذي قد

يزري

بفضلهم مما جرىٰ لو تدري[2]

ترجمہ:اور بچو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پیش آنے والے جھگڑوں میں دخل دینے سے جس میں (اُن میں سے
کسی) کی تحقیر ہوتی ہو، (یہ حکم اُن کی اُس) فضیلت کے باعث ہے جو طے ہو چکی ہے اگر تم جان لو!۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بھی فرماتے ہیں:

"اعلم أن الدخول بين الصحابة الكرام رضي الله عنهم
والحكم فيما جريٰ بينهم من المشاجرات سوء أدب ، وأمارة شقاوة
. و الأسلم أن
يفوض اليٰ الله ماوقع بينهم ." [۳]

ترجمہ: تو جان لے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اوراُن کے درمیان واقع ہونے
والے مشاجرات کے بارے میں غور وخوض کرنا بے ادبی اور بدبختی کی علامت
ہے۔ سب سے زیادہ

[۱] (فتح البارى شرح صحيح البخاري لابن رجب الحنبلي: ۳/۳۱۱ ، ألناشر : مكتبة الغرباء الأثرية ، ألمدينة المنورة)

[۲] (شرح العقيدة السفاريني : ۱/۱٤ و ۱/٦۳۲ ، ألناشر : دار الوطن للنشر ، ألرياض ، ألسعودية)

[۳] (ألمقدمة السنية في الانتصار للفرقة السنية : ص ۸۲ ، ألناشر: مكتبة الحقيقة ، شارع دارالشفقة ، استنبول ، تركي)

(ایمان اور عقائد کی) سلامتی اس میں ہے کہ ان کے درمیان واقع ہونے والے
مشاجرات کو
اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا جائے۔ (ترجمہ ختم)

۲- لیکن اگر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" جیسی پرخطرو پرخار وادی میں قدم رکھنا پڑ ہی جائے تو پھر "توقف" و "امساک" اور "کف لسان" کیا جائے کہ یہ معاملہ عقیدے اور شریعت کا ہے جو جتنا
عظیم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے اس لئے بڑی احتیاط اور قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ مشہور حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کے
بارے میں اُمت کو واضح

حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اذا ذكر أصحابي فأمسكوا ." ۱؎

ترجمہ: جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔

چنانچہ اس سلسلہ میں میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علمائے اہل سنت کا تو نہیں لیکن اُن کی ایک جماعت کا یہ مسلک بھی نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' جیسے واقعات کے بارے مکمل توقف اور سکوت سے کام لیا ہے اور دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی طرف بھی علیٰ التعیین والیقین نہ خطاء کو منسوب کیا ہے اور نہ ہی صواب کو۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" والمعترفون بوقوعها منهم من سكت عن الكلام فيها بتخطية أو تصويب وهم طائفة من أهل السنة ." ۲؎

ترجمہ: اور جن لوگوں نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان واقع ہونے والی لڑائیوں کے وقوع کا انکار نہیں بلکہ) اُن کا اعتراف کیا ہے تو اُن میں سے بعض نے تو اِن واقعات میں مکمل سکوت اختیار کیا ہے کہ نہ تو کسی ایک خاص فریق کا تخطیہ کیا ہے اور نہ ہی کسی ایک خاص فریق کی تصویب کی ہے، حالاں کہ یہ حضرات بھی اہل سنت ہی کی ایک جماعت ہیں۔

۱؎ (ألمعجم الكبير للطبراني : ۹۶/۲ و ۱۹۸/۱۰ ، ألناشر : مكتبة ابن تيمية ، ألقاهرة)

۲؎ (شرح المواقف للجرجاني : ۳۷٤/۸ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" وهم كلهم لنا أئمة وقد تعبدنا بالكف عما شجر بينهم

. ولا

نذكرهم الا بأحسن الذكر ، لحرمة الصحبة ."[۱]

ترجمہ: یہ سب حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ اُن کے شرفِ صحبت کے باعث اُن کے باہمی اختلافات سے "کف لسان" کریں اور ہمیشہ اُن کا

ذکر بہترین طریقے سے کریں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ خالد بن عبداللہ بن محمد المصلح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" ويمسكون عما شجر بين الصحابة ." [۲]

ترجمہ: اور (اہل سنت) مشاجرات صحابہ کے مسئلے میں سکوت کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

" ومما يوجب أيضاً ألامساک عما شجر أي وقع بينهم من الاختلاف والاضطراب صفحا من أخبار المؤرخين سيما جهلة الرافض وضلال الشيعة والمبتدعين القادحين في أحد منهم فقد قال صلي الله عليه

وسلم : اذا ذكر أصحابي فأمسكوا ." [۳]

ترجمہ: اور اُن چیزوں میں سے جو کہ واجب ہیں ایک یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلاف اور اضطراب واقع ہوئے ہیں ان میں "امساک" اور "توقف" اختیار کرے، اور مؤرخین بالخصوص جاہل قسم کے روافض اور گمراہ قسم کے شیعہ اور طعنہ زنی کرنے والے بدعتی قسم کے لوگوں کی خبروں سے اعراض کرے جو ان حضرات میں سے کسی کے بارے

میں وارد ہوئی ہوں۔ (ترجمہ ختم)

۱ (ألجامع لأحكام القرآن ألمعروف بتفسير القرطبي : ۱٦/۳۲۱ ، ألناشر : دار الكتب المصرية ، ألقاهرة)

۲ (شرح عقيده الواسطية من كلام شيخ الاسلام ابن تيمية : ۱/۱۹۳، ألناشر : دار ابن الجوزي ، ألدمام ، ألسعودية)

۳ (ألصواعق المحرقة في الرد علىٰ أهل البدع والزندقة للهيتمي : ص ۲۱٦، ألناشر: مكتبة الحقيقة ، شارع دارالشفقة

استنبول ، تركي)

اور مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ() لکھتے ہیں:

''اور ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں ''کف لسان'' اور ''سکوت'' کو اَسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلاوجہ ان روایات وحکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ

کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔'' ۱

حضرت مفتی صاحبؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اُمت کے اسلاف واخلاف، صحابہؓ وتابعینؒ اور بعد کے علمائے اُمتؒ کا جو اجماع اُوپر نقل کیا گیا ہے کہ ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' اور باہم ایک دوسرے کے خلاف پیش آنے والے واقعات میں سکوت اور ''کف لسان'' ہی شیوۂ اسلاف ہے، اس معاملے میں جو روایات وحکایات منقول چلی آرہی ہیں اُن کا تذکرہ بھی مناسب نہیں۔ یہ کوئی ''اندھی عقیدت

مندی'' یا ''تحقیق سے راہِ فرار'' نہیں، بلکہ صحیح تحقیق کا عادلانہ اور محتاط فیصلہ ہے۔'' ۲

۳- اور اگر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے مسئلے میں توقف وامساک اور کف لسان کی مہر سکوت توڑنی پڑ جائے (جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ بعض اوقات بعض اہم شرعی اور انتہائی ناگزیر مجبوریوں کی بناء پر ''امساک'' اور ''کف لسان'' کا حکم واجب نہیں رہتا بلکہ ناجائز ہوجاتا ہے) تو پھر ان مقدس ہستیوں

کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے گریز کیا جائے جس سے اُن میں سے کسی کی تنقیص اور تحقیر لازم آتی ہو۔

چنانچہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

''اور اِس پر بھی (سلف وخلف، متقدمین ومتأخرین علمائے اُمت کا) اجماع واتفاق ہے کہ) اِن (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں خوض نہ کیا جائے، یا سکوت اختیار کریں، یا پھر اُن کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے پرہیز کریں جس
سے اُن میں سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔''

بہت سے محققین علماء نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی لڑائیوں اور اختلافات کا بلا ضرورت شرعیہ ذکر

۱ (مقام صحابہ رضی اللہ عنہم: ص۴۷، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

۲ (مقام صحابہ رضی اللہ عنہم: ص۱۰۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

۳ (مقام صحابہ رضی اللہ عنہم: ص۹۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

کرنا بھی حرام ہے کہ اس سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بدگمانی پیدا ہو جانے کا خدشہ معلوم ہوتا ہے جس کی تائید اس مشہور حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی مجھ تک کسی کی شکایت نہ پہنچائے، کیوں کہ
میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری طرف نکلوں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔ ۱

لیکن علمائے اہل سنت نے جب یہ دیکھا کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان واقعات میں اہل روافض، نواصب اور اہل بدعت نے بہت سے فرضی اور جھوٹے قصے اپنی طرف سے گھڑ لئے ہیں اور وہ ان کے ذریعے عام اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان واعمال صالحہ کے ساتھ ایک گھناؤنا کھیل کھیلنا شروع کر رہے ہیں تو اس وقت علمائے اہل سنت نے اپنے اوپر واجب اور

ضروری سمجھا کہ وہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان ثابت شدہ واقعات کی کوئی مناسب تاویل اور کوئی معقول توجیہ کریں تا کہ اس سے عام اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان واعمالِ صالحہ کے بچاؤ کا کچھ سامان ہو سکے اور وہ لوگ زیغ وضلال اور کج روی و بداعتقادی کی طرف بھٹکنے سے محفوظ رہ سکیں، کیوں کہ ایسے پرخطر حالات وواقعات میں ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے مسئلے میں ''توقف'' و''امساک'' اور ''کف لسان'' کا حکم واجب نہیں
رہتا بلکہ ناجائز ہو جاتا ہے۔

چنانچہ محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

''وهذا مما لا ينافي أن يذكر أحد مجملاً أو معيناً بأن المحاربين مع عليٍّ ما كانوا من المخالفين ، أو بأن معاوية وحزبه كانوا باغين ، عليٰ ما دل عليه حديث عمار :﴿ تقتلک ألفئة الباغية ﴾ لأن المقصود منه بيان الحكم المبيز بين الحق و الباطل ، و الفاصل بين المجتهد المصيب . و المجتهد المخطي مع توقير الصحابة و تعظيمهم جميعاً في القلب لرضا الرب .''[۲]

ترجمہ: اور یہ اُن چیزوں میں سے ہے جو اس بات کے منافی نہیں ہیں کہ کوئی آدمی مجمل یا معین طور پر اس بات کا ذکر کرے کہ حضرت علی کے ساتھ لڑنے والے اُن کے مخالفین

[۱] ''عن عبد الله بن مسعود قال : قال رسول الله صلي الله عليه وسلم : لا يبلغني أحد من أصحابي عن أحد شيئاً فاني أحب أن أخرج اليكم و أنا سليم الصدر.'' (سنن ابي داؤد : ٤/٢٦٥ ، ألناشر: ألمكتبة العصرية ، صيدا ، بيروت)

[۲] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري : ٨/٣٣٩٧ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

میں سے نہیں تھے، یا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی باغی تھے اُس بناء پر کہ جس پر حدیث عمار رضی اللہ عنہ کہ: ''تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' دلالت کرتی ہے، کیوں اس سے محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر دل سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتوقیر کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا اور مجتہد مصیب و مجتہد مخطی کے درمیان فصل

کرنے والا حکم بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔(ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" تنبيه ! صرح أئمتنا وغيرهم في الأصول بأنه يجب الامساك عما شجر بين الصحابة رضي الله عنهم ، فلا يشكل ذلك عليٰ ماقدمته كما هو واضح من تفرق الخلف والسلف ، وذكرهم جميع ما وقع بينهم وبيان ماصح بينهم مما لم يصح والكلام عليٰ معاني ماوقع لهم في فتنتهم وحروبهم مما ظواهره مشكلة ، واستنباطهم أحكام البغاة وغيرهم مما وقع بينهم ، وقد مر عن الشافعي رضي الله عنه أنه قال : أخذت أحكام البغاة والخوارج من مقاتلة علي لأهل الجمل والصفين وللخوارج ، وكذا غير الشافعي رضي الله عنهم . وقد ذكر أئمتنا من الأصوليين وغيرهم شبه المبتدعة التي أخذوها تارة عن كذبهم عليٰ عليٍّ وأصحابه وتارة عن بقية الصحابة ثم ردوها عن آخرها ، حتي لم يبق لهم شبهة يستندون اليها ول احجة يعتمدون عليها . وبين أئمتنا المحدثون أن كثيرا مما نقل عنهم ، اما كذب واما في سنده علة أو علل كما أشرت اليٰ كثير من ذلک في هذا الكتاب بقولي رجاله ثقات أو رجال الصحيح أو فيهم ضعيف أو مجهول أو ارسال أو وقف أو نحو ذلک مما رأيته وستريٰ بقيته . انما المراد أنه لا يجوز لأحد أن يذكر شيئاً مما وقع بينهم يستدل به عليٰ بعض نقص من وقع له ذلک والطعن في ولايته الصحيحة ، أو ليغري العوام عليٰ سبهم وثلبهم

ونحو ذلک من المفاسد ، ولم يقع ذلک الا للمبتدعة وبعض جهلة النقلة الذين ينقلون كل مارأوه ويتركونه عليٰ ظاهره ، غير طاعنين في سنده ولا مشيرين لتأويله وهذا شديد التحريم لما فيه من الفساد العظيم وهو اغراء العامة ومن في حكمهم عليٰ تنقيص أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم الذين لم يقم الدين الا بنقلهم الينا كتاب الله وما سمعوه وشاهدوه من نبيه من سنته الغراء الواضحة البيضاء ، وما بينوه لنا من الأحكام التي لا يحيط بها سواهم ، لتميزهم بالبرهان والعيان فرضي الله عنهم وأرضاهم وجزاهم عن الاسلام والمسلمين خير جزاء . وبالجملة أما ذكره لبيان الحق فيه عليٰ مقتضي الواقع بحسب ماقضت به الأدلة واجرائه عليٰ قواعد أهل السنة فهو من آكد الواجبات وأجل الطلبات لأنه يعلم به نزاهتهم
وبرائتهم كيف وكلهم عليٰ هدي من ربهم ." [1]

ترجمہ: تنبیہ! مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر بلاضرورت ناجائز ہے! ہمارے ائمہ اُصول نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں باہم جولڑائیاں ہوئی ہیں ان کا ذکر نہ کرنا چاہیے، اور ہم پر کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ تم نے کیوں ان واقعات کو بیان کیا ہے، اس لئے کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ صحیح واقعات کر کے اُن سے صحیح نتائج اخذ کریں، انہیں لڑائیوں سے
ہمارے ائمہ نے باغیوں کے احکام حاصل کئے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کے احکام حضرت علی کی لڑائیوں سے جو اہل جمل وصفّین اور خوارج سے ہوئیں حاصل کئے
ہیں۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور علماء نے بھی لکھا ہے۔

ہمارے ائمہ اُصول نے ''بدعتی'' لوگوں کے اعتراضات بھی نقل کئے ہیں، جن میں

ل (تطهير الجنان و اللسان عن الخطور و التفوه بثلب معاوية بن أبي سفيان : ص ۳۱ ، ألناشر : مكتبة الحقيقة شارع
دار الشفقة فاتح ۵۷ استنبول تر كي)

اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر افتراء پردازیاں کی ہیں، اُن اعتراضات کو نقل کر کے اُن پر ایسا ردّ کیا ہے کہ کسی اعتراض میں کچھ جان باقی نہ رہی۔

ہمارے ائمہ محدثین نے بیان کیا ہے کہ اکثر و بیشتر باتیں جو ان لڑائیوں کے متعلق منقول ہیں یا تو سرے سے ہیں ہی جھوٹی، یا پھر اُن کی سند میں کوئی خرابی ہے، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں اکثر حدیثوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی لڑائیاں اس طرح بیان نہیں کرنی چاہئیں کہ جس سے کسی پر الزام عائد ہو یا عوام کو اُن کے متعلق کسی بدگوئی کا موقع ملے۔ بعض جاہل لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھ (سن) لیتے ہیں اُسے (بلا تحقیق آگے) نقل کر دیتے ہیں، نہ سند پر غور کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کا صحیح مطلب بیان کرتے ہیں، اس سے فساد پھیلتا ہے اور عوام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے کا موقع ملتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو ہم تک پہنچایا اور اسی وجہ سے دین اسلام قائم ہے اور جو رُوشن سنت اُنہوں نے اپنے نبی سے سنی یا دیکھی وہ ہم تک پہنچادی اور وہ احکام کہ جن کا علم ان کے سوا کسی دوسرے کو نہ ہو سکتا تھا ہم کو سکھلا گئے، پس اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے انہیں اس کا بہترین بدلہ عطاء فرمائے۔

مختصر یہ کہ جو میں نے ذکر کیا ہے واقع کے مطابق محض اظہارِ حق کے لئے ذکر کیا ہے اور اہل سنت کے قواعد کے مطابق ذکر کیا ہے، ایسا ذکر کرنا اہم واجبات اور اشد ضروریات میں سے ہے، کیوں کہ اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاکیزگی اور صفائی ظاہر ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ

تمام صحابہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علم عقائد کے مشہور عالم علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" ذكر كثير من المحققين أن ذكره حرام مخافة أن يؤدي الىٰ سوء الظن ببعض الصحابة ويعضده الحديث المرفوع ﴿ لا يبلغني أحد من أصحابي عن أحد شيئاً فاني أحب أن أخرج اليكم وأنا سليم الصدر ﴾ رواه أبو داؤد من حديث ابن مسعود ...... وانما اضطر أهل السنة الىٰ ذكر تلك

القصص ، لأن المبتدعة اخترعوا فيها مفتريات وأكاذيب ، حتیٰ
ذهب بعض المتكلمين اليٰ أن روايات التشاجر كلها كذب ونعم
القول هو الا أن بعضها ثابت بالتواتر وأجمع أهل السنة والجماعة
عليٰ تأويل ماثبت منها تخليصاً للعامة عن الوساوس والهواجس وأما
ما لم يقبل التأويل فهو مردود فان فضل الصحابة وحسن سيرتهم
واتباعهم الحق ثابت بالنصوص القاطعة واجماع أهل الحق فكيف
يعارضه رواية الاٰحاد سيما من الروافض المتعصبة
الكذابين ." ؎

ترجمہ: بہت سے محققین نے ذکر کیا ہے کہ ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہ'' کا تذکرہ حرام ہے، اس لئے کہ اس سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہ سے بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اس کی تائید اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے (جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) کہ: ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بھی مجھ تک کسی کی شکایت نہ پہنچائے، کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری طرف نکلوں اور میرا سینہ (سب کی طرف سے) صاف ہو۔ (رواه ابو داؤد من حديث بن مسعود) اہل سنت کو ان واقعات کا تذکرہ مجبوری کی بناء پر اس لئے کرنا پڑا کہ اہل بدعت نے ان میں سے بہت فرضی اور جھوٹے افسانے گھڑ لئے تھے، حتیٰ کہ بعض متکلمین نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہ'' سے متعلق تمام قسم کی روایات جھوٹ کا پلندہ ہیں، متکلمین کا یہ قول ہے تو بہت اچھا، لیکن (چوں کہ) بعض روایات تواتر سے سے ثابت ہیں (اس لئے اُن کا انکار ممکن نہیں) اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ان میں سے جو واقعات ثابت ہیں ان کی مناسب تاویل کی جائے تا کہ عوام کو وساوس اور شبہات سے بچایا جاسکے اور جو واقعات تاویل کے لائق نہ ہوں تو وہ مردود ہیں، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی فضیلت، اُن کی حسن سیرت اور اُن کا حق کی اتباع کرنا نصوصِ قطعیہ اور اجماعِ اہل حق سے ثابت ہے، پس روایات آحاد بالخصوص متعصب اور جھوٹے رافضیوں کی روایات ان قطعی روایات کے معارض

۱؎ (ألناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية : ص ٥ ، ألناشر : مكتبة الحقيقة ، شارع دار الشفقة فاتح ٥٧ استنبول تركي)

کیسے ہوسکتی ہیں؟۔(ترجمہ ختم)

اس تمام تر تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم''میں ''توقف'' و ''امساک''اور کف لسان'' کے وجوب کا حکم مطلق نہیں، بلکہ یہ بعض مخصوص غیرضرورت شرعیہ و شدیدہ مواقع کے ساتھ مقید ہے،البتہ بعض مخصوص مواقع میں ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پراس مسئلے میں ''توقف'' و''امساک''اور''کف لسان'' کا حکم واجب کا نہیں رہتا بلکہ ناجائز کا ہوجاتا ہے،اور ایسے مواقع میں ''توقف'' و''امساک''اور''کف لسان''نہ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

نیز''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے مسئلے میں ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ کی پاس داری اور اُس کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن میں سے کسی ایک کی ''تصویب''اور دوسرے کے''تخطیہ'' پر موجود اسلاف کی عبارات نقل کرنا،اسی طرح اس مسئلے میں منقول شدہ روایات کا کسی کتاب میں ایک جگہ جمع کرنا بشرطیکہ اس سے کسی کا مقصد طعن وتنقید نہ ہو''نقد''نہیں کہلاتا،جیسا کہ اہل سنت والجماعت کے کئی اکابر مفسرین،محدثین،اور مؤرخین وغیرہ حضرات نے''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' سے متعلق مختلف قسم کی روایات کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔

''مجتہد مخطی''،حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی''مخطی''ہوتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اجتہادی اختلافات پر تو حقیقت نفس الامری میں بھی گناہ یا خطاء کا اطلاق نہیں ہوسکتا،کیونکہ''مجتہد مخطی'' بہرصورت ماجور ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

’’...... یہ بھی ملحوظ رہے کہ ’’کف لسان‘‘ کا حکم بھی اُن خطاؤں کے بارے
میں دیا گیا ہے جو فی الواقع خطائیں سمجھی جاتی ہیں، جیسے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ امرأۃ غامدیہ
رضی اللہ عنہا حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا اور حضرت
حاطب رضی اللہ عنہ وغیرہم کے واقعات ہیں۔ جب کہ مشاجرات اور اجتہادی اختلافات پر تو
حقیقت نفس الامری میں
بھی گناہ یا خطاء کا اطلاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ ’’مجتہد مخطی‘‘ بہر صورت ماجور ہوتا ہے......‘‘

ا

جی ہاں! ’’مجتہد مخطی‘‘ حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی ’’مخطی‘‘ ہوتا ہے!:

سبحان اللہ! پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے تو یہاں پر ’’خطائے اجتہادی‘‘ کو حقیقت
نفس الامر کے اعتبار ہی

ا (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۷)

سے ’’خطاء‘‘ ماننے سے انکار کر دیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ چوں کہ ’’مجتہد مخطی‘‘ عنداللہ ماجور ہوتا
ہے، اس لئے حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے لفظ ’’خطاء‘‘ کا اطلاق ’’مجتہد مخطی‘‘ پر ہو ہی نہیں سکتا
، حالاں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ بات کسی طرح بھی درُست نہیں، بلکہ حقیقت نفس
الامر کے اعتبار سے لفظ ’’خطاء‘‘ کا اطلاق ’’مجتہد مخطی‘‘ پر ہوسکتا ہے، اس لئے کہ جب دو
مجتہد اجتہاد کرتے ہوئے باہم دو متضاد مؤقف اختیار کرتے ہیں تو لازماً ان میں سے ایک مجتہد
’’مصیب‘‘ اور دوسرا ’’مخطی‘‘ ہوتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں مجتہد اپنے اپنے متضاد
اجتہاد میں ’’مصیب‘‘ ہی ہوں،
یا دونوں ’’مخطی‘‘ ہی ہوں، بلکہ لازماً اُن میں سے ایک ’’مصیب‘‘ اور دوسرا ’’مخطی‘‘ ہوتا ہے۔

ایک مثال:

اس کی ایک عام اور سادہ سی مثال جو اکثر کتب فقہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ مثلاً ایک
شخص اندھیری رات میں چند لوگوں کی امام کرا رہا ہے اور اُس نے تحری کر کے اپنے لئے قبلہ کی

ایک جہت مثلاً مشرق متعین کی ہے،اوراس کے پیچھے والوں نے تحری کر کے کسی دوسری جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی،اوروہ یہ نہیں جانتے کہ امام نے منہ کس
طرف کیا ہوا ہے؟ تواس صورت میں ان سب کی نماز ادا ہو جائے گی۔

چنانچہ علامہ برہان الدین المرغینانی صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

**" ومن أم قوماً في ليلة مظلمة ، فتحري القبلة وصلي اليٰ المشرق وتحري من خلفه فصلي كل واحد منهم اليٰجهة وكلهم خلفه ولا يعلمون ما
صنع الامام أجزأهم ."** [1]

ترجمہ:اور جس شخص نے اندھیری رات میں کسی قوم کی امامت کی،اور قبلہ کی تحری کی اور مشرق کی کی طرف نماز پڑھ لی،اوراس کے پیچھے والوں نے (قبلہ کی) تحری کی اوراُن میں سے ہرایک نے ایک (علیحدہ) جہت کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھی، حالاں کہ یہ سب اُس امام کے پیچھے ہیں اوروہ یہ نہیں جانتے کہ امام نے کس طرف منہ کیا ہوا ہے؟ توان سب
کی نماز ادا ہو جائے گی۔(ترجمہ ختم)

ایسی صورت میں نماز کا اجر سب کو ملے گا اور کوئی ایک بھی گناہ گار نہ ہوگا،لیکن اِس کے باوجود کوئی یہ نہیں کہہ

[1] (ألهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني : ١/ ٤٧ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

سکتا کہ سب کی جہت قبلہ درُست تھی۔

پس اسی طرح جب کسی مسئلہ میں دو مجتہد اجتہاد کرتے ہوئے متضاد مؤقف اختیار کرتے ہیں تولازماً ان میں سے ایک مجتہد ''مصیب'' اور دوسرا ''مخطی'' ہوتا ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں مجتہد اپنے اپنے اجتہاد میں ''مصیب'' ہی

ہوں، یا دونوں ''مخطی'' ہی ہوں۔

صاحب شریعت کا کسی ''مجتہد مخطی'' سے عفو و درگزر کا معاملہ فرما کر اُسے اجر واحد کا مستحق ٹھہرانا مآل کار، ثوابِ آخرت کے اعتبار سے ہے، حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اُس کے ''مجتہد مصیب'' ہونے کے اعتبار سے نہیں

ہے۔

یا بالفاظِ دیگر صاحب شریعت نے ''مجتہد مخطی'' کے لئے اجر واحد کا اعلان اس لئے کیا ہے کہ اس نے ایک نیک مقصد اور ایک نیک کام میں حتیٰ المقدور اپنی طاقت بشریہ کو کھپایا اور اس میں جد و جہد اور محنت سے کام لیا ہے اگر چہ وہ ایک صحیح اور درُست سمت کی طرف رہنمائی حاصل نہ کر سکا۔ اس لئے نہیں کہ اُس کا یہ اجتہاد حقیقت نفس الامر کے

اعتبار سے بھی صحیح اور درُست ہے۔

پس ثابت ہوا کہ ''مجتہد مخطی'' کا اپنی ''خطائے اجتہادی'' کے باوجود اجر واحد کا مستحق

ہونا اور چیز ہے اور اس

''اجر واحد'' کے مستحق ہونے کے باوجود اس کا حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے ''مخطی'' ہونا اور

چیز ہے۔

لہٰذا ''مجتہد مخطی'' کے لئے اجر واحد کے استحقاق کے اعلان کو علت بنا کر حقیقت نفس

الامر کے اعتبار سے

اُس کو ''مجتہد مصیب'' قرار دینا بعید از قیاس استدلال اور فقہ اسلامی کی مبادیات سے جہالت اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

کیا ''خطائے اجتہادی'' عند اللہ قابل گرفت ہے؟

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

......''یہ الگ بات ہے کہ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے ایک عقیدت منداور اُن کے جلیل القدر خلیفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کے دارالافتاء والتحقیق کے معین مفتی شعیب احمد صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''خطائے اجتہادی'' کو دُنیا میں بھی ''قابل گرفت'' سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ایک بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اصل بات یہ ہے کہ یہاں'' أللھم اجعله ھادیاً ......'' دُعاء ہدایت کی ہے اور ہدایت ضلالت وگم راہی کے منافی ہے، اجتہادی خطاء کوشامل نہیں، چنانچہ صفین کا واقعہ بتصریح اہل سنت اُن کی اجتہادی خطاء پر مبنی تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اُن کوشہید کیا تھا، ان کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ :'' تقتلک ألفئة الباغية '' (تمھیں باغی جماعت قتل کرے گی) چوں کہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج نے قتل کیا تھا اس لئے وہ باغی جماعت تھی اور شریعت کی اصطلاح میں ''باغی'' وہ ہوتا ہے جو امام برحق کے خلاف خروج کرے، اگر چہ خروج کا فیصلہ اجتہاد ہی سے کیا ہو، چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور فقیہ تھے یعنی بڑے آدمی تھے اس لئے ان کی ''گرفت'' دُنیا ہی میں ہوئی کہ ان کو ''باغی'' کہا گیا اور یہ اس وجہ سے کہ تم لوگ تو علم وعقل والے اور مرتبے والے تھے، فیصلہ کرنے میں مزید غور وفکر کیوں نہیں کیا؟۔'' [1]

اس عبارت میں ''معین'' مفتی صاحب کی طرف سے ۲۰۱۲ء میں ''حدیث عمار'' کی بناء پر حضرت معاویہ کے خلاف جو توہین آمیز مؤقف پیش کیا گیا وہ قدرے مزید شدت کے ساتھ صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۲۰۰۸ء میں پیش کر چکے ہیں، چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون ''مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں اور اُن کا جواب'' میں فرماتے ہیں کہ:'' ......اجتہادی غلطی کی اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی جانب سے نشان دہی کر دی جائے تو صرف اُسی وقت وہ یقینی طور پر ''خطاء'' ہوگی، جیسا کہ حضرت معاویہ کے بارے میں رسول اللہ نے حضرت عمار بن یاسر کو بتایا کہ:'' تقتلک الفئة الباغية '' (یعنی تمھیں باغی جماعت قتل کرے گی۔)

شریعت کی نظر میں ''باغی'' اُس کو کہتے ہیں جو امام حق کے خلاف ناحق خروج کرے، اگر چہ اس کی بنیاد اجتہاد پر ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر حضرت

۱ (یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزیؒ کی نظر میں: ص ۱۴۰، مطبوعہ شاہ نفیس اکادمی لاہور)

علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور حدیث نے بتایا کہ وہ امام حق کے خلاف ناحق تھا لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا ''خطاء'' ہونا ہمیں معلوم ہو گیا۔

خلفائے اربعہ کے کسی اجتہاد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسی کئی (کوئی، از: راقم الحروف) تصریح تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان کا اجتہاد اللہ اور اُس کے رسول کی نظر میں پسندیدہ نہیں تھا۔'' [۱]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں:

صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبد الواحد صاحب کا حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی رُو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقینی طور پر ''خطاء کار'' ثابت کرنا جہاں ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے بارے میں شرعی حکم سے تجاوز ہے وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ایک عظیم ''بہتان'' بھی ہے، موصوف کی اس ناروا ''جسارت'' پر سخت تعجب ہے۔

حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبد الواحد صاحب اور معین مفتی شعیب احمد صاحب کے غلط استدلال اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''فردِ جرم'' کے جواب کا یہ موقع نہیں ہے۔ تفصیل کے خواہش مند راقم الحروف کی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

۱ (ماہنامہ ''حق چار یار'': ص ۳۸، جون ۲۰۰۸ء)

اگر ان مفتیان کرام کی ''توضیح'' کے مطابق ''حدیث عمار کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقینی طور پر' باغی، خطا کار اور دُنیا میں ہی قابل گرفت قرار دے دیا جائے تو......

حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے چار صحابی راویوں سمیت کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد بھی کیوں غیر جانب دار رہے؟ نیز دو صحابی راویوں سمیت دیگر ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہ و تابعین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کیوں جاری رکھی؟ بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ''نص صریح'' کے باوجود جنگ بندی اور تحکیم کیوں قبول فرمائی؟۔

غلو عقیدت، مسلکی مصلحت اور شخصیت پرستی کے خول سے نکل کر کتاب و سنت کی روشنی میں قرآنی شخصیات یعنی صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہ کے بارے میں فیصلہ کیا جائے کہ کیا کسی بھی غیر صحابی بزرگ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کی توہین، تنقیص اور تخطیہ کرتا پھرے؟۔''[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''مجتہد مخطی'' اور ''غیر مجتہد مخطی'' کی بحث:

اس بارے میں بنیادی بات تو یہ عرض ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کو بعض علماء (علامہ شوکانی، علامہ عینی، علامہ رشید رضا مصری، علامہ امیر یمانی، نواب صدیق حسن خان رحمہم اللہ وغیرہم) نے تو حدیث عمار: '' **تقتلک ألفئة الباغية** '' کی رُو سے ان کی ''خطائے اجتہادی'' ماننے سے ہی صاف انکار کر دیا ہے۔ اِن حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ہاتھوں ہوگئی اور حدیث عمار رضی اللہ عنہ کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا نام خوب اچھی طرح واضح ہو کر سامنے آ گیا تو اس کے بعد بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ برابر قتال جاری رکھنا اور مسلسل لڑتے رہنا حق سے اعراض اور باطل پر اصرار کرنے کے مترادف ہے۔

چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" ...... و يبعد ذلک طل البعد ولا سيما في حق من عرف منهم الحديث الصحيح أنها تقتل عماراً ألفئة الباغية " فان اصراره بعد ذلک عليٰ مقاتلة من كان معه عمار معاندة للحق وتماد في الباطل كما لا يخفيٰ

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۱۷......۱۹)

لايخفيٰ عليٰ منصف ."[1]

ترجمہ:اور یہ بات (کہ دین کے بجائے دنیا حاصل کرنے کی خاطر ایک دوسرے سے لڑنا) خصوصاً ان لوگوں (لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بہت زیادہ بعید ہے جو اس صحیح حدیث سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ:''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی'' کیوں کہ اس کے بعد بھی اس جماعت کا اُن لوگوں کے ساتھ باہم قتل وقتال پر مصر رہنا کہ جس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہیں، حق سے اعراض اور باطل پر ڈٹے رہنے کے مترادف تھا۔جیسا کہ ہر ایک منصف مزاج شخص کو معلوم ہے۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" وقال الكرماني : علي ومعاوية رضي الله عنهما كلاهما كانا مجتهدين . غاية مافي الباب أن معاوية كان مخطئاً في اجتهاده ونحوه انتهىٰ . قلت: كيف يقال كان معاوية مخطئاً في اجتهاده فما كان الدليل في اجتهاده وقد بلغه الحديث الذي قال : ويح ابن سمية تقتله الفئة الباغية . وابن سمية هو عمار بن ياسر وقد قتله فئة معاوية ." [2]

ترجمہ: علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں "مخطی" تھے (اور حضرت علی رضی اللہ عنہ "مصیب") میں کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُن کے اجتہاد میں مخطی کیسے کہا جاسکتا ہے اور اُن کے اجتہاد کے بارے میں کیا دلیل ہے؟ حالاں کہ اُنہیں یہ حدیث معلوم ہے جس میں ارشاد ہے کہ: "ابن سمیہ پر افسوس ہے کہ اُسے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" اور ابن سمیہ سے مراد حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کیا تھا۔ (ترجمہ ختم)

[1] (نيل الأوطار للشوكاني : ١٢٢/٧ ، ألناشر : ادارة الطباعة المنيرية)

[2] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ١٩٢/٢٤ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)

اگرچہ جمہور اہل سنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، مگر "خطاء" کی نوعیت کو "بغاوت" سے تعبیر کرنے پر وہ بھی متفق ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ یہ حضرات اوران جیسے بعض دوسرے علمائے اہل سنت حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے مصداق کے واضح ہوجانے کے بعد بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی جماعت کے ساتھ برابر قتال کرتے رہنے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی نہیں بلکہ بشری خطا قرار دیتے ہیں اور بشری خطا کے صادر ہونے کے نتیجے میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دُنیا ہی میں سزا دے کر اُنہیں گناہوں اور کدورتوں سے پاک صاف کر دیا تھا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس بشری اور غیر اجتہادی خطا کے صادر ہونے کے باعث ''باغی'' کہہ کر اُنہیں بھی اِس گناہ سے دُنیا ہی میں پاک اور صاف کر دیا ہے۔

لہٰذا اب اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو مفتی شعیب احمد صاحب کی یہ تحقیق کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گرفت دُنیا ہی میں ہوئی کہ اُن کو ''باغی'' کہا گیا۔'' اپنی جگہ بالکل صحیح اور درُست معلوم ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ باغی کا اطلاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی اور نے نہیں کیا بلکہ خود شارع علیہ السلام نے کیا ہے، اس لئے ناقل پر کیا الزام عائد ہوسکتا ہے، جب کہ وہ عناداً نہیں بلکہ ایک شرعی مسئلہ کی وضاحت کے لئے ایسا کر رہا ہے۔

اسی طرح حضرت مفتی ڈاکٹر عبد الواحد صاحب رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں:

''بغاوت'' فی نفسہٖ موجب قدح ہے۔ البتہ اگر مبنی بر اجتہاد ہو تو اِس پر گناہ نہیں ہوتا اور ایک اجر کا وعدہ بھی ہے۔ اور بندوں کے اعتبار سے محل طعن وقدح بھی نہیں ہوتا۔ البتہ شارع کی جانب سے عتاب کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ لیکن ایسا بھی صرف اُن لوگوں کے حق میں ہوتا ہے جن کو بارگاہِ الٰہی میں خصوصی مقام حاصل ہو، یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور وہ اِس بناء پر کہ اُن کو معاملہ کی اہمیت اور اپنے مرتبہ اور شان کے اعتبار سے زیادہ غور وفکر سے کام لینا چاہیے تھا اور اجتہاد میں مزید کوشش کرنی چاہیے تھی۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں:

’’(۱) حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں: ’’اگر کسی کو خلجان ہو کہ جو خطاء تاویل سے وہ اِس قدر دار و گیر کے قابل نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جس قدر فہم و خصوصیت زیادہ ہوتی ہے اُس پر ملامت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے: ’’**حسنات الأبرار سیآت المقربین**‘‘ اور حاصل اِس کا یہ ہوتا ہے کہ تم نے زیادہ غور سے کیوں کام نہیں لیا؟ (بیان القرآن: جلد اوّل ص ۱۴، مطبوعہ: تاج کمپنی) (۲) مسائل السلوک میں **قوله تعالي: لو لا كتاب من الله سبق لمسكم** ......**ألخ** جس خطائے اجتہادی پر اجر وارد ہے اُس پر عتاب اِس مقولہ کی دلیل ہے: ’’**حسنات الأبرار سیآت المقربین** ‘‘ (بیان القرآن: جلد اوّل ص ۳۸۲، مطبوعہ: تاج کمپنی) ﴿**تقتلک ألفئة الباغية**﴾ میں بھی ایسا ہی عتاب ہے کہ از روئے عتاب باغی جیسا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ (مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا ایک غیر مطبوعہ فتویٰ)

حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی رُو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں مخطی تھے!

بہر حال جہاں تک مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ’’باغی‘‘ ثابت کرنے کا تعلق ہے تو اِس میں یہ دونوں حضرات تنہا نہیں ہیں، بلکہ یہ تو جمہور علمائے اہل سنت کا ایک اجماعی مؤقف ہے کہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ ﴿**تقتلک ألفئة الباغية**﴾ کی رُو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کا حق پر ہونا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کا خطاء پر ہونا ایک ایسی رُوشن حقیقت ہے کہ جس سے کسی بھی منصف مزاج شخص کو انکار نہیں۔

۱- چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

’’ **وفي قوله صلي الله عليه وسلم : تقتل عماراً ألفئة الباغية دلالة**

واضحة عليٰ أن عليا ومن معه كانوا عليٰ الحق وأن من قاتلهم كانوا مخطئين
في تأويلهم . والله أعلم .'' ؎۱

ترجمہ: حضورِ اقدس ﷺ کے اس قول: ''عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی''، میں اس بات پر واضح دلالت موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور
ان کے قتال کرنے والے اپنی تاویل میں مخطی تھے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

۲- اسی طرح امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

'' فتقرر عند علماء المسلمين ، وثبت بدليل الدين أن عليا رضي الله عنه كان اماماً ، وأن كل من خرج عليه باغ ، وأن قتاله واجب ، حتي
يفئ اليٰ الحق ، وينقاد اليٰ الصلح .'' ؎۲

ترجمہ: پس مسلمانوں کے علماء کے نزدیک دین کی دلیل سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ امام (خلیفہ راشد) تھے، اور جس نے بھی اُن کے خلاف خروج کیا ہے وہ باغی ہے، اور اُس سے قتال واجب ہے، یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے، اور صلح
کرنے پر رضامند ہو جائے۔ (ترجمہ ختم)

۳- اسی طرح علامہ ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

" فقد صح عن النبي صلي الله عليه وسلم أنه أنذر بخارجة تخرج من طائفتين من أمة يقتلها أولي الطائفتين بالحق ، فكان قاتل تلك الطائفة علي رضي الله عنه فهو صاحب الحق بلا شک.وكذلک أنذرعليه السلام بأن عماراً تقتله ألفئة الباغية فصح أن علياً هو صاحب الحق . وكان عليٌّ السابق اليٰ الامامة فصح بعد أن صاحبهاوأن من نازعه فيها فمخطيٌ فمعاوية مخطيٌ مأجور مرة ، لأنه مجتهد ولا حجة في خطأ المخطئ ." ۳

۱ (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر ألعسقلاني : ٦١٩/٦ ، ألناشر : دار المعرفة ، بيروت ، هجرية)

۲ (ألجامع لأحكام القرآن ألمعروف بتفسير القرطبي :)

۳ (ألفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم ألظاهري : ٧٣/٤ ، ألناشر : مكتبة الخانجي ، ألقاهرة)

ترجمہ: چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے اپنی اُمت کی دو جماعتوں میں سے خروج کرنے والی جماعت کو اس بات سے آگاہ کیا کہ حق سے زیادہ قریب دوسری جماعت ان سے قتال کرے گی۔ پس اس برحق جماعت کے قتال کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور بلا شک وریب صاحب حق ہیں۔ اسی طرح آپ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، پس ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی صاحب حق ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ بنے تھے تو اس کے بعد ثابت ہوا کہ آپ خلافت کے اہل تھے، اور جنہوں نے آپ سے اس بارے میں جھگڑا کیا تو وہ مخطی ہیں
پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مخطی ہیں (اور) اجر واحد کے مستحق ہیں۔ (ترجمہ ختم)

۴- اسی طرح علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) میں لکھتے ہیں:

" (ويح عمار) بالجر علي الاضافة و هو ابن ياسر (تقتله الفئة الباغية) قال القاضي في شرح المصابيح : يريد به معاوية وقومه ...... ألخ و هذاصريح في بغي طائفة معاوية الذين قتلوا عماراً في وقعة صفين وأن الحق
مع علي ." [1]

ترجمہ: (افسوس! عمار رضی اللہ عنہ کو) لفظ عمار اضافت کی بناء پر مجرور ہے۔ اور یہ یاسر کے بیٹے ہیں۔ (ایک باغی جماعت قتل کرے گی) قاضی نے مصابیح کی شرح میں کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے باغی ہونے کے بارے میں صریح ہے، جنہوں نے واقعہ صفّین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اور اس بارے میں بھی صریح ہے کہ اس واقعہ میں حق
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ (ترجمہ ختم)

۵- اسی طرح علامہ محمد بن علی الاثیوبی الولوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وفي......قوله صلي الله عليه وسلم: تقتل عماراً ألفئة الباغية دلالة واضحة عليٰ أن عليا رضي الله عنه ومن معه كانوا عليٰ الحق وأن من قاتلهم

[1] (فيض القدير شرح جامع الصغير للمناوي : ٣٦٥/٦، ألناشر : ألمكتبة التجارية الكبريٰ ، مصر)

كانوا مخطئين في تأويلهم . والله تعاليٰ أعلم ." [1]

ترجمہ: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول: "عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" اس بات پر واضح دلالت موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور
اُن سے لڑنے والے اپنی تاویل میں خطاء پر تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

۶-اسی طرح علم عقائد کے مشہور محقق علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"ان أهل السنة اجمعوا عليٰ أن من خرج عليٰ عليٍّ كرم الله

وجهه

خارج عليٰ الامام الحق ، الا أن هذا البغي الاجتهادي معفو عنه ." ۲

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا ہے تو اُنہوں نے ایک امام برحق کے خلاف ناحق خروج کیا ہے (اور اسے بغاوت کہا جاتا ہے) مگر چوں کہ یہ بغاوت اجتہاد شرعی کے نتیجہ میں تھی اس لئے ان

حضرات کے حق میں یہ معاف ہے۔ (ترجمہ ختم)

۷-اسی طرح شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

"......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی، اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اِن کے خلاف قتال کرنا بلا شبہ غلط تھا، اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے بغاوت کے ذیل میں آتا تھا، جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہِ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اُن سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا۔ لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا، اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے، جو غلط فہمی پر مبنی سہی، لیکن دیانت دارانہ تھے، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے

اِن کا یہ عمل اجتہادی غلطی کے ذیل میں آتا ہے۔

۱ (ذخيرة العقبيٰ في شرح المجتبيٰ : ۱۲۷/۲۳ ، ألناشر : دار المعراج الدولية للنشر ، و دار آل بروم للنشر والتوزيع)

۲ (ألناهية عن طعن معاوية للفرهاروي : ص ٣٨، تحت الجواب التاسع ، ألناشر : ألمكتبة الحقيقة ، استنبول ، تركي)

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ذبیحہ پر جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ کر اسے مار دینا اور پھر اسے کھانا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہِ کبیرہ ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اسے جائز سمجھا ہے، اس لئے اگر کوئی شافی المسلک انسان اسے کھالے تو اس کا یہ عمل دلائل شرعیہ کی رُو سے گناہِ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن چوں کہ وہ نہایت دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوا، اس لئے اس شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح کسی امام برحق کے خلاف بغاوت کرنا گناہِ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن...... اگر کوئی شخص جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو، اپنے دیانت دارانہ اجتہاد کی رُو سے اسے جائز سمجھتا ہو، تو اس کی بناء پر وہ فاسق نہیں ہوتا، بلکہ اس کی غلطی کو خطائے اجتہادی کہا جاتا ہے۔'' ۱

پس معلوم ہوا کہ صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا استدلال اپنی جگہ بالکل صحیح اور دُرست ہے، اور علمائے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی میں ان کے معتدل اور مبنی بر حقیقت نظریئے کے عین موافق ہے۔

کیا کسی ''مجتہد مخطی'' کا یقینی طور پر ''تخطیہ'' کیا جاسکتا ہے؟:

باقی رہی بات کسی مجتہد کا یقینی طور پر ''تخطیہ'' کرنے کی تو بقول صدر مفتی ڈاکٹر عبد الواحد صاحب کے کہ:

''اجتہادی غلطی کی اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نشان دہی کردی جائے تو صرف اسی وقت وہ یقینی طور پر خطاء ہوگی۔''

جیسا کہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ میں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی کہ اس سے اُس مجتہد مخطی کی کسی طرح توہین یا تنقیص ثابت ہوتی ہے۔ اگر علمائے اِسلام کسی مجتہد کا یقینی طور پر کسی دلیل شرعی کی بناء پر ''تخطیہ'' کریں تو یہ اُس کی توہین یا تنقیص کو مستلزم نہیں، اس لئے کہ بسا اوقات بعض شرعی ضروریات کی بناء پر صحیح مسئلے کا سراغ لگانا لازم ہوتا

ہے اور کسی دلیل شرعی یا قرینہ کے پائے جانے کی صورت میں اصل مسئلہ واضح ہو جاتا ہے، اور اُس کے بعد یقینی طور پر اگر کسی ''مجتہد مخطی'' کا ''تخطیہ'' کرنا پڑ جاتا ہے تو اس سے اُس مجتہد کی توہین یا تنقیص ہرگز ثابت نہیں ہوتی، اس لئے کہ علمائے اہل سنت نے وہ کیا جو اُن پر واجب تھا، جب کہ مجتہد مخطی اپنی اس خطائے اجتہادی

۱؎ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ص ۲۶۲، ۲۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی)

کے باوجود عنداللہ مغفور و ماجور اور مستحق ثواب ہوتا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا اعتراض:

حدیث عمار رضی اللہ عنہ ﴿تقتلک الفئة الباغیة﴾ کی رُو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یقینی طور تخطیہ کرنے پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ:

''حدیث عمار کے چار صحابی رضی اللہ عنہم راویوں سمیت کثیر صحابہ قتل عمار کے بعد بھی کیوں غیر جانب دار رہے؟ نیز دو صحابی رضی اللہ عنہم راویوں سمیت دیگر ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کیوں جاری رکھی؟ بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ''نص صریح'' کے باوجود جنگ بندی اور تحکیم کیوں قبول فرمائی؟'' ۱؎

(سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۸)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اعتراض کا جواب:

تو اُس کا جواب یہ ہے کہ جنگ صفّین میں حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے راویوں میں سے صرف چند ایک افراد شامل تھے۔ اکثر راوی مثلاً حضرت ابوسعید خدری، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما وغیرہما موجود نہ تھے۔ کوئی ''مکہ'' میں تھا، کوئی ''مدینہ'' میں تھا اور کوئی ''کوفہ'' میں تھا۔ نیز جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو وہ جنگ کا آخری دن تھا، اُور اس کے چند گھنٹوں بعد جنگ بندی ہو گئی تھی۔ لہٰذا ایسے میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر دوسرے شہروں تک جانا اور پھر وہاں سے حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے راویوں کا میدانِ جنگ میں آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا ناممکن تھا۔

البتہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے جو غیر جانب دار راوی موقع پر موجود تھے، قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد لشکر علوی رضی اللہ عنہ میں شامل ہونے والے حضرات:

﴿۱﴾ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ:

چنانچہ جنگ صفین میں غیر جانب دار رہنے والے حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے مشہور راوی حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مشہور اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنگ صفیّن میں قتل عمار رضی اللہ عنہ سے پہلے وہ غیر جانب دار تھے، لیکن جوں ہی
حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آ کر شامل ہو گئے اور شہید ہونے تک برابر لڑتے رہے۔

چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مستدرک'' میں یہ صحیح حدیث نقل کی ہے کہ:

" شهد خزيمة بن ثابت الصفين وهو لا يسل سيفاً .قال أنا لا أضل أبداً بقتل عمار فأنظر من يقتله فاني سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول :﴿تقتلک ألفئة الباغية﴾ قال : فلما قتل عمار قال خزيمة : قد حانت
له الضلالة ، ثم أقرب ."[1]

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفیّن میں موجود تھے، لیکن اُنہوں نے تلوار نہیں اُٹھائی، اور فرمایا کہ: "قتل عمار رضی اللہ عنہ سے میں کبھی نہیں بھٹک سکتا، لہٰذا میں دیکھتا ہوں کہ اُنہیں کون قتل کرے گا؟ کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو) یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اب اُن کے لئے بھٹکنے کا وقت آن پہنچا ہے، پھر وہ قریب ہوئے (اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور
لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں ہے:

''عن محمد بن عمارة بن خزيمة بن ثابت قال : ما زال جدي كافا سلاحه يوم صفين ويوم الجمل حتي قتل عمار فلما قتل سل سيفه وقال: سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : تقتل عماراً ألفئة الباغية
فقاتل حتي قتل .'' ۲

ترجمہ: محمد بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میرے دادا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ جمل وصفّین میں برابر اپنے ہتھیار (تلوار) کو روکے رہے یہاں تک کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ
قتل ہو گئے۔

۱ (ألمستدرك عليٰ الصحيحن للحاكم : ٤/٤٣٤ ، ألناشر ، دار الكتب العلمية ، بيروت)

۲ (ألمصنف لابن أبي شيبة : ٧/٥٥٢ ، ألناشر : مكتبة الرشد ، ألرياض)

چنانچہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' پس وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل شام سے) لڑتے رہے یہاں کہ قتل
ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"و كان (أي خزيمة بن ثابت) مع عليٍّ رضي الله عنه
بصيفين
فلما قتل عمار سل سيفه فقاتل حتي قتل ."[1]

ترجمہ: جنگ صفّین میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے پس جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو اُنہوں نے تلوار سونت لی اور لڑتے رہے یہاں تک کہ
قتل ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابو حفص ابن ملقن مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) لکھتے ہیں:

" وخزيمة بن ثابت ...... شهد صفين ممسكا عن القتال ، فلما
قتل عمار قال : سمعت النبي صلي الله عليه وسلم يقول لعمار :
تقتلک ألفئة
الباغية فجرد سيفه وقاتل حتي قتل ."[1]

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفّین میں موجود تھے، لیکن لڑائی سے رُکے رہے۔ پس جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے کہ:
"تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔"
پس اُنہوں نے اپنی تلوار ننگی کی (یعنی نیام سے باہر نکالی) اور لڑنا شروع کر دیا
یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ١٠٤/١٤ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)

۲ (ألتوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن ملقن : ۲۲/۴۳۶ ، ألناشر ، دار النوادر ، دمشق ، سوريا)

﴾ ۲ ﴿ حضرت زبیر بن عبدالخولانی رضی اللہ عنہ:

اسی طرح جنگ صفّین میں حضرت معاویہ کی طرف سے شریک ہونے والے ایک اور صحابی حضرت زبیر بن
عبدالخولانی رضی اللہ عنہ بھی قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد لشکر علوی رضی اللہ عنہ میں شامل ہو گئے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" زبيد بن عبد ألخولاني : له ادراک ، وشهد فتح مصر ، ثم شهد صفين مع معاوية ، وكانت معه ألراية ، فلما قتل عمار تحول الىٰ عسكر علي
ذكره ابن يونس ومن تبعه ." ۱

ترجمہ: زبید بن عبدالخولانی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا، اور فتح مصر میں موجود تھے، پھر جنگ صفّین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی موجود رہے، جھنڈا آپ کے پاس تھا، پس جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو آپ لشکر علوی رضی اللہ عنہ کی طرف پھر گئے۔ ابن یونسؒ
اور اُن کے متبعین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

﴾ ۳ ﴿ حضرت ہنی رحمۃ اللہ علیہ:

اسی طرح بعض شامی تابعی حضرات بھی قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد شامی لشکر کو چھوڑ کر لشکر علوی رضی اللہ عنہ میں شامل
ہو گئے تھے۔

چنانچہ اسی طرح کے ایک شامی بزرگ حضرت ہنیؒ (جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) کا ذکر
کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" وشهد (أي هُنَيٌّ موليٰ عمر بن الخطاب رضي الله عنه)

صفين

مع معاوية ، ثم تحول الیٰ عليٍّ لما قتل عمار ."۲

ترجمہ:ہُنَیؒ جنگ صفّین میں (پہلے تو) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، لیکن

جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

۱ (ألاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر ألعسقلاني : ۲/ ۵۲۰ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲ (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر ألعسقلاني : ۱۷۶/۶، ألناشر : دار المعرفة ، بيروت ، لبنان)

اِس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ بات روزِ رُوشن کی طرح واضح تھی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قتل کیا ہے،اور قاتل کوئی گم نام نہیں بلکہ مشہور صحابی حضرت ابوالغادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ تھے جو لشکر شام کے افسر تھے،اور اس پر ماہرین فن اسماء الرجال کا اتفاق ہے۔

چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" أبو الغادية يسار بن سبيع ، قاتل عمار ، له صحبة ."۱

ترجمہ:ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کا نام یسار بن سبیع ہے۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ اِن کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔یہ صحابی ہیں۔

اسی طرح امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

" أما غادية فهو أبو الغادية يسار بن سبع له صحبة ...... وهو قاتل
عمار بن ياسر بصفين ." ۲

ترجمہ: بہرحال غادیہ تو وہ ابو الغادیہ یسار بن سبع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، اور یہی جنگ
صفّین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴٦٣ھ) لکھتے ہیں:

" فأما أبو الغادية فطعنه ." ۳

ترجمہ: بہرحال ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تو اُنہوں نے (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو) نیزہ مارا (اور شہید کیا)۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٦٣٠ھ) لکھتے ہیں:

" يسار بن سبع أبو الغادية الجهني......وهو قاتل عمار بن ياسر ." ۴

ترجمہ: یسار بن سبع ابو الغادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ ہیں......اور یہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

۱ (ألكنىٰ و الأسماء للنسائي : ٦٦٩/٢، ألناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الاسلامية ، ألمدينة المنورة ، ألسعودية)

۲ (ألمؤتلف و المختلف للدار قطني : ١٧٩٢/٤، ١٧٩٣ ، ألناشر : دار الغرب الاسلامي ، بيروت)

۳ (ألاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر : ١١٣٩/٣ ، ألناشر : دار الجيل

، بيروت)

۴؎ (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير ألجزري : ٥/ ٤٨٠ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

أبو الغادية ألجهني : يسار بن سبع ، له صحبة ، وهو قاتل عمار ."۱؎

ترجمہ: ابوالغادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ کا نام یسار بن سبع ہے، یہ صحابی ہیں اور یہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔

اور یہ بات تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی بالکل ہی غلط ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''جنگ صفین'' میں ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، ہزاروں نہیں بلکہ گنتی کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، جن کی تعداد علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے دس (۱۰) تک بتلائی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وشهد صفين مع معاوية من الصحابة عمرو بن العاص السهمي وابنه عبد الله ، وفضالة بن عبيد الأنصاري ومسلمة بن مخلد ، والنعمان بن بشير ومعاوية بن حديج الكندي و أبو غادية الجهني قاتل عمار و حبيب بن مسلمة الفهري و أبو الأعور السلمي و بسر بن أرطأة العامري ." ۲؎

ترجمہ: جنگ صفّین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام یہ ہیں: (۱) عمرو بن العاص سہمی رضی اللہ عنہ (۲) اور اُن کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (۳) فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ (۴) مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ (۵) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (۶) معاویہ بن حدیج کندی رضی اللہ عنہ (۷) ابوغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ قاتل عمار رضی اللہ عنہ (۸) حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ (۹) ابوالاعور سلمی رضی اللہ عنہ (۱۰) بسر بن ارطاۃ عامری رضی اللہ عنہ۔ (ترجمہ ختم)

نیز خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اِس بات کا اقرار تھا کہ ''جنگ صفّین'' میں میرے ساتھ چند صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔

چنانچہ یہ روایت ملاحظہ فرمائیے!:

" عن عبادة بن نسي ، قال : خطبنا معاوية رضي الله عنه عليٰ منبر الصَّنّبْرة ...... وقال : ...... لقد شهد معي صفين عدة من أصحاب محمد صلي

الله عليه وسلم ." ۳

۱ (ألمقتني في سرد الكني للذهبي : ۳/۲، ألناشر : ألمجلس العلمي بالجامعة الاسلامية ، ألمدينة المنورة ، ألسعودية)

۲ (سير أعلام النبلاء للذهبي : ۵۲۷/۲ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة)

۳ (ألآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : ۳۷۵/۱ ، ألناشر : دار الراية ، ألرياض ، ألمملكة العربية ، ألسعودية)

ترجمہ: عبادہ بن نسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صنبرہ کے منبر پر ہمیں خطبہ دیا......اور فرمایا......میرے ساتھ ''جنگ صفّین'' میں چند اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود

تھے۔(ترجمہ ختم)

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:

ممکن ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ہم پر یہ اعتراض کریں کہ لفظ ''عدۃ'' کا معنیٰ تو لغت میں ''جماعت'' کا بھی آتا ہے، تو پھر تم نے اس کا معنیٰ ''چند'' ہی کے لفظ سے کیوں کیا ہے؟ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ ایک قرینہ پائے جانے کی وجہ سے یہاں پر ہم نے لفظ ''عدۃ'' کا ترجمہ ''چند'' کے لفظ سے کیا ہے اور وہ قرینہ یہ ہے کہ حدیث، تواریخ، اور اسماء الرجال وغیرہ کی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ جنگ صفّین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دس، بیس سے زیادہ نہیں تھی، جیسا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابھی اوپر گزرا، اس

لئے ہم نے لفظ ''عدۃ'' کا ترجمہ ''چند'' کے لفظ سے کیا ہے۔

چنانچہ آپ کتب حدیث، کتب تواریخ اور کتب اسماء الرجال کو چھانیں تو بہ مشکل دس سے بیس صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام ملیں گے، جن میں سے اکثر و بیشتر غیر معروف ہیں، حتیٰ کہ اُن کی صحابیت بھی مختلف فیہ ہے۔ نیز مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مروان بن حکم رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ جیسے بڑے شامی حضرات بھی اِن جنگوں کے دوران حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے
الگ رہے۔

اب رہا یہ سوال کہ "قتل عمار رضی اللہ عنہ" کے سبب جب معاملہ واضح ہوگیا کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر ہیں اور بغاوت کر رہے ہیں تو پھر عمومی شامی لشکر نے کیوں رجوع نہ کیا؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ شامی فوج نظم وضبط کی پابند تھی اور اپنے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابرو کے اشارے پر چلتی تھی، بالخصوص اُس وقت جب کہ خود امیر لشکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حق میں ایک یہ بعید از قیاس تاویل کر لی تھی کہ دراصل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی ہیں جنہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ہماری تلواروں کے سامنے لا
ڈالا۔

چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت ہے کہ:

"لما قتل عمار بن ياسر دخل عمرو بن حزم عليٰ عمرو بن العاص

فقال : قتل عمار . وقد قال رسول الله صلي الله عليه وسلم : ﴿ تقتله ألفئة الباغية ﴾ فقال عمرو بن العاص فزعاً : يرجع حتي دخل عليٰ معاوية فقال له معاوية ماشأنک ؟ قال : قتل عمار فقال له معاوية :قد قتل عمار فماذا ؟ قال عمرو :سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : تقتله ألفئة الباغية .'' فقال له معاوية :دحضت في بولک !أو نحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌّ وأصحابه
جاؤوا به حتي ألقوه بين رماحنا أو قال : بين سيوفنا.''[۱]

ترجمہ: جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اُنہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چونک کر رہ گئے اور ''انا اللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے ہوئے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کے لئے اُٹھ) کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا عمار کو قتل کر دیا گیا تو پھر کیا ہوا؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو اپنے پیشاب میں پھسلایا جائے! کیا ہم نے اُسے قتل کیا ہے؟ اُسے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے جو اُس کو لے کر آئے یہاں تک کہ اُسے ہمارے نیزوں یا فرمایا ہماری تلواروں کے درمیان ڈال دیا۔'' (ترجمہ ختم)

اسی طرح فیض القدیر شرح جامع الصغیر کی بھی ایک روایت میں آتا ہے کہ:

" دخل عمرو بن حزم علي معاوية ، فقال : قتل عمار . قال : قتل عمار فماذا ؟ قال : سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : تقتله ألفئة الباغية ." قال : دحضت في بولک ! أو نحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌّ

ل (مسند الامام أحمد بن الحنبل : ۲۹/۳۱٦ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة)

و أصحابه ألذين ألقوه بين رماحنا أو قال : بين سيوفنا ."ل

ترجمہ: عمر بن حزمؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو پھر ہوا؟" عمرو بن حزمؒ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو اپنے پیشاب میں پھسلایا جائے! کیا ہم نے اُسے قتل کیا ہے؟ اُسے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے
اُس کو ہمارے نیزوں یا فرمایا ہماری تلواروں کے درمیان ڈالا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ مطہر بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" فلما قتل عمار انتبه الناس ، و كادوا يختلفون عليٰ معاوية ، فقال
معاوية : انما قتله علي حيث عرضه للقتل ." ٢

ترجمہ: پس جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو لوگ متنبہ ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرنے کے قریب ہو گئے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُنہیں تو
حضرت علی نے قتل کیا ہے بایں حیثیت کہ اُنہیں قتل کے لئے پیش کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

" دخل عمرو (بن حزم) علي معاويه فقال :قتلنا هذا الرجل ، وقد قال رسول الله صلي الله عليه وسلم فيه ما قال فقال : أسكت!فو الله ما تزال ندحض في بولک!أ نحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌّ وأصحابه جاؤا به حتي ألقوه
بيننا ." ۳

ترجمہ:عمرو بن حزمؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا ہم نے اس شخص

۱ (فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي : ۷/ ۲۰ ، ألناشر : ألمكتبة التجارية الكبريٰ ، مصر) و (تاريخ الاسلام
للذهبي : ۳/ ۵۷۹ ، ألناشر : دار الكتب العربي ، بيروت)
۲ (ألبدأ والتاريخ للمقدسي : ۲۱۹/۵ ، ألناشر : مكتبة الثقافة الدينية ، بور سعيد)
۳ (خلاصه الوفا باخبار دار المصطفيٰ للسمهودي : ۱٤/۲ ، طبع عليٰ نفقة السيد حبيب محمود أحمد الجكيني)

(عمار رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا ہے، حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ! اللہ کی قسم! ہم ہمیشہ تجھے تیرے پیشاب میں پھسلاتے رہیں گے! کیا ہم نے اُن کو قتل کیا ہے؟ اُنہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے
ساتھیوں نے قتل کیا جو اُنہیں لے کر آئے یہاں تک کہ ہمارے سامنے ڈال دیا۔
(ترجمہ ختم)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی صورت میں اگر چہ ان حضرات کے پاس نص صریح موجود تھی، لیکن شامی قیادت کا ذہن اِسے اپنے خلاف ماننے پر آمادہ نہیں تھا، باقی شامی حضرات قیادت کے اشارے پر چلنے والے تھے، اس لئے دو صحابی راویوں سمیت بعض

شامی حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت برابر جاری رکھی۔ جب کہ دوسری طرف صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت نے حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی واضح دلالت کو دیکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت و جانب داری بھی جاری رکھی، تا آں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم قبول کرنا پڑی اور آپؓ نے جنگ بندی کا فیصلہ کر دیا۔

''دلیل قوی'' کی بنیاد پر کسی سے ''اختلاف رائے'' رکھنے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی علمی و دینی شخصیت کی رائے کے ساتھ اختلاف کرنے کی بناء پر اختلاف کرنے والا اُس کے مسلک و مشرب سے خارج نہیں ہوتا، کتب اسلامیہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں ......اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جب ''اکابر'' کے نزدیک دلیل کی بناء پر اپنے امام کے قول کو بھی ترک کیا جا سکتا ہے، حتیٰ کہ اُن کے نزدیک ''دلیل قوی'' کے مقابلے میں ''خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم'' اور ''صحابہ رضی اللہ عنہم'' کا قول بھی حجت نہیں ہے، تو پھر ''ناقدین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے ساتھ ''دلیل قوی'' کی بناء پر آخر اختلاف کیوں نہیں کیا جا سکتا؟'' **انتهيٰ ملخصاً**.[۱]

اجماع کا مخالف مسلک اہل سنت والجماعت سے خارج ہے!:

اس میں شک نہیں کہ کسی بھی علمی شخصیت کے ساتھ ''دلیل قوی'' کی بناء پر

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۹......۲۱)

''اختلاف رائے'' رکھنے سے کوئی شخص اُس کے مسلک ومشرب سے خارج نہیں ہوتا، مگر اجماع کا مخالف یقیناً اُس کے مسلک ومشرب سے سے خارج ہو جاتا ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے باغی ہونے پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ نیز اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ ''اختلاف رائے'' کا مدار دلائل پر ہوتا ہے کہ صحت وسقم کا مبنیٰ دلائل ہی ہوتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ ''اختلاف رائے'' کسی ''دلیل قوی'' کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اساطین اُمت اور اکابرین علمائے اہل سنت والجماعت کی رائے کے ساتھ جو اختلافات کیے ہیں وہ ایسے کم زور اور بھونڈے قسم کے دلائل کے ساتھ کیے ہیں کہ اُن کو دلائل کا نام دیتے ہوئے بھی ہمیں ہچکچاہٹ اور شرم محسوس ہوتی ہے، چہ جائے کہ اُنہیں قوی دلائل کا نام دیا جائے۔ اس لئے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے دلائل میں کہیں ''عباراتِ اکابر'' کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے تو کہیں دجل وفریب کا مظاہرہ کیا ہے، کہیں رطب ویابس کو جمع کیا ہے تو کہیں رنگ برنگے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں اپنے مدعاء کو اُلجھایا ہے۔ لہٰذا اس تناظر میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علمائے اہل سنت کے ساتھ جو برائے نام دلائل کے بل بوتے پر اختلافِ رائے کیا ہے اُس کی بنیاد پر وہ علمائے اہل سنت والجماعت کے مسلک ومشرب سے بالکل خارج اور باہر ہیں۔

اعتذار از جانب مصنف کتاب:

علمائے اہل سنت والجماعت کے بعض ایسے سرکردہ علمائے کرام کہ جن کی زندگی ''مدح صحابہ ورد قدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' جیسے عظیم الشان کام میں صرف ہوئی، اُن کے نام بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک غیر معقول عذر کی بناء پر
''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی فہرست میں شامل کر دیئے ہیں۔
چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

’’زیرِنظر کتاب میں بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جن کی زندگی ’’مدحِ صحابہ وردّ قدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم‘‘ میں بسر ہوئی اور اُن کی عبارات اس کتاب میں شامل کرنے سے دل ودماغ پر سخت بوجھ محسوس ہوتا رہا، اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُن
کے قابلِ اعتراض ’’ریمارکس‘‘ عدالت میں پیش نہ ہوتے (جو آج بھی ایبٹ آباد کی ایک عدالت میں مقدمہ کی مثل کا باقاعدہ حصہ ہیں) اور دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مؤقف کی تائید میں اُن سے استدلال نہ کرتے تو اِس ’’بوجھ‘‘ کے اُٹھانے سے ’’معذوری‘‘ کا اظہار کردیا
جاتا۔‘‘ [۱]

عذرِ گناہ بدتر از گناہ:

ایسے اکابرین کے اسمائے گرامی کا ’’ناقدینِ معاویہ‘‘ کی فہرست میں شامل کرنا اتنا آسان تو نہیں کہ فوراً ہضم ہوجائے آخرکار دل ودماغ پر اس کا بوجھ رہنا یقینی بات ہے۔ لیکن چلیں اگر کوئی ’’دُشمنِ معاویہ رضی اللہ عنہ‘‘ ان بظاہر قابلِ اعتراض ’’ریمارکس‘‘ سے اپنے مؤقف کی تائید میں استدلال کرتا بھی ہے تب بھی اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ اپنے غیظ وغضب کی آگ اور اپنے قہر وغصہ کا تمام تر ملبہ ان اکابرین پر گرادیا جائے کہ جنہوں نے اپنی ساری زندگی بقول خود آن موصوف کے ’’مدحِ صحابہ وردّ قدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم‘‘ جیسے رفیع العظمت اور عظیم المرتبت کام میں بسر کی، بلکہ ایسے وقت میں ان اکابرین کی عبارات واقوال کی مناسب اور معتدل توجیہات وتاویلات کرکے ان کی ذات اور اُن کے مقام ومرتبہ کا پاس اور لحاظ رکھا جاتا اور اُن کی عبارات و اقوال کا کوئی نیک اور اچھا محمل تلاش کرکے اُن کی صحیح ترجمانی کی جاتی۔ نیز اگر یہ کام خود نہیں کیا جاسکتا تھا تو کسی اہلِ علم کی طرف مراجعت کرلی جاتی اور خواہ مخواہ اس بوجھ کے اُٹھانے اور اس کو اپنے تھکے ماندے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر ڈالنے سے ’’معذوری‘‘ کا اظہار کردیا جاتا تو کیا یہ زیادہ مناسب نہیں تھا؟۔ واقعی کسی نے صحیح کہا ہے:

’’عذرِ گناہ بدتر از گناہ۔‘‘

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے متعلق بحث:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کب مسلمان ہوئے اور آپؓ نے کب اسلام قبول فرمایا؟ اس کے متعلق اصحاب سیر وتواریخ نے اپنی اپنی معلومات کی حد تک دو قسم کی مختلف روایات نقل فرمائی ہیں، ان میں سے اکثر وبیشتر مؤرخین حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''فتح مکہ'' سے ایک سال قبل ''عمرۃ القضاء'' کے موقع پر اسلام لے آئے تھے،
لیکن اپنی والدہ کے خوف سے اپنے اسلام کو مخفی رکھے رکھا۔

[1] (ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ (قدیم ایڈیشن): ص ۱۷)

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کا اپنا قول نقل کرتے
ہوئے لکھتے ہیں:

" لقد أسلمت قبل عمرة القضية ."[1]

ترجمہ: تحقیق میں نے ''عمرۃ القضاء'' سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔

اور علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" اسلام معاوية رضي الله عنه عليٰ ما حكاه الواقدي بعد
الحديبية وقال غيره : بل يوم الحديبية ، و كتم اسلامه عن أبيه و أمه ،
حتي أظهره يوم
الفتح ."[2]

ترجمہ: واقدیؒ کی روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا ''حدیبیہ'' کے بعد کا ہے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کا خیال ہے کہ وہ ''حدیبیہ'' کے دن
اسلام لائے اور اپنے اسلام کو ''فتح مکہ'' تک اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا۔ (ترجمہ ختم)

اورامام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ بن ابی سفیان قرشی اُموی، صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے اور اُن کے والد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔''[۳]

اور ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ، اُستاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

'' **يقول : انه أسلم عام عمرة القضية سنة سبع هجرية وانه لقي رسول الله صلي الله عليه وسلم بمكة مسلماً ولكن كتم اسلامه عن اُمه وأبيه وليس هذا ببعيد .''**[۴]

[۱] (ألاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر ألعسقلاني : ۴۳۳/۳ ، ألناشر :)

[۲] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان : ص۷، ألناشر:مكتبة الحقيقة ، شارع دار الشفقة ، فاتح ۵۷، استنبول ، تركي)

[۳] (حاشيه ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء : ۱ / ۴۷۲ ، ألناشر :)

[۴] (كتّاب الوحي لعبد الرحمان ألعيسيٰ : ۳۰۶)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''وہ عمرۃ القضاء کے سال ۷ھ میں اسلام لائے اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی، لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین مخفی رکھا، اور یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

جب کہ بعض دوسرے ارباب سیر وتاریخ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''فتح مکہ'' کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسلام لائے۔

چنانچہ ان میں سے پہلا قول راجح اور دوسرا قول مرجوح ہے۔ **والتفصيل في**

المطولات .

علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن جن حضرات کا یہ مؤقف ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''فتح مکہ'' کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسلام لائے تو اُنہوں نے تو اس بارے میں صرف ایک تاریخی قول نقل کیا ہے یا اسے ''فتح مکہ'' سے پہلے اسلام لانے والے قول پر ترجیح دی ہے۔ اس لئے اس سے کسی بھی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص و تحقیر ہرگز ثابت نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ان حضرات مؤرخین پر گرجتے برستے ہوئے لکھتے ہیں:

''دُشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ اُنہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے اور اُن کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے، وہ اُنہیں اسلام دُشمن ثابت نہ کرسکے، اُنہیں کسی معرکے میں آنحضرت ﷺ کا مدمقابل نہ دکھا سکے تو یہ مشہور کردیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر ''فتح مکہ'' کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے اور وہ'' مؤلفة القلوب ''اور'' طلقاء ''میں سے تھے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

''صلح حدیبیہ'' کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔'' [۱]

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ میں علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن جن حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''فتح مکہ'' کے موقع پر اسلام قبول کرنے ''مؤلفة القلوب ''اور'' طلقاء ''میں سے ہونے کی تصریح کی ہے، وہ سب کے سب ''دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' ہیں (نعوذ باللہ!) جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۲۰)

۱۔ صحابیٔ رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا حوالہ:

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" لا يقال يرد ما حكاه الواقدي أنه أسلم قبل الفتح ، ما ثبت في الصحيحين عن سعد بن أبي وقاص أنه قال: العمرة في أشهر الحج ، فعلناها وهذا أي معاوية يومئذ كافر لأنا نقول : ممنوع ذلک بل لا رد فيه ، لأن الفرض أنه كتم اسلامه فسعد ممن لم يعلم به فاستصحب حاله الیٰ يومئذ
وقضيٰ عليه بالكفرفيه باعتبار الظاهر و بالنسبة الیٰ علمه ." [1]

ترجمہ: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ واقدیؒ کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبل از "فتح مکہ" اسلام لائے تھے اور یہ بات ایک صحیح حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایام حج میں ہم نے عمرہ کیا اور اُس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کافر تھے، تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اس سے کوئی مخالفت لازم نہیں آتی اس لئے کہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا تھا تو ممکن ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں سے ہوں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے بے خبر ہوں، لہٰذا وہ اپنے علم کے مطابق اور ظاہری حالات
کے موافق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُس وقت تک کافر سمجھتے رہے ہوں۔ (ترجمہ ختم)

۲- علامہ ابو جعفر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۵ھ) لکھتے ہیں:

" أسماء المؤلفة قلوبهم من قريش وغيرهم (أبو سفيان) بن حرب بن أمية و(معاوية)ابنه ......" [2]

ترجمہ: قریش وغیرہ (قبیلوں) میں سے ابوسفیان بن حرب بن امیہ اور ان کے
بیٹے معاویہ کے نام "مؤلفۃ القلوب" میں شامل ہیں...... (ترجمہ ختم)

[1] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان : ص ۷،۸ ألناشر : مكتبة الحقيقة ،

شارع دار الشفقة ، فاتح ٥٧، استنبول ، تركي)

۲ (ألمحبر لأبي جعفر ألبغدادي : ٤٧٣/١ ، ألناشر : دار الآفاق الجديدة ، بيروت)

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

" ألمؤلفة قلوبهم من قريش أبو سفيان صخر بن حرب و ابنه معاوية ......" ۱

ترجمہ: قریش میں سے ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) صخر بن حرب اور اُن کے بیٹے معاویہ (رضی اللہ عنہ) **"مؤلفة القلوب"** ہیں......(ترجمہ ختم)

۳- امام ابن قتیبہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۷۶ھ) لکھتے ہیں:

" أسماء المؤلفة قلوبهم أبو سفيان بن حرب و معاوية ابنه ." ۲

ترجمہ: " **مؤلفة القلوب** " کے نام یہ ہیں: ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) بن حرب اور اُن کے بیٹے معاویہ (رضی اللہ عنہ) ......(ترجمہ ختم)

۴- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

" عن عبد الله ابن أبي بكر قال : أعطيٰ رسول الله صلي الله عليه وسلم المؤلفة قلوبهم ...... فأعطيٰ أبا سفيان بن حرب مائة بعير و أعطيٰ ابنه معاوية مائة بعير ." ۳

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفة القلوب" کو (کچھ مال وغیرہ) عطاء فرمایا...... چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو ایک سو اونٹ عطاء فرمائے اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک سو اونٹ عطاء فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۵- علامہ مطہر بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" أعطيٰ رسول الله (صلي الله عليه وسلم) ذلک اليوم "
ألمؤلفة قلوبهم " مائة مائة ، وأعطيٰ أبا سفيان مائة ، وأعطيٰ لمعاوية
بن أبي سفيان
مائة ...... " [۴]

[۱] (ألمنمق في أخبار قريش لأبي جعفر ألبغدادي : ١/٤٢٢ ، ألناشر : عالم الكتب ، بيروت)

[۲] (ألمعارف لابن قتيبة : ١/٣٤٢ ، ألناشر : ألهيئة المصرية العامة للكتاب ، القاهرة)

[۳] (تاريخ الرسل والملوك ألمعروف بتاريخ الطبري : ٣/٩٠ ، ألناشر : دار التراث ، بيروت)

[۴] (ألبدء والتاريخ للمقدسي : ٤/٢٣٨ ، ألناشر : ألمكتبة الثقافة الدينية ، بور سعيد)

ترجمہ: "فتح مکہ کے دن حضورِ اقدس ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" میں سے (ہر ایک شخص) کو سوسو (اونٹ) عطاء فرمائے، چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سو (اونٹ) عطاء فرمائے
اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو سو (اونٹ) عطا فرمائے...... (ترجمہ ختم)

٦- امام ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

" فأعطي رسول الله صلي الله عليه وسلم ألمؤلفة قلوبهم
وأعطي
أبا سفيان بن حرب أربعين أوقية ومائة من الابل ."[۱]

ترجمہ: پس رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کوعطاء فرمایا، اور ابوسفیان
بن
حرب رضی اللہ عنہ کو چالیس اوقیہ اور سو اونٹ عطاء فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

موصوف ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" أبو سفيان لم يزل علي الشرک يقود الجموع لقتال النبي صلي الله عليه وسلم اليٰ أن أسلم يوم فتح مكة وكان الايمان في قلبه متزلزلاً فعد في المؤلفة قلوبهم ثم استقر ايمانه وقوي يقينه ." [۲]

ترجمہ: ابوسفیان مشرک بن کر نبی اکرم ﷺ سے قتال کرنے کے لئے ہمیشہ کفار ومشرکین کی جماعتوں کے قائد بنتے رہے یہاں تک کہ اُنہوں نے "فتح مکہ" کے دن اسلام قبول کرلیا، (اُس وقت) ایمان اُن کے دل میں متزلزل تھا، تو اُنہیں "مؤلفۃ القلوب" میں
شمار کیا گیا، پھر اُن کے ایمان نے استقرار پکڑا اور اُن کا یقین قوی ہوگیا۔ (ترجمہ ختم)

۷- امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٦٣٠ھ) لکھتے ہیں:

" ثم أعطي المؤلفة قلوبهم وكانوا من أشراف الناس يتألفهم علي
الاسلام ، فأعطيٰ أبا سفيان وابنه معاوية ...... كل واحد منهما مائة بعير ." [۳]

ترجمہ: پھر "مؤلفۃ القلوب" کوعطاء فرمایا، اور یہ بڑے مرتبے والے لوگ
تھے

[۱] (ألمنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي : ۳۳۹/۳ ، ألناشر : دار الكتب

العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲ (ألمنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي : ٥/٢٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۳ (ألكامل في التاريخ لابن أثير الجزري (بتغير ما) : ٢/١٤٠ ، ألناشر : دار الكتب العربي ، بيروت ، لبنان)

اسلام پر ان کو اکٹھا کرنے کے لئے، چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے

ہر ایک کو سو سو اونٹ عطاء فرمائے۔(ترجمہ ختم)

۸-مؤرخ ابوالفداء عماد الدین الملک المئید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:

" وأعطي المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان وابنيه معاوية ويزيد ......

فأعطيٰ لكل واحد من الأشراف مائة من الابل ." [۱]

ترجمہ: اور "مؤلفۃ القلوب" کو عطاء فرمایا، مثلاً ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے دو بیٹے

معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید رضی اللہ عنہ......اشراف میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطاء فرمائے۔(ترجمہ ختم)

۹-حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده أن رسول الله صلي الله عليه وسلم أعطي المؤلفة قلوبهم ...... فأعطيٰ أبا سفيان بن حرب مائة ." وعن ابن عباس أن رسول الله صلي الله عليه وسلم أعطي المؤلفة

قلوبهم ، أبا سفيان ......ألخ ." ۲

ترجمہ: رافع بن خدیج اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطاء فرمایا، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو سو اونٹ عطاء فرمائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطاء

فرمایا، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو (مال) عطاء فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

۱۰- امام ابن الوردی الکندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۹ھ) لکھتے ہیں:

" وأعطي المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان ." ۳

ترجمہ: اور "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطاء فرمایا، مثلاً حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ۔ (ترجمہ ختم)

۱۱- امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

۱ (ألمختصر في أخبار البشر لأبي الفداء الملك المئيد : ١/ ١٤٧ ، ألناشر : ألمطبعة الحسينية ، ألمصرية)

۲ (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ٢/ ٦٠٢ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

۳ (تاريخ ابن الوردي : ١/ ١٢٦ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

"عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده أن رسول الله صلي الله عليه وسلم أعطي المؤلفة قلوبهم ...... وأعطيٰ أبا سفيان بن حرب
مائة ." [۱]

ترجمہ: رافع بن خدیج اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ''مؤلفۃ القلوب'' کو (مال) عطاء فرمایا، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو سو اونٹ عطاء فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۱۲- علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

" منهم (أي من المؤلفة قلوبهم) أبو سفيان و ابنه معاوية ." [۲]

ترجمہ: ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

۱۳- امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

" و كان من المؤلفة قلوبهم ." [۳]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے تھے۔

۱۴- علامہ ابوالیمن مجیرالدین العلیمی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۸ھ) لکھتے ہیں:

" وأعطي المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان و ابنه معاوية ويزيد ." [۴]

ترجمہ: اور مؤلفۃ القلوب کو (مال) عطاء فرمایا، مثلاً ابوسفیان اور اُن کے دو بیٹے معاویہ اور یزید رضی اللہ عنہم۔

۱۵- ڈاکٹر جواد علی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۸ھ) لکھتے ہیں:

" أعطي المؤلفة قلوبهم و كانوا أشرافا يتألفهم ويتألف بهم قومهم
فأعطي أبا سفيان و ابنه معاوية ." [۵]

۱ (ألبداية و النهاية لابن كثير : ٤١٢/٤ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲ (تاريخ ابن خلدون : ٤٦٦/٢ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

۳ (تاريخ الخلفاء للسيوطي : ١/ ١٤٨ ، ألناشر : مكتبة نزار مصطفىٰ ألباز)

۴ (ألأنس الجليل بتاريخ القدس و الخليل لعبد الرحمن العليمي : ٢١٠/١ ، ألناشر : مكتبة دنديس ، عمان)

۵ (ألمفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام للدكتور جواد علي : ٤٢٩/١٨ ، ألناشر : دار الساقي)

ترجمہ: ''مؤلفۃ القلوب'' کو (مال) عطاء فرمایا، اور یہ بڑے مرتبے کے لوگ تھے، ان کی اور ان کی قوم کی تالیف قلب کے لئے، چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو (مال) عطاء فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

۱۶- علامہ محمد بیومی مہران حفظہ اللہ ورعاہ لکھتے ہیں:

" **فقد كان و كذا ولده معاويه من المؤلفة قلوبهم .** " ۱

ترجمہ: پس (ابوسفیان رضی اللہ عنہ) اور اسی طرح اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے تھے۔

۱۷- علامہ احمد معمور عسیری حفظہ اللہ ورعاہ لکھتے ہیں:

" وأعطي الرسول صلي الله عليه وسلم ألمؤلفة قلوبهم الكثير......

منهم أبو سفيان وأبنائهم ." ۲

ترجمہ: اور رسولِ اکرم ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو بہت زیادہ (مال) عطاء فرمایا

......ابوسفیان رضی اللہ عنہ اوران کے بیٹوں (معاویہ رضی اللہ عنہ ویزید رضی اللہ عنہ) انہیں میں سے ہیں۔

۱۸- امام ابوالقاسم ابن مندۃ العبدی الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۰ھ) لکھتے ہیں:

" أسامي المؤلفة قلوبهم : أبو سفيان بن حرب ...... ألخ ." ۳

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب" کے نام (یہ ہیں): ابوسفیان بن حرب......الخ

۱۹- امام ابوبکر بن عبداللہ الدواداری رحمۃ اللہ علیہ۔ لکھتے ہیں:

" ذكر المؤلفة قلوبهم من قريش وغيرها أبو سفيان بن حرب ......ألخ ." ۴

ترجمہ: قریش وغیرہ (قبائل) میں سے "مؤلفۃ القلوب کا ذکر: ابوسفیان بن حرب......الخ۔

۱ (دراسات في تاريخ العرب القديم للمهران : ۱/ ۳۷۰ ، ألناشر : دار المعرفة الجامعية)

۲ (موجز التاريخ الاسلامي منذ عهد آدم (عليه السلام) اليٰ عصرنا الحاضر للعسيري : ۸۹/۱ ، ألناشر : غير معروف

(فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية ، الرياض)

۳ (ألمستخرج من كتب الناس للتذكرة والمستطرف من أحوال الرجال للمعرفة للأصبهاني : ۹/۲ ، ألناشر : وزارة

العدل والشؤون الاسلامية ، ألبحرين)

۴ (كنز الدرر وجامع الغرر لأبي بكر بن عبد الله الدواداري : ۳/ ۴۰ ، ألناشر :

عیسیٰ ألبابي ألحلبي)

کیا کوئی شخص صحابیٔ رسول فاتح قادسیہ وایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سمیت مذکورہ بالا اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے ان جہابذہ اصحاب علم و تحقیق اور نابغۂ روزگار ارباب فضل و کمال کی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں بے مثال و باکمال اور لازوال ان تھک محنتوں اور گراں قدر قربانیوں کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی طرح اِن پر ''دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا لیبل لگا سکتا ہے؟ لیکن حیرت ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سمیت اُن تمام اکابر علمائے اہل سنت والجماعت پر ''دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا لیبل لگا دیا ہے۔

فیا اسفا.

''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی عیب نہیں ہے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جن تین چیزوں کے ذکر کرنے کو آپ رضی اللہ عنہ سے دُشمنی رکھنے کے مترادف بتلایا ہے اُن میں سے دوسری چیز ''مؤلفۃ القلوب'' ہونا ہے، حالاں کہ حقیقت میں

''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی ایسی عیب اور نقص کی چیز نہیں کہ جس کو معائب اور نقائص میں سے شمار کیا جائے۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

''جس وقت ''فتح مکہ'' ہوئی ہے اُس وقت قریش کے بہت سے قبائل اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اُن میں سے نبی کریم ﷺ نے بعض حضرات کے ساتھ ''تالیف قلب'' کا معاملہ فرماتے ہوئے دیگر مسلمانوں سے زائد بعض چیزیں عنایت فرمائی
تھیں اور جہاد کے غنائم میں سے بہ نسبت دوسروں کے ان لوگوں کو حصہ وافر عنایت فرمایا تھا۔

صاحب نبوت ﷺ کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی، یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے، بلکہ سردارِ انبیاء ﷺ کی طرف سے مشفقانہ اور کریمانہ طرزِ عمل تھا جس سے جدید الاسلام لوگ بہت متاثر ہوئے، اُن کی عزت افزائی ہوئی اور قوت اسلام کے لئے اِس کا بڑا نفع ہوا اور یہ طرزِ عمل اُن کے لئے
تقویت کا باعث ہوا اور اُن کا تذبذب دُور ہو کر اسلام مضبوط ہوا۔

اس سلسلے میں ''مؤلفۃ القلوب'' کی فہرست علماء پیش کرتے ہیں، جن میں حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ شمار کیے گئے ہیں۔''[1]

[1] (سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ :۲/۴۹۰، ناشر: دارالکتاب، اردو بازار، لاہور)

مؤلفۃ القلوب کی فہرست:

چنانچہ ہم نے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق اصل مصادر سے سراغ لگا کر حروف تہجی کے اعتبار سے اکابر علمائے اہل سنت کی ایک فہرست مرتب کی ہے جنھوں نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب، حضرت معاویہ بن ابی
سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے شمار کیا ہے۔ ملاحظہ

فرمائیے!:

﴿۱﴾ ابوالسنابل بن بعلک ﴿۲﴾ ابوسفیان بن حرب ﴿۳﴾ ابومکنف زید بن مہلہل الطائی ﴿۴﴾ اقرع بن حابس التمیمی المجاشعی ﴿۵﴾ جبیر بن مطعم بن عدی ﴿۶﴾ حارث بن عبدالمطلب ﴿۷﴾ حارث بن ہشام بن مغیرہ المخزومی ﴿۸﴾ حکیم بن حزام ﴿۹﴾ حکیم بن طلیق ﴿۱۰﴾ حویطب بن عبدالعزیٰ ﴿۱۱﴾ خالد بن اسید بن ابی العیص ﴿۱۲﴾ خالد بن قیس ﴿۱۳﴾ زبرقان بن بدر ﴿۱۴﴾ زید بن جبل ﴿۱۵﴾ زہیر بن امیہ ﴿۱۶﴾ سائب بن صیفی بن عائذ ﴿۱۷﴾ سعد الخیل ﴿۱۸﴾ سعید بن یربوع مخزومی ﴿۱۹﴾ سفیان بن حارث بن عبد المطلب ﴿۲۰﴾ سنابل عمر
بن عدی ﴿۲۱﴾ سہیل بن عمرو الجہنی ﴿۲۲﴾ سہیل بن عمرو بن عبدشمس العامری ﴿۲۳﴾ صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی ﴿۲۴﴾ عباس بن مرداس السلمی (اخو عمرو بن مرداس السلمی) ﴿۲۵﴾ عبد الرحمٰن بن یربوع المالکی ﴿۲۶﴾ عدی بن قیس/ جد بن قیس السلمی ﴿۲۷﴾ عکرمہ بن ابی جہل ﴿۲۸﴾ علاء بن جاریہ ثقفی (قیل ابن الخارجہ وقیل ابن الحارث) ﴿۲۹﴾ علقمہ بن علاثہ بن عوف العامری الکلابی ﴿۳۰﴾ عمرو بن مرداس السلمی (اخو عباس بن مرداس السلمی) ﴿۳۱﴾ عمرو بن الاہتم تمیمی ﴿۳۲﴾ عیینہ بن حصن فزاری ﴿۳۳﴾ قیس بن عدی السہمی ﴿۳۴﴾ قیس بن مخرمہ ﴿۳۵﴾ لبید بن ربیعہ ﴿۳۶﴾ مالک بن عوف النصری ﴿۳۷﴾ مخرمہ بن نوفل بن اُہیب الزہری ﴿۳۸﴾ معاویہ بن ابی سفیان ﴿۳۹﴾ مغیرہ بن حارث ﴿۴۰﴾ نضر/نضیر بن حارث بن کندہ ﴿۴۱﴾ ہبار بن الاسود ﴿۴۲﴾ ہشام بن عمرو (اخو بنی عامر بن لؤی) ﴿۴۳﴾ یزید بن ابی سفیان۔ [۱]

[۱] (تاریخ خلیفة بن خیاط: ۱/ ۹۰، ألناشر: دار القلم، مؤسسة الرسالة، دمشق، بیروت) و (ألمحبر لأبي جعفر ألبغدادي: ۱/ ۴۷۳، ألناشر: دار الآفاق الجدیدة، بیروت) و (ألمعارف لابن قتیبة: ۱/ ۳۴۲، ألناشر: ألهیئة المصریة العام للكتاب، ألقاهرة) و (ألقاموس في اللغة للفیروز آبادي:) و (تاریخ الاسلام

ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ٢/٦٠٤، ألناشر: دار الكتاب العربي، بيروت) و(سمط النجوم العوالي في أنباء الأواخر والتوالي للعصامي : ١/٤٠٤) و (ألمفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام للدكتور جواد علي : ١٨/١١٩ و ٢٧٧، ألناشر : دار الساقي) و (كنز الدرر وجامع الغرر للدواداري : ٣/٤٠، ألناشر : عيسىٰ ألبابي ألحنبلي) و(تفسير مقاتل بن سليمان : ٢/١٧٦ ، ألناشر : دار=

حضرات ''مؤلفۃ القلوب'' کی مذکورہ بالا تعداد ہم نے اپنی ہمت وطاقت کے مطابق شمار کی ہے، اگر چہ ان
کی تعداد میں کمی بیشی کا احتمال اب بھی موجود ہے، اس لئے کہ ان کی تعداد کی میں علماء کا اختلاف ہے۔

چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

'' **وفي عددهم اختلاف .**'' [۱]

ترجمہ: اور ان ''مؤلفۃ القلوب'' کی تعداد میں اختلاف ہے۔

اور ان کی صحیح تعداد کے بارے میں اکابر علمائے اہل سنت کے جو اقوال ہمیں مختلف کتابوں میں میسر ہوئے
ہیں، ذیل میں ہم اُنہیں نقل کرتے ہیں:

۱- مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں:

'' **وهم مذكورون في كتب السير يقاربون الأربعون .**'' [۲]

ترجمہ: کتب سیر میں چالیس کے قریب ان کے نام مذکور ہیں۔

۲- امام یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

'' **كان المؤلفة قلوبهم ثلاثة عشر رجلاً . وقيل: خمسة عشر رجلاً .**'' [۳]

ترجمہ: ''مؤلفۃ القلوب'' تیرہ (۱۳) آدمی تھے، اور کہا گیا ہے کہ پندرہ (۱۵) آدمی تھے۔

۳- امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان الازدی البلخی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

" و كان المؤلفة قلوبهم ثلاثة عشر رجلاً...... ألخ." ۴

ترجمہ: ''مؤلفۃ القلوب'' تیرہ (۱۳) آدمی تھے......الخ:

=احياء التراث العربي ، بيروت) و(ألتفسير المظهري للفاني فتي : ٤/٢٤٧ ، ألناشر : المكتبة الرشيدية ، ألباكستان) و

(مختصر تفسير البغوي ألمعروف بمعالم التنزيل : ٤/٣٨٠ ، دار السلام ، للنشر والتوزيع ، ألرياض)

۱ (ألجامع لأحكام القرآن ألمعروف بتفسير القرطبي : ٨/١٨١ ، ألناشر :دار الكتب المصرية ، ألقاهرة)

۲ (تاريخ ابن خلدون : ٢/٤٦٦، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

۳ (ألمستخرج من كتب الناس للتذكرة والمستطرف من أحوال الرجال للمعرفةلابن مندة الأصبهاني:٢/١٠، ألناشر : وزارة العدل والشؤون الاسلامية ، ألبحرين)

۴ (تفسير مقاتل بن سليمان : ٢/١٧٧، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۴-علامہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں کہ:

"وجميع ذلک يزيدعلي خمسين رجلاً ثم
ذكرالصالحي أسمائهم فذكرهم سبعاً و خمسين رجلاً ."۱

ترجمہ: اور یہ سب (مؤلفۃ القلوب) پچاس سے زیادہ آدمی ہیں، پھر امام صالحی
نے اِن کے نام ذکر کیے اوران کے پچھتر (۷۵) نام ذکر کیے۔ (ترجمہ ختم)

۵-امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

”وقد بلغ عددمن عدهم ابن العربي في الأحكام من المؤلفة قلوبهم

تسعة و ثلاثين رجلاً .“ ۲؎

ترجمہ: اور امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے ”احکام القرآن“ میں جن لوگوں کو

”مؤلفۃ القلوب“ میں سے شمار کیا ہے اُن کی تعداد ترانوے (۹۳) تک پہنچ گئی ہے۔

ہنوز بر سر مطلب آمدم!:

بہر حال یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”فتح مکہ“ کے موقع پر تالیف قلب سے ہٹ کر ویسے ہی کچھ مال وغیرہ عطاء فرمایا ہو کہ جو ”تالیف قلب“ پر دلالت نہ کرتا ہو، جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنا اسلام چھپائے رکھا اور پھر جب ”فتح مکہ“ کے موقع پر ظاہر کیا تو اُنہیں بھی حضور اقدس ﷺ نے ”بحرین“ کے مال میں سے اتنا عطا فرمایا جتنا کہ وہ اُٹھا سکتے تھے، پس جس طرح یہ واقعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ”مؤلفۃ القلوب“ ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا کچھ مال عطا فرمانا اُن کے بھی ”مؤلفۃ القلوب“ ہونے پر دلالت نہیں کرتا، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ دیکھنے والوں نے اُسے ”تالیف قلب“ کا مال سمجھ لیا ہو اور اِس طرح بظاہر صورت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ”مؤلفۃ القلوب“ میں سے ہونے کا حکم لگا دیا ہو۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

۱؎ (ألتفسير المظهري للفاني فتي : ۱۷۱/٤ ، ألناشر : ألمكتبة الرشيدية ، ألباكستان)

۲؎ (تحرير المعنيٰ السديد و تنوير العقل الجديد من تفسير الكتاب المجيد ألمعروف بالتحرير والتنوير لابن العربي ألمالكي: ۲۳٦/۱۰ ، ألناشر : دار التونسية للنشر ،

تونس)

" فان قلت ذكر بعض الأئمة في ترجمته : أنه شهد مع رسول الله صلي الله عليه وسلم حنيناً وأعطاه من غنائم هوازن مائة بعير وأربعين أوقية من الذهب وكان هو وأبوه من المؤلفة قلوبهم ثم حسن اسلامهما ، وهذا يمنع سبق اسلامه عليٰ يوم الفتح اذ لوسبق اسلامه جميع أهله لم يكن كأبيه في عده من المؤلفة ، قلت :لايمنعه بوجه أما أولاً فمن أعده من المؤلفة انما جريٰ عليٰ أن اسلامه لم يكن الا يوم الفتح ، نظير ما وقع لسعد في ما مر عنه آنفاً و يدل لذلک أن من ترجمه بذلک قرنه في ذلک بأبيه وأبوه لم يسلم الا يوم الفتح اتفاقاً ، أما من يقول بتقديم اسلام معاوية قبل الفتح بنحو سنة وأنه انما امتنع من الهجرة للعذر كما مر فلا يعده من المؤلفة ومجرد الاعطاء لا يدل علي التأليف الا تريٰ أن العباس رضي الله عنه كتم اسلامه ثم أظهره يوم الفتح كما مر ثم اعطاء النبي (صلي الله عليه وسلم) ما أطاق حمله من النقد الذي جاء ہ من البحرين فكماأن هذالا يدل علي أن العباس من المؤلفة قلوبهم فكذلک اعطاء معاوية شيئاً له بخصوصه.ان فرض صحة وروده لا يدل علي أنه كان من المؤلفة قلوبهم أماأولاً فلمامر مما يدل عليقوة اسلامه وأما ثانياً فالظاهربكل فرض قوة اسلامه و انه انما أعطاه زيادة في تاليف أبيه لكونه من اكابر مكة وأشرافهم......."[1]

ترجمہ: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "غزوۂ حنین" میں شریک تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کو "ہوازن" کی غنیمت کے مال میں سے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطا فرمایا تھا اور یہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے والد دونوں "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے پھر یہ قوی الاسلام ہو گئے اِس سے تو یہ معلوم ہوتا کہ آپ رضی اللہ عنہ "فتح مکہ" سے پہلے اسلام نہیں لائے، ورنہ اتنے زمانے

ـلے (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بتثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان : ص٨ ألناشر : مكتبة الحقيقة، استنبول، تركي)

تک اِن کے تمام گھر والے اور وہ خود اپنے والد کی طرح ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے نہ ہوتے، تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس سے ''فتح مکہ'' سے پہلے اسلام نہ لانا ثابت نہیں ہوتا، اوّلاً تو اس وجہ سے کہ جن علماء نے آپ رضی اللہ عنہ کو ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے شمار کیا ہے اُنہوں نے اس وجہ سے کیا ہے کہ (اُن کے گمان کے مطابق گویا) آپ رضی اللہ عنہ ''فتح مکہ'' کے دن ہی اسلام لائے جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو گمان تھا، اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''مؤلفۃ القلوب'' میں شمار کیا ہے، اُنہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا ذکر بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے، حالاں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد بالاتفاق ''فتح مکہ'' کے دن اسلام لائے، مگر جن علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''فتح مکہ'' سے ایک سال پہلے اسلام لانا اور اسلام لا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک معقول عذر کی بناء پر ہجرت نہ کرنا بیان کیا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے' وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''مؤلفۃ القلوب'' میں شمار نہیں کرتے۔ باقی رہا صرف مالِ غنیمت کا (زیادہ) دینا تو یہ ''مؤلفۃ القلوب'' ہونے پر دلالت نہیں کرتا، کیا دیکھتے نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا پہلے اپنا اسلام چھپائے رکھا اور پھر ''فتح مکہ'' کے دن ظاہر کیا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، پھر اُنہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بحرین'' کے مال میں سے اتنا عطا فرمایا جتنا کہ وہ اُٹھا سکتے تھے، پس جس طرح یہ واقعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ''مؤلفۃ القلوب'' ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ مال عطا فرمانا اُن کے بھی ''مؤلفۃ القلوب'' ہونے پر دلالت نہیں کرتا، اگر بالفرض اسے صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی دو وجہ سے یہ آپ رضی اللہ عنہ کے ''مؤلفۃ القلوب'' ہونے پر دلالت نہیں کرتا: اوّلاً تو اس وجہ سے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پہلے سے ہی قوی الاسلام تھے۔ اور ثانیاً اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مالِ غنیمت آپ رضی اللہ عنہ کو زیادہ عطا فرمایا تو وہ صرف آپ رضی اللہ عنہ کے والد کی تالیف قلب کے لئے زیادہ عطا فرمایا اس لئے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کا شمار ''مکہ مکرمہ'' کے اکابر اور اشراف لوگوں میں ہوتا تھا۔ (ترجمہ ختم)

اور امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"دوسری بات یہ ہے کہ کبار علماء نے ایک دوسری چیز بھی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے نہیں تھے، بلکہ اُن کے متعلق کبار علماء نے
تحریر کیا ہے:

" أما معاوية فبعيد أن يكون منهم ، فكيف يكون منهم ؟ وقد أتمنه النبي عليٰ وحي الله وقرآئته وخلطه بنفسه و أما حاله في أيام أبي بكر فأشهر
من هذا و أظهر." [1]

ترجمہ: یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہوں، حالانکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اُس کی قرأت پر امین قرار دیا اور اِن کو اس مسئلہ میں اپنے ساتھ ملایا اور معتمد بنایا اور خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال زیادہ مشہور اور بیان کرنے سے زیادہ ظاہر ہے (یعنی یہ حالات اِس بات کا قرینہ ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام و ایمان پختہ تھا اور وہ دینی اُمور میں معتمد علیہ تھے، اُن کے لئے
"تالیف خاطر" کی حاجت نہ تھی۔ واللہ اعلم)۔ [2]

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حقیقت میں "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے یا نہیں تھے، مذکورہ بالا تصریحات سے اتنی بات ضرور ثابت ہوگئی ہے کہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونا کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کرنے والے کبار علمائے اہل سنت پر "دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ" کا
لیبل لگایا جاسکے اور اُنہیں "ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ" کی صف میں لا کھڑا کیا جاسکے۔

"طلقاء" میں سے ہونا بھی کوئی عیب نہیں ہے!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جن تین چیزوں کے

ذکر کرنے کو آپ رضی اللہ عنہ سے دُشمنی رکھنے کے مترادف بتلایا ہے، اُن میں سے تیسری چیز ''طلقاءٗ'' میں سے ہونا ہے۔ ''طلقاءٗ'' کا کلمہ درحقیقت

۱ (ألجامع لأحكام القرآن ألمعروف بتفسير القرطبي : ۱۸۱/۸، ألناشر : دار الكتب المصرية ، ألقاهرة) و (أحكام

القرآن لابن العربي : ۵۲۹/۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲ (سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ :۴۹۰/۲، ۴۹۱، ناشر: دار کتاب، اردو بازار، لاہور)

کلمۂ ''طلقاءٗ'' کا مختصر پس منظر:

اِس کلمہ کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ''فتح مکہ'' کے موقع پر ''باب کعبہ'' کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قسم کے احکامات صادر فرمائے، جن میں سے ایک فرمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی تھا کہ: ''اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے زمانہ جاہلیت کا غرور و تکبر اور اپنے آباؤ اجداد کے بڑائی و تفاخر دُور فرما دیا ہے، تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمائے اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ﴿ **يا أيها الناس انا خلقناكم من ذكر و أنثيٰ**...... ﴾ پھر فرمایا: ''اے گروہِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے عرض کیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر معاملہ فرمائیں گے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہربان اور شریف ہیں اور مہربان اور شریف کی

اولاد ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' **اذهبوا أنتم طلقاء** .''۱

ترجمہ: جاؤ! تم سب معاف ہو!۔

''طلقاءٗ'' کے مخاطب کون لوگ تھے؟:

یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ اُس وقت ''طلقاءٗ'' کے مخاطبین کون تھے؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوئی ایک قبیلہ یا چند مخصوص افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب نہیں تھے بلکہ اُس وقت مکہ

کے متعدد قبائل مثلاً بنی تمیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی خزیمہ، بنی اسد، بنی بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی ہاشم ،اور بنی عبدالشمّس (بنواُمیہ) وغیرہ وغیرہ قبائل پیش خدمت تھے۔آپ ﷺ کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا اندازِ خطاب بلاکسی تخصیص کے سب لوگوں کے لئے یکساں طور پر تھا، لہٰذا صرف ''بنواُمیہ'' کے چند مخصوص افراد مثلاً ابوسفیان رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سعد بن ابی

سرح رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کو ''طلقاء'' کہہ دینا اُن کی ذات میں کسی عیب یا کسی نقص کے ہونے پر ہر گز دلالت نہیں کرتا۔

نیز کلمہ ''طلقاء'' صرف ''معافی'' کے الفاظ پر مشتمل ہے لہٰذا اس سے کسی کی حقارت یا کسی کی تنقیص کسی بھی طرح لازم نہیں آتی، یہی وجہ ہے کہ اِس کلمہ کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اِس سے کسی کی تحقیر یا تنقیص ثابت

۱ سیرة ابن هشام : ٤١٢/٢ ، ألناشر : شركة مكتبة ومطبعة مصطفيٰ ألبابي ألحلبي وأولاده بمصر) و (ألبداية و النهاية لابن كثير : ٣٤٤/٤ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان) و (تاريخ ابن خلدون : ٤٦١/٢ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

نہیں۔

بحث کا خلاصہ اور لب لباب:

اس ساری بحث کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہوا کہ جن لوگوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبل از ''فتح مکہ'' اسلام لانے کا علم نہیں ہوا تھا، بالخصوص جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا اظہار بھی اسی موقع پر کیا، نیز جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ''ہوازن'' کے مالِ غنیمت میں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ کچھ مال زیادہ عطا فرمارہے ہیں تو اس سے اُنہوں نے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ابھی ہی ایمان لائے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کی ''تالیف قلب'' کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کو کچھ مال

خصوصیت کے ساتھ زیادہ عطا فرما رہے ہیں، اِس لئے اُن حضرات نے آپ رضی اللہ عنہ کو ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے شمار کرلیا، اگرچہ ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، اور جن لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ کے قبل از ''فتح مکہ'' اسلام لانے کا علم تھا اُنہوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو ''ہوازن'' کے مالِ غنیمت میں سے کچھ زیادہ مال عنایت فرما رہے ہیں تو
اُنہوں نے اِس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ رضی اللہ عنہ پر خصوصی شفقت اور عنایت کا نتیجہ ہے۔

لیکن اگر بالفرض آپ رضی اللہ عنہ کا ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا مان بھی لیا جائے تب بھی اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی ذات یا آپ رضی اللہ عنہ کے مقام میں کوئی عیب یا تنقیص لازم نہیں آتی، اِس لئے کہ ''فتح مکہ'' کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو کچھ مال وغیرہ عطا فرمایا تھا تو وہ نعوذ باللہ! کسی طمع یا لالچ کی بنیاد پر نہیں دیا تھا جو کہ ایک معیوب قسم کی چیز
ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص حکمت عملی کے تحت اُن کی ''تالیف قلب'' کے لئے اُن کی مالی امداد فرمائی تھی۔

پس ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''طلقاء'' میں سے ہونا کوئی معیوب یا منقوص قسم کی چیز نہیں کہ جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی ذات یا آپ رضی اللہ عنہ کے مقام پر کوئی حرف آئے، یا جس کی بنیاد پر آپ رضی اللہ عنہ کو ''طلقاء'' میں سے شمار کرنے والے کبار علمائے اہل سنت پر ''دُشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا لیبل لگا کر اُنہیں ''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی صف میں
لا کھڑا کیا جاسکے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:

لیکن یہاں پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''فتح مکہ'' سے ایک سال پہلے ''عمرۃ القضاء'' کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''موئے مبارک'' تراشے تھے تو ''اخفائے
ایمان'' کہاں باقی رہا؟۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

’’......سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ’’ **عمرة القضاء** ‘‘
میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تراشے تو اخفائے ایمان کہاں باقی رہا؟ گویا اُن کا ایمان بھی
ناقدین کے
لئے سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی مثل ہو گیا ہے، نہ اُگلتے بنتی ہے اور نہ نگلتے بنتی ہے
......‘‘ [۱]

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ’’اخفائے ایمان‘‘ باقی ہی تو رہا کہ
حضرت سعد بن ابی وقاص
رضی اللہ عنہ جیسے مشہور و معروف صحابی تک اِس سے بے خبر رہے اور عین ’’فتح مکہ‘‘ کے موقع پر جب آپ
رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا علم ہوا۔ اِن
کے علاوہ جانے اور کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ
رضی اللہ عنہ کے قبل از ’’فتح مکہ‘‘ اسلام لانے کا علم نہیں ہوا ہوگا۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

”لا يقال يرد ما حكاه الواقدي أنه أسلم قبل الفتح، ما ثبت في الصحيحين عن سعد بن أبي وقاص أنه قال:العمرة في أشهر الحج، فعلناها وهذا أي معاوية يومئذ كافر، لأنا نقول: ممنوع ذلک، بل لا رد فيه، لأن الفرض أنه كتم اسلامه، فسعد ممن لم يعلم به، فاستصحب حاله الیٰ یومئذ
وقضیٰ عليه بالكفر فيه باعتبار الظاهر و بالنسبة الیٰ علمه.[۲]

ترجمہ: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبل از ”فتح مکہ“ اسلام لائے تھے، اور یہ بات ایک صحیح حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”ایام حج میں ہم نے عمرہ کیا اور اُس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کافر تھے۔“ تو اِس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اِس سے کوئی مخالفت لازم نہیں آتی، اِس لئے کہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا تھا تو ممکن ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں سے

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۲۲)

[۲] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بتثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان للهيتمي: ص ۷،۸، ألناشر: ألمكتبة الحقيقة، شارع دار الشفقة فاتح ۵۷، استنبول، تركي)

ہوں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے بے خبر ہوں، لہٰذا وہ اپنے علم اور ظاہری حالات کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُس وقت تک کافر سمجھتے رہے ہوں۔

نیز چوں کہ وہ زمانہ الیکٹرانک یا پرنٹ میڈیا کا تو تھا نہیں کہ پل پل کی خبر اور نیوز سے ہر وقت ہر آدمی باخبر رہ سکتا ہو، اور نہ ڈاک وغیرہ کا کوئی خاص تیز انتظام تھا اور جو تھا بھی وہ بھی حد درجہ کمزور، اِس لئے بہت زیادہ ممکن ہے کہ کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کے قبل از ”فتح مکہ“ اسلام لانے سے بے خبر رہ گئے ہوں، بالخصوص جب کہ آپ رضی اللہ عنہ خود اپنا اسلام اپنی والدہ سے

ڈر کے مارے چھپائے ہوئے تھے تو ایسی صورت میں تو اور بھی زیادہ آپ رضی اللہ عنہ کے ''اخفائے اسلام'' کا احتمال باقی رہتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

'' و حكي ابن سعد أنه كان يقول لقد أسلمت قبل عمرة القضية و لكني كنت أخاف أن أخرج الي المدينة ، لأن أمي كانت تقول : ان خرجت قطعنا عنك القوت .'' [۱]

ترجمہ: ابن سعدؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں ''عمرۃ القضاء'' سے پہلے ہی اسلام لے آیا تھا، لیکن مدینہ منورہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہجرت کرنے سے ڈرتا تھا، کیوں کہ میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں کہ اگر تو نے (اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) ہجرت کی تو ہم تیرا کھانا پینا بند کر دیں گے۔ (ترجمہ ختم)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدر، اُحد، خندق اور غزوۂ حدیبیہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کفار کی جانب سے شریک نہ ہوئے، حالاں کہ اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ جوان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سالار کی حیثیت سے شریک ہو رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے ہم عمر جوان بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے تھے۔ اِن تمام باتوں کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کا شریک نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کی حقانیت ابتداء ہی سے آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں گھر کر چکی تھی، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ''فتح مکہ'' کے موقع تک والدہ کے ڈر سے اپنا ایمان چھپائے رکھا۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خود اپنے ہی اُصول سے انحراف:

۱ (ألاصابة في معرفة الصحابة لابن حجر ألعسقلاني : ۳/۱٤۳، ألناشر :)

اور یہ اُصول تو خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے تسلیم کر رکھا ہے کہ خود صاحب
معاملہ کے قول کو ترجیح دینا
زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''عام مؤرخین کے اقوال کے مقابلے میں خود صاحبِ معاملہ کے اپنے قول کو
ترجیح
دینا ہی زیادہ صحیح ہے۔'' ۱

لیکن یہاں پر خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنے اسی مسلمہ اُصول کی خلاف ورزی کر
تے ہوئے خود
صاحبِ معاملہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے قول کے برخلاف آپ رضی اللہ عنہ کے اخفائے اسلام کا
سرعام انکار کر رہے ہیں:

آپ ہی اپنی ''اداؤں'' پے غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو بے ادبی ہوگی

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دو متضاد عبارتیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے (علیٰ حسب اختلاف الروایات) بعداز ''فتح مکہ'' یا قبل از ''فتح
مکہ'' اسلام قبول کرنے کے ساتھ ساتھ ''اخفائے ایمان'' پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی
صاحب لکھتے ہیں:

''...... کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ''فتح مکہ'' کے بعد ایمان لائے، کبھی ایمان کا
قبل از ''فتح مکہ'' اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ ''کتمانِ ایمان'' کا الزام عائد کر دیا جاتا
ہے''۔ ۲

حالاں کہ اسی کتاب کے گزشتہ سے پیوستہ صفحہ پر خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے
ایمان کا قبل از ''فتح مکہ'' اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ ''کتمانِ ایمان'' کا تذکرہ کیا ہے۔

چنانچہ پروفیسر آں موصوف لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ وہ ''عمرة القضاء'' کے موقع پر
اسلام لائے اور اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی اور اپنے
اسلام کو اپنے
والدین سے مخفی رکھا۔'' ۳؎

۱؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۳۰)

۲؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۳۰)

۳؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۲۸)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب طعنہ تو ہمیں دیتے ہیں لیکن قصور اُن کا اپنا نکل آیا، یقیناً اللہ
تعالیٰ ایسے شخص کے
منہ سے کبھی کبھی حق بات اُگلوا ہی دیتے ہیں۔

''اجتہادی خطاؤں'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی پیش پیش کیوں؟

صحابیٔ رسول سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق اور دفاع میں انجام دیئے جانے والے
علمائے اہل سنت کے
دفاعی کارناموں سے غیر مطمئن اور نالاں پروفیسر طاہر ہاشمی لکھتے ہیں:

’’خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اُن کے اُمراء و گورنروں اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ مجتہدینؒ میں سے کس کس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اُن سے کبھی ’’خطائے اجتہادی‘‘ سرزد نہیں
ہوئی؟ کیا ان کی خطائیں بھی زیر بحث لائی جاتی ہیں؟۔
پھر معلوم نہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ مجتہدینؒ کی اجتہادی خطاؤں کو ’’نظر انداز‘‘ کر کے تنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی ہدف تنقید کیوں بنایا جاتا ہے؟ کیا باقی سب حضرات اپنے
اجتہاد میں ہمیشہ ’’مصیب‘‘ ہی تھے؟۔‘‘ [۱]

اجتہادی خطائیں حضرت معاویہ کے علاوہ اور بھی کئی حضرات سے صادر ہوئی ہیں!

اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اُن کے اُمراء، گورنروں اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اُن سے کبھی خطاء سرزد نہیں ہوئی ہے، بلکہ کئی حضرات سے کچھ نا کچھ اجتہادی خطائیں ضرور واقع ہوئی ہیں، لیکن اوّلاً تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطائیں اِس لئے زیادہ نمایا ہیں کہ اُن کا براہِ راست تعلق ’’مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم‘‘ سے ہے، جہاں مقابلہ پر کوئی عام مجتہد نہیں بلکہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، اور چوں کہ مشاجرات پر الگ الگ مؤقف اپنانے سے درجنوں فرقے وجود میں آئے ہیں، اِس لئے یہاں دُرست مؤقف بیان کرنا اور اُس دُرست مؤقف کی وضاحت کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کو بیان کرنا بھی اِتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اہل سنت کے وجود کو قائم رکھنا ضروری ہے، کیوں کہ یہی اہل سنت کا اصل مسلک ہے اور اِس سے اِنحراف احادیث متواترہ کی مخالفت کو مستلزم ہے، اِس سے دائیں بائیں ہو کر آدمی یا ’’ناصبیت‘‘ کے گڑھے میں جا کر گرتا ہے یا ’’رافضیت‘‘ کے گڑھے میں۔

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۳۶، ۳۷)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ بات بنیادی طور پر اپنی جگہ بالکل غلط ہے کہ اِن تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ مجتہدینؒ کی ’’اجتہادی خطاؤں‘‘ کو نظر انداز کر کے تنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی ہدفِ

تنقید بنایا جاتا ہے، اس لئے کہ کتب فقہ اور شروح حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ مجتہدینؒ کی اجتہادی خطاؤں کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

ذیل میں ان میں سے چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ مجتہدینؒ سے اجتہادی خطائیں صادر ہونے کی مثالیں:

پہلی مثال:

۱ –وعن أسامة بن زيد ، قال: بعثنا رسول الله صلي الله عليه وسلم اليٰ أناس من جهينة ، فأتيت عليٰ رجل منهم ، فذهبت أطعنه ، فقال : لا الٰه الا الله ، فطعنته ، فقتلته ،فجئت اليٰ النبي صلي الله عليه وسلم فأخبرته، فقال: أقتلته وقد شهد أن لا الٰه الا الله ؟." قلت يارسول الله ! انما فعل ذلک تعوذا . قال : فهلا شققت عن قلبه ؟." متفق عليه .

قال القاري في شرحه : ظن رضي الله عنه أن اسلامه لا عن صميم قلبه ، أو اجتهد في

هذا أن الايمان في مثل هذه الحالة لا ينفع ، فبينه صلي الله عليه وسلم أنه أخطأ في اجتهاده ." [1]

ترجمہ: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جہینہ" کے کچھ لوگوں کی طرف مجھے بھیجا، پس اُن کے ایک آدمی کے پاس میں آیا اور اُسے نیزے سے مارنا شروع کر دیا تو اُس نے کہا: "لا الٰہ الا اللہ!" پس میں نے نیزے سے اُس کو قتل کر دیا۔ پھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تو نے اُس کو قتل کر دیا؟ حالاں کہ اُس نے گواہی دی کہ: "اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں؟" میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اُس نے صرف (قتل ہونے سے) پناہ لینے کے لئے ایسا کیا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ: "پھر تو نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا؟"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: "اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے یہ گمان

کیا کہ اُس نے دل کے یقین سے اسلام قبول نہیں کیا، یا اُنہوں نے اِس مسئلہ میں اجتہاد کیا کہ ایسی حالت میں ایمان نفع مند نہیں ہوتا، پس
آپ ﷺ نے واضح فرما دیا کہ: ''اُنہوں نے اپنے اجتہاد میں خطاء کی ہے۔'' (ترجمہ ختم)

۱ (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري الحنفي : ٦/٢٢٦٠ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

دوسری مثال:

۲-مال ودولت، سونا چاندی وغیرہ جمع کرنے کے متعلق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک مشہور و
معروف ہے جو انہوں نے اپنے اجتہاد کی بناء پر مستنبط کر رکھا تھا کہ ایک دن کی روزی سے زیادہ رقم اپنے پاس رکھنا حرام ہے، حالاں کہ اُن کا یہ مسلک قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے، اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی اس معاملے میں اُن کا ہم نوا نہ ہوا، بلکہ سب کے نزدیک اُن سے اِس مسئلہ میں ''خطائے اجتہادی'' صادر ہوئی تھی، اور اُمت کے جمہور علماء نے ہمیشہ دلائل کے ذریعے اُن کے اس مسلک کی تردید کی ہے، اور انہیں اس
مسئلہ میں ''مجتہد مخطی'' کہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابوعمر یوسف بن عبداللہ نمری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

" فأما أبو ذر (رضي الله عنه) فروي عنه في ذلک آثار
كثيرة في بعضها شدة كلها تدل علي أنه كان يذهب الي أن كل مال
مجموع يفضل
عن القوت و سداد العيش فهو كنز وأن آية الوعيد نزلت في ذلک ." [1]

ترجمہ: اور بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تو اُن سے اِس بارے میں بہت زیادہ
آثار مروی ہیں، جن میں سے بعض میں شدت بھی ہے۔ یہ سب آثار اِس بات پر
دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ کھانے پینے اور سامانِ
زندگی سے زائد جمع شدہ جتنا بھی مال ہو وہ "کنز" ہے۔ اور یہ کہ آیت وعید اسی "کنز"
کے بارے میں نازل ہوئی
ہے۔ (ترجمہ ختم)

تیسری مثال:

۳-اسی طرح کسی جانور کے ذبح کرتے وقت اس پر جان بوجھ کر "بسم
اللہ......الخ۔" چھوڑ کر اُسے ذبح کر دینا اور پھر اُسے کھالینا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہِ کبیرہ ہے،
لیکن اس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک مشہور و معروف ہے جو اُنہوں نے اپنے
اجتہاد کی بنیاد پر مستنبط کیا ہے کہ ایسے جانور کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور اُس کا کھانا بھی حلال ہے،
حالاں کہ اُن کا یہ مسلک قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شافعی
المسلک

[1] (ألاستذكار للنمري : ۱۷۳/۳ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

انسان جان بوجھ کر "بسم اللہ......الخ۔" چھوڑ کر اُسے ذبح کرے اور پھر اُسے کھالے تو اُس کا یہ
عمل دلائل شرعیہ کی رُو سے گناہِ کبیرہ کے زُمرے میں آئے گا، لیکن چوں کہ اُس کا یہ عمل امام
شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد

پر صادر ہوا ہے، اس لئے اُس کا یہ ذبیحہ نہ حرام کہلائے گا اور نہ ہی اس کے کھانے سے وہ گناہ گار ہوگا۔

چوتھی مثال:

۴–واذا قال الحاكم للحداد : اقطع يمين هذا في سرقة فقطع يساره عمدا لا شيً عليه عند أبي حنيفة لأنه أتلفها ببدل وهي اليمنيٰ فأتلف وأخلف من جنسه ما هو خير منه فلا يعد اتلافا و عندهما يضمن القاطع في العمد ولاشيً عليه في الخطأ. وقال زفر : يضمن في الخطأ أيضاً لأنه قطع يداً معصومة والخطأ في حق العباد غير موضوع أي غير معفو عنه.قلنا :انه أخطأ في اجتهاده

اذ ليس في النص تعيين اليمين ، والخطأ في الاجتهاد معفو عنه ." [۱]

ترجمہ: اور جب حاکم نے حد مارنے والے سے کہا کہ اِس شخص کا دایاں ہاتھ چوری کرنے کی پاداش میں کاٹ دے، پس اُس نے جان بوجھ کر اُس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُس پر کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ اُس نے دائیں ہاتھ کے بدلے میں بایاں ہاتھ تلف کیا ہے، پس اُس نے تلف کیا اور ضائع کیا اُسی کی جنس سے اُس چیز کو جو اُس سے بہتر ہے، لہٰذا اُسے تلف کرنا شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اگر اُس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو ضامن ہوگا، لیکن اگر خطاء اور غلطی میں ایسا کیا ہے تو پھر اُس پر کچھ نہیں ہے۔ اور امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطاء اور غلطی میں بھی وہ ضامن ہوگا، کیوں کہ اُس نے ایک بے گناہ ہاتھ کاٹا ہے۔

اور بندوں کے حق میں غلطی معاف نہیں ہوتی۔

ہم کہتے ہیں کہ امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے اجتہاد میں خطاء ہوگئی ہے اِس لئے کہ نص میں دائیں ہاتھ کی
کوئی تعیین نہیں ہے، اور اجتہاد میں غلطی معاف ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بشری خطائیں صادر ہونے کی مثالیں:

نیز اجتہادی خطاؤں کے علاوہ بشری خطاؤں اور معاصی کا ذکر بھی کتب حدیث میں موجود ہے، جس کی چند
مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے!:

لے (ألجوهرة النيرية عليٰ مختصر القدوري : ٢/١٧٠ ، ألناشر : ألمطبعة الخيرية)

پہلی مثال:

١ – حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا سفيان عن عمرو بن دينار قال : أخبرني الحسن بن محمد أنه سمع عبيد الله بن أبي رافع يقول : سمعت عليا رضي الله عنه يقول : بعثني رسول الله صلي الله عليه وسلم أنا والزبير والمقداد فقال : انطلقوا حتي تأتوا روضة خاخ ، فان بها ظعينة معها كتاب فخذوا منها قال : فانطلقنا تعادي بنا خيلنا حتي أتينا الروضة فاذا نحن بالظعينة قلنا لها : أخرجي الكتاب قالت : مامعي كتاب . فقلنا : لتخرجن الكتاب أو لنلقين الثياب. قال : فأخرجته من عقاصها فأتينا به رسول الله صلي الله عليه وسلم فاذا فيه : من حاطب بن أبي بلتعة اليٰ ناس بمكة من المشركين يخبرهم ببعض أمر رسول الله صلي الله عليه وسلم فقال رسول الله صلي الله عليه وسلم : يا حاطب ماهذا ؟ قال : يا رسول الله صلي الله عليه وسلم لاتعجل علي اني كنت امرأًملصقاً في قريش يقول : كنت حليفاً ولم أكن من أنفسها وكان من معک من المهاجرين من لهم قرابات يحمون أهليهم وأموالهم فأحببت اذ فاتني ذلک من النسب فيهم أن أتخذ عندهم يداً يحمون قرابتي ولم أفعله ارتداداً عن ديني ولا رضاً بالكفر بعد الاسلام . فقال رسول الله صلي الله عليه وسلم : أما انه قد صدقكم فقال عمر : يا رسول الله دعني أضرب عنق هذا المنافق فقال:انه قد شهد بدراً وما يدريک لعل الله اطلع عليٰ من شهد بدراًَ؟ فقال: اعملوا ماشئتم فقد غفرت لكم. فأنزل الله

السورة:يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولیآء تلقون الیهم بالمودة و قد كفروا بما جائكم من الحق . (ألممتحنة) الیٰ قوله : فقد ضل سواء السبیل) [۱]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے، زبیر رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ (مکہ کے راستہ پر) چلے جاؤ، مقام ''روضہ خاخ'' پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں ''ہودج'' میں ایک عورت ملے گی، وہ ایک خط لیے ہوئے ہوگی، تم وہ خط اُس سے لے لینا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہم روانہ ہوئے، ہمارے گھوڑے ہمیں تیزی کے ساتھ لیے جا رہے تھے، جب ہم ''روضہ خاخ'' پر پہنچے تو واقعی وہاں ہمیں ایک عورت ''ہودج''

[۱] (صحیح البخاري : ۵/۱٤۵ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

میں ملی، ہم نے اُس سے کہا کہ خط نکالو!، وہ کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، لیکن ہم نے جب اُس سے کہا کہ اگر تم نے خود سے خط نکال کر ہمیں نہ دیا، تو ہم تمہارا کپڑا اُتار کر تلاشی لیں گے، تب اُس نے اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہاں جب خط پڑھا گیا) تو اُس میں یہ لکھا تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے کچھ لوگوں کے نام، اِس میں اُنہوں نے مشرکین کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک راز کی اطلاع دی تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاطب! یہ کیا (معاملہ) ہے؟'' حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی نہ فرمائیے! ((مکہ کی زندگی میں) میں قریش کے ساتھ رہتا تھا، میں صرف اُن کا حلیف تھا، اُن سے میری کوئی قرابت نہیں تھی، لیکن جو دوسرے مہاجرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، اُن سب کی قریش کے ساتھ قرابت ہے، اِس لئے اُن کے (مکہ کے) عزیز و اقرباء وہاں اُن کی اولاد اور اُن کے اموال کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن چوں کہ میرا اُن سے کوئی نسبی تعلق نہیں تھا، اِس لئے میں نے چاہا کہ اُن پر ایک احسان کر دوں اور وہ اُس کے بدلہ میں (مکہ میں موجود) میرے رشتہ داروں

کی حفاظت کریں، میں نے یہ کام اپنے دین سے پھر کرنہیں کیا، اورنہ ہی اسلام لانے کے بعد میرے دل میں کفر کی حمایت کا کوئی جذبہ ہے۔'' اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: واقعی! اِنہوں نے تمہارے سامنے سچی بات کہہ دی ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اِس منافق کی گردن اُڑادوں!۔'' لیکن حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ: ''یہ غزوۂ بدر میں شریک رہ چکے ہیں، اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ (جوغزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کے اعمال پر واقف ہے کہ آئندہ وہ کیا کریں گے) نے اُن کے متعلق خود فرمادیا ہے کہ: ''جو چاہو کرو! میں نے تمہارے گناہ معاف کردیئے ہیں'۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دُشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ اُن سے تم اپنی محبت کا اظہار کرتے رہو......اليٰ قوله......فقد ضل سواء السبيل .

دوسری مثال:

۲ –عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : لما أتيٰ ماعز بن مالک النبي صلي الله عليه وسلم،قال له : لعلک قبلت أو غمزت أو نظرت ؟ قال : لا يا رسول الله ! قال : أنکتها ؟ لا يکني قال : فعند ذلک أمر برجمه .''[۱]

[۱] (صحيح البخاري : ۱٦۷/۸ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا: ''غالبًا تم نے بوسہ لیا ہوگا، یا اشارہ کیا ہوگا یا دیکھا ہوگا؟۔'' عرض کیا: ''نہیں یارسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا پھر تم نے ہم بستری ہی کرلی ہے؟۔'' اِس مرتبہ آپ ﷺ نے کنایہ سے کام نہیں لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے اُنہیں رجم کا حکم دیا۔ (ترجمہ ختم)

تیسری مثال:

۳- اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے ساتھ حضرت صفوان

بن معطل رضی اللہ عنہ جیسے مقدس صحابی پر منافقین نے تہمت گھڑی، تو چند سیدھے سادے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اُن کی سازش سے متاثر ہو کر تہمت کے تذکرے کرنے لگے۔ مسلمانوں میں سے دو مرد حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اور ایک عورت سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا اِس میں مبتلا ہوئے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات نازل ہونے کے بعد "حد قذف" جاری فرمائی۔ مؤمنین سب تائب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اِن سب کی توبہ قبول فرمالی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور حضرت مسطح

رضی اللہ عنہ دونوں شرکائے بدر میں سے ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مغفرت کا اعلان فرما دیا ہے۔

ہنوز بر سر مطلب آمدم!:

اور دوسرے یہ کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے جہاں کہیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کا ذکر کیا ہے تو وہ (خاکم بدہن) آپ رضی اللہ عنہ کی ذات کو طعن و تنقید کا ہدف بنانے کے طور پر ہرگز نہیں کیا کہ جس سے (نعوذ باللہ!) آپ رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات یا آپ رضی اللہ عنہ کے مقام عالی شان کے خلاف کسی قسم کا کوئی پروپیگنڈا کھڑا کرنا یا آپ رضی اللہ عنہ کے مقام صحابیت کا تقدس مجروح کرنا مقصود ہو، بلکہ اِس سے "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کے متعلق صحیح مؤقف اور اُس کے دلائل واضح کرنا مقصود تھا، اِس لئے کہ اس بارے میں شیعہ، خوارج، معتزلہ، اور مرجیہ سب الگ الگ مذہب

رکھتے ہیں، اور اِنہی مشاجرات پر الگ الگ نظریات نے مختلف فرقوں کو جنم دیا ہے، جن کی تردید انتہائی لازمی ہے۔

مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتدا اور اُس کے اسباب:

خلافت راشدہ موعودہ کا زوال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک ایسے فتنہ سے شروع ہوا جس کی ابتدا بظاہر کچھ بہت زیادہ خطرناک نہ تھی، بلکہ صرف ایک شورش تھی جو بعض سیاسی و انتظامی شکایات کی بنا پر سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُن کے آخری دور میں اُٹھ کھڑی ہوئی تھی، اُس کی پشت پر نہ کوئی نظریہ اور فلسفہ تھا اور نہ ہی کوئی مذہبی عقیدہ، مگر جب اُس

کے نتیجے میں آں جناب کی شہادت واقع ہوگئی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نزاعات کے طوفان نے ایک زبردست خانہ جنگی کی صورت اختیار کرلی، اور جنگ جمل، جنگ صفّین، قضیۂ تحکیم، اور جنگ نہروان کے واقعات پے درپے پیش آتے چلے گئے، تو ذہنوں میں یہ سوالات اُبھرنے اور جگہ جگہ موضوعِ بحث بننے لگے کہ اِن لڑائیوں میں حق پر کون ہے اور کیوں ہے؟ باطل پر کون ہے اور اُس کے برسرِ باطل ہونے کے وجوہ کیا ہیں؟ کسی کے نزدیک اگر فریقین باطل پر یا حق پر ہیں تو وہ کس بنا پر یہ رائے رکھتا ہے؟ اور کوئی اگر فریقین کے معاملہ میں سکوت یا غیر ضانب داری اختیار کرتا ہے تو اُس کے پاس اپنی اِس روش کے لئے کیا دلیل ہے؟ اِن سوالات کے نتیجے میں چند قطعی اور واضح نظریات پیدا ہوئے جو اپنی اصل کے لحاظ سے خالص سیاسی تھے، مگر بعد میں ہر نظریے کے حامی گروہ کو بہ تدریج اپنا مؤقف مضبوط کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ دینیاتی بنیادیں فراہم کرنی پڑیں، اور اِس طرح یہ سیاسی فرقے رفتہ رفتہ مذہبی فرقوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ اور اِس طرح اِن سیاسی اختلافات نے مذہبی اختلافات کی بنیاد قائم کرلی۔

اِس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ جو لوگ جنگ جمل وصفّین وغیرہ لڑائیوں میں اِدھر یا اُدھر

سے شریک ہوئے اُن میں برسرِ حق کون تھا؟ اور آیا دوسرا فریق اِس آیت کا مستحق ہے یا نہیں؟:

" و من یقتل مؤمناً متعمداً فجزائه جهنم خالداً فیها ." [۱]

ترجمہ: جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا، اُس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

تفرقہ واختلاف کے اِس دور میں جو کثیر التعداد فرقے پیدا ہوئے، اُن سب کی جڑ در اصل چار فرقے تھے: ﴿۱﴾ شیعہ ﴿۲﴾ خوارج ﴿۳﴾ مرجیہ ﴿۴﴾ معتزلہ۔

شیعہ:

معتدل شیعہ حضرات اِس کے قائل تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل الخلق ہیں، اِن سے لڑنے والا یا اِن سے بغض رکھنے والا اللہ کا دُشمن ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اور اُس کا حشر کفار اور منافقین کے ساتھ ہوگا۔ بنابریں اِس

گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ مؤمن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) کافر ہیں۔

۱؎ (ألنسآء : ٤/٩٣)

خوارج:

اِس کے برعکس ''خوارج'' اس کے قائل تھے کہ چوں کہ طرفین نے ایک دوسرے پر جان بوجھ کر تلوار اُٹھائی اِس لئے دونوں جہنمی ہیں۔ چنانچہ اِسی اُصول کی بناء پر اِن تمام خانہ جنگیوں میں وہ دونوں جماعتوں کو برابر کافر جانتے تھے۔ اور چوں کہ ''قتلِ عمد'' گناہِ کبیرہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِس کے لئے دائمی جہنم کی دھمکی دی ہے جو کافروں کی سزا ہے۔ اِس گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کافر ہیں۔

مرجیہ:

شیعوں اور خارجیوں کے انتہائی متضاد نظریات کا ردِّ عمل ایک تیسرے گروہ کی پیدائش کی صورت میں ہوا، جسے ''مرجیہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس نے بعض احادیث کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں۔ گناہ سے مؤمن کسی طرح عذاب کا مستحق نہیں ہوتا، چہ جائے کہ اس سے کفر لازم آئے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں اپنے اپنے اجتہادات میں ''مصیب'' ہیں۔

معتزلہ:

اسی ہنگامہ خیز دور میں ایک چوتھا طرزِ فکر پیدا ہوا، جس کو اسلامی تاریخ میں ''اعتزال'' کا نام دیا گیا ہے، اگرچہ پہلے تین گروہوں کی طرح اِس کی پیدائش خالص سیاسی اسباب کا نتیجہ نہ تھی، لیکن اِس نے بھی اپنے وقت کے سیاسی مسائل میں چند قطعی نظریات پیش کیے اور اُس مجادلۂ افکار و آراء میں پوری شدت کے ساتھ حصہ لیا جو اُس وقت سیاسی اسباب سے تمام دُنیائے اسلام میں عموماً اور عراق میں خصوصاً چھڑا ہوا تھا، اِس فرقہ نے گزشتہ دونوں فریقوں کے دلائل سن کر یہ فیصلہ کیا کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ مؤمن ہے نہ کافر، بلکہ وہ کفر اور ایمان کے بیچ کی منزل میں ہے۔

اِس گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں ''فاسق'' ہیں۔

اہلِ سنت والجماعت:

اِن متحارب اور متشدد گروہوں کے درمیان مسلمانوں کا سوادِ اعظم اپنے خیالات میں اُنہیں نظریات اور اُصولوں پر قائم تھا جو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے سے مسلم چلے آرہے تھے اور جنہیں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ اور عامہ مسلمین ابتدا سے اسلامی اُصول و نظریات سمجھتے تھے، مسلمانوں کی بہ مشکل آٹھ دس فی صد آبادی اِس تفرقے سے متاثر ہوئی تھی۔

اہلِ سنت کا اِس بارے میں یہ فیصلہ تھا کہ یہ ''قتل عمد'' نہیں بلکہ ''قتل خطاء'' ہے کہ ہر ایک فریق اپنے کو برسرِ حق جان کر اور دوسرے کو برسرِ باطل سمجھ کر مذہباً اور اعتقاداً دوسرے کا خون بہانا جائز اور مباح سمجھتا تھا، اس لئے اِس کا فیصلہ اُس کے ہاتھ ہے جو حقیقت حال سے واقف اور نیتوں کے اصل منشاء سے آگاہ ہے۔ اِس گروہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ ''مجتہد مصیب'' تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''مجتہد مخطی'' تھے۔

کسی مجتہد کو قطعی طور پر ''مصیب'' یا ''مخطی'' کہا جاسکتا ہے؟

کیا کسی مجتہد کو قطعی طور پر ''مصیب'' یا ''مخطی'' کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ پروفیسر ہاشمی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''......پھر یہ بھی کوئی قطعی بات نہیں کہ جسے ''مجتہد مصیب'' کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے ''مجتہد مخطی'' کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی ہو، کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود ''خطاء'' کا احتمال باقی رہتا ہے اور مخطی کہنے کے باوجود ''صواب'' کا احتمال ہوسکتا ہے، یعنی " **صواب محتمل الخطاء** "اور" **خطاء محتمل الصواب**'' لہٰذا ایسی صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک فریق یا فرد کو پورے تیقن کے ساتھ ''مخطی'' کہنا، کہلوانا اور دوسروں سے جبراً منوانا ''ذکر بالخیر'' اور ''کف لسان'' کے حکم کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔''[1]

جی ہاں! کسی مجتہد کو قطعی طور پر ''مصیب'' یا ''مخطی'' کہا جاسکتا ہے!

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی بھی ایک فریق یا کسی بھی ایک فرد کو پورے تیقن کے ساتھ ''مصیب'' یا ''مخطی'' نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ اس بات کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے کہ جس مجتہد کو بظاہر ''مصیب'' کہا ہے وہ حقیقت میں ''مخطی'' ہو اور جس مجتہد کو بظاہر ''مخطی'' کہا ہے وہ حقیقت میں ''مصیب'' ہو، لیکن بایں ہمہ اس حقیقت سے بھی سرِ مو اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ اگر صاحبِ شریعت کسی مسئلہ میں کسی مجتہد کے ''مصیب'' یا ''مخطی'' ہونے کی واضح علامت بتا دے اور اس پر اجماع ہو جائے تو اُس صورت میں بہر حال

۱؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۴۷)

اُس مجتہد کو قطعی طور پر ''مصیب'' یا ''مخطی'' ماننا پڑے گا۔

خطائے اجتہادی پر جب اجماع منعقد ہو جائے تو وہ قطعی اور یقینی خطاء تصور کی جاتی ہے!:

چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں یہی صورت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے اجتہادات کی رُوشنی میں جنگ صفّین کی صورت میں جو مشہور لڑائی لڑی ہے تو اُس میں بہ تصریح علمائے اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے، دلیل اِس کی یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے یہ پیش گوئی فرمادی تھی کہ: ''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اُنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے افسر ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، جس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اس اجتہاد میں '' مصیب'' تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''مخطی'' تھے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ''مصیب'' ہونے پر وہ صحیح حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں آتا ہے کہ:

'' تمرق مارقة عند فرقة من المسلمين يقتلها أولي الطائفتين بالحق .'' ۱؎

ترجمہ: مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ (اُمت سے) نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں حق کے زیادہ قریب ہوگا۔

(ترجمہ ختم)

اِس حدیث میں اُمت سے نکل جانے والے فرقے سے مراد بالاتفاق خوارج ہیں، جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کیا، اور اِسی جماعت کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سے زیادہ قریب فرمایا ہے، اِس لئے کہ اہل عراق اور اہل شام کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے مقابلہ میں نسبتاً حق کے زیادہ قریب تھی۔

اِن دلائل پر غور کرنے کے نتیجے میں قرنِ اوّل کے دو (مختلف) قولوں میں سے ایک قول پر قرنِ ثانی میں اجماع ہو گیا۔

چنانچہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

" ...... **الا أن أهل العصر الثاني من بعدهم اتفقوا عليٰ انعقاد بيعة**

۱؎ (صحيح المسلم : ۷٤٥/۲ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)
و (مسند الامام أحمد بن حنبل :
۳۷٥/۱۷ ، ألناشر مؤسسة الرسالة)

علي ولزومها للمسلمين أجمعين ، وتصويب رأيه فيما ذهب اليه ، وتعيين الخطأ من جهة معاوية ، و من كان عليٰ رأيه ، و خصوصاً طلحة والزبير لانتقاضهما علي عليٍّ بعد البيعة له فيما نقل مع دفع التأثيم عن كل من الفريقين ، كالشأن في المجتهدين ، وصار ذلک اجماعاً من أهل العصر

الثاني عليٰ أحد قولي أهل العصر الأول ، كما هو معروف .“ ؎

ترجمہ:......مگر یہ کہ عصر اوّل کے لوگوں کے بعد عصر ثانی کے لوگ ”بیعت علی رضی اللہ عنہ“ کی صحت انعقاد پر متفق ہوگئے، اور اس بات پر بھی کہ اب تمام مسلمانوں کو ان کی بیعت کر لینی ضروری ہے، اور اس پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے دُرست ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ہم نواؤں خصوصاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی رائے دُرست نہیں، کیوں کہ اُنہوں نے بیعت کر لینے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی، اور اِس پر بھی متفق ہوگئے کہ دونوں فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی گناہ گار نہیں، جیسا کہ مجتہدین کا حکم ہے۔ اور (اس طرح) یہ عصر اوّل کے لوگوں کے دو (مختلف) قولوں میں سے ایک قول پر عصر ثانی کے لوگوں کا اجماع ہوگیا، جیسا کہ (دورِ اوّل کے اس ایک قول پر دورِ ثانی کا اتفاق) مشہور ومعروف ہے۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ جب شارع علیہ السلام نے قتل عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجتہد مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی ہونے کی واضح علامت قرار دیا، اور پھر اس بات پر قرنِ ثانی میں اجماع بھی ہوگیا، تو اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُن کے اجتہاد میں قطعی اور یقینی طور پر ”مصیب“ ماننا پڑے گا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُن کے اجتہاد میں قطعی اور یقینی طور پر ”مخطی“ ماننا پڑے گا۔

حاصل یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام ؒ اور ائمہ مجتہدین ؒ میں سے کسی بھی ایک جماعت یا کسی بھی ایک فرد کو اُس وقت تک قطعی اور یقینی طور پر ”مجتہد مصیب“ یا ”مجتہد مخطی“ نہیں کہا جا سکتا

،جب تک کہ صاحبِ شریعت کی طرف سے اُس کے ''مصیب'' یا ''مخطی'' ہونے کی کوئی واضح علامت نہ پائی جائے ،اور جب صاحبِ شریعت کی طرف سے

لے (تاریخ ابن خلدون : ۱/۲٦۸ ، ألناشر : دار الفکر ، بیروت ، لبنان)

کسی مجتہد کے ''مصیب'' یا ''مخطی'' ہونے کی کوئی واضح علامت پائی جائے تو اُس صورت میں اُس مجتہد کو قطعی اور یقینی

طور پر ''مصیب'' یا ''مخطی'' کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اگر ائمہ اربعہ کسی مذہب پر متفق ہو جائیں، چاہے وہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا ہو اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہ بھی ہو، مگر بعد میں اُس کے برخلاف اجماع منعقد ہو جائے تو اُس اجماعی اجتہادی مسئلہ کی اصابت یقینی

ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک مشہور و معروف ہے کہ وہ ایک دن کی روزی سے زیادہ رقم اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے، ظاہر ہے کہ اُن کا یہ مسلک قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے، اسی وجہ سے ائمہ مجتہدینؒ بشمولِ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کوئی ایک بھی اِس معاملہ میں اُن کا ہم نوا نہیں تھا، سب کے نزدیک اُن سے اِس مسئلہ میں اجتہادی غلطی ہوئی تھی اور جمہور اُمت نے ہمیشہ دلائل کے ذریعہ اُن کے اِس مسلک کی تردید کی ہے، اس لئے اُن کے اس معاملہ کو اجتہادی وظنی نہیں بلکہ قطعی اور یقینی خطاء کہیں گے۔

اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہمیشہ بالخیر ہی کرنا چاہیے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''مذکورہ تفصیل سے ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کا شرعی حکم واضح ہوگیا کہ
اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہمیشہ ''بالخیر'' ہی کرنا چاہیے، اور اُن کے باہمی اختلافات و
مشاجرات کے بارے میں ''امساک، توقف اور سکوت'' اختیار کرنا چاہیے، کیوں کہ
اِسی صورت میں ایمان کی سلامتی
اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔

جب کہ اس کے بالمقابل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تخطیہ اہل سنت والجماعت کا اصل
مذہب نہیں ہے، بلکہ ایک ''رخصت'' اور ''مَخْلَصْ'' ہے یعنی اصل تو یہی ہے کہ صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجراتی اور اجتہادی خطاء کو بھی زبان پر نہ لایا جائے، لیکن اگر کسی وقت
کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے یہ موضوع زیر بحث آجائے تو اجتہادی خطاء و
صواب سے زیادہ کوئی لفظ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

محقق اہل سنت شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیال
کوٹی
صاحب اپنے شاگرد رشید مولانا ظہور الٰہی صاحب کے نام ایک خط میں ارشاد فرماتے
ہیں کہ:

''سیدنا و مولانا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بالکل میرا وہی عقیدہ ہے جو اُصولی
طور پر اہل السنّت والجماعت کا ہے، اِس مسئلہ میں میری کوئی الگ رائے ہرگز نہیں ہے،
البتہ اپنے دوسرے اور چھوٹے سردار اور مولیٰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو
اِدھر اُدھر کی ہانکی جاتی ہیں اُن سے میں ضرور بیزار ہوں، اُن کو جائر، عادل عن الحق، ظالم
، تارک القرآن والحدیث، اور باغی، طاغی، کہنا تو بہت دُور کی بات ہے، میں تو اُن کو
''مخطی'' کہنے کے لئے بھی تیار نہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اُن کو بھی ''مصیب'' ہی
سمجھتا اور کہتا ہوں، اگر یہ ''جرم'' ہے تو اِس ''جرم'' سے میں باز نہیں آسکتا۔'' [1]

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر علمائے اہل سنت نے ضرورت شرعیہ ہی کی بناء پر کیا ہے!
اس میں شک نہیں کہ اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہمیشہ ''بالخیر'' ہی کرنا چاہیے اور اُن کے

باہمی اختلافات ومشاجرات کے بارے میں امساک، توقف، اور سکوت اختیار کرنا چاہیے، اور بغیر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کے اگر کبھی یہ موضوع زیر بحث آجائے تو معاملے کو اجتہاد کی حد میں ہی رکھنا چاہیے، لیکن سوال یہ ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے کس جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ''بالشر'' کیا ہے؟ یا جمہور نے کس جگہ مشاجرات میں اُن کے حق میں اجتہادی خطاء وصواب کی تردید کی ہے؟ ہاں! بعض جگہ ''باغی'' وغیرہ قسم کے جو الفاظ مروی ہیں تو وہ فقہی اصطلاحات کے اعتبار سے مروی ہیں، اور وہ بھی علمائے اہل سنت والجماعت نے صرف ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' وغیرہ جیسے نازک مسائل کو سلجھانے کی غرض سے ایک ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر ذکر کیے ہیں، بغیر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ سے (خاکم بدہن) محض کسی صحابی، تابعی، یا امام مجتہد کا مقام ڈھانے یا اُن میں سے کسی کا مرتبہ کم کرنے کے لئے ہرگز ذکر نہیں فرمائے۔ تفصیل آگے کتاب میں آرہی ہے۔

مولانا عبدالغفور سیال کوٹی کا پروفیسر طاہر ہاشمی کے اُصول سے انحراف:

باقی رہا مولانا ابوریحان عبدالغفور سیال کوٹی صاحب کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ''مجتہد مصیب'' ماننے کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اُن کے مقابلے میں علی التعیین والیقین ''مجتہد مصیب'' ہی ماننے کی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی تو اوّل تو مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب کا یہ مؤقف ہی خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اپنے اُصول کے

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۴۹)

خلاف ہے، اس لئے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے نزدیک اُصول یہ ہے کہ:

''یہ کوئی قطعی بات نہیں کہ جسے ''مجتہد مصیب'' کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے ''مجتہد مخطی'' کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی ہو، کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود ''خطاء'' کا احتمال باقی رہتا ہے اور مخطی کہنے کے باوجود ''صواب'' کا احتمال ہوسکتا ہے۔'' [1]

جب کہ ابو ریحان سیال کوٹی صاحب بانگ دُہل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حدیث عمار رضی اللہ عنہ سے رُوگردانی کرتے ہوئے کسی بھی طرح مجتہد مخطی ماننے پر رضامند نہیں بلکہ وہ تو قطعی اور یقینی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کو ''مجتہد مصیب'' ہی مان رہے ہیں۔

دوسرے مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب کا یہ نظریہ علمائے اہل سنت و الجماعت کے نظریئے کے بالکل خلاف ہے، اِس لئے کہ علمائے اہل سنت اجماعی طور پر اس معاملہ میں حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی روشنی میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ''مجتہد مصیب'' ہونے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''مجتہد مخطی'' ہونے کے قائل ہیں، پھر معلوم نہیں کہ اس جرم کے باوجود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ''محقق اہل سنت'' کا لقب مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب کو کیسے مرحمت فرمادیا؟۔

بھلا! اہل سنت والجماعت کے اجماع کی مخالفت کر کے اور اجماع کرنے والوں کو گم راہ کہہ کر بھی کوئی اہل سنت ہوسکتا ہے؟۔

تیسرے بالفرض اگر مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب کے مؤقف کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اِس سے حدیث عمار رضی اللہ عنہ ﴿ **تقتلك ألفئة الباغية** ﴾ کا بطلان اور وقوعِ بلامحل ہونا لازم آتا ہے، جو کہ ایک حدیث متواتر کی تردید اور کھلی گم راہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب کا مذکورہ بالا مؤقف اور نظریہ بالکل باطل، فاسد، اور مبنی بر ضد و ہٹ دھرمی ہے، جس کا علمائے اہل سنت والجماعت کے نظریات سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب محقق اہل سنت جیسے عظیم لقب کے اہل ہیں۔

ل (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۴۷)

ایک کی تنقیص سے دوسرے کا دفاع کرنا اہل سنت کے دائرے سے باہر ہے!:

ایک اور مقام پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علمائے اہل سنت پر اپنا غیظ وغضب برساتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زیرِنظر کتاب میں ''ناقدین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی فہرست میں جن حضرات کے نام آئے ہیں اُن میں سے بعض تو یقیناً سنیت کے لبادے میں ''رفض و تفضیلیت'' کے نمائندے ہیں، جب کہ اکثر حضرات اہل سنت والجماعت کے اساطین میں شامل ہیں، لیکن
اُنہوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر بالکل بے موقع و بے محل اور بلاضرورت شرعیہ وشدیدہ بلکہ بعض ایسے اُمور میں بھی جن کا سرے سے ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو یقیناً ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے
شرعی حکم'' سے انحراف کے زُمرے میں آتا ہے۔

بعض حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کے مرتکب ہوئے ہیں، جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کے بغیر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بیان کیا جاسکتا تھا۔ یہ وہی انداز ہے جو محمود احمد عباسی اور ''مجلس عثمانی غنی رضی اللہ عنہ کراچی'' سے وابستہ حضرات نے اختیار کیا ہے جس میں اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان ومنزلت بیان کی ہے، حالاں کہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی ضرورت تھی اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے مقام ومرتبہ پر رکھنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریض وتوہین کی کوئی ضرورت، یہ دونوں اُمور اہل السنّت والجماعت کے دائرے سے باہر ہیں جو ''سب صحابہ'' میں شامل ہیں۔'' ل

لبادۂ سنیت میں رفض وتفضیلیت کی نمائندگی کرنے والوں کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں !:

اس میں شک نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی زیرِ تبصرہ کتاب ’’سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین‘‘ میں بعض اُن حضرات کے نام بھی مذکور ہیں کہ جو سنیت کے لبادے میں رفض و تفضیلیت کے نمائندے ہیں، یا اُنہوں نے

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۵۰)

شعوری یا لاشعوری طور پر بالکل ہی بے موقع و بے محل اور بلا ضرورت شرعیہ وشدیدہ بلکہ ’’مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم‘‘ سے ہٹ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے، لیکن اوّل تو جیسا کہ پہلے بھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایسے حضرات نہ تو علمائے اہل سنت والجماعت میں سے ہیں اور نہ ہی اُنہیں اہل سنت والجماعت کا ترجمان کہا جا سکتا ہے، بلکہ ایسے حضرات بدعتی، ضال، مضل، اور علمائے اہل سنت والجماعت کے طبقہ سے خارج ہیں۔

البتہ علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن بعض حضرات نے اُس نازک دور کے متعلق جو آراء یا معلومات نقل فرمائی ہیں، تو ایک تو وہ بے موقع و بے محل نہیں، اور دوسرے یہ کہ بلا ضرورت شرعیہ وشدیدہ بھی اُنہوں نے نقل نہیں فرمائیں، بلکہ بعض شدید شرعی ضروریات اور مجبوریوں کی بناء پر اُنہوں نے ایسا کیا ہے، منجملہ اُن مجبوریوں میں سے ایک بڑی مجبوری ہر دور میں ہر جگہ فرقِ باطلہ کی اِن موضوعات پر اپنی کج فکری کی اشاعت ہے، جس کے مقابلے میں ایک متوازن نقطہ نظر سامنے لانا علماء کا فرض بنتا ہے، اس لئے اسے ’’مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم‘‘ کے شرعی حکم سے انحراف اور تجاوز کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

نیز اگر کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کا پہلو پایا گیا ہے، تو وہ ایسے علماء کی جانب سے پایا گیا ہے جو ’’سنیت‘‘ کے لبادے میں ’’رفض وتفضیلیت‘‘ کی نمائندگی کر رہے ہیں، ایسے علماء کا مسلک اہل سنت

والجماعت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ علمائے اہل سنت والجماعت ایسے حضرات سے اپنی برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

علمائے اہل سنت کا دفاع کیوں ضروری ہے؟:

مگر افسوس! کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانک دیا ہے، چنانچہ جن اکابر کی عبارات کی صحیح تاویل اور صحیح محل موجود تھا اور وہ اہل علم کو سمجھ بھی آ سکتا تھا، ہاشمی صاحب نے اُنہیں بھی اپنی زد میں لے لیا ہے۔اس لئے ہم اپنے ایسے اکابر حضرات کی عبارات کا عادلانہ ومنصفانہ دفاع کرنا انتہائی ضروری اور نہایت ہی واجب سمجھتے ہیں، کیوں کہ وہ اہل سنت والجماعت کے اکابرین واساطین ہیں،اُن سے بداعتمادی وبے اطمینانی تمام اہل سنت اور اکابر علمائے دیوبند سے بداعتمادی پیدا کر دے گی،اوراس سے فقط اہل سنت اور علمائے دیوبند کے دُشمنوں ہی کو فائدہ ہوگا کہ وہ بغلیں بجا کر بجاطور پر یہ کہہ سکیں گے کہ لو جی! ہم تو پہلے ہی سنیوں، دیوبندیوں کو گم راہ کہتے تھے۔ یہ دیکھ لو! ان کے سارے بڑے بڑے اکابر علماء گستاخِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہورہے ہیں، حالاں کہ حاشاوکلا کہ ہمارے اکابر گستاخِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں، یہ محض ایک جھوٹ اور الزام تراشی ہے، جو اکابر علمائے حق علمائے اہل سنت سے بغض ونفرت،اور کینہ وحسد کے سبب جنم لینے والی بدباطنی اور دُشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اب ذیل میں ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی چاند ماری کا نشانہ بننے والے اہل سنت والجماعت کے ایک ایک عالم کا نام لے کر سن وفات کی ترتیب کے اعتبار سے اُن کا دفاع پیش کرتے ہیں۔:

﴿۱﴾

راویٔ بخاری امام عبدالرزاق الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۲۱۱ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی، اسم گرامی: عبدالرزاق، کنیت: ابوبکر، اور والد کا نام: ہمام ہے۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

''ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع ......الخ۔'' [۱]

ولادت باسعادت:

آپؒ ۱۲۶ھ میں ''یمن'' کے دارالحکومت اور مشہور ترین شہر ''صنعاء'' میں زمانۂ خیر القرون میں پیدا ہوئے، اور چوں کہ ''قبیلۂ حمیر'' سے ''ولاء'' کا تعلق بھی تھا، اس لئے ''صنعانی'' اور ''حمیری'' نسبتوں سے زیادہ مشہور ہوئے، اور ''یمنی'' بھی کہے جاتے تھے۔ [۲]
شہر ''صنعاء'' کے بارے میں علامہ عزالدین ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

'' وهي مدينة باليمن مشهورة ينسب اليها خلق كثير لا يحصون .'' [۳]

[۱] (وفيات الأعيان و انباء أبناء الزمان لابن خلكان : ٣/٢١٦ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت)

[۲] **'' ألشيخ الامام عبد الرزاق بن همام اليمني ، الصنعاني ، الحميري .''** (مرآة الجنان و عبرة اليقظان في معرفة ما يعتبر من حوادث الزمان لليافعي : ٢/٤٠ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (بستان المحدثين للشاه عبد العزيز المحدث الدهلوي : ص ٤٨)

[۳] (أللباب في تهذيب الأنساب لابن أثير ألجزري : ٢/٢٤٨ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت)

ترجمہ: ''صنعاء'' یمن کا ایک مشہور ترین شہر ہے جسے بیسیوں شیوخ وائمہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

علمی اسفار:

امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ تجارت پیشہ فرد تھے، اور بسلسلۂ تجارت شام جایا کرتے تھے، اسی وجہ سے مؤرخین نے آپؒ کے تجارت کے لئے شام [۱] اور حج وزیارت کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے جانے کا ذکر کیا ہے، مگر حدیث کی طلب وجستجو کے لئے سفر کی تصریح نہیں کی، تاہم آپؒ کے مشائخ کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؒ نے طلب حدیث کے لئے

مشہور اور اہم مراکز کا سفر ضرور کیا ہوگا۔

اساتذہ وشیوخ:

آپؒ نے بلند پایہ محدثین اور کبار ائمہ فن اپنے والد ہمامؒ، چچا وہبؒ، معمرؒ، عبیداللہ بن عمرؒ العمری، ان کے بھائی عبداللہ بن عمر العمریؒ، ایمن بن نابلؒ، عکرمہ بن عمارؒ، ابن جریجؒ، اوزاعیؒ، مالک، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، زکریا بن اسحاق مکیؒ، جعفر بن سلیمانؒ، یونس بن سلیم صنعانیؒ، ابن ابی روادؒ، اسرائیلؒ، اسماعیل بن عیاشؒ وغیرہ [۲] جوٹی کے علماء سے شرفِ تلمذ طے کیا، اور امام معمر ازدیؒ سے ایک خاص قسم کے تعلق کی بناء پر ایک روایت کی بناء پر سات سال تک مستقل اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:

"جالست معمرا سبع سنين ."[۳]

ترجمہ: میں سات سال تک معمرؒ کی خدمت میں رہا۔

[۱] " **رحل في تجارة اليٰ الشام .**" (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۲٦٧/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۲] " **رويٰ عن ابيه وعمه وهب ومعمر وعبيد الله بن عمر العمري وأخيه عبد الله بن عمر العمري وأيمن بن نابل وعكرمة بن عمار وابن جريج وأوزاعي ومالک وسفيان الثوري وسفيان بن العيينة وزكريا بن اسحاق المكي وجعفر بن سليمان ويونس بن سليم الصنعاني وابن ابی رواد واسرائيل واسماعيل بن عياش وخلق .**" (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ۳۱۱/٦ ، ألناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، ألهند)

[۳] (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۲٦٧/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

جب کہ ایک دوسری کی بناء پر آٹھ سال تک اور اور تیسری روایت کی بناء پر آٹھ سے نو سال تک آپؒ مستقل
طور پر معمر کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

چنانچہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" عن أحمد بن حنبل قال: قال عبد الرزاق: جالست معمراً ما بين الثمان الیٰ التسع......نایحییٰ بن معین و أحمد بن حنبل قالا: قال عبد الرزاق:

لزمت معمراً ثماني سنين ." [۱]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "میں آٹھ سے نو سال تک کے درمیان معمر کے پاس اُٹھتا بیٹھتا رہا۔" ......امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما
فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "میں نے آٹھ سال تک معمر کو لازم پکڑا۔"

شاگردو تلامذہ:

آپؒ کے تلامذہ میں ابن عیینہؒ، اور معتمر بن سلیمانؒ (یہ دونوں آپ کے شیوخ میں سے ہیں) وکیعؒ اور ابواُسامہؒ (یہ دونوں آپؒ کے ہم عصر) احمدؒ، اسحاقؒ، علیؒ، یحییٰؒ، ابوخیثمہؒ، احمد بن صالحؒ، ابراہیم بن موسیٰؒ، عبداللہ بن محمد المسندیؒ، سلمہ بن شبیبؒ، عمرو الناقدؒ، ابن ابی عمرؒ، حجاج بن الشاعرؒ، یحییٰ بن جعفر الکلبیکندیؒ، یحییٰ بن موسیٰ ختؒ، اسحاق بن ابراہیم السعدیؒ، اسحاق بن منصور الکوسجؒ، احمد بن یوسف السلمیؒ، حسن بن علی الخلالؒ، عبدالرحمان بن بشر بن الحکمؒ، عبد بن حمیدؒ، محمد بن رافع، محمد بن مہران الحمالؒ، محمود بن غیلانؒ، محمد بن یحییٰ الذہلیؒ، ابو مسعود الرازیؒ، اسحاق بن ابراہیم
الدبریؒ وغیرہم حضرات شامل ہیں۔ [۲]

۱؎ (تاريخ دمشق لابن عساكر: ١٦٧/٣٦، ألناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

۲؎ ”وعنه ابن عيينه و معتمر بن سليمان، وهما من شيوخه ووكيع وأبو اُسامة وهما من أقرانه وأحمد واسحاق وعلي ويحييٰ وأبو خيثمة وأحمد بن صالح وابراهيم بن موسيٰ وعبد الله بن محمد المسندي وسلمة بن شبيب وعمرو الناقد وابن أبي عمرو وحجاج بن الشاعر ويحييٰ بن جعفر الكبيكندي ويحييٰ بن موسيٰ خت واسحاق بن ابراهيم السعدي واسحاق بن منصور الكوسج وأحمد بن يوسف السلمي وحسن بن على الخلال وعبد الرحمان بن بشر بن الحكم وعبد بن حميد ومحمد بن رافع ومحمد بن مهران الحمال ومحمود بن غيلان ومحمد بن يحييٰ الذهلي وأبو مسعود الرازي واسحاق بن ابراهيم الدبري وغيرهم .“ (تهذيب التهذيب لابن=

فضل وکمال:

آپؒ کے فضل وکمال اور علمی عظمت نے آپؒ کی ذات کو مرجعِ خلائق بنا دیا تھا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ کے بعد آپؒ کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس اِس قدر زیادہ لوگ سفر کر کے نہیں آئے، اور اکثر علمائے اسلام آپؒ کی بارگاہِ کمال میں حاضر ہوئے۔ ۱؎

چنانچہ مؤرخ یافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ألمرتحل اليه من الآفاق .“ ۲؎

ترجمہ: آپؒ کے پاس اطراف واکناف سے لوگ آتے تھے۔

ایک مرتبہ علامہ احمد بن صالح مصریؒ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ: ”امام عبد الرزاق

رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر اور برتر محدث کا آپ کو علم ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا: ”نہیں!۔“ ۳؎

ابراہیم بن عباد دیری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ”امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو سترہ (۱۷) ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔“ اور ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”ہم لوگوں

میں سب سے بہتر حافظہ امام عبدالرزاق
رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔''

علمی مقام:

تبع تابعین کے زمرہ میں جن جن علماء نے اپنے درس وافادہ کی مجلسیں آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اُن میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی خاصا مشہور اور ممتاز ہے۔علم حدیث میں اُن کی شہرۂ آفاق تصنیف '' **أَلْمُصَنَّفْ**'' نہایت ہی بلند اور اعلیٰ مقام کی حامل

=حجر العسقلاني : ٣١١/٦ ، ألناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، ألهند)

۱؎ " **قال أبو سعد ابن السمعاني : قيل : ما رحل الناس اليٰ أحد بعد رسول الله صلي الله عليه وسلم مثل مارحلوا اليه .**" (وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان : ٢١٦/٣ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت) و (كتاب الأنساب للسمعاني : ٣٣١/٨ ، ألناشر : مجلس دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد)

۲؎ (مرآة الجنان وعبرة اليقظان لليافعي : ٥٢/٢ ، ألناشر :)

۳؎ "**قال أحمد بن صالح المصري : قلت لأحمد بن حنبل : رأيت أحداً أحسن حديثاً من عبد الرزاق ؟ .**" **قال :**
" **لا .**" (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ٣١١/٦ ، ألناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، ألهند)

کتاب ہے، اور قدامت واہلیت کے اعتبار سے اس کا اس کا پایہ '' **مُصَنَّفُ ابْنِ أَبِيْ شَيْبَةْ** '' سے بھی اُونچا ہے۔

وفات حسرت آیات:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۱۵ شوال المکرّم ۲۱۱ھ میں بعمر چھیاسی سال ''یمن'' میں وفات پائی۔ ۱؎

امام عبدالرزاق الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

جمہور محدثین نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو ''ثقہ'' و ''صدوق'' اور ''صحیح الحدیث'' و ''حسن الحدیث'' قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپؒ کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن الجارود، صحیح ابن حبان، صحیح ابی عوانہ، اور مستدرک حاکم وغیرہ میں بہ کثرت موجود ہیں۔

مندرجہ ذیل محدثین عظام رحمہم اللہ سے آپؒ کی توثیق ثابت ہے:

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن ابی مریم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

" عبد الرزاق ثقة ليس به بأس " [۲]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، اُن پر کوئی اعتراض نہیں۔

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

[۱] **" وفي السنة المذكورة توفي الحافظ ، العلامة ، المرتحل اليه من الآفاق الشيخ ، الامام عبد الرزاق بن همام اليمني الصنعاني الحميري صاحب المصنفات عن ست وثمانين ."** (مرآة الجنان وعبرة اليقظان لليافعي : ٢/ ٤٠ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (ألطبقات الكبريٰ ألمعروف بطبقات ابن سعد : ٦/ ٧٤ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[۲] (ألكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٦/ ٥٣٩ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (سؤالات ابن الجنيد: ١/ ٣٤٦ ، ألناشر : مكتبة الدار ، ألمدينة المنورة ، ألسعودية)و (تاريخ دمشق لابن عساكر : ٣٦/ ١٧٢ ،ألناشر:

دار الفکر للطباعة و النشر و التوزیع)

" ثقة یکني أبا بکر و کان یتشیع ."[۱]

امام عبدالرزاقؒ ثقہ ہیں، آپؒ کی کنیت ابوبکر ہے اور آپ میں تشیع پایا جاتا تھا۔

امام بخاری نے امام عبدالرزاق سے اپنی صحیح بخاری میں سو(۱۰۰) سے زیادہ روایتیں لی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" ما حدث من کتابه فهو أصح ."[۲]

ترجمہ: امام عبدالرزاقؒ نے جو حدیثیں اپنی کتاب سے بیان کی ہیں وہ زیادہ صحیح ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

مشہور محدث امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ
علیہ سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔

امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" و کلاهما (هشام بن یوسف و عبد الرزاق) ثقة ثبت ."[۳]

ترجمہ: اور یہ دونوں (یعنی ہشام بن یوسف اور عبدالرزاق) ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

امام ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ہشام بن یوسف فرماتے ہیں:

" کان عبد الرزاق أعلمنا و أحفظنا ."[۴]

[۱] (معرفة الثقات للعجلي : ۹۳/۲ رقم الترجمة : ۱۰۹۷ ، ألناشر : مکتبة الدار ، ألمدینة المنورة ، ألسعودیة)

۲؎ (ألتاريخ الكبير للبخاري : ج ٦/ ١٣٠ ، ألناشر : دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، ألدكن)

۳؎ (تاريخ دمشق لابن عساكر : ٣٦/ ١٧٠، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و(تهذيب الكمال في أسماء

الرجال للمزي : ١٨/ ٥٨ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت)

۴؎ (تاريخ دمشق لابن عساكر : ٣٦/ ١٧٠ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و(سير أعلام النبلاء للذهبي :=

ترجمہ:امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ہم سب میں زیادہ علم والے اور زیادہ حدیثیں یاد کرنے والے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) کا حوالہ:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اذا اختلف أصحاب معمر في حديث معمر فالحديث حديث

عبد

الرزاق .“۱؎

ترجمہ:جب معمرؒ کی کسی حدیث میں معمرؒ کے اصحاب کا اختلاف ہوجائے تو

اُس

صورت میں امام عبدالرزق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث معتبر سمجھی جائے گی۔

امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی کتاب ”صحیح

ابن خزیمہ“ میں بہت

سے روایات نقل کی ہیں۔

امام ابن جارود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”ألمنتقي“(**ألمعروف بصحيح**

ابن الجارود) میں ان

سے روایات لی ہیں۔

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ:

" رأيت أحسن حديثاً منه يعني عبد الرزاق ؟ " قال: " لا ". ۲

ترجمہ: یعنی آپؒ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر حدیث بیان کرنے والا کوئی دیکھا ہے؟"

تو آپؒ نے فرمایا کہ: "نہیں!۔"

نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں احادیث معمرؒ کے حافظ ہونے میں امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح فرمائی ہے تو وہیں ابن جریجؒ سے روایت میں امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے زیادہ ثبت
(حجت) بھی قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) ارقام فرماتے ہیں:

=٥٦٦/٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ، والنسخة الثانية : ٢٢٣/٨ ، ٢٣١/٨ ، ألناشر : دار الحديث ألقاهرة)

۱ (تاريخ أسماء الثقات لابن شاهين : ١٨٠/١ ، ألناشر : ألدار السلفية ، ألكويت)

۲ (تاريخ دمشق لابن عساكر : ١٨٤/٣٦ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

" قلت لأحمد بن حنبل : كان عبد الرزاق يحفظ حديث معمر ؟ قال : نعم ، قيل له : فمن أثبت في ابن جريج : عبد الرزاق أو محمد بن بكر
البرساني ؟ قال : عبد الرزاق ." ۱؎

ترجمہ: میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: ''کیا امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ احادیث معمرؒ کے حافظ تھے؟ تو آپؒ نے فرمایا: جی ہاں! ۔آپؒ سے پوچھا گیا کہ: ''ابن جریج کی احادیث میں امام عبدالرزاقؒ اور امام محمد بن بکر برسائیؒ میں سے زیادہ ثقہ کون
ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ: ''امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ (زیادہ ثقہ ہیں)۔''

امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

" عبد الرزاق أحد من قد ثبت حديثه ." ۲؎

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اُن محدثین میں ہوتا ہے جن کی حدیث حجت ہوتی ہے۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

" وكان ممن جمع و صنف وحفظ وذاكر وكان ممن
يخطئ اذا
حدث من حفظه عليٰ تشيع فيه ". [3]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اُن محدثین میں سے ہیں کہ جنہوں نے احادیث کی جمع وتصنیف کا کام کیا، احادیث کے حفظ و مذاکرہ کا اہتمام کیا، وہ بعض دفعہ اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے غلطی کر جاتے تھے، نیز اُن میں "تشیع" بھی
پایا جاتا
تھا۔

[1] (تاريخ أبي زرعة الدمشقي : ٤٥٧/١ ، ألناشر : مجمع اللغة العربية ، ألدمشق)
[2] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ١٨٤/٣٦ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)
[3] (كتاب الثقات لابن حبان : ٤١٢/٨ ، ألناشر : دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، ألدكن ، ألهند)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے ایک
روایت لے کر اُس کے
آخر میں فرمایا:

" هذا حديث حسن صحيح ."

ترجمہ: یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔

پوری روایت ملاحظہ ہو:

۱۳۱- حدثنا يحيىٰ بن موسىٰ قال : حدثنا عبد الرزاق عن اسرائيل عن عامر بن شقيق عن أبي وائل عن عثمان بن عفان أن النبي صلي الله عليه
وسلم كان يخلل ليحيته هذا حديث حسن صحيح .

قال المحشي : لو قال : ”حسن“ وسكت لكان أحسن وأوفق لما قاله شيخه الامام البخاري ، فقد ذكر هو في ” العلل الكبير “ ان البخاري ”حسّنه“ حسب (تهذيب التهذيب: ج ٥ ص ٦٩) ففيه عامر بن شقيق و هو ليّن الحديث والطرق الأخريٰ لهذاالمتن كلها ضعيفة لا يتقوي بها الحديث
بحيث يبلغ مراتب الصحة التامة .“

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ اپنی
ڈاڑھی
مبارک کا خلال فرمایا کرتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“ [۱]

اس سے ثابت ہوا کہ امام عبدالرزاق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ (علیہ المتوفی ۳۸۵ھ) کا حوالہ:

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ایک حدیث نقل کی ہے اور اُس کے
آخر میں فرمایا ہے:

[۱] (جامع الترمذي بحاشية المحقق : ۸۲/۱ ، ألناشر : دار الغرب الاسلامي ، بيروت)

" اسناد صحيح ."
ترجمہ:اس کی اسناد صحیح ہے۔

پوری حدیث ملاحظہ ہو:

۱۴۰ – نا الحسين بن اسماعيل ، نا ابن زنجويه ، نا عبد الرزاق ، أنا ابن جريج ، أخبرني عمرو بن دينار ، قال : علمي و الذي يخطر ببالي أنّ أبا الشعثآء ، أخبرني أنّ ابن عباس أخبره :أن النبي صلي الله عليه وسلم كان
يغتسل بفضل ميمونة ، اسناد صحيح .اھ
ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ
عنہا کے وضوء کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔(ترجمہ ختم)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے اور اُس میں بھی مجموعی طور پر جہاں دیگر راویوں کی توثیق کی ہے وہاں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بھی توثیق کی ہے۔

حدیث یہ ہے:

١١٨٧ – حدثنا أبوبكر النيسابوري ، حدثنا حسن بن يحييٰ الجرجاني ، حدثنا عبد الرزاق ، أنا ابن جريج ، ح و حدثنا أبوبكر ، ثنا ربيع بن سليمان ، أنا الشافعي ، أنا عبد المجيد بن عبد العزيز ، عن ابن جريج ، أخبرني عبد الله بن عثمان بن خثيم ، أنّ أبابكر بن حفص بن عمر أخبره ، أنّ أنس بن مالک أخبره ، قال : صلّيٰ معاوية بالمدينة صلاة فجهر فيها بالقرائة فلم يقرأ: "بسم الله الرحمن الرحيم" لأم القرآن ولم يقرأها للسورة التي بعدها ولم يكبر حين يهوي حتي قضي تلک الصلاة ، فلما سلم ناداه من سمع ذلک من المهاجرين و الأنصار من كل مكان : يا معاوية ! أقصرت الصلاة أم نسيت ؟. قال : فلم يصل بعد ذلک الا قرأ: "بسم الله الرحمان

(١) (سنن دار قطني : ١/٨١ ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ، لبنان)

الرحيم " لأم القرآن و للسورة التي بعدها و كبر حين يهوي ساجداً "
كلهم
ثقات .[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں نماز پڑھائی، اور اُس میں جہراً قرأت کی، لیکن نہ تو سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی اور نہ ہی اِس کے بعد والی سورت سے پہلے، اسی طرح (سجدہ کے لئے) جھکتے وقت آپ رضی اللہ عنہ نے تکبیر بھی نہیں کہی، یہاں تک کہ یہ نماز پوری ہوگئی، پس جب آپ رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو مہاجرین وانصار میں سے جس جس نے بھی یہ سنا، ہر جگہ سے پکارنا شروع کر دیا کہ: اے معاویہ رضی اللہ عنہ! کیا نماز میں کمی کر دی گئی ہے یا آپ رضی اللہ عنہ بھول گئے ہیں؟۔'' راوی کہتے ہیں کہ اِس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب بھی نماز پڑھاتے تو اُس میں سورۂ فاتحہ اور اِس کے بعد والی سورۃ سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھتے، اور جس وقت سجدہ کے لئے جھکتے تو تکبیر ضرور
پڑھتے۔ (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں۔

امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مستدرک'' میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ
بہت سی احادیث کو صحیح کہا ہے:

۱۰۴ – أخبرنا أحمد بن جعفر القطيعي ، أنبأنا عبد الله بن احمد بن حنبل ، حدثي أبي ، و حدثنا علي بن حمشاذ ، ثنا ابراهيم بن أبي طالب ، ثنا محمد بن رافع ، و محمد بن يحييٰ، قالا : ثنا عبد الرزاق ، أنبأمعمر ، عن ابن أبي ذئب ، عن سعيد المقبري ، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلي الله عليه وسلم : ما أدري تبع ا ئبيا كان أم لا ؟ وما لا أدري ذا القرنين أ نبيا كان أم لا ؟ وما أدري ألحدود كفارات لأهلها أم لا ؟ . هذا حديث صحيح

على شرط الشيخين و لا أعلم له علة و لم يخرجاه ." [۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ "تُبَّعْ" نبی تھے یا نہیں؟ اور مجھے معلوم نہیں کہ "ذوالقرنین" نبی تھے یا نہیں؟ اور مجھے معلوم نہیں کہ "حدود" حد لگنے والوں کے لئے ان کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں یا نہیں؟" حضرات شیخین رحمہما اللہ کی شرط کے مطابق تو یہ حدیث صحیح ہے، لیکن معلوم نہیں اُنہوں نے اس حدیث
کی تخریج کیوں نہیں کی؟۔

اور مندرجہ ذیل حدیث میں تو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے واشگاف الفاظ میں امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی
توثیق فرمائی ہے۔
ملاحظہ فرمائیے!:

[۱] (ألمستدرك عليٰ الصحيحين للامام الحاكم : ۹۲/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۳۹۹ – حدثنا أبوبكر محمد بن أحمد بن بالويه ، ثنا موسيٰ بن هارون ، ثنا العباس بن عبد العظيم ، ثنا عبد الرزاق ، ثنا ابراهيم بن مامون العدني ، و كان يسمّيٰ قريش اليمن ، و كان من العابدين المجتهدين ، قال : قلت لأبي جعفر : والله لقد حدثني ابن طاؤس ، عن أبيه ، قال : سمعت ابن عباس ، يقول : قال رسول الله صلي الله عليه وسلم : " لا يجمع الله أمتي
عليٰ ضلالة أبداً و يد الله علي الجماعة ."

قال الحاكم:"فابراهيم بن مامون العدني هذا قد عدله عبد الرزاق
وأثني عليه ، و عبد الرزاق امام أهل اليمن و تعديله حجة . " ۲؎

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "''اللہ تعالیٰ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کا
ہاتھ ہوتا ہے (یعنی جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے)۔

۱؎ (ألمستدرك عليٰ الصحيحين للامام الحاكم : ۹۲/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (ألمستدرك عليٰ الصحيحين للامام الحاكم : ۲۰۲/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "ابراہیم بن میمون عدنی رحمۃ اللہ علیہ جو ہیں اِن کی امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے تعریف وتوثیق بیان کی ہے، اور امام عبد الرزاق
رحمۃ اللہ علیہ "اہل یمن" کے امام ہیں اور اُن کی تعدیل "حجت" ہے۔"

حافظ ضیاء المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) کا حوالہ:

حافظ ضیاء المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " ألأحاديث المختارة "میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ منجملہ اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے:

٦٧٧ – أخبرنا أبو روح عبد المعز بن محمد بن أبي الفضل الهروي – بها – أن أبا المحاسن أسعد بن زياد أخبرهم – قرائة عليه – ثنا عبد الرحمن بن محمد الداؤدي ، ثنا عبد الله بن أحمد السرخسي ، ثنا ابراهيم بن حريم الشابي ، ثنا عبد بن حميد ، ثنا عبد الرزاق ، قال: ثنا معمر عب أبي اسحاق ، قال : ثنا علي بن ربيعة ، أنه شهد علياً حين ركب ، فلما وضع رجله في الركاب قال : " بسم الله " فلما استويٰ قال : ألحمد لله " ثم قال : ﴿ سبحان الذي سخرلنا هذا و ما كنا له مقرنين . و انا اليٰ ربنا لمنقلبون ﴾ ثم حمد ثلاثاً ، و كبر ثلاثاً ، ثم قال : " لا الٰه الا أنت ، ظلمت نفسي فاغفرلي ، انه لا يغفر الذنوب الا أنت " ثم ضحك . فقيل : ما يضحكك يا أمير المؤمنين ؟ قال : رأيت رسول الله فعل مثل ما فعلت ، و قال : مثل ما قلت ثم يضحك ، فقلنا : ما يضحكك يا رسول الله ؟ قال : " ألعبد " أو قال : عجبت للعبد اذا قال : " لا الٰه الا أنت ، ظلمت نفسي فاغفرلي ، انه لا يغفر الذنوب الا أنت ، يعلم أنه لا يغفر/ الذنوب الا الله ."

رواه الامام احمد عن وكيع عن اسرائيل .و عن يزيد بن هارون ، عن شريك بن عبد الله ، وعن عبد الرزاق .و رواه أبو داؤد عن مسدد .و رواه الترمذي و النسائي عن قتيبة – كلاهما – عن أبي الأحوص . ورواه

النسائي أيضا عن محمد بن قدامة ، عن جرير ، عن منصور ، كلهم عن أبي اسحاق بنحوه . ورواه أبو حاتم البستي ، عن ابن الجنيد ، عن قتيبة . وقال

الترمذي حديث حسن صحيح ."[۱]

ترجمہ: علی بن ربیعہؒ کہتے ہیں کہ: ''جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہونے لگے تو وہ وہاں موجود تھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنا قدم مبارک سواری کی رکاب میں رکھا تو کہا: " **بسم الله** " پھر جب سواری پر بیٹھ گئے تو کہا: " **ألحمد لله** " پھر یہ دُعاء پڑھی: "**سبحان الذي سخرلنا هذا وما كنا له مقرنين و انا الىٰ ربنا لمنقلبون** " پھر تین تین مرتبہ تسبیح وتحمید پڑھی، پھر یہ دُعاء پڑھی: " **لآ الٰه الا أنت ، ظلمت نفسي فاغفرلي ، انه لا يغفر الذنوب الا أنت .**" پھر مسکرائے، پوچھا گیا: اے امیر المؤمنین! کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟'' فرمایا: ''جیسا میں نے کیا بالکل ویسا ہی رسول اللہ ﷺ کو میں نے کرتے دیکھا تھا اور جو کچھ دُعائیں اس موقع پر میں نے پڑھیں، رسول اللہ ﷺ کو اس موقع پر میں نے یہی دُعائیں پڑھتے دیکھا، پھر حضور اقدس ﷺ مسکرائے تو ہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان بندے پر یا فرمایا مسلمان بندے کے اس فعل کو یاد کر کے مسکرا رہا ہوں کہ جب وہ یہ دُعاء پڑھتا ہے: " **لآ الٰه الا أنت ظلمت نفسي فاغفرلي انه لا يغفر الذنوب الآ أنت** " تو وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے گناہوں کو بخشنے والا کوئی اور نہیں ہے۔''

دوسری حدیث یہ ہے:

۱۰۲۱ – أخبرنا أسعد بن سعد بن محمود – بأصبهان–أنّ فاطمة بن عبد الله أخبرتهم – قرائة عليها – أنا محمد بن عبد الله بن ريذة ، أنا سليمان بن أحمد الطبراني ، نا اسحاق بن ابراهيم الدبري ، عن عبد الرزاق عن معمر ، عن أبي اسحاق ، عن عمر بن سعد ، قال : حدثنا سعد بن أبي

۱ (ألأحاديث المختارة للمقدسي : ۲/۲۹٦ ، ۲۹۷ ، ألناشر : دار خضر ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت)

وقاص قال:قال رسول الله صلي الله عليه وسلم :" قتل المسلم كفر وسبابه
فسوق ، ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاثة أيام ." ۱

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے، اور اُس کو گالی دینا فسق ہے، اور کسی مسلمان کے لئے حلال
نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔''

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" أحد الثقات المشهورين ." ۲

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) مشہور ثقہ (محدثین) میں سے ہیں۔

علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" ألثقة الشيعي ." ۳

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) ثقہ ہیں، شیعی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) کا حوالہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" ثقة حافظ ، مصنف شهير ، عمي في آخر عمره فتغير وكان يتشيع " [۴]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) ثقہ، حافظ اور مشہور مصنف ہیں، آخری عمر میں آپؒ نابینا ہوگئے
تھے، جس کی وجہ سے پہلے والی بات آپ میں نہ رہی، اور آپؒ میں تشیع پایا جاتا تھا۔

[۱] (ألأحاديث المختارة للمقدسي : ٣/ ٢١٨ ، ألناشر : دار خضر ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان)

[۲] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ٣٦/ ١٦٠ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[۳] (سير أعلام النبلاء للذهبي : ٨/ ٢٢٢ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة)

[۴] (تقريب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ١/ ٣٥٤ ، ألناشر : دار الرشد ، سوريا)

حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

" وعبد الرزاق عندي ثقة ." [۱]

ترجمہ: اور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ میرے نزدیک ثقہ ہیں۔

حافظ ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" وعبد الرزاق ثقة حجة ." [۲]

ترجمہ: اور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث نقل کرنے

کے بعد لکھتے ہیں:

" و اسناده ثقاة ." [۳]

ترجمہ: اور اس کی اسناد ثقہ ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وعبد الرزاق ثقة حجة " [۴]

ترجمہ: اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

[۱] (ألبدرالمنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير لابن الملقن : ٣٨٤/٧ ، ألناشر : دارالهجرة للنشر والتوزيع ، ألرياض ، ألسعودية)

[۲] (ألبدرالمنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير لابن الملقن : ٦٦٥/٩ ، ألناشر : دارالهجرة للنشر والتوزيع ، الرياض ، السعودية)

[۳] (ألتحقيق في أحاديث الخلاف لابن الجوزي : ج ٢ ص ٦٢ رقم الحديث : ١٠٤٩ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[۴] (مختصر خلافيات البيهقي : ١٥٨/٥ ، ألناشر : مكتبة الرشد ، ألرياض ، ألسعودية)

امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ امام عبد الرزاق وغیرہ محدثین عظام رحمہم اللہ کی ایک روایت کے آخر میں فرماتے ہیں:

" ورواته كلهم ثقات مشاهيرون ." ۱؎

اور اِس روایت کے جملہ راوی ثقہ ہیں، مشہور ہیں۔

امام ابوعوانہ الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوعوانہ الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح ابوعوانہ" میں امام عبد
الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے
بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں۔

امام ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وحسن الحديث ." ۲؎

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) "حسن الحدیث" ہیں۔

باقی رہی امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر جرح سو! وہ امام
عبدالرزاق رحمۃ اللہ
علیہ کی حالت اختلاط کے دور پر محمول ہے۔

محیی السنۃ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

محیی السنۃ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق کی بیان کردہ ایک حدیث کے
بارے میں فرمایا ہے:

" هذا حديث صحيح ." ۳؎

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ (ألمحلّىٰ لابن حزم : كتاب الأضاحي : ٢٦/٦ : ألناشر : دار الفكر ، بيروت)

۲؎ (كتاب الضعفاء لأبي زرعة الرازي : ٤٥٠/٢ ، ألناشر : عمادة البحث العلمي
بالجامعة الاسلامية ، ألمدينة النبوية ،
ألمملكة العربية ، ألسعودية)

۳؎ (شرح السنة لمحي السنة البغوي : ٨١/١ ، رقم الحديث : ٤١ ، ألناشر :

ألمكتب الاسلامي ، دمشق ، بيروت)

ایک ضروری وضاحت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

" وعبد الرزاق يهم في بعض ما يحدث به " [۱]

ترجمہ: اور عبدالرزاقؒ کو بعض حدیثوں میں وہم ہو جاتا ہے۔

تو یہ کوئی ''جرح'' نہیں ہے، اس لئے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد بعض روایتوں میں ''وہم'' ثابت ہو جانے سے راوی ضعیف نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ثقہ وصدوق ہی رہتا ہے، البتہ صرف ''وہم'' ثابت ہو جانے والی روایات کو ردّ کر دیا جاتا ہے۔

نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب " **ألعلل الكبير** " کا بنیادی راوی ''ابو حامد التاجر'' ہے جو اس قدر مجہول الحال ہے کہ اس کتاب کے محقق کو بھی اس کے حالات زندگی نہ مل سکے [۲] اس بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کا مستند ہونا بجائے خود ایک قابل بحث امر ہے۔

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو یہ نقل کیا ہے کہ:

”و قال ابن عدي : ” و لعبد الرزاق أصناف و حديث كثير ، و قد رحل اليه ثقات المسلمين و أئمتهم و كتبوا عنه الا أنهم نسبوه اليٰ التشيع ...... و ذكره ابن حبان في الثقات و قال : ” كان ممن يخطئ اذا حدث من

حفظه عليٰ تشيع فيه .“ ۳

ترجمہ:ابن عدیؒ نے کہا کہ عبدالرزاقؒ کی احادیث بہت ہیں اورکئی اصناف ہیں،ان کی طرف ثقہ مسلمان لوگوں نے اوراُن کے ائمہ نے سفرکیا،اور پھراُن سے احادیث وروایات لکھیں،مگراُنہوں نے اسے ”تشیع“ کی طرف منسوب کیا،ابن حبانؒ نے عبدالرزاقؒ کو

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۶۳بحوالہ: ألعلل الكبير : ١/٥٣٥)

۲ (مقدمة العلل الكبير للترمذي :)

۳ (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ٦/٣١٣ ، ٣١٤ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، ألهند)

ثقہ راویوں میں ذکرکیا،اورکہا کہ وہ اپنی یادداشت پربھروسہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے ہیں تو خطاء کرجاتے ہیں،اوراُن میں ”تشیع“ بھی پایا جاتا تھا۔

تواِس کا جواب یہ ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد ”يخطئ“ وغیرہ قسم کی جرحیں مردود ہیں، نیز خود حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ”صحیح ابن حبان“میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بہ کثرت روایتیں نقل کی ہیں۔

باقی رہا ”تشیع“ کاالزام تو اُس کی حقیقت آگے آرہی ہے۔

اسی طرح امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے طویل کلام کرنے کے بعد جو یہ کہا ہے کہ:

”...... وأما في باب الصدق فأرجوا أنه لا بأس به الا أنه قد

سبق منه

أحاديث في فضائل أهل البيت و مثالب آخرين مناكير .“[1]

ترجمہ: اور جہاں تک اُن کی صداقت وسچائی کا معاملہ ہے، تو میں اُمید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی جرح نہیں ہے، البتہ ان سے اہل بیت کے فضائل اور بعض دوسرے لوگوں کے مثالب کے متعلق منکر احادیث بھی ذکر ہوگئی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

تو اس کے بارے میں بھی عرض ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد فضائل و مثالب کی احادیث کو مناکیر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ نیز اگر مناکیر کو جرح پر ہی محمول کیا جائے تو ان کا تعلق بعد از اختلاط اور مدلس روایتوں ہی سے

ہے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر کی جانے والی جرح کی صورتیں:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر مندرجہ ذیل صورتوں میں جرح کی جاتی ہے:

۱-تشیع۔

۲-اختلاط۔

۳-تغیر وتدلیس۔

۴-روایت پر جرح۔

[1] (ألكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٦/٥٤٥ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ”تشیع“ کا الزام:

علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن بعض علماء کی نسبت خلاف واقعہ اُن کا شیعہ ہونا مشہور ہے اُن میں سے ایک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سے ائمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے، ان کی احادیث صحاحِ ستہ کی ساری کتابوں میں مذکور ہیں، البتہ کچھ احادیث کے روایت کرنے میں یہ منفرد ہیں، ان کی ''تشیع'' پسندی کو محدثین نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا، حالاں کہ یہ اس (یعنی تشیع) میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور ان
کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے......الخ۔''[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ایک دوسری جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

'' وقال ابن عدي : '' ولعبد الرزاق أصناف وحديث كثير ، وقد رحل اليه ثقات المسلمين و أئمتهم و كتبوا عنه الا أنهم نسبوه اليٰ التشيع ...... و ذكره ابن حبان في الثقات و قال : '' كان ممن يخطئ اذا حدث من
حفظه عليٰ تشيع فيه .'' [2]

ترجمہ: امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ: ''امام عبدالرزاقؒ کی احادیث بہت سی ہیں اور کئی اصناف کی ہیں، ان کی طرف ثقہ مسلمان لوگوں نے اور اُن کے ائمہ نے سفر کیا اور پھر اُن سے احادیث و روایات لکھیں مگر اُنہوں نے اسے ''تشیع'' کی طرف منسوب کیا، ابن حبانؒ نے عبدالرزاقؒ کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا اور کہا کہ وہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے
حدیث بیان کرتے ہیں تو خطاء کر جاتے ہیں اور اُن میں ''تشیع'' بھی پایا جاتا تھا۔

ہاشمی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۴۸ بحوالہ: تذكرة الحفاظ للذهبي)

۲ (تهذيب التهذيب : ٦/٣١٣ ، ٣١٤ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، ألهند)

''عبدالرزاقؒ نے مجوسیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا، یہ جو کہا جاتا ہے
کہ وہ پہلے ''سنی'' تھے بعد میں ''شیعیت'' اختیار کی، لیکن اُن کے ریمارکس سے معلوم
ہوتا ہے کہ
''تقیہ'' کے باوجود ''تشیع'' کے اثرات اُن سے کبھی زائل نہیں ہوئے تھے۔
امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:
''جعفر بن سلیمان بصری مسلکاً شیعہ تھے اور ثقہ تھے، عبدالرزاقؒ نے اُن

سے

متاثر ہو کر ہی ''شیعہ'' مسلک اختیار کیا تھا۔ ۱
یحییٰ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے عبدالرزاقؒ سے ایسی گفتگو سنی جس
سے اُس کا شیعہ ہونا ظاہر ہوتا تھا، میں نے اُس سے کہا کہ تیرے سارے اُستاذ جن
سے تو نے حدیث سیکھی ہے سُنی تھے، پھر تو نے شیعہ مذہب کس سے اخذ کر لیا؟ اُس نے
کہا: ''جعفر بن سلیمان میرے پاس آئے تھے، تو میں نے اُن کو اچھی سیرت والا فاضل
پایا، اس لئے میں نے
بھی اُن کا مسلک اختیار کر لیا۔
اِس تفصیل سے جہاں عبدالرزاقؒ کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا ہے، وہاں یہ بھی
معلوم
ہو گیا ہے کہ موصوف کا ''تشیع'' ہرگز ''یسیر'' اور ''لا تضر'' کا مصداق نہیں تھا۔'' ۲

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے ''تشیع'' کی نوعیت:

جہاں تک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ''تشیع'' کی نسبت کا تعلق ہے، تو اِس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپؒ کا ''اثناء عشری جعفری شیعہ'' یا ''رافضی شیعہ'' ہونا قطعی طور پر کہیں بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ آپؒ کا ''تشیع'' تو بعض اہل سنت کا ''تشیع'' ہے، اور آپؒ کی طرف ''تشیع'' کی نسبت بالکل ویسی ہی ہے، جیسی کہ بعض علمائے اہل سنت کی طرف غلط طور پر

''تشیع'' کی نسبت کی جاتی ہے، یعنی یہ کہ یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے۔

چنانچہ حافظ جمال الدین یوسف المزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

۱ (تذكرة الحفاظ ، تحت جعفر بن سليمان ألظبعي ألبصري ـ ألطبقة الخامسة)
۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۶۷)

" وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل : " سألت أبي ، قلت :
"عبد الرزاق كان يتشيع و يفرط في التشيع ؟ " فقال : " أما أنا فلم أسمع منه في
هذا شيئاً ، ولكن كان رجلاً تعجبه أخبار الناس ، أو الأخبار ." ۱

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے امام عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ محدث عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ شیعہ تھے اور شیعیت میں غلو سے بھی کام لیتے تھے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''میں نے تو شیعیت کے حوالے سے اُن سے (آج تک) کوئی ایسی بات نہیں سنی، لیکن وہ ایسے شخص تھے جنہیں لوگوں کی خبریں یا خبریں (یعنی تاریخی روایات) پسند تھیں۔ (اس لئے وہ انہیں جمع کرتے اور نقل کرتے تھے۔)

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

" أفضل الشيخين بتفضيل علي اياهما عليٰ نفسه و لو لم يفضلهما لم أفضلهما ، كفيٰ بي ازرآءً أن أحب عليا ثم أخالف قوله ." [۲]

ترجمہ: میں شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا اس لئے قائل ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُنہیں اپنے آپ پر فضیلت دی ہے، اگر وہ خود اُنہیں اپنے آپ پر فضیلت نہ دیتے، تو میں بھی فضیلت نہ دیتا، میری ذلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے
کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کر کے پھر اُن کی مخالفت کروں۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ میں جو "تشیع" پایا جاتا تھا وہ صرف حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر افضلیت کا "تشیع" تھا جو ایک تو "یسیر" تھا اور دوسرا "غیر مضر" تھا
۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا "تشیع یسیر" سے بھی رجوع:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

[۱] (تهذيب الكمال في أسماء الرجال : ۱۸/ ۶۰ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت)

[۲] (ألكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ۶/ ۵۴۰ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

"والله ما انشرح صدري قط أن أفضل علياً عليٰ أبي بكر ، و عمر رحم الله أبا بكر ، ورحم الله عمر ، و رحم الله عثمان ، و رحم الله علياً ، و من لم يحبهم فما هو بمؤمن فان أوثق عملي حبي اياهم رضوان الله عليهم و رحمته اجمعين ." [1]

ترجمہ: اللہ کی قسم! مجھے کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا شرح صدر نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، حضرت علی المرتضیٰ پر رحم فرمائیں، جو اُن سے محبت نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں ہے، میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں اُن سے محبت
کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو اور اُن پر اپنی رحمت نچھاور کرے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اس قول سے معلوم ہوا کہ پہلے آپ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان پر رضی اللہ عنہ فضیلت دینے کے سلسلہ میں جو "تشیع" تھا وہ "تشیع یسیر" اور بہت کم درجہ کا "تشیع" تھا، جس سے بعد میں آپؒ نے رجوع بھی فرمالیا تھا، اس لئے کہ آپؒ خود اپنے اس قول میں چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ترتیب اور اُن سے محبت کے قائل ہیں اور جو اُن سے محبت نہ کرے وہ آپؒ کے نزدیک مؤمن ہی نہیں ہے۔ چنانچہ آپؒ کے اس واضح ارشاد کے بعد جو جو حضرات آپؒ کو "شیعہ" کہتے تھکتے نہیں، اُن کا یہ طرزِ فکر اور اُن کا یہ دعویٰ بجائے خود اصلاح کے
قابل ہے۔

نیز امام ابومسلم البغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ: "امام عبد
الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے "تشیع" سے رجوع فرلیا تھا۔"

چنانچہ امام ابن عساکر لکھتے ہیں:

”وقد روي عنه أنه رجع عن ذلک ، کتب الي أبو نصر عبد الرحيم بن عبد الكريم ، أنا أبوبكر البيهقي ، أنا أبو عبد الله الحافظ ، قال : سمعت أباالعباس قاسم بن القاسم السياري شيخ خراسان في عصره،يقول:سمعت

ل (تاريخ دمشق لابن عساكر : ٣٦/١٩٠ ، ألناشر : دار الفكر، للطباعة والنشر و التوزيع)

أبا مسلم البغدادي ، يقول:عبيد الله بن موسيٰ من المتروكين، تركه أبوعبد الله أحمد بن حنبل لتشيعه ، وقد عوتب أحمد بن حنبل عليٰ روايته عن عبد الرزاق فذكر أنه رجع عن ذلک ......ألخ .“ ل

ترجمہ: مروی ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ”شیعیت“ سے رجوع فرمالیا تھا، شیخ ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ”میں نے ابومسلم بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ”عبیداللہ بن موسیٰ ایک متروک راوی ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اُنہیں اُن کے ”تشیع“ کی وجہ سے ترک کردیا ہے، اور جب امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لینے کی باری آئی تو آپؒ نے اُن سے روایت لے لی، چنانچہ لوگوں نے جب آپؒ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ: (”امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں نے تب لی ہے کہ) اُنھوں نے ”شیعیت“ سے رجوع فرمالیا ہے......“

نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بھی بیان کی ہے، جو درجِ ذیل ہے:

۵۵۳۴–عن ابن جريج قال،أخبرني عمر بن عطاء بن أبي الخوار أن نافع بن جبير أرسله اليٰ السائب بن يزيد يسأله عن شيئٍ رآه منه (معاوية) في الصلاة ؟ قال:صليت معه الجمعة في المقصورة ، فلما سلم قمت في مقامي وصليت ، فلما دخل أرسل اليّ فقال : لا تعد لما فعلت ، اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلاةحتىٰ تتكلم أو أن تخرج ، فان النبي صلي الله عليه وسلم أمر بذلک .'' ۲؎

ترجمہ:عمر بن عطاؒ کونافع بن جبیرؒ نے سائب بن یزیدؒ کے پاس بھیجا کہ اُن سے ایک ایسی بات پوچھیں جواُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کونماز میں کرتے دیکھی ہے۔

۱؎ (تاريخ دمشق لابن عساكر : ١٨٩/٣٦ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

۲؎ (ألمصنف لعبد الرزاق الصنعاني : ٤١٦/٢ ، ألناشر : ألمكتب الاسلامي ، بيروت)

(سائبؒ نے جواب میں) کہا کہ:''میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ کی نماز (اگلی صف کے) حفاظتی جنگلے میں اداء کی ۔پس جب اُنہوں نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ کھڑا ہوا اور (بقیہ) نماز (سنتیں) پڑھنے لگا۔پھر جب وہ (اپنے گھر میں) داخل ہو گئے تو مجھے بلوایا اور فرمایا کہ:''جوتم نے کیا،آئندہ ایسے نہ کرنا،جب تم جمعہ کی نماز (دو فرض)اداء کر چکو تو کلام کیے بغیر،یا اِس مقام سے نکلے بغیر (سنت) نماز نہ پڑھو! کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اِس کا حکم دیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔''

علاوہ ازیں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، جو درج ذیل ہے:

﴿ باب التكبير عليٰ الجنازة ﴾

٦٣٩٣ – عن معمر عن الزهري عن ابن المسيب و أبي سلمة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نعيٰ رسول الله صلي الله عليه وسلم النجاشي لأصحابه وهم بالمدينة فصفوا خلفه فصلّيٰ عليه و كبر أربعاً وبه نأخذ. "[۱]

﴿ نمازِ جنازہ میں تکبیرات پڑھنے کا بیان ﴾

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نجاشی کی موت کی اطلاع دی اور وہ اُس وقت مدینہ منورہ میں تھے، پس اُنہوں نے (نمازِ جنازہ کے لئے) آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں، آپ ﷺ نے نجاشی کا نمازِ جنازہ پڑھا اور
چار تکبیریں پڑھیں، اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

اس حدیث کے آخر میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

" و به نأخذ."

ترجمہ: اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

اسی طرح ایک روایت امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، جو درجِ ذیل ہے:

" عبد الرحمان بن يزيد عن أبيه أرقائكم أرقائكم أطعموهم مما تأكلون واكسوهم مما تلبسون وان جاؤوا بذنب لا تريدون أن تغفروه فبيعوا عباد الله ولا تعذبوا عباد الله و لا تعذبوهم."

[۱] (ألمصنف لعبد الرزاق الصنعاني: ٤٧٩/٣، ألناشر: ألمكتب الاسلامي، بيروت) حديث ١٧٩٣٥

ترجمہ: اپنے غلام اور لونڈیوں کا خیال رکھو! ترجمہ: اپنے غلام اور لونڈیوں کا خیال رکھو!
ترجمہ: اپنے غلام اور لونڈیوں کا خیال رکھو!

جوتم خود کھاتے ہو اُنہیں بھی کھلاؤ! جوتم خود پہنتے ہو اُنہیں بھی پہناؤ! اگر اُن سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جسے تم معاف نہیں کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کے اِن بندوں کو بیچ دو، لیکن اِنہیں عذاب نہ دو۔ (ترجمہ ختم)

قارئین کرام! آپ ساری دُنیا کی خاک چھان لیں، چراغ کے بدلے آفتاب ہاتھ میں لے کر تلاش کرنا شروع کر دیں، آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما اور بالخصوص یزید پلید کی بیان کردہ احادیث روایت کرنے والا یا اُن پر عمل کرنے والا کوئی ایک شیعہ بھی ساری دُنیا میں نہیں ملے گا۔

۱ (ألمصنف لعبد الرزاق الصنعاني : ٤٧٩/٣ ، ألناشر : ألمكتب الاسلامي ، بيروت)

امام عبدالرزاق پر "تشیّع شدید" کا الزام اور روایات کی حقیقت:

یاد رہے کہ جن روایات میں امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کا "تشیّع شدید" مروی ہے، اُن میں سے کوئی ایک روایت بھی صحیح طور پر ثابت نہیں۔ مثلاً:

امام عبدالرزاق پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام:

"ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ: "امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔"

چناں چہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"خطیب بغدادیؒ اور ابن عساکرؒ دونوں نے ایک روایت کا ذکر کیا ہے، جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرزاق محدث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی گستاخی کرتے تھے۔"۱

اصل روایت اس طرح ہے:

"أخبرنا التنوخي ، أخبرنا أبو الفرج محمد بن جعفرمن ولد صالح صاحب المصلي ، حدثنا أبو زكريا غلام أحمد بن أبي خيثمة قال : كنت جالسا في مسجد الجامع بالرصافة مما يلي سويقة نصر عند بيت الزيت ، وكان أبوخيثمة يصلي صلوٰته هناک ، وكان يركع بين الظهروالعصر ، وأبو زكريا يحييٰ بن معين قد صلي الظهروطرح نفسه بازائه، فجائه رسول أحمد بن حنبل فأوجز في صلوٰته وجلس ، فقال له : أخوک أبو عبد الله احمد بن حنبل يقرأ عليک السلام ويقول لک:هوذا تكثر الحديث عن عبيد الله بن موسيٰ العبسي وأنا وأنت سمعناه يتناول معاوية بن أبي سفيان وقد تركت الحديث عنه . قال : فرفع يحييٰ بن معين رأسه وقال للرسول : اقرأ عليٰ أبي

ل (ملاحظہ ہو: (تاریخ بغداد:۱۴/ ۴۲۷) اور (تاریخ دمشق:۳۸/ ۱۲۹) بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۶۵)

عبد الله ، وقل له يحييٰ بن معين يقرأ عليک السلام ، وقال لک أنا وأنت سمعنا عبد الرزاق يتناول عثمان بن عفان فأترک الحديث عنه ، فان عثمان

أفضل من معاوية .'' ؎۱

ترجمہ: ابوزکریا غلام احمد بن ابی خیثمہؒ کہتے ہیں کہ: ''جامع مسجد کے چمن میں جو بیت زیت کے نزدیک ''سویقت نصر'' نامی جگہ کے ساتھ ملا ہے بیٹھا ہوا تھا، اور ابو خیثمہؒ وہاں نماز پڑھ رہے تھے، اور وہ ظہر اور عصر کے درمیان وہاں نماز پڑھا کرتے تھے، اور ابوزکریا یحییٰ بن معینؒ نے ظہر کی نماز پڑھ کر اپنے آپ کو اُن کے سامنے ڈالا ہوا تھا کہ اتنے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قاصد آیا تو ابوخیثمہؒ نے اپنی نماز کو مختصر کیا اور بیٹھ گئے، قاصد نے یحییٰ بن معینؒ سے کہا کہ آپ کے بھائی ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ سلام کہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جو عبیداللہ بن موسیٰ عبسی سے بکثرت روایات نقل کرتا ہے، حالاں کہ میں نے اور آپ نے اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے سنا ہے تو میں نے اس سے حدیثیں نقل کرنا ترک کردیا ہے۔'' راوی کہتے ہیں کہ پھر یحییٰ بن معین نے اپنا سر اُٹھایا اور قاصد سے فرمایا کہ: ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) سے کہنا کہ یحییٰ بن معینؒ سلام کہہ رہے تھے اور آپ کو کہہ رہے ہیں کہ میں نے اور آپ نے عبدالرزاقؒ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہوئے سنا ہے، لہٰذا آپ عبدالرزاق سے روایات نقل کرنا ترک کردیں، کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

پہلا راوی ''ابوالفرج محمد بن جعفر صاحب المصلی''، ضعیف ہے!:

تو اس روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی ابوالفرج محمد بن جعفر صاحب المصلی ضعیف ہے۔ چنانچہ امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) ہی ''تاریخ بغداد'' میں لکھتے ہیں:

" حدثني علي بن محمد بن نصر الدينوري قال : سمعت
حمزة بن يوسف السهمي يقول : أبو الفرج محمد بن صالح بن جعفر
البغدادي

ا (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١٤/٤٢٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ،
بيروت ، لبنان)

من ساكني البصرة في الجزيرة ضعيف لا يحتج بحديثه ، ما رأيت له
أصلا
جدا ، ولا رأيت أحدا يثني عليه خيرا ." ا

ترجمہ: علی بن محمد بن نصر دینوریؒ کہتے ہیں کہ میں نے حمزہ بن یوسف سہمیؒ کو
یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''ابوالفرج محمد بن صالح بن جعفر بغدادی جزیرہ میں بصرہ کا
رہنے والا ضعیف ہے، اس کی حدیث کو حجت نہیں بنایا جا سکتا، میں نے اس کوئی اصل
نہیں دیکھی، اور نہ
ہی کسی کو اس کا ذکر خیر کرتے دیکھا ہے۔

اور علامہ صلاح الدین الصفدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۶۴ھ) لکھتے ہیں:

" ضعفه حمزة السهمي ."۲

ترجمہ: حمزہ سہمیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسرا راوی ''ابوزکریا غلام احمد بن ابی خثیمہ'' مجہول الحال ہے!

اور اس کا دوسرا راوی ابوزکریا غلام احمد بن ابی خثیمہ مجہول الحال ہے۔

لہٰذا یہ روایت قابل حجت نہیں۔

بلکہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام عبدالرزاق
رحمۃ اللہ علیہ کے حق
میں ایک اور روایت نقل کر کے گویا اِس مذکورہ بالا قابل اعتراض روایت کی بالکل ہی تردید کر دی

ہے۔

چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

" نا أحمد بن زهير قال : سمعت يحييٰ بن معين وقيل له : ان أحمد بن حنبل قال : ان عبيد الله بن موسيٰ يرد حديثه للتشيع فقال كان والله الذي لآاله الا هو عبد الرزاق أعليٰ في ذلک منه مائة ضعف . ولقد

سمعت من عبد الرزاق أضعاف و أضعاف ما سمعت من عبيد الله ." [۳]

[۱] (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ۱۵۳/۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[۲] (ألوافي بالوفيات للصفدي : ۲۲۶/۲ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)

[۳] (تايخ دمشق لابن عساكر : ۳۶/ ۱۸۹ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

ترجمہ: احمد بن زہیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ سے سنا اور اُن سے کہا گیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبیداللہ بن موسیٰؒ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث اُن کے "تشیع" کی وجہ سے ردّ کر دیتا ہے، تو انہوں نے فرمایا: "قسم ہے اُس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الہٰ نہیں عبدالرزاق اِس تہمت سے کوسوں دُور ہیں۔ اور جتنا آپ نے عبیداللہ سے سماع کیا ہے، اِس سے کئی گنا زیادہ میں نے عبدالرزاقؒ سے سماع کیا ہے۔

ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق یا اُن کی طوطا چشمی:

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق یا اُن کا امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ

سے بغض وعناد کہ جس کے اثبات میں انہوں نے امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی ''تاریخ دمشق'' سے وہ روایت تو بڑے دھڑلے کے ساتھ نقل کردی کہ جس سے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ناقد وگستاخ ہونا ثابت ہورہا تھا، لیکن عین اُس کے متصل اُس کی تردید میں امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ''تاریخ دمشق'' کی وہ روایت کہ جس سے اِس مذکورہ بالا روایت کی تردیداور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع ہورہا تھا نقل نہیں کی اور اُس سے آنکھیں چرا کر رفو چکر ہوگئے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام:

دوسری روایت میں آیا ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر کو ''أنوک '' یعنی (نعوذ باللہ!)

''کذاب'' کہا ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ذہبیؒ ان کے مزید حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''علی ابن عبداللہ صنعانیؒ بیان کرتے ہیں کہ: ''زید ابن مبارکؒ زیادہ تر ان کی صحبت میں رہتے تھے، اور بہ کثرت ان سے روایتیں لیتے تھے، پھر بعد میں نہ صرف ان کی صحبت ترک کردی، بلکہ ان کی روایات پر مشتمل تمام کتابوں کو بھی جلا ڈالا، لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، تو بتایا کہ ایک دفعہ ہمارے سامنے عبدالرزاقؒ، ابن حدثان کی وہ حدیث بیان کررہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے حصہ طلب کرنے کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو اُنہوں نے عباس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ: ''تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے

آئے ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے۔ زید ابن مبارک نے بتایا کہ یہاں پہنچے تو عبدالرزاقؒ رُک گئے، پھر کہا: ﴿ أنظر اليٰ هذا الأنوک ! يقول : " من ابن أخيک ...... من أبيها لا يقول رسول الله صليٰ الله عليه وسلم ﴾ یعنی ذرا دیکھو! اس جھوٹے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو کبھی کہتا ہے بھتیجے کی وراثت اور کبھی کہتا ہے "بیوی کے باپ" کی وراثت، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت، زید ابن المبارکؒ کہتے ہیں: "یہ بات سن کر میں اُٹھ کر چلا آیا پھر لوٹ کر
نہیں گیا، نہ اس سے کوئی روایت اخذ کی۔

اب جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے دھڑک " أنوک "(کذاب) کہہ دے
کیا وہ
معمولی درجہ کا شیعہ ہو سکتا ہے؟" [۱]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اِس عبارت میں دو طرح دجل وفریب سے کام لیا ہے:

۱- ایک تو یہ کہ اِس عبارت کی نسبت انہوں نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے، حالاں کہ یہ عبارت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے ہی نہیں، بلکہ علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ
عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح کے ساتھ نقل کی ہے۔

۲- اور دوسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں صرف اپنے مطلب کی عبارت نقل کی ہے، اِس عبارت پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نقل نہیں کیا، جو اُنہوں نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ
عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کر کے کیا ہے۔

ذیل میں ہم وہ مکمل عبارت بمع سیاق وسباق کے نقل کرتے ہیں جو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقل کی ہے اور پھر اُس پر امام

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ
عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے تعاقب میں اپنا گراں قدر تبصرہ نقل کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیے!:

" قال العقيلي : سمعت علي بن عبد الله بن المبارک الصنعاني

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۶۵،۶۶)

يقول : كان زيد بن المبارك قد لزم عبد الرزاق فأكثر عنه ، ثم خرق

كتبه ، ولزم محمد بن ثور ، فقيل له في ذلک فقال : كنا عند عبد الرزاق فحدثنا بحديث معمرعن الزهري عن مالک بن أوس بن الحدثان الحديث الطويل فلماقرأقول عمرلعلي و العباس:فجئت أنت تطلب ميراثک من ابن أخيک وجاء هذا يطلب ميراث امرأته،قال عبد الرزاق:أنظروا اليٰ الأنوک ! يقول : تطلب أنت ميراثک من ابن أخيک، ويطلب هذا ميراث زوجته من أبيها لايقول : رسول الله صلي الله عليه وسلم ، قال زيد ابن المبارک : فلم أعد اليه ولا أروي عنه .''

قلت : هذه عظيمة وما فهم قول أمير المؤمنين عمر ، فانک يا هذا ! لو سکت لكان أوليٰ بک ، فان عمر انما كان في مقام تبيين العمومة والبنوة ، والا فعمر رضي الله عنه أعلم بحق المصطفيٰ ، وبتوقيره وتعظيمه من كل متحذلق متنطع ، بل الصواب أن نقول عنک : أنظروا اليٰ هذا الأنوک الفاعل عفا الله عنه ،كيف يقول عن عمر هذا ، ولا يقول قال : أميرالمؤمنين الفاروق،وبكل حال فنستغفر الله لنا ولعبد الرزاق،فانه مأمون

عليٰ حديث رسول الله صلي الله عليه وسلم صادق .''[1]

ترجمہ: عقیلیؒ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن عبداللہ بن مبارک صنعانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زید بن مبارک زیادہ تر ان کی صحبت میں رہتے تھےاور بہ کثرت ان سے روایتیں لیتے تھے، پھر (بعد میں نہ صرف اُن کی صحبت ترک کردی بلکہ) اُن کی (روایات پر مشتمل تمام) کتابوں کوبھی جلاڈالا ،اورمحمد بن ثور کولازم پکڑلیا۔لوگوں نے اُن سے اِس کی وجہ پوچھی تو اُنہوں نے بتایا کہ (ایک مرتبہ) ہم عبدالرزاق کے پاس (موجود) تھے کہ اُنہوں نے ہمارے سامنےابن حدثان کی (ایک طویل) حدیث بیان کی ،چنانچہ جب وہ اِس جملے پر پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے آئے

ل (سير أعلام النبلآء للذهبي : ٨/٢٢٦ ، ٢٢٧ ، ألناشر : دار الحديث ، القاهرة)

ہو، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے، تو عبدالرزاق کہنے لگے کہ: ''اِس جھوٹے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو دیکھو! (حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے) کہتا ہے کہ تو اپنے بھتیجے کی وراثت طلب کرر ہا ہے، اور یہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اپنی بیوی کے باپ کی وراثت طلب کرر ہا ہے، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت ۔ زید ابن ثابتؒ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) نہ میں وہاں لوٹ کر گیا اور نہ ہی میں نے عبدالرزاق سے کوئی روایت نقل کی۔

میں (علامہ ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ یہ بہت بڑی بات (اُنہوں نے عبدالرزاق کے بارے میں کہہ دی) ہے، اور انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو نہیں سمجھا، پس اے فلاں! اگر تو خاموش رہ جاتا تو یہ تیرے حق میں زیادہ بہتر ہوتا، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اس وقت) عمومت (چچا ہونے) اور بنوت (بیٹا ہونے) کو واضح کرنے کی جگہ میں تھے، اور حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ ﷺ کے حق کو تمام حاذق اور ماہر لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے، بلکہ اس کا صحیح اور دُرست مطلب ہم تیری طرف سے یہ بیان کرتے ہیں کہ دیکھو! اس بیوقوفی کرنے والے شخص کی طرف کہ ''عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے'' کہہ رہا ہے اور یہ نہیں کہہ رہا کہ ''امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا، بہر حال ہم اپنے اور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں، کیوں کہ وہ حدیث رسول ﷺ میں معتمد علیہ اور سچے ہیں۔

روایت ہذا کی فنی حیثیت:

علاوہ ازیں ایک تو یہ کہ اس روایت کا راوی علی بن عبداللہ بن مبارک الصنعانی مجہول الحال اور نا معلوم ہے

اور دوسرے یہ کہ اس کی سند میں ''ارسال'' یعنی ''انقطاع'' ہے۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" قلت : في هذه الحكاية ارسال ، والله أعلم بصحتها . " [۱]

[۱] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٢/ ٦١١ ، ألناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس حکایت میں ارسال ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے صحیح ہونے کو زیادہ جانتے ہیں۔

اور یہ اُصول ہے کہ جو روایت ''مرسل'' یعنی ''منقطع'' ہو وہ مردود اور نا قابل التفات ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ زین الدین الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں:

" فان المرسل أكثر الناس عليٰ ترك الاحتجاج به . " [۱]

ترجمہ: اکثر و بیشتر حضرات محدثین کا مسلک یہ ہے کہ مرسل روایت نا قابل حجت ہوتی ہے۔

اور علامہ محبّ الدین فہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۱ھ) لکھتے ہیں:

" ألمرسل لاتقوم به حجة . " [۲]

ترجمہ: مرسل روایت کے ذریعہ حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔

اور علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں:

" والمرسل عندنا لا تقوم به حجة . " [۳]

ترجمہ: اور مرسل روایت کے ذریعہ ہمارے نزدیک حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔

اور علامہ زین الدین السلامی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

" و قد ذكر الترمذي لأهل العلم فيه قولين : أحدهما أنه لا يصح .

و مراده أنه لا يكون حجة . "[۴]

ترجمہ: اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے (مرسل روایت کے حکم کے بارے میں) اہل علم کے دو قول نقل کیے ہیں: ایک یہ کہ (مرسل روایت) صحیح نہیں ہے۔ (اس سے) آپؒ
کی مراد یہ ہے کہ وہ حجت نہیں بن سکتی۔

[۱] (ألاعتبار في الناسخ و المنسوخ من الآثار للهمداني : ۱/۱۵ ، ألناشر : دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، ألدكن)

[۲] (ألسنن الأبين و المورد الأمعن في المحاكمة بين الامامين في السند المعنعن : ۱/۵۳ ، ألناشر :مكتبة الغرباء الأثرية ،
ألمدينة المنورة)

[۳] (ألنكت علىٰ مقدمة ابن الصلاح للزركشي : ۲/۲۱، ألناشر : أضوآء السلف ، ألرياض)و (ألمقنع في علوم الحديث
لابن الملقن : ۱/۱۴۸ ، ألناشر : دار فواز للنشر ، ألسعودية)

[۴] (شرح علل الترمذي للسلامي : ۱/۵۳۲ ، ألناشر : مكتبة المنار ، ألزرقآء ، ألأردن)

اور امام برہان الدین الابناسی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۲ھ) لکھتے ہیں:

" و أما الحديث المرسل فليس بحجة عندنا . "[۱]

ترجمہ: اور بہر حال مرسل حدیث ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

جمہور احناف چوں کہ مطلقاً مرسل روایت قبول کرنے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اُن کے نزدیک اس کو قبول کرنے کی کچھ شرائط ہیں، جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرسل روایت

قرونِ ثلاثہ سے اوپر کے درجے کا کوئی راوی بیان کرے تو وہ قابل قبول ہوگی، اور اگر قرونِ ثلاثہ سے نچلے درجے کے کسی راوی نے مرسل روایت بیان کی تو احناف کے نزدیک وہ روایت قابل قبول نہیں ہوگی۔ چناں چہ زیر بحث روایت امام عقیلی رحمہ اللہ بیان فرمارہے ہیں جو قرون ثلاثہ سے نچلے درجے کے راوی ہیں، اِس لئے اُن کی یہ روایت مردود، نا قابل التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کے الزام والی روایت کا جائزہ:

ایک اور روایت میں یہ آیا ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرتے

ہوئے یہ کہا ہے کہ:

''ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے آلودہ مت کرو!۔''

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ذہبی اپنی ایک دوسری کتاب میں عبدالرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''ونسبوه اليٰ التشيع سمعت مخلداً الشعيري يقول:''كنت عند عبد الرزاق فذكر رجل معاوية رضي الله عنه فقال : '' لا تقذر مجلسنا بذكر ولد أبي سفيان .'' ٢

ترجمہ: علماء نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے، میں نے مخلد شعیری کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ:''میں عبدالرزاق کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے معاویہ کا تذکرہ چھیڑا، تو عبدالرزاق نے کہا:''ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندہ نہ کرو!''۔ ٣

اس جملے سے بھی موصوف (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) کا عام شیعہ نہیں بلکہ پکا اور کٹر شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ٤

١ (ألشذا الفياح من علوم ابن الصلاح : ١/١١١ ، ألناشر : مكتبة الرشد)

٢ (ميزان الاعتدال : ٢/١٢٧ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص٦٤)

٣ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص٦٤)

٤ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص٦٥)

روایت ہذا کی فنی حیثیت:

اس روایت کی سند میں احمد بن زکریا الحضرمی اور محمد بن اسحٰق بن یزید البصری دونوں نامعلوم ہیں، لہٰذا یہ روایت بھی مردود، ناقابل التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق

رحمۃ اللہ علیہ کو:

" ألذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا ."

میں سے قرار دیا ہے، چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام سفیان ابن عیینہ نے عبدالرزاق محدث کو آیت " ألذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا " کا مصداق قرار دیا ہے۔'' [۱]

اس روایت کی سند میں احمد بن محمود الہروی نامعلوم راوی ہے۔لہٰذا یہ روایت بھی مردود اور ناقابل التفات

ہے۔

مختصر یہ کہ یہ اور ان جیسی دیگر تمام روایات باطل، مردود، ناقابل التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہیں۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''اختلاط'' کا الزام:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے علاوہ اختلاط کے الزام کا بھی ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''ائمہ اسماء الرجال نے موصوف کے متعلق ''تشیع'' کے علاوہ ''اختلاط و تغیر و تدلیس'' کا بھی ذکر کیا ہے، اس حقیقت کا اُن کے وکلائے صفائی بھی انکار نہیں کر سکتے۔'' [۲]

اختلاط کے الزام کی حقیقت:

جہاں تک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''اختلاط'' کے الزام کی حقیقت ہے تو اس بارے میں امام ابوزرعہ

الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۸۱ھ) فرماتے ہیں:

" أخبرني أحمد بن حنبل قال : أتينا عبد الرزاق قبل المأتين

وهو

[۱] (كتاب الضعفاء للعقيلي : ۱۰۹/۳، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ٦۳)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۶۳)

صحيح البصر ومن سمع منه بعد ما ذهب بصره فهو ضعيف السماع ."۱

ترجمہ: ہم امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۲۰۰ھ سے پہلے گئے
تھے اور
اُن کی نظر صحیح تھی، جس نے اُن کے نابینا ہونے کے بعد سُنا ہے تو اُس کا سماع ضعیف
ہے۔

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں:

" فيه نظر لمن كتب عنه بآخرة ." ۲

ترجمہ: جس نے اُن کے آخری دور میں اُن کی روایات لکھی ہیں تو اُس کی روایات محلِ نظر ہیں۔

یاد رہے کہ ''اختلاط'' کے بارے میں محدثین کا یہ اُصول ہے کہ جس نے جس ثقہ و
صدوق راوی کی روایتیں
''اختلاط'' سے پہلے کی ہوں تو وہ صحیح ہوتی ہیں، البتہ ''اختلاط'' کے بعد والی روایتیں کمزور ہوتی
ہیں۔

اختلاط سے پہلے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایات کا سماع:

اختلاط سے پہلے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے جن راویوں نے حدیث کا
سماع کیا ہے، اُن کے
نام ذکر کرتے ہوئے علامہ ابوالبرکات ابن الکیال رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۹ھ) لکھتے ہیں:

” و ممن سمع منه (أي من عبد الرزاق) قبل الاختلاط أحمد و اسحاق بن راهويه وعلي بن المديني ويحيٰ بن معين و وكيع بن الجراح ...... واسحاق بن منصور ومحمود بن غيلان......اسحاق بن ابراهيم السعدي وعبد الله بن محمد المسندي ومحمد بن يحيٰ بن أبي عمر العدني ويحيٰ بن جعفر البيكندي ويحيٰ بن موسيٰ ألبلخي ألملقب خت ...... وأحمد بن يوسف ألسلمي وحجاج بن يوسف ألشاعر وحسن بن علي ألخلان وسلمة بن شبيب وعبد الرحمان بن بشر بن الحكم وعبد بن حميد وعمرو بن محمد ألناقد ومحمد بن رافع ومحمد بن مهران ألحمال .“ ۳ے

۱ے (تاريخ أبي زرعة ألدمشقي : ۱/۴۵۷ ، ألناشر : مجمع اللغة العربية ، دمشق)
۲ے (ألضعفاء والمتروكين للنسائي : ۱/۶۹ ، ألناشر : دار الوعي ، حلب)
۳ے (ألكواكب النيرات في معرفة من الرواة الثقات لابن الكيال : ۱/۲۷۶ ...... ۲۸۰ ، ألناشر : دار المأمون ، بيروت)

ترجمہ: ﴿۱﴾ احمد بن حنبل ﴿۲﴾ اسحٰق بن راہویہ ﴿۳﴾ علی بن مدینی ﴿۴﴾ یحییٰ بن معین ﴿۵﴾ وکیع بن جراح ...... ﴿۶﴾ اسحٰق بن منصور ﴿۷﴾ محمود بن غیلان ...... ﴿۸﴾ اسحٰق بن ابراہیم سعدی ﴿۹﴾ عبداللہ بن محمد مسندی ﴿۱۰﴾ محمد بن یحییٰ بن ابوعمر عدنی ﴿۱۱﴾ یحییٰ بن جعفر بیکندی ﴿۱۲﴾ یحییٰ بن موسیٰ بلخی ...... ﴿۱۳﴾ احمد بن یوسف سلمی ﴿۱۴﴾ حجاج بن یوسف الشاعر ﴿۱۵﴾ حسن بن علی بلال ﴿۱۶﴾ سلمہ بن شبیب ﴿۱۷﴾ عبدالرحمٰن بن بشر بن حکم ﴿۱۸﴾ عبد بن حمید ﴿۱۹﴾ عمرو بن محمد ناقد ﴿۲۰﴾ احمد بن رافع ﴿۲۱﴾
محمد بن مہران حمال۔ (ترجمہ ختم)

چوں کہ ان حضرات کا امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ”اختلاط“ سے پہلے کا

ہے، لہٰذا امام عبد
الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی مطلق روایات پر ''اختلاط'' کی جرح کوئی جرح ہے ہی نہیں۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''تغیر و تدلیس'' کا الزام:

اسی طرح ''تدلیس'' کے بارے میں محدثین کا اُصول یہ ہے کہ غیر صحیحین میں ''مدلس'' کی ''عن'' والی روایت معتبر متابعت یا معتبر شاہد کے بغیر ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا کسی ثقہ راوی کی سماعت کی صراحت والی روایت پر
''تدلیس'' کی جرح کوئی جرح ہی نہیں۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر ''جرح'' کا الزام:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر ''جرح'' دو طرح سے ہے:

۱-اوّل یہ کہ امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاقؒ اور معمرؒ دونوں کو ''کثیر الخطاء'' کہا ہے۔

چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

''...... **فانهما (أي عبد الرزاق و معمراً)جميعاً كثيري الخطأ .**'' [۱]

ترجمہ:...... کیوں کہ یہ دونوں (عبدالرزاقؒ اور معمرؒ) ''کثیر الخطاء'' ہیں۔

حالاں کہ یہ ''جرح'' جمہور کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۷ھ) نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

[۱] (علل الحديث لأبي حاتم الرازي : ۲۱۵/۵ ، ألناشر : مطابع الحميضي)

''**يكتب حديثه و لا يحتج به .**'' [۱]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن اُسے حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

چوں کہ یہ ''جرح'' بھی جمہور کے مقابلے میں ہے اس لئے یہ بھی مردود اور ساقط الاعتبار ہے۔

۲-دوسرے یہ کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ عباس بن عبدالعظیم نے عبدالرزاق کے بارے میں کہا ہے:

" ان عبد الرزاق كذاب ." ۲

ترجمہ:عبدالرزاق ''کذاب'' ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''......اس پر مستزاد یہ کہ عبدالرزاق کا سچا ہونا بھی مختلف فیہ ہے، اگر چہ بہت سے محدثین نے ان کو سچا اور صدوق کہا ہے، مگر عباس بن عبدالعظیم جو خاص طور پر اُن کے آبائی شہر ''صنعاء'' گئے تھے اور کافی عرصہ اُن کے پاس رہے تھے قسم اُٹھا کر کہتے ہیں:

" والله الذي لا اله الا هو ان عبد الرزاق كذاب ، و محمد بن عمر الواقدي أصدق منه ."

ترجمہ: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں عبدالرزاق انتہائی درجے کا جھوٹا ہے، اور محمد بن عمر الواقدی اِن سے زیادہ سچے تھے۔ ۳

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا ایک اور دجل وفریب:

یہ عبارت اصل میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو اُنہوں نے اپنی کتاب " ألكامل في ضعفاء الرجال " میں نقل کی ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے۔ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو اس عبارت کے حوالہ جات میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا نام ذکر کیا ہے تو وہ ایک خاص دجل اور فریب کے طور پر ذکر کیا ہے

۱ (ألجرح و التعديل لابن أبي حاتم : ٦/٣٩ ، ألناشر : مجلس دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، ألدكن ، ألهند)

۲ (ألضعفاء الكبير للعقيلي : ٣/١٠٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (ألكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٦/٥٣٨ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۳ (ألكامل في الضعفاء : ٣/٥٣٨ ، سير أعلام النبلآء : ج ٩/٥٧١ ميزان

الاعتدال : ۲ /۱۲۸/۱ ، ۱۲۹ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ٦٦)

تا کہ قارئین کرام کو یہ باور کرایا جا سکے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو صرف علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ''کذاب'' نہیں کہا ہے، بلکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی تکذیب کی ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تو علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اپنی کتابوں میں نقل کر کے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کیا ہے اور اس واقعہ کی سخت تردید کی ہے، مگر سخت حیرت ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب پر کہ اُنہوں نے علمی خیانت اور اپنے مکروہ دجل وفریب سے کام لیتے ہوئے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے اپنے مطلب کی تو عبارت نقل کر لی، لیکن جس مقصد کے لئے خود علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اپنی کتابوں میں نقل کی ہے اُس سے آنکھیں چرا لیں۔

ذیل میں ہم علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع اردو ترجمہ کے نقل کرتے ہیں کہ جس میں اُنہوں نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کا زبردست تعاقب کیا ہے، اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اُس سے آنکھیں چرائی رکھیں ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ألعقيلي في كتاب الضعفاء له في ترجمة عبدالرزاق حدثنا محمد بن أحمد بن حماد سمعت محمد بن عثمان الثقفي قال : لما قدم العباس بن عبد العظيم من عند عبد الرزاق من صنعاء قال لنا ونحن جماعة : ألست قد تجشمت؟الخروج الي عبد الرزاق؟ فدخلت اليه،وأقمت عنده حتيسمعت منه ما أردت والله الذي لا اله الا هوان عبد الرزاق كذاب والواقدي أصدق منه ." قلت : بل والله ما بر عباس في يمينه ولبئس ما قال يعمد الي شيخ الاسلام ومحدث الوقت ، ومن احتج به كل أرباب الصحاح وان كان له أوهام مغمورة وغيره أبرع في الحديث منه فيرميه بالكذب ويقدم عليه الواقديالذيأجمعت الحفاظ عليٰ تركه،فهو فيمقالته هذه خارق للاجماع بيقين ."[1]

[1] (سير أعلام النبلآء للذهبي : ٨/٢٢٦ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة)

ترجمہ: عقیلیؒ اپنی کتاب " ألضعفاء الکبیر "میں امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن احمد بن حماد نے ہمیں بیان کیا کہ میں نے محمد بن عثمان ثقفی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب عباس بن عبدالعظیم عبدالرزاق کے پاس سے " صنعاء" سے واپس تشریف لائے تو ہم سے فرمایا (اور ہم ایک جماعت کی شکل میں تھے) کہ کیا میں نے عبدالرزاق تک پہنچنے میں مشقتیں نہیں جھیلیں؟ میں اُن کے پاس گیا اور اُن کے پاس قیام کیا یہاں تک کہ میں نے اُن سے (حدیث کا) سماع کیا جتنا کہ میں چاہتا تھا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں! عبدالرزاق کذاب ہے اور واقدی اُس سے زیادہ سچا ہے۔" میں کہتا ہوں بلکہ اللہ کی قسم! عباس اپنی قسم میں بری نہیں ہوئے، اُنھوں نے شیخ الاسلام، محدث وقت اور ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ جنہیں تمام اربابِ صحاح حجت مانتے ہیں اس قسم کے الفاظ بول کر بہت برا کیا، اگرچہ اُن کے اوہام وخیالات ڈھکے چھپے اور غیر مشہور ضرور تھے، لیکن حدیث میں بہرحال وہ واقدی سے زیادہ کامل تھے۔ ان پر یہ کذاب ہونے کی تہمت لگا رہے ہیں، اور ان پر واقدی کو مقدم کررہے ہیں جس کے ترک پر حفاظِ حدیث کا اجماع ہے، پس وہ اپنی اس بات میں یقیناً اجماع کی مخالفت کررہے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

روایت ہذا کی فنی حیثیت:

اِس روایت کا راوی "محمد بن احمد بن حماد الدولابی" بذاتِ خود ضعیف ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن عدي:ابن حماد متهم فيماقاله في نعيم بن حماد لصلابته في أهل الرأي.وقال حمزةالسهمي : سألت الدارقطني عن الدولابي، فقال: تكلموا فيه لما تبين من أمره الأخير.وقال ابن يونس :كان الدولابي من أهل

الصنعة حتي التصنيف و كان يضعف ." [1]

ترجمہ:ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ ابن حمادؒ اُس بات میں متہم ہے جو اُس نے نعیم

بن

[1] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ۴۵۹/۳ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

حمادؒ کے بارے میں کہی ہے، کیوں کہ اہل رائے کے معاملہ میں یہ سخت ہے۔اور حمزہ سہمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے دار قطنیؒ سے دولابیؒ کے بارے میں سوال کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ محدثین نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے اُس بات کی وجہ سے جو اُس کے آخری معاملہ میں ظاہر ہوئی۔اور ابن یونسؒ کہتے ہیں کہ دولابیؒ اہل صنعت میں سے تھا یہاں تک کہ تصنیف بھی کرتا

تھا،اور یہ ضعیف تھا۔

لہٰذا یہ روایت بھی باطل،مردود اور نا قابل حجت ہے۔

اور ایک دوسری روایت جو زید بن مبارک سے مروی ہے اُس میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو" كذاب يسرق "کہا ہے۔ [1]

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''ابن عساکر نے بروایت زید بن مبارک عبدالرزاق محدث کے متعلق "كذاب يسرق " کے الفاظ نقل کیے ہیں۔'' [2]

لیکن اس روایت میں حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد ابو عبداللہ بلخی نقل

روایت میں غیر محتاط ہیں۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" قال ابن السمعاني : سألت أبا القاسم الحافظ (ابن عساكر)عنه فقال : ما كان يعرف شيئاً ." وسألت ابن ناصر عنه ، فقال : كان يذهب الي

الاعتزال، وكان حاطب ليل ، يسمع من كل أحد ."۳

ترجمہ: ابن سمعانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حافظ ابن عساکرؒ سے ابوعبداللہ بلخیؒ کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: "وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔" اور میں نے ابن ناصر سے اُن کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: "وہ یکسوئی کی طرف جاتے تھے اور

۱ " عن زيد بن المبارك : " ان عبد الرزاق كذاب يسرق ." (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۱۹۱/۳٦ ، ألناشر دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

۲ (تاريخ دمشق لابن عساكر: ج ۳۸ ص ۱۳۰ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ٦۳)

۳ (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ۱٤٤/۳٦ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

گفتگو میں رطب و یابس ملاتے تھے اور ہر کسی سے روایات کا سماع کر لیتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

اور اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہ "جرح" امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل وغیرہما رحمۃ اللہ علیہما کبار ثقات کی توثیق کے مقابلے میں مردود اور باطل ہے۔

خلاصۂ کلام:

اِس ساری بحث وتمحیص کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱- جمہور اہل فن محدثین عظام کے نزدیک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ وصدوق یعنی صحیح الحدیث وحسن
الحدیث راوی ہیں، بشرطیکہ وہ سماع کی تصریح کریں اور روایت اختلاط سے پہلے کی ہو۔

۲- جمہور محدثین کی ''توثیق'' کے بعد بعض روایتوں میں وہم ثابت ہو جانے سے اُن کا راوی ضعیف نہیں ہو جاتا بلکہ ثقہ وصدوق ہی رہتا ہے، البتہ وہم ثابت ہو جانے والی روایت کو ردّ کر دیا جاتا ہے، یعنی ایسی صورت میں
وہم کا اثر صرف نفس روایت پر پڑتا ہے اُس کے راوی پر نہیں پڑتا۔

۳- جمہور محدثین کی توثیق کے بعد '' يخطئ '' وغیرہ جرحیں بھی مردود ہو جاتی ہیں۔

۴- جمہور محدثین کی توثیق کے بعد اوّل تو فضائل ومثالب کی احادیث کو ''مناکیر'' قرار دینا ہی صحیح نہیں ہے،
دوسرے اگر ''مناکیر'' کو محض جرح پر ہی محمول کیا جائے تو ان کا تعلق بعد از اختلاط اور مدلّس روایتوں ہی سے ہے۔

۵- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''اختلاط'' کا الزام ثابت ہے اور چوں کہ ۲۰۰ھ کے بعد آپؒ نابینا ہو گئے تھے، اس لئے آپؒ کے نابینا ہو جانے کے بعد جس نے آپؒ سے
حدیث کا سماع کیا اُس کا سماع ضعیف ہے!۔

۶- ''اختلاط'' کے بارے میں محدثین کا اُصول یہ ہے کہ جس ثقہ وصدوق راوی کی روایتیں ''اختلاط'' سے
پہلے کی ہوں وہ تو صحیح ہوتی ہیں، البتہ ''اختلاط'' کے بعد والی روایتیں ضعیف ہوتی ہیں۔

۷- چوں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بعض روایتیں ''اختلاط'' سے پہلے کی ہیں اور بعض ''اختلاط''

کے بعد کی ،لہٰذا آپؒ کی مطلق روایات پر ''اختلاط'' کی جرح کرنا کوئی جرح ہے ہی نہیں۔

۸- نیز چوں کہ ''تدلیس'' کا الزام بھی آپؒ پر ثابت ہے اور ''تدلیس'' کے بارے میں محدثین کا اُصول یہ ہے کہ غیر صحیحین میں مدلس کی ''عن'' والی روایت (معتبر متابعت یا معتبر شاہد کے بغیر) ضعیف ہوتی ہے اور چوں کہ آپؒ ایک ثقہ وصدوق راوی ہیں اور ثقہ وصدوق راوی کی سماعت کی صراحت والی روایت پر ''تدلیس'' کی جرح کوئی
جرح ہی نہیں ہوتی ،لہٰذا آپؒ پر بھی ''تدلیس'' کی جرح کوئی جرح شمار نہیں ہوگی۔

۹- اسی طرح آپ پر چوں کہ ''تشیع'' کا الزام بھی ہے تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ آپؒ کا رافضی شیعہ ہونا قطعاً ثابت نہیں ، بلکہ آپ میں جو ''تشیع'' پایا جاتا تھا وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر افضلیت کا
''تشیع'' تھا جو ایک تو یسیر تھا اور دوسرا غیر مضر۔

۱۰-قرینہ اِس پر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؒ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم ! میرے دل میں کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، جو اُن سے محبت نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں ہے،اور میرا سب سے مظبوط
عمل یہ ہے کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں، اللہ اُن سب سے راضی ہو اور اُن سب پر اپنی رحمت نچھاور کرے۔ [1]

آپؒ کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس ''تشیع یسیر'' سے بھی رجوع فرمالیا تھا جو پہلے
آپ کے قلب میں تھا۔

۱۱-آپؒ نے اپنی کتاب '' **ألمصنف** ''میں جہاں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایات اخذ کی ہیں تو وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایات لی ہیں، آپ لاکھ ڈھونڈیں آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے
روایت کرنے والا کوئی شیعہ ساری دُنیا میں ایک بھی نہیں ملے گا۔

۱۲-جن روایات میں آپ کا ’’تشیع شدید‘‘ مروی ہے مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی گستاخی والی روایت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ’’ أنوک ‘‘ کہنے والی روایت اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے تذکرے سے ہماری مجلسوں کو آلودہ نہ کرو
والی روایات ہیں تو ان میں سے کوئی ایک روایت بھی بہ سند صحیح ثابت نہیں ہیں۔

۱۳-آپ کی روایت پر دو طرح سے جرح مروی ہے:

۱-امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ اور معمرؒ دونوں کو ’’**كثير الخطاء**‘‘ کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جرح جمہور محدثین کی تعدیل وتوثیق کے مقابلہ میں ہے اس لئے یہ
جرح باطل اور مردود ہے۔

لے (تاریخ دمشق لابن عساکر : ٣٦/١٩٠، ألناشر : دار الفکر، للطباعة و النشر و التوزیع)

۲-اور دوسرے عباس بن عبدالعظیم نے آپؒ کو ’’ **كذاب** ‘‘ کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کا راوی محمد بن احمد بن حماد الدولابی بذاتِ خود ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت بھی باطل، مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط
ہے۔

پس اس ساری بحث کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ امام عبدالرزاق الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ثقہ وصدوق راوی اور ایک عظیم عبقری سنی محدث اور ایک مشہور راویٔ حدیث اور اپنے زمانے کے یکتائے روزگار صاحب علم وقلم
عالم تھے، آپؒ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا الزام بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

﴿۲﴾

مؤرخِ اسلام امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۳۱۰ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: محمد، کنیت: ابوجعفر، والد کا نام: جریر اور دادا کا نام: یزید

ہے۔

والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔''

آپؒ طبرستان (موجودہ ایران) کے علاقہ ''ماژندران'' کے رہنے والے تھے، اسی
مناسبت سے آپؒ کو
طبریؒ کہا جاتا ہے۔

ولادت باسعادت:

آپؒ کی ولادت طبرستان کے مشہور شہر ''آمل'' [۱] میں عباسی خلیفہ المعتصم باللہ کے
عہد خلافت میں ۲۲۴ھ
بمطابق ۸۳۸ء میں وقت ہوئی، جب ہر چہار سو علم و فضل کے چرچے اور زہد و ورع کی مثالیں
زبانِ زد عوام تھیں۔

تحصیل علم:

سات سال کی عمر میں آپؒ نے پورا قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا، آٹھ سال کی عمر میں
امامت جیسا اہم فریضہ سر

[۱] ''آمل''، بحیرۂ خزر سے بیس (۲۰) کلومیٹر جنوب میں، کوہِ البرز سے دس (۱۰) کلومیٹر شمال میں
اور ایک سو اسی (۱۸۰) کلومیٹر مشرق میں
تہران سے دُور دریائے ہراز کے ساحل پر واقع ہے۔

انجام دینے لگے، نو سال کی عمر میں حدیث لکھنا شروع کر دی، اور جب اپنی زندگی کے
بارھویں سال میں آپؒ نے قدم رکھا تو تحصیل علوم وکسب فنون کی خاطر گھر سے نکل پڑے، سولہ
سال کی عمر کو پہنچے تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی
زیارت کا دل میں داعیہ پیدا ہوا، اس لئے بغداد کے سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔
ابتداء میں آپؒ نے ''رے'' میں علم حاصل کرنا شروع کیا پھر ''کوفہ'' کا رُخ کیا اور

وہاں محمد بن بشارؒ، اسمٰعیل بن محمد سدیؒ، ہناد بن السریؒ، محمد بن عبدالاعلیٰ الصنعانیؒ، احمد بن منیعؒ، یعقوب بن ابراہیم الدوقیؒ، اور محمد بن علا الھمدانیؒ
سے شرفِ تلمذ طے کیا۔

اس کے بعد "شام" اور "بیروت" چلے گئے اور وہاں عباس بن ولید البیرونیؒ کی صحبت میں قرآنِ مجید کی مختلف روایاتِ قرأت کی مشق کی، اور پھر "مصر" روانہ ہوگئے، درمیان میں ایک بار پھر "شام" جانا ہوا، اور پھر وہاں
سے "مصر" واپسی ہوئی جہاں آپؒ نے "فقہ شافعی" کی تعلیم حاصل کی۔

دورانِ تعلیم آپؒ کے تمام تر اخراجات آپؒ کے والد محترم ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ انتقال کے وقت
والد نے آپؒ کے لئے ایک زمین کا ٹکڑا چھوڑا تھا جس سے آپؒ اپنا گزر بسر کرتے تھے۔

شیوخ واساتذہ:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مشہور شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ محمد بن حمید رازی تمیمی (المتوفی ۲۴۱ھ) "رے" میں ﴿۲﴾ ابو ہمام ولید بن شجاع (المتوفی ۲۴۳ھ) "کوفہ" میں ﴿۳﴾ عمران بن موسیٰ لیثی بصری (المتوفی ۲۴۰ھ) "بصرہ" میں ﴿۴﴾ احمد بن منیع بغوی ابوجعفر (المتوفی ۲۴۴ھ) ﴿۵﴾ محمد بن علاء ہمدانی ابوکریب (المتوفی ۲۴۷ھ) "کوفہ" میں ﴿۶﴾ محمد بن عبدالملک بن شوارب بصري اُموی (المتوفی ۲۴۴ھ) ﴿۷﴾ محمد بن بشار عبدی بصری (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۸﴾ یعقوب بن ابراہیم دورقی (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۹﴾ بشر بن عبدالاعلیٰ صنعانی البصری (المتوفی ۲۴۵ھ) ﴿۱۰﴾ ربیع بن سلیمان ازدی (المتوفی ۲۵۰ھ) ﴿۱۱﴾ حسن بن محمد زعفرانی بغدادي شافعی (المتوفي ۲۶۰ھ) ﴿۱۲﴾ اسماعیل بن یحییٰ مزنی (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۳﴾ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم مالکی مؤرخؒ (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۴﴾ ہناد بن سری تمیمیؒ (المتوفی ۲۴۳ھ) ﴿۱۵﴾ سلیمان بن عبدالرحمان خلاد طلحی (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۱۶﴾ یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۷﴾ علی بن سراج مصری ابوالحسن (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۱۸﴾ احمد بن یحییٰ

ثعلب کوفی (المتوفی
۳۰۸ھ) ﴿۱۹﴾ شیخ عباس بن ولید بیرونی (المتوفی ۲۷۰ھ)
لیکن اسماعیل بن ابراہیم مزنی، اسماعیل بن ربیع بن سلیمان مرادی، اور محمد بن عبدالحکم
آپؒ کے شیوخ میں
سب سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔

علمی اسفار:

علاوہ ازیں تحصیل علم کے لئے آپؒ نے مختلف ملکوں اور شہروں، شام، عراق، مصر ، بغداد اور کوفہ وبصرہ وغیرہ جیسے ممالک کی خاک چھانی اور بیسیوں ارباب علم وعمل اور اصحاب فضل وکمال کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوئے تمام علوم وفنون میں کمال حاصل کیا، یہاں تک کہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں آفتاب نصف النہار جیسے بام عروج کو چھوا، اور امام، مجتہد، مفسر، محدث، فقیہ، مؤرخ اور لغوی اور مقری وغیرہ جیسے گراں قدر القابات سے ملقب ہوئے۔

درس وتدریس:

تحصیل علم کے بعد تقریباً دس (۱۰) سال تک آپ بغداد میں درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور تقریباً اتنے ہی سال تک منصب ''افتاء'' پر بھی فائز رہے اور اس دوران فقہ شافعی کے مطابق فتوے بھی دیتے
رہے، جس کی بناء پر آپ کا شمار کبار علمائے شوافع میں ہونے لگا۔

تلامذہ وشاگرد:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے چند مشہور شاگرد یہ ہیں:

﴿۱﴾ ابوشعیب عبداللہ بن الحسن حرانیؒ (المتوفی ۲۹۵ھ) یہ عمر میں آپؒ سے بڑے تھے ﴿۲﴾ امام حافظ ابوقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ (المتوفی ۳۶۰ھ) ﴿۳﴾ شیخ قاضی ابوبکر بن کاملؒ (المتوفی ۳۵۰ھ) ﴿۴﴾ امام ابواحمد عبداللہ بن عدیؒ (المتوفی ۳۶۵ھ)
﴿۵﴾ قاضی ابوالفرج معانی بن زکریا نہروانی معروف بہ ابن طرارؒ (المتوفی

۳۱۰ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

تصانیف:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾ **جامع البيان فى تفسير القرآن** (یہ اہل سنت کے ہاں سب سے قدیم تفسیر اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔) ﴿۲﴾ **تاريخ الرسل والملوک المعروف بتاريخ الطبري** (تاریخ کے لحاظ سے یہ کتاب بھی اوّلیں ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔) ﴿۳﴾ **تهذيب الآثار وتفصيل معاني ثابت عن رسول الله** ﴿۴﴾ **اختلاف الفقهاء** ﴿۵﴾ **أدب النفوس الجيدة واخلاق النفيسة** ﴿۶﴾ **آداب القضاء** ﴿۷﴾ **آداب المناسک** ﴿۸﴾ **ألتبصير في معالم التنزيل** ﴿۹﴾ **بسيط القول في أحكام الاسلام** ﴿۱۰﴾ **ألذيل المذيل**

﴿۱۱﴾ **صريح السنة** .

امام ابن جریر طبری اساطین علم کی نظر میں:

مندرجہ ذیل اساطین علم نے امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے:

﴿۱﴾ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

" **أبو جعفر محمد بن جرير الطبري ، الامام المشهور، مجتهد ،**

صاحب مذهب مستقل . " [۱]

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مشہور امام، مجتہد اور ایک مستقل صاحب مذہب ہیں۔

﴿۲﴾ امام ابن العماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن العماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں:

"ألحبر البحر أبو جعفر محمد بن جرير الطبري...... وكان مجتهداً لايقلد أحداً قاله في العبر . قال امام الأئمة ابن خزيمة ما أعلم عليٰ الأرض أعلم من محمد بن جرير ، وقال أبو حامد الاسفرائيني الفقيه لو سافر رجل اليٰ الصين حتي يحصل تفسير محمد بن جريرلم يكن كثيراً وكذلك أثنيٰ

لہ (تهذيب الأسماء واللغات : ٢/٣٢٦ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

ابن تيمية عليٰ تفسيره للغاية ...... وكان ذا زهد وقناعة ...... قال الخطيب : ''كانت الأئمة تحكم بقوله وترجع اليٰ رأيه لمعرفته وفضله ،جمع من العلوم

مالم يشاركه فيه أحد من أهل عصره . ''[۱]

ترجمہ:امام طبری رحمۃ اللہ علیہ علم کے بحر ذخار تھے......کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے،جیسا کہ '' ألعبر ''میں ہے۔امام الائمہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''روئے زمین پر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا عالم میرے علم میں نہیں ہے۔''امام ابو حامد اسفرائینی فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:اگر کوئی شخص امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو پانے کے لئے چین (یعنی دور دراز) کا بھی سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات شمار نہیں ہوگی ۔''اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔......امام طبری رحمۃ اللہ علیہ زہد وقناعت کے پیکر تھے۔امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت وفضیلت کے سبب وقت کے امام آپؒ کے قول کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے تھے اور آپؒ ہی کی رائے کی طرف رجوع فرماتے تھے۔......امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے دسیوں علوم فنون پر دسترس حاصل تھی کہ جن میں اُن کے ہم عصر علماء میں سے کوئی ایک بھی اُن کی مشارکت نہ کرسکا۔(ترجمہ ختم)

﴿۳﴾امام ابومحمد عبداللہ بن اسعد الیافعیؒ کا حوالہ:

امام ابومحمد عبداللہ بن اسعد الیافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" سنة عشر وثلاث مائة فيها ببغداد توفي الحبر البحر الامام أحد العلماء الأعلام صاحب التفسير الكبير والتاريخ الشهير والمصنفات العديدة والأوصاف الحميدة أبو جعفر محمد بن جرير الطبري كان مجتهداً لايقلد أحداً . قال امام الأئمة المعروف بابن خزيمة ما عليٰ وجه الأرض أفضل من محمد بن جرير ولقد ظلمته الحنابلة ." وقال الفقيه الامام مفتي الأنام أبو

لـ (شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن العماد ألحنبلي : ١/ ٣٠ ، ألناشر : دار ابن كثير ، دمشق ، بيروت)

حامد الاسفرائيني : " لو سافر رجل الي الصين حتي يحصل تفسير محمد بن جرير لم يكن كثيراً ." قلت وناهيک بهذا الثناء العظيم والمدح الكريم من هذين الامامين الجليلين البارعين النبيلين .

ومولده بطبرستان سنة أربع و عشرين ومائتين ، وكان ذا زهد وقناعة ، توفي في أواخر شوال من السنة المذكورة،وكان اماماًفي فنون كثيرةمنها التفسيروالحديث والفقه والتاريخ وغيرذلک.وله مصنفات مليحة فيفنون عديدة يدل عليسعة علمه وغزارة فضله،وكان ثقة في نقله وتاريخه . قيل تاريخه أصح التواريخ وأثبتها وذكره

الشيخ أبو اسحاق في طبقات الفقهاء من جملة المجتهدين ."[1]

ترجمہ:۳۱۰ھ میں علم کے بحر زخار امام، بہت بڑے عالم، بڑی تفسیر، مشہور تاریخ اور مختلف کتابوں کے مصنف اور اوصاف حمیدہ کے مالک' ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔امام الائمہ جو کہ امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ:"(اِس وقت) میری معلومات کی حد تک (تمام) روئے زمین پر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ سے افضل کوئی شخص نہیں ہے ۔لیکن حنابلہ نے ان پر (بہت بڑا) ظلم کیا ہے۔"اور فقیہ امام مفتی الانام ابوحامد اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:"اگر کوئی شخص محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر حاصل کرنے کے لئے چین (یعنی دوردراز) کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"میں کہتا ہوں کہ اِن دو جلیل القدر بارع اور نبیل اماموں نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں جو بڑی ثناء اور عمدہ تعریف بیان کی ہے وہ تیرے لئے کافی ہے۔آپؒ کی جائے پیدائش طبرستان ہے جس میں ۲۲۴ھ میں آپؒ پیدا ہوئے۔آپؒ بڑے زاہد اور قناعت اختیار کرنے والے تھے۔آپؒ نے اسی مذکورہ سال(۳۱۰ھ) میں ماہِ شوال کے اواخر میں وفات پائی۔امام طبری رحمۃ اللہ علیہ بیسیوں فنون کے امام تھے، آپؒ نے اسی مذکورہ سال(۳۱۰ھ) میں ماہِ شوال کے اواخر میں وفات پائی۔امام

ل (مرآة الجنان وعبرة اليقظان في معرفة حوادث الزمان لليافعي : ۱۹۵/۲، ألناشر : دا الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

طبری رحمۃ اللہ علیہ بیسیوں فنون کے امام تھے، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ جیسے فنون شامل ہیں۔ چنانچہ آپؒ نے مختلف علوم وفنون میں انتہائی عمدہ اور بہترین کتابیں تصنیف کی ہیں، جو کہ آپؒ کی وسعت علمی اور کثرت فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ نقل روایت اور تاریخ میں آپؒ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ: ''تاریخ کی کتابوں میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ ثابت (سچی اور پکی) ہے۔'' شیخ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو ''طبقات فقہاء'' مجتہدین میں سے گردانا ہے۔ (ترجمہ ختم)

﴿۴﴾ حافظ ابن قطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حافظ ابن قطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۲۸ھ) لکھتے ہیں:

" أبو جعفر محمد بن جرير طبري من أهل طبرستان امام في الفقه والحديث والتفسير والتاريخ . مات ببغداد سنة عشر وثلاث مائة ." ل

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ طبرستان کے رہنے والے ہیں۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور تاریخ کے امام ہیں، آپ کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ (ترجمہ ختم)

﴿۵﴾ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

” و في ذي القعدة منها أحضر أبو جعفر محمد بن جرير الطبري اليٰ دار الوزير عيسيٰ بن علي لمناظرة الحنابلة في أشياء نقموها عليه فلم

يحضروا ولا واحد منهم .“ ۲؎

ترجمہ:اور(۳۰۹ھ) کے ذی قعدہ کے مہینے میں امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وزیر عیسیٰ بن علی کے گھر تشریف لے گئے،تاکہ جن بعض چیزوں کے بارے میں

۱؎ (بیان الوهم والیهام في كتاب الأحكام للفاسي : ٥/ ٦٤٠ ، ألناشر : دار طيبة ، ألرياض)

۲؎ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ١١/ ١٥٢، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

حنابلہ نے آپؒ پر نقم کیا ہے،آپؒ اُس بارے میں اُن سے مناظرہ کریں،لیکن اُن میں سے

کوئی ایک بھی سامنے نہ آسکا۔

﴿۶﴾ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) بھی لکھتے ہیں کہ:

" وفي ذي القعدة أحضر أبو جعفرمحمد بن جرير الطبري
دارعلي بن عيسيٰ لمناظرة الحنابلة فحضر ولم يحضروا فعاد اليٰ
منزله وكانوا قد
نقموا عليه أشياء ...." ؎۱

ترجمہ: ذی قعدہ کے مہینہ میں امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ
حنابلہ سے مناظرہ کرنے علی بن عیسیٰ کے گھر تشریف لے گئے، آپؒ تو حاضر ہو گئے
تھے، لیکن وہ لوگ حاضر نہیں ہوئے، اس لئے آپؒ واپس اپنی منزل کی طرف لوٹ آئے
۔دراصل حنابلہ کو آپؒ
کے بارے میں چند اشکالات تھے۔

﴿۷﴾ علامہ ابوالفداء الملک المؤید رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوالفداء الملک المؤید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:

" وكان حافظاً لكتاب الله ، عارفاً بالقراء ات ، بصيراً
بالمعاني وكان من المجتهدين لم يقلدأحداً وكان فقيهاً عالماً عارفاً
بأقاويل الصحابة
والتابعين ومن بعدهم ." ؎۲

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ کے حافظ، قراآت کے پہچاننے
والے، معانی پر بصیرت رکھنے والے تھے۔ آپؒ مجتہدین میں تھے اور کسی کی تقلید نہیں
کرتے تھے۔
آپؒ فقیہ، عالم اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور تبع تابعین کے پہچاننے والے تھے۔

الغرض امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار خیر القرون کے اُن ائمہ مجتہدین میں ہوتا
ہے جنہوں نے آنے

۱؎ (ألمنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي : ۱۳/۲۲۰ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

۲؎ (ألمختصر في أخبار البشر لابي الفداء ألملك المؤيد : ۲/۷۱ ، ألناشر : ألمطبعة الحسينية)

والی نسلوں کے لئے تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ کا ایک ایسا علمی ذخیرہ چھوڑا کہ جس سے قیامت تک آنے والی اُمت
مسلمہ سیراب ہوتی رہے گی۔

وفات حسرت آیات:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ المقتدر باللہ کے عہد خلافت میں مؤرخہ ۲۸ شوال ۳۱۰ھ بمطابق ۱۸ فروری ۹۲۳ء کو بہ عمر ۸۶ سال ہفتہ کی شام کو عصر کے قریب بغداد میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ''حبہ یعقوب'' میں
واقع اپنے مکان میں مدفون ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ آپؒ کے نمازِ جنازہ میں اس قدر کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی کہ جن کی صحیح تعداد
سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں، کئی ماہ تک آپ کی نمازِ جنازہ ادا ہوتی رہی۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے گھر میں دفن کرنے کا سبب:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے گھر ہی میں دفن کیا گیا، عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا گیا، اِس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعض فقہی مسائل اور ''حدیث غدیر خم'' کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بناء پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ اُنہیں شیعہ قرار دے ڈالا۔ حالاں کہ ائمہ اہل السنۃ میں سے کون ہے جس کا کوئی قول بھی کسی فقہی مسئلے یا کسی حدیث کی تصحیح کے معاملہ میں شیعوں سے نہ ملتا ہو؟ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تو سب جانتے ہیں کہ جس شخصیت میں شیعیت کی بو بھی ہو وہ اُس کو معاف نہیں کرتے، مگر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے متعلق وہ اپنے

فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

" وأما التفاسير التي في أيدي الناس فأصحها تفسير محمد بن جرير الطبري فانه يذكر مقالات السلف بالأسانيد الثابتة وليس فيه بدعة

ولا ينقل عن المتهمين مقاتل بن بكير والكلبي ."[۱]

ترجمہ: اور بہرحال وہ تمام تفاسیر جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں (معروف و متداول) میں تو اُن سب میں سب سے زیادہ صحیح تفسیر امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، کیوں کہ وہ ثابت سندوں کے ساتھ سلف کے واقعات ذکر فرماتے ہیں اور اِس میں کوئی

[۱] (ألفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیة : ٥/٨٤ ، ألناشر : دار الکتب العلمية ، بیروت ، لبنان)

نئی چیز نہیں ہوتی، اور نہ آپؒ مقاتل اور کلبی وغیرہ جیسے متہم راویوں سے (کوئی روایت) نقل

کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بناء پر لگایا تھا کہ وہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو صرف محدث مانتے تھے، فقیہ نہیں مانتے تھے۔ اسی وجہ سے حنبلی ان کی زندگی ہی میں اُن کے دُشمن ہو گئے تھے۔ اُن کے پاس جانے سے لوگوں کو رُوکتے تھے اور اُن کی وفات کے بعد اُنہوں نے "مقابر مسلمین" میں ان کو دفن تک نہ

ہونے دیا، حتیٰ کہ وہ اپنے گھر پر دفن کیے گئے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الیٰ الرفض ، ومن الجهلة من رماه بالالحاد وحاشاه من ذلک کله ." ۱

ترجمہ: آپؒ اپنے گھر میں دفن کیے گئے، کیوں کہ بعض عام حنبلیوں اور بعض نچلے طبقہ کے کمینے لوگوں نے دن میں آپؒ کو دفن کرنے سے روک دیا اور آپ کی رفض کی طرف نسبت کی، اور بعض جاہلوں نے آپ پر ملحد ہونے کی تہمت لگائی، حالاں کہ آپ اِن چیزوں
سے بالکل پاک ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی زیادتی پر امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" لقد ظلمته الحنابلة " ۲

ترجمہ: آپؒ پر حنابلہ نے ظلم کیا ہے۔

اس کے بعد آپؒ کی بدنامی کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ آپؒ ہی کے ہم عصروں میں ایک اور شخص محمد بن جریر طبری کے نام سے معروف تھا اور وہ شیعہ تھا، لیکن کوئی شخص جس نے کبھی آنکھیں کھول کر خود تفسیر ابن جریر اور تاریخ طبری کو پڑھا ہے، اس غلط فہمی میں نہیں پڑ سکتا کہ ان کا مصنف شیعہ تھا، یا یہ دونوں کتابیں اُس شیعہ محمد بن جریر طبری کی

۱ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ١٦٧/١١ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ١٦٦/١١ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

لکھی ہوئی ہیں۔ ۱

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دو بنیادی اعتراضات:

بنیادی طور پر امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دو قسم کے مشہور اعتراضات کیے

جاتے ہیں:

پہلا مشہور اعتراض:

۱- پہلا مشہور اعتراض یہ ہے کہ آپ شیعہ اور روافض کے لئے احادیث گھڑتے تھے۔

دوسرا مشہور اعتراض:

۲- دوسرا مشہور اعتراض یہ ہے کہ آپؒ کی تفسیر " **جامع البیان في تأویل القرآن** " اور آپ کی تاریخ " **تاریخ الأمم و الملوک ألمعروف بتاریخ الطبري** " میں متعدد روایات ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن سے انبیائے کرام علیہم السلام کی شدید ترین توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض انبیائے کرام کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی ہیں۔

ذیل میں سر دست ہم صرف انہیں دو اعتراضات کی اصل حقیقت اور ان کا جواب پیش کرتے ہیں:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر شیعہ و روافض کے لئے احادیث گھڑنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ ثابت کرنے کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " **لسان المیزان** " سے حافظ احمد بن علی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے سیاق وسباق نیز اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرے سے آنکھیں چراتے ہوئے نقل کیا ہے تا کہ کسی طرح اس سے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شیعہ ہونا ثابت ہو سکے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"الحافظ المتقن احمد بن علی السلیمانی (م۴۱۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

[1] "سُنّی ابن جریر اور شیعہ ابن جریرؒ دونوں کے حالات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "لسان المیزان: ۵/ ۱۰۰ ...... ۱۰۳" تک ملاحظہ فرمائیں۔ آج کل بعض لوگ بڑی

بے تکلفی کے ساتھ تاریخ طبری کے مصنف کو شیعہ مؤرخ بلکہ غالی شیعہ تک قرار دے رہے ہیں۔ غالبًا اُن کا خیال ہے کہ بے چارے اُردُو خواں لوگ کہاں اصل کتاب کو پڑھ کر حقیقت حال معلوم کر سکیں گے؟۔

"کان یضع للروافض."[۱]

ترجمہ: محمد بن جریر بن یزید طبری رافضیوں کے لئے احادیث گھڑتے تھے۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع کی اصل حقیقت:

حالاں کہ اگر کوئی بھی انصاف پسند شخص "لسان المیزان" کی مذکورہ بالا پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اُس پر تبصرے کے ساتھ پڑھ لے تو برملاء اس بات کا اعتراف کرنے لگے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شیعیت سے دُور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ وہ ایک سچے اور پکے سُنّی عالم ہیں۔

چنانچہ ذیل میں ہم "لسان المیزان" کی پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق اور ترجمہ نیز اُس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں، تا کہ قارئین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب کھل جائے اور اُن کا جھوٹ طشت از بام ہو جائے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"محمد بن جرير بن يزيد الطبري الامام الجليل المفسر أبو جعفر صاحب التصانيف الباهرة مات سنة عشر وثلاث مائة ثقة صادق فيه تشيع يسير ومؤالاة لاتضر،أقذع أحمد بن علي السليماني الحافظ فقال: كان يضع للروافض كذا قال السليماني وهذا رجم بالظن الكاذب بل بن جرير من كبار أئمة الاسلام المعتمدين وما تدعيٰ عصمته من الخطأ ولايحل لنا أن نؤذيه بالباطل والهويٰ فان كلام العلماء بعضهم في بعض ينبغي أن يتأتي فيه ولاسيما في مثل امام كبير فلعل السليماني أراد الآتي انتهيٰ ولو حلفت أن السليماني ما أراد الاالآتي لبررت والسليماني حافظ متقن كان يدري مايخرج من رأسه فلا أعتقد أنه يطعن في مثل هذا الامام بهذا الباطل والله أعلم .

وانما نبرأ بالتشيع لأنه صحح حديث غدير خم وقد اغتر شيخ شيوخنا أبو

ل (لسان الميزان لابن حجر ألعسقلاني : ٥/ ١٠٠، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:٦٨)

حيان بكلام السليماني فقال في الكلام علي الصراط في أوايل تفسيره

وقال أبو جعفر الطبري وهو امام من أئمة الامامية الصراط بالفساد لغة قريش الي آخر المسألة ونبهت عليه لئلا يغتربه فقد ترجمه أئمة النقل في عصره وبعده فلم يصفوه بذلک وانما ضره الاشتراک في اسمه واسم أبيه ونسبه وكنيته

ومعاصرته وكثرة تصانيفه والعلم عند الله تعاليٰ قاله الخطيب ." [1]

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری رحمۃ اللہ علیہ بڑے امام، مفسر اور قابل فخر کتابوں کے مصنف ہیں ۳۱۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ ثقہ اور صادق ہیں۔ آپؒ میں تھوڑا بہت تشیّع اور موالات (اصحابِ علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھکاؤ) تھا جو کہ مضر نہیں۔ آپؒ کو احمد بن علی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ نے برا بھلا کہا اور کہا کہ: آپؒ روافض کے لئے احادیث گھڑتے تھے، جیسا کہ سلیمانیؒ نے کہا ہے، لیکن یہ بات امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے ظن کا ذب کا نتیجہ ہے، بلکہ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تو ائمہ اسلام کے کبار اور معتمد علیہ علماء میں سے ایک ہیں اور خطاء سے ان کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اور ہمارے لئے حلال نہیں ہے کہ ہم انہیں باطل چیزوں اور اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے تکلیف پہنچائیں حالاں کہ سلیمانی حافظ ہیں، متقن ہیں وہ جانتے ہیں کہ کیا کچھ ان کے دماغ سے نکل رہا ہے، پس میں اس بات کا اعتقاد نہیں رکھتا کہ حافظ سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام کے بارے میں اس قسم کی باطل باتوں کے ذریعے طعن کیا ہو۔ ہاں! البتہ ہم ان کے تشیّع سے برأت کا اعلان کرتے ہیں کیوں کہ انہوں نے حدیث ''غدیر خم'' کی تصحیح کی ہے۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ حافظ سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع میں لفظ ''صراط'' پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ: ''ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ امامیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں ''صراط بالفساد'' یہ قریش کی لغت ہے۔ (ترجمہ ختم)

۱؎ (لسان الميزان لابن حجر العسقلاني : ٥/ ١١٠ ، ١٠١ ، ألناشر : مؤسسة الأعلمي للمبوعات ، بيروت)

الي آخر المسألة اور میں نے اس بات پر اس لئے متنبہ کیا ہے تا کہ اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے ، کیوں کہ ائمہ نقل نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اوران کی زندگی کے بعد بھی آپؒ کی سوانح عمری لکھی ہیں لیکن انہوں نے (اس قسم کی باتوں سے) آپؒ کوان جیسی چیزوں کے ساتھ متصف نہیں کیا، امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو جوضرر پہنچا ہے وہ آپؒ کے نام، آپؒ کے والد کے نام، آپؒ کی نسبت، آپؒ کی کنیت، آپؒ کی معاصرت اورآپؒ کی کثرت تصانیف میں
دوسروں کی مشارکت کی وجہ سے پہنچا ہے۔ واللہ اعلم قالہ الخطیب ۔ (ترجمہ ختم)

اورصرف یہی نہیں بلکہ تھوڑا آگے چل کر اپنی اسی کتاب "**لسان الميزان**" میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ
اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وذكر شيخنا في الذيل بما تقدم أوّلاً وكأنه سقط من نسخته أراد الآتي بعد لعل السليماني اليٰ آخره وكأنه لم يعلم بأن في الرافضة من شاركه في اسمه واسم أبيه ونسبه وانما يفترقان في اسم الجد ولعل ما حكي عن محمد بن جرير الطبري من الاكتفاء في الوضوء بمسح الرجلين انما هو

هذا الرافضي فانه مذهبهم ."[1]

ترجمہ: اور ہمارے شیخ نے ذیل میں اس بات کو ذکر کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے، گویا ان کے نسخے سے " لعل السليماني ...... ألخ " کے بعد " أراد الآتي " کے الفاظ ساقط ہو گئے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں اس بات کا (قطعاً کوئی) علم نہیں تھا کہ روافض میں سے ایک شخص ان کے نام، ان کے والد کے نام اور ان کے نسب میں ان کے (برابر کا) شریک تھا اور ان دونوں میں فرق ان کے داداؤں کے نام سے ہوتا ہے (کہ امام طبری سُنّی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام یزید ہے اور امام طبری رافضی کے دادا کا نام رستم ہے) اور یہ جو محمد بن جریر طبری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ وضوء میں (صرف) پاؤں پر مسح کرنے کو کافی سمجھتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ اس سے یہی امام طبری رافضی مراد ہوں، کیوں کہ یہ

[1] (لسان الميزان لابن حجر ألعسقلاني : ١٠٣/٥ ، ألناشر : مؤسسة الأعلمي للمطبوعات ، بيروت ، لبنان)

شیعوں کا مذہب ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی ان کی عبارت کے سیاق وسباق کو حذف کر کے، نیز ان کے تبصرے سے نظریں چراتے ہوئے اپنی پسند کا مطلب نکال کر عوام الناس کو

دھوکہ دینے کے لئے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی ثابت کرنے کی ناکام کوشش اور نامراد

جسارت کی ہے۔

چنانچہ ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٦٣٠ھ) لکھتے ہیں کہ:''

دفن ليلاً بداره لأن العامة اجتمعت ، ومنعت من دفنه نهاراً وادعوا عليه الرفض ،

ثم ادعوا عليه الالحاد ...... ''[1]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ عام لوگ اکٹھے ہو گئے تھے جنہوں نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ پہلے ان پر رفض یعنی رافضی ہونے کا پھر اس کے ساتھ ساتھ ان پر ملحد ہونے کا بھی الزام لگایا گیا۔

امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی اس مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اس کے سیاق وسباق کو حذف کر کے نیز امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں موصوف کے جان دار تبصرے سے نظریں چرا کر ان کی عبارت کو توڑ مروڑ کر ایک مذموم علمی خیانت اور اخلاقی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔

اب ذیل میں ہم امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع اُس کے سیاق وسباق اور ان کے جاندار تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین باتمکین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی کی علمی خیانت اور اخلاقی بددیانتی کی قلعی مکمل طرح سے کھل کر ان کا بھانڈا پھوٹ جائے اور اصل حقیقت خوب اچھی طرح کھل کر قارئین کرام کے سامنے آجائے۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٦٣٠ھ) لکھتے ہیں:

'' **وفي هذه السنة توفي محمد بن جرير الطبري صاحب التاريخ**

لے (ألكامل في التاريخ لابن أثير الجزري : ٨/ ١٣٤، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص٦٩)

ببغداد ومولده سنة أربع وعشرين ومأتين ودفن ليلاً بداره لأن العامة اجتمعت ومنعت من دفنه نهاراً وادعوا عليه الرفض ثم ادعوا عليه الالحاد وكان علي بن عيسىٰ يقول:"والله! لو سئل هؤلآء عن معني الرفض والالحاد ماعرفوه ولافهموه هكذا ذكره ابن مسكويه صاحب تحارب الأمم وحوشي

ذلک الامام عن مثل هذه الأشياء ." لے

ترجمہ: اور اسی سال (۳۱۰ھ میں صاحب تاریخ الامم والملوک) محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں وفات پائی۔ آپؒ کی پیدائش ۲۲۴ھ میں ہوئی تھی۔ آپؒ رات کے وقت اپنے گھر ہی میں دفن کیے گئے، کیوں کہ عام لوگ جمع ہو گئے تھے اور انہوں نے دن کے وقت آپ کو دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ پہلے ان لوگوں نے آپ کے خلاف رافضی ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر اس کے بعد آپؒ کے ملحد ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا۔ امام علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں سے "رفض" اور "الحاد" کا مطلب مفہوم پوچھا جائے تو نہ تو یہ لوگ اس کو جانتے ہوں گے اور نہ ہی اس کو سمجھتے ہوں گے (عوام کالانعام جو ہوئے) اسی طرح صاحب" **تجارب الأمم**" امام ابن مسکویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ حاشا و

کلا کہ ان جیسی چیزوں کا امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے صدور ہوا ہو۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی اور شیعہ ثابت کرنے کے لئے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " **ألبداية والنهاية** " کی عبارت بھی اس کے سیاق وسباق نیز امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

کے تبصرے کے بغیر ہی اپنی مرضی اور پسند کا مطلب نکال کر توڑ مروڑ کر نقل کر دی ہے۔

چنانچہ ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:'' **ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلةورعاعهم منعوامن دفنه نهاراًونسبوه اليٰ الرفض.**'' ۲

۱ (ألكامل في التاريخ لابن أثير الجزري : ٦٧٧/٦ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

۲ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ١٤٧/١١ ، بحوالہ: **سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین**: ص٦٩)

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ کچھ حنبلی حضرات نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اوران کی نسبت ''رفض'' کی
طرف کردی تھی۔(ترجمہ ختم)

حسب سابق یہاں پر بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی علمی خیانت اور اپنی اخلاقی بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام ابن کثیر کی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' کی عبارت اُس کے سیاق
وسباق نیز امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں آپؒ کے تبصرہ کے بغیر ہی نقل کردی ہے۔

اب ذیل میں ہم '' **ألبداية و النهاية** ''کی پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق نیز امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق اور آپؒ کے دفاع میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے شان دار تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں، تا کہ اصل
حقیقت سامنے آجائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمائے اہل سنت دُشمنی کا خوب سے خوب تر پرچار ہوجائے۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراًونسبوه اليٰ الرفض ومن الجهلة من رماه بالحاد وحاشاه من ذلک کله

بل کان أحد ائمة الاسلام علماً وعملاً بکتاب الله وسنة رسوله ."[۱]

ترجمہ:امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ بعض عام حنابلہ اور اُن کی رعایا نے دن کے وقت اُنہیں دفن کرنے سے رُوک دیا تھا اور اُن کی نسبت رفض کی طرف کرنے لگ گئے تھے۔ بعض جاہل لوگ آپؒ کی کی نسبت ''الحاد'' کی طرف بھی کرنے لگتے ہیں۔حاشا وکلا کہ اِن میں سے کسی ایک چیز کی نسبت بھی امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی جائے، بلکہ وہ تو ائمہ اسلام میں سے ایک امام ہیں،اور کتاب اللہ اور سنت
رسول ﷺ کے باعمل عالم ہیں۔(ترجمہ ختم)

اس تمام تر تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نہ رافضی تھے اور نہ ہی ملحد بلکہ وہ ایک سچے اور
پکے سُنّی عالم، مفسر قرآن اور مؤرخ اسلام تھے۔آپؒ کے خلاف یہ سب کچھ ایک خاص پروپیگنڈے کے طور پر کیا گیا۔

[۱] (ألبداية و النهاية لابن كثير : ۱۶۷/۱۱ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

چنانچہ وطن عزیز ملک پاکستان کے مشہور ومعروف تجزیہ کار وکالم نگار جناب اوریا مقبول جانؔ صاحب کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض باطل وفاسد افکار ونظریات اور بعض منفی خیالات کے ردّ میں عصر حاضر کے عظیم محقق، ہندوستان سے تعلق رکھنے والے مشہور عالم دین مولانا عبدالمتین منیریؔ صاحب دامت کاتہم العالیہ ''امام ابن
جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی مظلومیت'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''شیعہ حضرات نے اس لئے آپؒ کے شیعہ ہونے کی تشہیر کی تا کہ حدیث و روایت کے ایک ستون پر سے اعتماد اُٹھ جائے اور ایک اہم امام حدیث وفقہ کی صورت مسخ ہو جائے۔'' [۱]

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ اُن میں تھوڑا بہت ''تشیّع'' اور ''موالات'' (اصحاب علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھکاؤ) پایا جاتا تھا تو وہ مضر نہیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" فيه تشيع يسير و موالاة لاتضر ." [۲]

ترجمہ: آپؒ میں تھوڑا بہت ''تشیّع'' اور ''موالات'' پایا جاتا ہے جو کہ مضر نہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) نے بھی لکھا ہے کہ:

" فيه تشيع يسير و موالاة لاتضر ." [۳]

ترجمہ: آپؒ میں تھوڑا بہت ''تشیّع'' اور ''موالات'' پایا جاتا ہے جو کہ مضر نہیں۔

سلف صالحین کے نزدیک لفظ ''تشیّع'' کا مفہوم:

اور علامہ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۲۶ھ) نے جو یہ لکھا ہے کہ:

" قال غير الخطيب : ودفن ليلاً خوفاً من العامّة لأنه كان يتهم بالشيعة ." [۴]

[۱] (بشکریہ ویب سائٹ ''فکروخبر'' بھٹکل، انڈیا)

[۲] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ۴۹۹/۳ ، ألناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

[۳] (لسان الميزان لابن حجر ألعسقلاني : ۱۰۰/۵ ألناشر : مؤسسة الأعلمي للمطبوعات ، بيروت ، لبنان)

[۴] (معجم الأدباء ارشاد الأريب اليٰ معرفة الأديب للحموي : ۲۴۴۱/۶ ، ألناشر :

دار الغرب الاسلامي ، بيروت)

ترجمہ: امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور کا قول ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ عوام کے خوف سے
رات کے وقت دفن کیے گئے ، کیوں کہ وہ ''شیعیت'' سے متہم تھے۔ (ترجمہ ختم)

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ علمائے متقدمین وعلمائے متاخرین ہر دو کے نزدیک لفظ ''شیعیت'' کا مفہوم الگ
الگ اور جدا جدا ہے۔

لفظ ''تشیّع'' کا مفہوم علمائے متقدمین کے نزدیک:

چنانچہ علمائے متقدمین کے نزدیک لفظ ''شیعیت'' کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے وہ ''شیعہ'' ہے، لہٰذا یہ بات عین ممکن ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی وجہ سے ''شیعیت'' کے
نام سے متہم کیا جاتا ہے۔

لفظ ''تشیّع'' کا مفہوم علمائے متاخرین کے نزدیک:

اور علمائے متاخرین کے نزدیک ''شیعیت'' کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص خالص قسم کا رافضی ہو اُس کو ''شیعہ''
کہا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل بھی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

” فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليٍّ علىٰ عثمان . وأن عليا كان مصيبا في حروبه . وأن مخالفه مخطئٌ مع تقديم الشيخين و تفضيلهما . وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض، فلا تقبل

رواية الرافضي الغالي ولا كرامة .“ ؎

ترجمہ: متقدمین کے عرف واصطلاح میں لفظ ”تشیّع“ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اِن جنگوں میں حق بجانب تھے اور اُن کے مخالف خطاء پر تھے۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل کے بھی قائل تھے (مگر پھر بھی اُنہیں ”شیعہ“ سمجھا جاتا تھا) جب کہ متاخرین کے نزدیک ”شیعیت“ خالص ”رفض“ کا نام ہے۔ لہٰذا نہ تو غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی

؎ (تهذيب التهذيب لابن حجر ألعسقلاني : ۹٤۱ ، ألناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، ألهند)

ہے اور نہ ہی اُس کی عزت کی جاسکتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور اِس بات کا اعتراف خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی ہے۔

چنانچہ وہ بھی اِس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”......متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اُس شخص کو جو تمام اُصول و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے ”شیعہ“ قرار دیا ہے۔“ ؎

اِس میں شک نہیں کہ علمائے اہل سنت متقدمین، سلف صالحین اور علمائے علم حدیث نے اُس شخص کو جو تمام اُصول وفروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہو، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو ”شیعہ“ قرار دیا ہے، لیکن بایں ہمہ اِس سے اُس

شخص کا اِس معروف ومتداول شیعہ فرقہ کا فرد یا اِس کا پیروکار ہونا لازم نہیں آتا جو کہ اہل سنت کے مقابلے میں ہے، اس لئے کہ لفظ ''شیعہ'' مشایعت بمعنی متابعت سے مشتق ہے جس کا معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہونا ہے۔ اور چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سچے اور اصل پیروکار اہل سنت والجماعت ہی ہیں، شیعہ حضرات خالی زبانی دعویٰ کی حد تک ان سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اس لئے متقدمین علمائے اہل سنت کے نزدیک شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ ''شیعہ'' کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوا کرتا تھا جو حضرت علی یا حضرات اہل بیت کا پیروکار ہو۔ گویا شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ شیعہ اہل سنت والجماعت کا پرانا نام تھا لیکن جب بعد میں شیعہ مذہب وجود میں آ گیا اور اس لفظ کا بکثرت اطلاق اس بدعتی، رافضی، اسماعیلی اور اہل بیت کے مخالف ٹولہ پر ہونے لگا تو حضرات اہل بیت کے اصل پیروکار لوگوں نے اس
لفظ کا استعمال اپنے لئے کرنا ترک کر دیا اور اُنہوں نے اپنا نیا نام ''اہل سنت والجماعت'' رکھ لیا۔

چنانچہ علامہ قفاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" فاالشيعة والتشيع والمشايعة في اللغة تدور حول معني المتابعة و المناصرة والموافقة بالرأي والاجتماع عليٰ الأمر أو الممالأة عليه . ثم غلب هذا الاسم –كما يقوله صاحب اللسان ، والقاموس ، وتاج العروس –

ا (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۱۸)

علي كل من يتولي عليا وأهل بيته وهذه الغلبة محل نظر ،ل أنه اذا تأمل الباحث في المعنيٰ اللغوي للشيعة و الذي يدل عليٰ المتابعة والمناصرة ، ثم نظر الي أكثر فرق الشيعة ألتي غلب اطلاق هذاالاسم عليها يجد أنه لايصح تسميتها بالشيعة من الناحية اللغوية ، لأنها غير متابعة لأهل البيت علي الحقيقة ، بل هيمخالفة لهم ومجافية لطريقهم. ولعل هذا ما لاحظه شريک بن عبد الله حينما سأله سائل: أيهما أفضل أبوبكر أوعليّ؟ فقال له:"أبوبكر" فقال السائل:" تقول هذا وأنت شيعيّ!" فقال له:"نعم! من لم يقل هذا فليس شيعيّاً والله لقد رقي هذا الأعواد علي ، فقال: ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر، ثم عمر، فكيف نرد قوله وكيف نكذبه ؟ والله ماكان كذاباً .فالامام شريک لاحظ أن غيرالمتابع لعليٍّ لايستحق اسم التشيع ،لأن معني التشيع وحقيقته المتابعة . ولهذاآثر بعض الأئمة أن يطلق عليهم اسم الرافضة .وقد لجأ المتابعون ل أهل البيت عليٰ الحقيقة ، والذين كانوا يلقبون بالشيعة ، لجأواالیٰ ترک هذااللقب لماغلب اطلاقه عليٰ أهل البدع المخالفين لأهل البيت، كما يشير صاحب التحفة الاثني عشرية اليٰ ذلک فيقول: ان الشيعة الأولي تركوا اسم الشيعة لما صار لقباً للروافض والاسماعيلية ولقبوا أنفسهم بأهل السنة والجماعة ." [1]

ترجمہ: پس ''شیعہ، تشیع اور مشایعت' متابعت، مناصرت، رائے میں موافقت کرنے، کسی بات پر اجتماع کرنے یا کسی معاملہ میں مدد کرنے کے معنی کے اردگرد گھومتا ہے۔

[1] (أصول مذهب الشيعة الامامية الاثني عشرية ـ عرض ونقد للقفاري : ۱/۳۱ ،

٣٢) و (ألعواصم من القواصم في تحقيق مواقف الصحابة بعد وفاة النبي صلي الله عليه وسلم لابن العربي : ١/٢٧٤ ، ألناشر: دار الجيل ، بيروت ، لبنان) و (آل رسول الله وأوليائه للعاصمي : ١/١٢٤) و (مختصر ألتحفة الاثني عشرية : ١/٣١٠ ، ألناشر : ألمطبعة السلفية ، ألقاهرة) و (ألشيعة والتشيع ـ فرق وتاريخ للشيخ احسان الهي ظهير : ١/١٦٠ ، ألناشر : ادارة ترجمان السنة ، لاهور ألباكستان)

پھر اس لفظ کا غالب استعمال (صاحب لسان البیان، قاموس اور تاج العروس کی تصریحات کے مطابق) ہر اُس شخص پر ہونے لگا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل

بیت رضی اللہ عنہم کو والی مقرر کرے۔ لیکن اس لفظ کا غالب استعمال محل نظر ہے۔ اس لئے کہ جب بحث کرنے والا شخص لفظ ''شیعہ'' اور اس لفظ کے لغوی معنی میں غور و فکر کرے جو متابعت اور مناصرت پر دلالت کرتا ہے، پھر شیعہ حضرات کے اُن اکثر و بیشتر فرقوں کی طرف دیکھے کہ جن پر اس نام کا غالب اطلاق ہوتا ہے تو اسے ایسے لگے گا کہ از روئے لغت لفظ ''شیعہ'' کا اطلاق ان پر درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات اہل بیت کے حقیقی پیروکار نہیں ہیں، بلکہ یہ ان کے مخالف ہیں اور ان کے راستہ سے ہٹ جانے والے ہیں۔ اور (یہ بھی) ہوسکتا ہے کہ شریک بن عبداللہ نے یہ بات اس وقت ملاحظہ فرمائی ہو جب کہ ایک شخص نے آکر ان سے یہ سوال کیا کہ: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے؟۔'' تو آپؒ نے فرمایا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں! ۔'' سائل نے کہا: آپ شیعہ ہوکر یہ بات کیسے فرما رہے ہیں؟۔'' آپ نے فرمایا: ''ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔'' اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف اور اُن کا نظریہ بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا: ''خبردار! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِس اُمت میں سب سے زیادہ بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر ہم کیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات کو ردّ کر دیں یا اُسے جھٹلا دیں؟ حالاں کہ اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ جھوٹے نہیں تھے۔

امام شریک بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ملاحظہ فرمالیا کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیروکار نہ ہو، وہ اپنے لئے ''شیعہ'' نام رکھے جانے کا مستحق ہی نہیں، اس لئے لفظ ''شیعہ'' حقیقی معنی کسی کا پیروکار ہونا ہے اور اسی وجہ سے بعض ائمہ نے شیعوں کا ''رافضی'' نام رکھنا پسند کیا ہے۔ جب لفظ ''شیعہ'' کا غالب اطلاق بدعتیوں اور حضرات اہل بیت کے مخالف لوگوں پر ہونے لگا تو ان کے حقیقی پیروکاروں اور ان لوگوں نے کہ جن کا لقب شیعہ تھا، اِس لفظ (شیعہ) کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا، جیسا کہ صاحب ''تحفہ اثنا عشریہ'' نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''لفظ ''شیعہ'' جب رافضیوں اور اسماعیلیوں کا لقب بن گیا تو

پہلے شیعہ لوگوں نے (اپنے لئے) اس لقب کو ترک کر دیا اور (آئندہ کے لئے مستقل طور پر)
اپنا لقب ''اہل سنت والجماعت'' رکھ لیا۔'' (ترجمہ ختم)

اسی طرح صاحب '' **ألفرق الاسلامية**'' لکھتے ہیں:

" وفي نظري أن تعريف الشيعة مرتبط أساساً بأطوار نشأتهم ومراحل التطور العقدي لهم فالتشيع في العصر الأول غير التشيع فيما بعده . فعليٰ هذا يكون التعريف للشيعة في الصدر الأول : " أنهم يقدمون
عليّاً عليٰ عثمان فقط . " [1]

ترجمہ: میرے خیال میں لفظ ''شیعہ'' کی تعریف بنیادی طور پر ان کے ابتدائی حالات اور ان کے مرحلہ وار ادلتے بدلتے عقائد و نظریات کے ساتھ مربوط ہے۔ پس پہلے زمانہ کے شیعہ اور تھے اور بعد کے زمانہ کے شیعہ اور ہیں۔ لہٰذا اس بات کی بنیاد پر لفظ ''شیعہ'' کی تعریف پہلے زمانہ میں یہ ہوگی کہ: ''وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم
رکھتے تھے اور بس!۔

اس عبارت کے تحت نیچے حاشیہ میں فاضل حاشیہ نگار لکھتے ہیں:

”وهم وان سموا بالشيعة فهم من أهل السنة .لأن مسئلة عثمان و علي ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها .لكن المسئلة التي يضلل فيها هي مسئلة الخلافة .وقد كان بعض أهل السنة اختلفوا في عثمان وعليّ بعد اتفاقهم عليٰ تقديم أبي بكروعمر أيهما أفضل، فقدم قوم عثمان وسكتوا أو ربّعوا بعليٍّ، وقدم قوم عليّاً ، وقوم توقفوا، لكن استقر أمر أهل السنة علي تقديم عثمان .“ ۲؎

ترجمہ: پہلے زمانہ میں اگرچہ ان لوگوں کوشیعہ کہا جاتا تھا،لیکن درحقیقت یہی اہل

۱؎ (ألفرق الاسلامية : ٢/٤٧)

۲؎ (حاشية الفرق الاسلامية : ٢/٤٧)

سنت والجماعت تھے،اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا مسئلہ دین کے اُن اُصولوں میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے شخص کی تضلیل کی جائے اور اُسے گمراہ قرار دیا جائے۔اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے ۔چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے،اور بعض علماء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے اِس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہونے پر مستقر ہوگیا۔(ترجمہ ختم)

مذکورہ بالا عبارات سے دو چیزیں معلوم ہوئیں:

۱-ایک یہ کہ شروع اسلام کے زمانہ میں اہل سنت والجماعت کا پرانا نام ''شیعہ'' بمعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے پیروکار لوگ تھا، لیکن جب اِس نام کا غالب اطلاق اہل ہوا، اہل بدعت اور حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مخالفین پر ہونے لگا، جنہیں اِس موجودہ دور میں ''شیعہ'' کہا جاتا ہے تو تب اہل سنت والجماعت نے اپنا یہ پرانا نام بدل کر اپنے لئے ''اہل سنت والجماعت'' کا ایک نیا نام منتخب کر لیا، لہٰذا اگر متقدمین علمائے اہل سنت میں سے کسی عالم کے بارے میں کہیں لفظ ''شیعہ'' لکھا ہوا نظر آئے تو اِس سے اُس عالم کا اہل سنت والجماعت میں سے ہونا ہی مراد لیا جائے گا۔

اور دوسری یہ کہ جمہور اہل سنت کے مقابلہ میں جو بعض علماء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے کے قائل ہیں تو وہ بھی ''اہل سنت والجماعت'' ہی میں سے ہیں ''شیعہ'' نہیں ہیں۔ [1]

نتیجہ:

پس مذکورہ بالا عبارات سے ثابت ہو گیا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ شمس الدین ذہبیؒ اور علامہ یاقوت حمویؒ کے حوالے سے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو جو موجودہ دور کا ''رافضی شیعہ'' ثابت کرنے

[1] اس موضوع پر مزید تفصیلی کلام اور تحقیقی مباحث ''علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ'' کے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔ رفیع

کی اپنی سے جو نیم اجتہادی، مذموم مساعی اور ناکام کوششیں کی ہیں وہ باطل، مردود اور ناقابل التفات ہیں۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ علمائے اہل سنت والجماعت کے ایک نابغہ روزگار مؤرخ، ایک نامور مفسر، ایک عظیم محقق اور ایک صحیح العقیدہ سچے اور پکے سُنّی عالم دین ہیں۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر توہین آمیز روایات نقل کرنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا مشہور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کی تفسیر ''جامع البيان في تأويل القرآن '' اور اُن کی تاریخ'' تاريخ الملوك والأمم ألمعروف بتاريخ الطبري '' میں متعدد روایات ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شدید ترین توہین وتنقیص کا پہلو نکلتا ہے اور یہی نہیں بلکہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی ہیں۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''جامع البيان في تأويل القرآن '' اور'' تاريخ الأمم والملوك''میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن میں انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمتِ انبیاء اور محفوظیت صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کے منافی ہیں...... حالاں کہ انبیائے کرام علیہم السلام بعد از نبوت ہی نہیں بلکہ قبل از نبوت بھی صغائر وکبائر سے پاک ہوتے ہیں۔اس عقیدہ کے برعکس تفسیر طبریؒ میں منقول موضوع اور اسرائیلی روایات کی رُو سے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف قصداً وعمداً انتہائی خسیس اور گھٹیا صغائر وکبائر کی نسبت کرنا پڑتی ہے۔......کیا اِس موقع پر یہ جواب کہ:''وہ سند لکھ کر بریٔ الذمہ ہوگئے ہیں۔'' بجائے خود'' توہین وگستاخی''نہیں ہے؟۔''......بہر حال تصدیق کنندگان کا یہ جواب کہ امام طبریؒ ''سند'' بیان کرنے کے بعد بریٔ الذمہ ہوگئے ہیں' قرآن وحدیث ﴿يا أيها الذين آمنوا ان جائكم فاسق بنبأً فتبينوا﴾ و ﴿كفيٰ بالمرء كذباًأن يحدث بكل ماسمع﴾ کی صریح مخالفت ہے۔''[1]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۷۰......۷۴)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی تاریخ وتفسیر میں توہین آمیز روایات نقل کرنے کی حقیقت:

اِس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ زمانہ خیر القرون میں نقل حدیث وروایت میں تقریباً تمام متقدمین، مفسرین، محدثین اور مؤرخین کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ وہ ایک باب سے متعلق تمام احادیث وروایات ان کی سند کے تذکرے کا سہارا لے کر لاتے تھے، ان کی سند صحیح ہو یا نہ ہو، یا ان کی سند کے باطل ہونے کا انہیں علم بھی ہو، اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، اس لئے کہ سند کا ذکر کرنا احادیث وروایات کے نقل کرنے سے مؤاخذہ سے انہیں بری کر دیتا تھا کیوں کہ اس زمانے میں اسانید کا علم لوگوں کے سینوں میں مکمل طور پر محفوظ تھا، وہ جب بھی کسی سے کوئی حدیث یا روایت نقل کرتے تھے تو فوراً سند کی کسوٹی پر اس کی صحت وسقم کو پرکھ لیتے تھے، اگر سند صحیح ہوتی تو اس حدیث یا روایت کو صحیح مان لیتے اور اگر سند صحیح نہ ہوتی تو اس حدیث یا روایت کو ٹھکرا دیتے تھے۔ اس لئے سند کے ذکر کر دینے سے
نقل حدیث وروایت کے سلسلے میں وہ حضرات مکمل طور پر ہر طرح کے مؤاخذہ سے بری تھے۔

گویا اُس زمانے میں احادیث وروایات کی صحت وسقم کو پرکھنے کا معیار اور تھا اور اِس زمانے میں اور ہے
اس لیے آج کل کے زمانے کو اُس زمانے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

علمائے اہل حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''علم حدیث'' میں علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ کی حیثیت بنیادی سی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ: ''مسند ابوداؤد طیالسیؒ، مسند عبید اللہ بن موسیٰ، مسند امام احمد بن حنبلؒ، مسند اسحاق بن راہویہؒ، مسند عبد بن حمیدؒ، مسند امام دارمیؒ، مسند ابو یعلی موصلیؒ، مسند حسن بن سفیانؒ، مسند بزار ابو بکرؒ اور ان جیسی کتابوں میں اُن کے مصنفین کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر صحابی کی مسند میں اُس کی روایت کردہ احادیث لائیں چاہے وہ احادیث حجت بنیں یا نہ بنیں (اس کی کوئی قید نہیں ہے)۔''

اس کی وضاحت کرتے ہوئے ماضی قریب کے عظیم محقق اور نامور محدث شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۱۴۱۷ھ) لکھتے ہیں:

" وهذا الذي قال ابن الصلاح في عادة أصحاب المسانيد : هو شأن المتقدمين من المحدثين والمفسرين والمؤرخين ، فقد جرت عادتهم أن يوردوا كل ما في الباب من الأحاديث والأخبار ، ولو كان غير صحيح الأسناد ، أو كان اسناده باطلاً يعلمون بطلانه ، اتكالاً منهم علي ذكر سنده

الاسناد) يعيش فيهم علي أتمّ وجه . وما أحسن ما قاله الأستاذ السيد محب الدين الخطيب ﵀ في (مجلة الأزهر) في

المجلد٢٤ (ص ١٢٤١) عنوانها: " (و المرجع الأوليٰ في تاريخنا) . و بدأ فيها بالحديث عن كتاب (تاريخ الأمم والملوك) للامام المحدث المفسرالمؤرخ ابن جريرالطبري رحمه الله تعالي ، فقال:"ان مثل الطبري ومن في طبقته من العلماء الثقات المثبتين – في ايرادهم الأخبار الضعيفة – كمثل رجال النيابة – القضاء – الآن اذا أرادوأن يبحثوا في قضية فانهم يجمعون كل ما تصيل اليه ايديهم من الأدلة والشواهد المتصلة بها مع علمهم بتفاهة بعضها أو ضعفه اعتماداً منهم علي أن كل شيٍّ سيقدر قدره.وهكذا الطبري وكبارحملة الأخبارمن سلفنا كانوا لا يفرطون في خبر مهما علموامن ضعف ناقله خشية أن يفوتهم باهماله شيٌّ من العلم ولو من بعض النواحي ، الا أنهم يوردون كل خبر معزوّاً اليٰ راويه ، ليعرف القارئ قوة الخبرمن كون رواته ثقات أوضعفه من كون رواته لايوثق بهم وبذلک يرون أنهم أدوا الأمانة ووضعوا بين أيديالقرّاء كلّ ما وصلت
اليه أيديهم .

قال الحافظ ابن حجر في ترجمة الطبراني:– سليمان بن أحمد – من (لسان الميزان) ان الحفاظ الأقدمين يعتمدون في روايتهم الأحاديث الموضوعة –مع سكوتهم عنها –علي ذكرهم الأسانيد لاعتقادهم أنهم متي أوردوا الحديث باسناده فقد برئوا من عهدته ، وأسندوا أمره الي النظر في اسناده .

وقال شيخناالامام الكوثري رحمه الله تعاليٰ في كتابه(ألمقالات:
ص ٣١٢ و ٤٦١):

" و أما المحدثون و المفسرون الذين ذكروه - أي الحديث الموضوع - و سكتوا عنه فلا يدل صنيعهم هذا علىٰ صحته عندهم أصلاً ، لأن السلف كانوا يعتقدون براءة ذمتهم من عهدة الخبر الباطل اذا ذكروه بسنده لما في السند من بيان البطلان......ومن يزعم خلاف ذلک فقد جهل
ما هنالک وقول تقويل بلا آفک ! ."

وابن جرير الطبري علىٰ جلالة قدره في الحديث والتفسير والفقه والتاريخ لم يضمن أصلاً صحة ما أورده في (تاريخه) ، بل قال في فاتحته : (۱/۵) : " فما كان في كتابي يستنكره قارئه أو يستشنعه سامعه من أجل أنه لم يعرف له وجهاً في الصحة ، ولا معنىٰ في الحقيقة ، فليعلم أنه لم يُؤت ذلک من قبلنا ، وانما أُتي من قبل بعض ناقليه الينا ، وانما أدينا ذلک علىٰ نحو ما أُدّي الينا ." وقال هناک أيضاً : (۱/۴) : " اذ لم نقصد بكتابنا هذا
قصد الاحتجاج ."[1]

ترجمہ: اوپر جس بات کا ذکر علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے "اصحاب مسانید" کے بارے میں کیا ہے' یہی قدیم مفسرین، محدثین اور مؤرخین کا شیوہ رہا ہے، کیوں کہ اُن عادت یہ تھی کہ وہ ایک باب سے متعلق تمام احادیث واخبار ان کی سند کا سہارا لے کر ذکر کرتے ہیں، چاہے ان کی سند صحیح ہو یا صحیح نہ ہو یا ان کی سند کے باطل ہونے کا انہیں علم ہو، اس لئے کہ سند کا ذکر کرنا ان روایات کے لانے پر مؤاخذہ سے انہیں بری کر دیتا ہے، کیوں کہ ان کے
زمانہ میں علم الاسناد مکمل طور پر سینوں میں محفوظ ہوتا تھا۔

استاذ سید محبّ الدین خطیب نے (مجلّہ الازہر: ج ۲۴ ص ۲۲۳) کے شمارہ میں "ہماری تاریخ میں پہلے مراجع" کے زیر عنوان "امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "تاریخ
الامم والملوک" پر رُوشنی ڈالتے ہوئے کتنی سچی بات لکھی ہے کہ:

لـ (ألتعليقات الحافلة عليٰ الأجوبة الفاضلة لأبي غدة : ص ٩١)

ضعیف روایات نقل کرنے کی مثال آج کل کے دور میں عدالتی پروسیکوٹر کی سی ہے کہ جب وہ کسی مقدمہ کی تحقیق کررہے ہوتے ہیں تو اس سے متعلقہ دستیاب ہونے

والے تمام دلائل اور شواہد اکٹھا کرتے ہیں۔ حالاں کہ انہیں ان میں سے بعض کے بودے اور ضعیف ہونے کا خوب اچھی طرح علم بھی ہوتا ہے، لیکن وہ اس اعتماد پر اسے نقل کرلیتے ہیں ہر چیز کو (خود ہی)
اس کی قدر و قیمت کے مطابق تول لیا جائے گا۔''

اسی طرح امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن جیسے دوسرے حاملین روایات ہمارے اسلاف اپنے تک پہنچنے والی کسی خبر کے بارے میں ضعف جاننے کے باوجود اس روایت میں اس وجہ سے تفریط نہیں کرتے تھے کہ اسے چھوڑ دینے سے علم کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہ جائے۔ البتہ اتنا ضرور کرتے ہیں کہ وہ ہر ایک روایت کو اس کی سند کے ساتھ لاتے ہیں تا کہ قاری معتبر راویوں کی پہچان کی بنیاد پر اس روایت کی مضبوطی کو جان سکے (اور اسے پرکھ سکے) یا پھر غیر معتبر راویوں کی بنیاد پر اس کے ضعیف اور کمزور ہونے کا فیصلہ کرلے۔ اس طرح وہ حضرات سمجھتے تھے کہ ان کے ہاتھوں تک جو کچھ پہنچا ہے انہوں نے اپنے پڑھنے والوں تک
(خوب) دیانت داری کے ساتھ پہنچا دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب ''لسان المیزان'' میں امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ: ''متقدمین حفاظِ حدیث موضوع اور من گھڑت احادیث ان کی سندوں کے ساتھ روایت کر کے ان پر سکوت اختیار کرلیتے تھے، کیوں کہ انہیں خوب اچھی طرح سے یہ بات معلوم تھی کہ جب انہوں نے ایک حدیث سند کے ساتھ روایت کردی ہے تو وہ اپنے عہدے سے برآ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اس روایت (کی صحت و سقم) کا
معاملہ اس کی سند میں غور وخوض کرنے کی طرف پھیر دیتے تھے۔''

ہمارے استاذ علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ''مقالات'' میں فرماتے ہیں کہ: ''رہے محدثین اور مفسرین کہ جو موضوع اور من گھڑت حدیث ذکر کر کے اس پر سکوت اختیار

کر لیتے ہیں، تو اس کا (ہرگز) یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔
کیوں کہ سلف صالحین (متقدمین علمائے کرام) یہ سمجھتے تھے کہ جب وہ ایک غلط، ضعیف
اور کمزور روایت کو (بھی) سند کے ساتھ ذکر کردیں تو وہ اس غلط، ضعیف اور کمزور
روایت کے نقل کرنے کے عہدہ سے برآ ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ سند کے اندر (ہی) ا
س روایت کے باطل ہونے کا ذکر موجود ہوتا ہے۔......اور جو شخص اس کے خلاف سمجھے
تو وہ ابھی تک اس (حقیقت) سے جاہل ہے اور (ان حضرات کے بارے میں) اس کا
یہ گمان ان پر بہتان
لگانے کے مترادف ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان' حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ
میں بالکل اس بات کی ضمانت نہیں دیتی کہ انہوں نے جو روایات اپنی تاریخ میں نقل کی
ہیں وہ
ساری کی ساری صحیح ہوں، بلکہ انہوں نے تو خود اپنی تاریخ کے شروع میں لکھا ہے کہ:

''لہٰذا ہماری اس کتاب (تاریخ طبریؒ) میں کسی خبر و روایت کو پڑھنے والا
اجنبی محسوس کرے، یا سننے والا قبیح قرار دے صرف اس بناء پر کہ وہ اس روایت کو درست
نہیں سمجھتا تو اسے جان لینا چاہیے کہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی ملمع سازی یا رنگ
آمیزی نہیں کی، بلکہ بعض ناقلین سے وہ ہمیں اسی طرح آ پہنچی ہے، پس ہم نے اس کو
اسی طرح آگے لکھ دیا جس طرح
وہ ہم تک پہنچی ہے۔'' (ترجمہ ختم)

علاوہ ازیں صحیحین (بخاری و مسلم) کے علاوہ حدیث کی جو دیگر بڑی بڑی کتابیں' جیسے
جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن دار قطنی، سنن دارمی اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ ہیں تو انہوں
نے اپنی کتابوں میں صرف صحیح روایات کے لانے کا التزام نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ہر قسم کی
روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی اسناد بھی ذکر کردیں تا کہ
روایات کی صحت و سقم کا اندازہ قارئین از خود ان کی اسناد سے لگا سکیں کہ اگر کسی روایت کی سند

صحیح ہوتو اسے قبول کرلیں اور اگر صحیح نہ ہوتو اسے ردّ کردیں۔

چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف صحیح روایات کو نقل کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے بلکہ جو روایت ان تک پہنچتی گئی انہوں نے اس روایت کو اس کی سند کے ساتھ من و عن نقل کردیا اور یہ ذمہ داری قاری پر چھوڑ
دی کہ وہ جس روایت کی سند صحیح پائے اسے صحیح قرار دے اور جس روایت کی سند صحیح نہ پائے اسے ردّ کردے۔

طُرفہ تماشا:

لیکن یہ ایک عجیب طُرفہ تماشا ہے کہ اگر یہی کام مذکورہ بالا محدثینؒ امام ترمذیؒ، امام ابو داؤدؒ، امام دارقطنیؒ، امام دارمیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ حضرات کریں تو وہ محمود قرار پائیں اور اگر امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کریں تو وہ مطعون اور رافضی قرار پائیں؟۔ خدایا! یہ کیا تماشا ہے؟۔ اس کے بارے میں ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے اتنا ہی عرض کریں گے کہ:

فما هو جوابكم فهو جوابنا.

باقی رہا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ کہنا کہ:

''......بہر حال تصدیق کنندگان کا یہ جواب کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ ''سند''
بیان کرنے کے بعد بریٔ الذمہ ہوگئے ہیں' قرآن وحدیث ﴿ **يا أيها الذين آمنوا ان جائكم فاسق بنبأً فتبينوا** ......﴾ و ﴿ **كفيٰ بالمرء كذباً أن يحدث بكل ماسمع** ﴾ کی
صریح مخالفت ہے۔''[1]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۴۷،۴۷)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا محض سند بیان کرکے بریٔ الذمہ ہوجانے سے اُس وقت قرآن وحدیث کی مخالفت لازم آتی جب کہ وہ اپنی منقول شدہ روایات و واقعات پر کلی اعتماد کرکے آنے والی اُمت
کے لئے اُنہیں حرف آخر کے طور پر پیش فرمادیتے، حالاں کہ اُنہوں نے اپنے صاف اور

واشگاف الفاظ میں لکھا ہے:

" اذ لم نقصد بکتابنا هذا قصد الاحتجاج بذلک ." [۱]

ترجمہ: اس کتاب (تاریخ طبریؒ) کے لکھنے کا یہ مقصد نہیں کہ لوگ اسے بطورِ حجت اور دلیل کے پیش کرنے
کا قصد کرنے لگ جائیں۔ (ترجمہ ختم)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے عصر حاضر کے نامور محقق مولانا عبد
المتین منیریؔ صاحب دامت برکاتم لکھتے ہیں:

[۱] (تاريخ الأمم والملوك ألمعروف بتاريخ الطبري : ۱/ ۷ ، ألناشر : دار التراث ، بيروت)

"جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اس لئے نہیں مرتب کی تا کہ لوگ اس سے سند لیں اور حجت پکڑیں، بلکہ ان تک جو پہنچا' آئندہ نسل کے لئے من وعن پیش کر کے علم وروایت کی حفاظت کی اپنی ذمہ داری ختم کر دی۔ اب تحقیق کے مرحلوں سے گزار کر
اسے مستند بنانا آپ کا کام ہے۔"
(بشکریہ ویب سائٹ "فکروخبر" بھٹکل (انڈیا))

چنانچہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی تحقیق اور اُن کی اسانید کی صحت پر علمی دُنیا میں کافی تحقیقی کام ہوا
بھی ہے اور ہو بھی رہا ہے۔

بطورِ مثال کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

﴿۱﴾ ....."**تحقيق مواقف الصحابة في الفتنةمن روايات الامام الطبري والمحدثين.**" تصنیف: ڈاکٹر

المحزون، صفحات ۲۹۴۔

اس کتاب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین دورِ فتنہ سے متعلق امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ روایات دیگر محدثین کی
نقل کردہ روایات سے موازنہ کر کے ایک ایک راوی اور ایک ایک واقعہ پر سیل حاصل بحث کی گئی
ہے۔

﴿۲﴾......"مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري ."تصنیف: یحیٰی بن ابراہیم بن علی الیحیٰی، صفحات: ۲۵۸۔

اس کتاب میں "تاریخ طبریؒ" کے اہم ضعیف راوی ابومخنف کی ایک ایک روایت کی چھان بین اور اُس کی
تحقیق کی گئی ہے۔

﴿۳﴾......"رجال تفسير الطبري جرحاً وتعديلاً"، تصنیف: محمد صبحی بن حسن الحلاق، صفحات ۶۰۸۔

اس کتاب میں تفسیر طبریؒ کے جملہ راویوں کی فرداً فرداً تحقیق کی گئی ہے۔ اور اِس سلسلے میں دو عظیم علماء "شیخ
احمد شاکر" اور "شیخ محمود شاکر" کی رائے بیان کی گئی ہے۔

﴿۴﴾......" صحيح تاريخ الطبري وضعيف تاريخ الطبري ."تصنیف: محمد طاہر البرزنجی، اشراف: محمد صبحی
حسن حلاق۔

تیرہ (۱۳) جلدوں میں مطبوعہ اِس کتاب میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایک روایت کے بارے میں
اُس کے صحیح یا ضعیف ہونے کے متعلق تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔
اِس طرح طبری کی سند کے ایک ایک راوی اور روایت کردہ واقعات کی تحقیق کی گئی ہے اور اُن کا موازنہ

مستند محدثین کی روایات سے کیا گیا ہے۔

خاص طور پر سعودیہ کی یونی ورسٹیوں میں ان موضاعات پر ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیقی مقالات تیار ہوئے ہیں

اور اِس کے علاوہ اور کئی یونی ورسٹیوں میں اِن تشنہ موضوعات پر باقاعدہ مقالات لکھے جارہے ہیں۔" [۱]

حیرت ہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کرنے والے اِن مقالہ نگاروں میں سے کسی ایک مقالہ نگار اور محقق کے ذہن میں بھی اس وسوسہ کا شائبہ تک نہ گزرا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تمام تر روایات جمع کر کے عظیم

صحابی کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی اور اُن پر تنقید کی ہے؟۔

ا (بشکریہ: ویب سائٹ ''فکروخبر'' بھٹکل (انڈیا) بتغیر یسیر)

﴿۳﴾
مفسرقرآن امام ابوبکرالجصاص الرازی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۳۷۰ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: احمد، کنیت: ابوبکر، لقب: جصاص، اوروالد کا نام: علی ہے۔
پورا سلسلۂ نسب یہ
ہے:
''احمد بن علی بن حسین......الخ۔''

''جصّ'' عربی میں ''چونے'' کو کہتے ہیں اورآپؒ چوں کہ ''چونے'' کا کام کرتے تھے اس لئے''جصاص'' کے لقب سے مشہور ہوئے، اور چوں کہ آپؒ کی ولادت ''رے'' نامی شہر میں ہوئی تھی، اِس لئے ''رازی'' بھی کہلانے لگے، نیز چوں کہ آپؒ ''حنفی المذہب'' بھی تھے اس لئے حنفی بھی کہلانے لگے۔ آپؒ بجاطور پر امام زمانہ، مجتہد وقت،
علامۂ عصر، حافظ الحدیث، صاحب عفت ودیانت اور عابد وزاہد عالم تھے۔

ولادت باسعادت:

امام ابوبکرالجصاص رحمۃ اللہ علیہ ۳۰۵ھ بمطابق ۹۱۷ء کو پیدا ہوئے، اورپچیس سال کی عمر میں بغداد کی طرف منتقل ہوگئے، وہیں سکونت اختیار کی، اور وہیں کے فقہاء سے علم حاصل کیا، اورآپؒ ہی پر ''ریاست حنفیہ'' منتہی

ہوتی ہے۔

علمی مقام:

بعض علماء نے آپؒ کو ''طبقۂ اصحاب تخریج'' میں شمار کیا ہے، لیکن یہ آپؒ کی ذات کے ساتھ انصاف نہیں ہے، چنانچہ بعض فضلاء نے آپؒ کو ''طبقۂ اصحاب تخریج'' میں شمار کرنے کو در حقیقت آپؒ پر ظلم کرنے کے مترادف گردانا ہے اور کہا ہے کہ اگر آپؒ کی گراں قدر تصانیف اور علمی خدمات کو سامنے رکھا جائے تو شمس الائمہ وغیرہ فقہاء جن کو ﴿**أصحاب مجتهدين في المسائل**﴾ میں شمار کیا گیا ہے آپؒ کے سامنے بمنزلہ طفل دبستان کے نظر آتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں آپؒ کو کیوں کر ﴿**طبقة مجتهدين في المسائل**﴾ میں شمار نہ کیا جائے ؟۔

تقویٰ وطہارت:

علامہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کے امام تھے، زہد و تقویٰ میں آپؒ مشہور تھے، آپؒ کو عہدۂ قضاء
سونپا گیا، لیکن آپ نے اُس کو قبول سے انکار کر دیا، دوبارہ عہدہ سونپا گیا، لیکن پھر بھی آپؒ نے قبول نہیں فرمایا۔

اساتذہ وشیوخ:

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے مندرذیل اصحاب علم اور اربابِ فضل وکمال کے سامنے زانوئے تلمذ
طے کیے:

﴿۱﴾ ابی سہل الزجاج۔

﴿۲﴾ ابوالحسن الکرخی۔

ان کے پاس آپؒ کافی لمبا عرصہ رہے اور انہیں کے یہاں سے سند فراغت حاصل کی۔

علامہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں تدریس کرتے رہے اور وہیں ان کی رحلت ہوئی۔ زہد، تقویٰ اور پرہیز گاری میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن رہے۔ پچیس برس کی عمر میں آپؒ بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل علم کیا، پھر ''اہواز'' کی طرف روانہ ہوگئے، پھر دوبارہ ''بغداد'' تشریف لائے اور پھر اپنے استاذ ابوالحسن الکرخی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور مشورے سے امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ''نیشاپور'' چلے گئے، اور ابھی آپؒ نیشاپور ہی میں تھے کہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا، ۳۴۴ھ میں پھر ''بغداد'' واپس تشریف لائے اور امام ابوبکر احمد بن موسیٰ خوارزمیؒ، امام ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مہدیؒ فقیہ جرجان، امام قدوریؒ کے استاذ امام ابوالفرج احمد بن محمد بن عمرؒ (جو کہ ابن مسلمہ کے لقب سے مشہور ہیں) امام ابوجعفر محمد بن احمد نسفیؒ، امام ابوالحسین محمد بن احمد بن احمد الزعفرانیؒ، اور امام ابوالحسین محمد بن احمد الطیب الکماریؒ
قاضی واسط قاضی اسمٰعیل کے والدؒ سے علم فقہ حاصل کیا۔

جب کہ حدیث کی روایت دو اساتذہ سے کی:

(۱) عبدالباقی بن قانع۔

اپنی آپ تفسیر ''احکام القرآن'' میں آپؒ نے بہ کثرت روایات اِن سے اخذ کیں۔

(۲) ثعلب کے غلام ابوعمر۔

تصانیف:

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کی چند اہم اور گراں قدر تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾ احکام القرآن ﴿۲﴾ شرح مختصر شیخ ابوالحسن الکرخی ﴿۳﴾ شرح مختصر الطحاوی ﴿۴﴾ شرح جامع محمد بن حسن ﴿۵﴾ شرح اسماء الحسنٰی ﴿۶﴾ کتاب اُصولِ فقہ (علامہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُصولِ فقہ میں یہ ایک مفید کتاب ہے۔) ﴿۷﴾ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات اور اُن کے جوابات (یعنی اپنے اوپر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات)

وفات حسرت آیات:

علامہ ابن النجار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے پینسٹھ (۶۵) برس کی عمر پا کر یوم دوشنبہ (پیر کے دن) ۷ ذی الحجہ ۳۷۰ھ کو بمقام نیشاپور وفات پائی (اور اس طرح علم کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہمیشہ کے
لئے خاموش ہو گیا۔) آپؒ کی نمازِ جنازہ آپؒ کے ساتھی امام ابوبکر الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔[1]

امام ابوبکر الجصاص اور اُن کی تفسیر ''احکام القرآن'':

اس میں شک نہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''احکام القرآن'' اس باب میں کوئی پہلی تصنیف نہیں ہے، بلکہ آپؒ سے پہلے بھی کئی علماء نے اِس موضوع پر قابل قدر کام کیا ہے، لیکن آپؒ کی یہ تصنیف ''احکام القرآن''
اِس موضوع اور اِس فن میں تصنیف شدہ دیگر تمام تفاسیر سے کئی ایک وجوہ کی بناء پر ممتاز اور فائق شمار کی جاتی ہے مثلاً:

۱- آیات احکامات سے شرعی مسائل کے استنباط کرنے میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا ملکہ اور قوۃ بہ نسبت

[1] (ألجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي : ۱/۸۵ ، ألناشر : مير محمد كتب خانه ، كراتشي ، ألباكستان)

دوسرے علماء کے کہیں زیادہ ہے۔

۲- امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ آیات احکامات سے مسائل مستنبط کرنے کے ساتھ ساتھ علماء کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں، پھر اِس سے قرآن وسنت اور لغات عربیہ اور اپنی فکری ونظری قوت سے خوب شرح وبسط کے ساتھ
دلائل ذکر کرتے ہیں۔

۳- پھر صرف یہی نہیں بلکہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنے مجتہدانہ علم وفضیلت کی رُوشنی میں ان دلائل کی

توجیہات اور مرجوح دلائل کا مرجوح اور راجح کا راجح ہونا بھی بیان فرماتے ہیں۔

۴-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہمسائل شرعیہ سے متعلقہ آیات کی تفسیر بڑی بالغ نظری سے فرماتے ہیں۔

۵-جہاں کہیں قرآن وحدیث یا ائمہ مجتہدین کی آراء کا کوئی تعارض یاٹکراؤ آجائے توامام جصاص رحمۃ اللہ
علیہ اُن میں بڑے اہتمام سے تطبیق دیتے ہیں۔

۶-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہجہاں اسلامی اور تشریعی اُمور کے مظاہر ومحاسن بیان فرماتے ہیں تو وہیں کسی
عالی مقام شخصیت کے صفات محمودہ کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔

مثلاً ایک جگہ اسلامی اور تشریعی مظاہر محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''دس چیزیں فطرت میں سے ہیں......'' اور پھر اُس کے بعد دو عالی مقام انسانوں (انبیاء) کی صفات محمودہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ مذکورہ دس فطری چیزیں
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں سے ثابت ہیں۔

۷-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ تاریخ سے متعلقہ تمام چیزوں کے ذکر کرنے کا غایت درجہ اہتمام فرماتے
ہیں۔

یہ چند خصوصیات اس کتاب کی ایسی ہیں جن میں کوئی دوسری کتاب اس کی ہمسری نہیں کرسکتی۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن اِن تمام تر فضائل اور ظاہری وباطنی خوبیوں کے باوجود دشمنوں اور حاسدوں کی طعن وتشنیع سے آپ کسی طرح بھی بچ نہ سکے، کسی نے آپ پر معتزلی ہونے کا الزام لگایا ہے تو کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقد ہونے
کا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (امام جصاصؒ) معتزلی عقائد سے متاثر تھے اور اُن کا یہ رجحان اُن کی تفسیر میں صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، امام ابوبکر جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض وعناد میں جملہ ''دُشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ'' سے سبقت لے گئے ہیں، موصوف کی تفسیر ''احکام القرآن'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے قلم نے ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا زہر بکھیرا ہے:''**صدق الله مولانا العظيم قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفي صدورهم أكبر**............ ''ترجمہ: ظاہر ہو چکا ہے بغض اُن کے مونہوں سے اور جو چھپا رکھا ہے اُن کے
سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔

محقق اہل سنت اور شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ راولپنڈی مولانا ابوریحان عبد
الغفور
صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ ان (امام جصاصؒ) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خدا واسطے کا بیر اور بغض ہے، احکام القرآن میں کوئی موقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، جہاں ذرا سا بھی موقع ملتا ہے اِن پر ضرور چوٹ کرتے ہیں
، بلکہ موقع نہ ہو تو
موقع نکال لیتے ہیں۔

اُن کے نزدیک چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قابل ''تولّی'' نہیں بلکہ ہیں ہی قابل تبرا، اس لئے بایں ہمہ علم وفضل اور امامت واجتہاد اپنے مقام رفیع سے کہیں نیچے اُتر کر اُن پر خوب تبرا کرتے ہیں، چوں کہ مجتہد ہیں اس لئے اُن کا یہ تبرا بھی مجتہدانہ شان کا حامل ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسا تبرا نہ اُن سے پہلے آپ نے کسی سُنی حنفی امام سے سُنا ہو گا نہ اُن کے
بعد۔'' [1]

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ:

اس میں شک نہیں کہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی معرکۃ الآراء تصنیف ''احکام القرآن'' میں بعض باتیں ایسی ضرور موجود ہیں کہ جن پر بظاہر نقد کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، لیکن اِس سے پہلے کہ ہم بادی النظر میں لکیر

لے (سبائی فتنہ: طبع دوم ص ۶۲۰، ۶۲۱ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۹۲)

کے فقیر بن کر آپؒ پر طعن و تنقید اور خواہ مخواہ اعتراضات کی بوچھاڑ کرنا شروع کر دیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کی
بعض ایسی باتوں کا تحقیق کی گہرائی میں جا کر علمی و تحقیقی کا جائزہ لیں، اور اُن کی اصلیت سامنے لے کر آئیں۔

چنانچہ جن باتوں کی وجہ سے آپؒ عرصۂ دراز سے طعن و تنقید کا ہدف اور نشانہ بنتے چلے آئے ہیں وہ باتیں
مندرجہ ذیل ہیں:

۱-بعض مسائل میں آپؒ معتزلی مذہب سے متاثر تھے۔

۲-حنفی مذہب کے ساتھ آپؒ کا گہرا تعلق رہا، جسے بعض لوگ ''تعصب مذہبی'' بھی کہہ دیتے ہیں۔

۳-بعض علمی شخصیات کے متعلق آپؒ کا مؤقف تھوڑا بہت سخت رہا۔

۴-تفسیری میدان میں آپؒ نے کثرت استطراد سے کام لیا۔(''استطراد'' اس کو کہتے ہیں کہ ایک کلام کو
اس طرح بیان کرنا کہ اُس سے کوئی دوسرا کلام لازم آئے۔)

۵-بعض راویوں پر آپؒ نے بلا دلیل جرح و تنقید کی۔

۶-قرآنی آیات کی تفسیر آپؒ نے بعض ضعیف احادیث سے کر دی اور اُن احادیث کا ضعیف ہونا بتلایا تک

نہیں۔

چوں کہ ہماری اِس کتاب کا موضوع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے متعلق اکابر علمائے اہل سنت کی عبارات کا دفاع کرنا ہے، اِس لئے موقع ومحل کی مناسبت سے ہم یہاں صرف امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر کیے جانے والے اُن ہی اعتراضات کا جواب دیں گے جن میں پہلے آپؒ کو معتزلی اور پھر اعتزال کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد وگستاخ ٹھہرایا گیا ہے۔ رہے دوسرے اعتراضات تو اُن کا جواب اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ہم اپنی دوسری کتاب ''عباراتِ اکابر'' میں پیش کریں گے۔

بعض مسائل میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے معتزلی مذہب سے متاثر ہونے کی حقیقت:

پہلا اعتراض امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ بعض علماء نے آپؒ کو فکری اور نظریاتی طور پر
''معتزلی افکار ونظریات'' سے متاثر لکھا ہے۔

چنانچہ مشہور حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپؒ کے تمام تر کمالات جمیلہ و اوصاف حمیدہ اور آپؒ کے عالم وزاہد اور متقی وپرہیزگار ہونے اور آپؒ کے قاضی القضاۃ جیسے بڑے منصب کو ٹھکرانے کا بجا طور پر اعتراف کرنے
کے بعد لکھتے ہیں:

'' وقيل: كان يميل الي الاعتزال وفي تآليفه مايدل عليٰ ذلك في رؤية الله وغيرها ، نسأل الله السلامة . '' [1]

ترجمہ: اور کہا جاتا ہے کہ آپؒ ''معتزلی مذہب'' کی طرف مائل تھے، اور آپؒ کی تصانیف میں ایسے نظریات پائے جاتے ہیں جو ''رؤیت باری تعالیٰ'' وغیرہ مسائل میں اِس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

پہلا جواب:

لیکن اوّل تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت لفظ ''قیل'' کے ساتھ ذکر کی ہے،

جس سے اِس کا ضعیف
ہونا خود ثابت ہو رہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابوالبقاء ایوب بن موسیٰ الکفوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۹۴ھ)
لکھتے ہیں:

”و (قيل) فيما فيه اختلاف وفي بعض شروح الكشاف: فيه
اشارة
اليٰ ضعف ما قالوا.“ [2]

ترجمہ: اور لفظ ”قیل“ کا استعمال اُس جگہ کیا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو،
اور تفسیر
کشاف کی بعض شروح میں ہے کہ لفظ ”قیل“ میں ضعیف جواب کی طرف اشارہ ہوتا
ہے۔

لہٰذا یہ روایت باطل، مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے اور اِس قدر کمزور ہے کہ
اِس پر اعتماد نہیں کیا
جاسکتا۔

دوسرا جواب:

اور دوسرے یہ کہ بعض معتزلی علماء اور منصور باللہ جیسے بعض دوسرے حضرات نے ’
’طبقات معتزلہ‘‘ کے
بارہویں طبقہ میں آپؒ کا ذکر کیا ہے، جس کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ آپؒ کو معتزلی کہنا
شروع کر دیا، حالاں کہ
جہاں تک ہم نے دیکھا ہے علمائے متقدمین میں سے جن جن علماء نے آپؒ کا تذکرہ کیا ہے،
خصوصاً جنہوں نے ”تراجم

[1] (سير أعلام النبلآء للذهبي: ۱۲/۳۳٤، ألناشر: دار الحديث، ألقاهرة)

۲؎ (ألكليات معجم في المصطلحات و الفروق اللغوية للكفوي : ۱/ ۲۸۸ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة)

حنفیۃ‘‘ پر کام کیا ہے، اُن میں سے آپؒ کا معتزلی افکار ونظریات کا حامل ہونا یا معتزلی عقائد سے متاثر ہونا کسی ایک نے
بھی ذکر نہیں کیا۔ ۱؎

پس ثابت ہوا کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نہ تو معتزلی المذہب تھے اور نہ ہی معتزلی مذہب سے متاثر تھے
بلکہ آپ ایک پکے اور سچے سنی حنفی المذہب عالم تھے۔

ہمارے اِس دعوے پر مندرذیل قرائن دلالت کرتے ہیں:

پہلا قرینہ:

اوّلاً تو اس وجہ سے کہ جن علماء نے آپؒ کی نسبت معتزلہ کے مذہب کی طرف کی ہے اُن کے دو فریق ہیں:

۱- ایک فریق تو وہ ہے جس نے آپؒ کو ’’طبقات معتزلہ‘‘ میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ بعض معتزلی مؤلفین کہ
جنھوں نے معتزلی مذہب میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔

۲- اور دوسرا فریق وہ ہے جس نے اگر چہ آپؒ کو صاف طور پر معتزلی تو نہیں کہا، لیکن معتزلہ کی طرف مائل ہونا ذکر کیا ہے، جیسے علامہ ذہبیؒ اور بعض دیگر آپؒ کے ہم عصر علماء۔ اور یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ جن علماء نے آپؒ کا معتزلی مذہب کی طرف مائل ہونا ذکر کیا ہے اُنہوں نے بھی صرف اِس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ معتزلی علماء نے آپؒ کا تذکرہ ’’طبقات معتزلہ‘‘ میں کیا ہے، حالاں کہ محض ’’طبقات معتزلہ‘‘ میں آپؒ کا تذکرہ ہو جانے سے آپؒ کا معتزلی المذہب ہونا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ جن معتزلی علماء نے طبقات معتزلہ تالیف کیے ہیں جیسے امام قاضی عبد الجبار، اور علامہ ابن المرتضیٰ وغیرہ چوٹی کے علماء ہیں، ان لوگوں نے ایسے ایسے علماء کا ’’طبقات معتزلہ‘‘ میں

تذکرہ کیا ہے کہ جن کا دُور کا یا قریب کسی بھی طرح کا معتزلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

''طبقاتِ معتزلہ'' کے مؤلفین نے ان کتابوں کو چند طبقات پر تقسیم کیا ہے:

لے " **هذا في حين أن بعض المؤلفين في طبقات المعتزلة (وهم من المعتزلة) عدوه من الطبقة الثانية عشر من طبقاتهم ...... وجاء في كتاب تراجم الرجال : ذكره المنصور بالله في طبقات المعتزلة ...... هذا ولم أجد أحداً من المتقدمين ممن كتبوا في التراجم ولا سيما تراجم الحنفية ذكر أن الجصاص من المعتزلة سويٰ هٰؤلاء المذكورين .**"(ألامام أبوبكر الرازي الجصاص و منهجه في التفسير لخليلوفيتش (بحذف و اختصار) : ص ٥٣٦ ، ٥٣٧ ، ألناشر : دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع والترجمة)

پہلے طبقہ میں حضرات خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا
تذکرہ کیا۔ دوسرے طبقہ میں دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا۔ تیسرے طبقہ میں اکابر تابعین رحمہم اللہ کا تذکرہ کیا۔ اسی
طرح چلتے رہے یہاں تک کہ بارہویں اور آخری طبقہ میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص محض اس وجہ سے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کو معتزلی المذہب کہے گا کہ علمائے معتزلہ نے آپؒ کا تذکرہ ''طبقاتِ معتزلہ'' میں کیا ہے، تو پھر اِس سے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابر
تابعین رحمہم اللہ کا بھی معتزلی المذہب ہونا لازم آئے گا اور یہ بات عقلاً محال اور واقعہ کے خلاف ہے۔

دوسرا قرینہ:

اور ثانیاً اس وجہ سے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی زندگی میں بیسیوں ایسے مسائل

سے پالا پڑا کہ جن میں معتزلہ نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے، اِس کے باوجود آپؒ نے معتزلی مذہب نہیں اپنایا، بلکہ اُلٹا ایسے مسائل میں اہل سنت والجماعت کا دفاع کیا ہے، چنانچہ اثبات عذاب قبر اور اثبات ثواب قبر، وعد اور وعید، اور قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے نہ کہ مخلوق ہونے وغیرہ جیسے مسائل جو معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان عرصۂ دراز سے معرکۃ الآراء چلے آرہے ہیں، آپؒ نے اہل سنت والجماعت کی خوب کھل کر وکالت اور اُن کا دفاع کیا ہے اور اِس کے
مقابلے میں معتزلہ کا خوب سے خوب تر ردّ کیا ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف و آیت تمکین کے مصداق ہیں؟

دوسرا اعتراض امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپؒ کا مؤقف تھوڑا بہت سخت رہا ہے۔ چنانچہ اثنائے تفسیر میں بعض مقامات پر آپؒ نے ایسا کلام فرمایا ہے جو عدل وانصاف کی بہ
نسبت بغض ونفرت کے زیادہ قریب ہے۔ بطور نمونہ کے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلی مثال:

۱-سورۃ الحج کی اس آیت مبارکہ: ﴿ ألذين ان مكنهم في الأرض أقاموا الصلوة وآتوا الزكوة
وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الأمور ﴾[۱]

[۱] (ألحج : ۲۲/۴۱)

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم اِنہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ (ترجمہ ختم)[۱]

[۱] (آسان ترجمۂ قرآن: ۲/۱۰۲۶)

اس کی تفسیر میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

" هذه صفة الذين أذن لهم في القتال بقوله تعاليٰ : ﴿ أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا ﴾......اليٰ قوله ......﴿ ألذين ان مكنهم في الأرض أقاموا الصلوة وآتوا الزكوة و أمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ﴾ وهذه صفة المهاجرين ، لأنهم الذين أخرجوا من ديارهم بغير حق ، فأخبر تعاليٰ أنه ان مكنهم في الأرض أقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ، وهو صفة الخلفاء الراشدين ألذين مكنهم الله في الأرض ، وهم أبوبكر وعمر وعثمان و عليّ (رضي الله عنهم) وفيه الدلالة الواضحة علي صحة امامتهم لاخبار الله تعاليٰ بأنهم اذا مكنوا في الأرض قاموا بفروض الله عليهم ، وقد مكنوا في الأرض ، فوجب أن يكونوا أئمة ألقائمين بأوامر الله منتهين عن زواجره ونواهيه . ولايدخل معاوية في هٰؤلاء ، لأن الله انما وصف بذلک المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم ، وليس معاوية من

المهاجرين ، بل هو من الطلقاء ." [1]

ترجمہ: یہ اُن لوگوں کی صفت ہے جنہیں قتال کی اجازت دے دی گئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا ﴾ ...... اليٰ قوله ...... ﴿ ألذين ان مكنهم فيالأرض أقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروابالمعروف ونهوا عن المنكر ﴾ یہ مہاجرین کی صفت ہے، اس لئے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ اُنہیں زمین میں اقتدار بخشے تو وہ

[1] (أحكام القرآن للجصاص : ٨٣/٥ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کریں گے، یہ خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی صفت ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار بخشا تھا، اس میں اِن حضرات کی امامت کی صحت پر واضح دلیل موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اُنہیں جب زمین میں اقتدار حاصل ہو جائے گا تو یہ اُن فرائض کی ادائیگی کریں گے جو اِن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ہوں گے، اُنہیں زمین میں اقتدار بخشا گیا، اس لئے اُنہیں ایسے ائمہ تسلیم کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی ادائیگی پر کمر بستہ اور اُس کے زواجر ونواہی سے کنارہ کش رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں شامل نہیں ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صفت سے اُن مہاجرین کو متصف کیا تھا جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے نہیں ہیں، بلکہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں ''فتح مکہ'' کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی گرفت اور سزا سے آزاد فرما دیا تھا ایسے لوگوں کو ''طلقاء'' کہا جاتا ہے۔

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''امام جصاص آیت تمکین: ﴿ ألذين ان مكنهم في الأرض ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: اس آیت میں خلفائے راشدین کے اوصاف ذکر کیے گئے ہیں اور وہ حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی امامت جائز اور دُرست تھی، اس لئے کہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو جب زمین کا اقتدار

سونپا جاتا ہے تو وہ اللہ کے فرائض وواجبات کو قائم کرتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ خلفاء کو اقتدار عطا کیا گیا اس لئے خلفائے راشدین خداوندی

اوامر واحکام کو نافذ کرنے والے اور شرعی منہیات ومحرمات سے باز رہنے والے تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اُن کے زُمرے میں شامل نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ اس آیت میں

مہاجرین کا ذکر کیا گیا ہے اور معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجر نہ تھے بلکہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔[1]

[1] (أحكام القرآن للجصاص : ۳/ ۳۰۳، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۹۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف وآیت تمکین کے مصداق نہیں ہیں!:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں کون سی کوئی ایسی قابل اعتراض بات ہے کہ جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات یا آپ کا مقام صحابیت کسی بھی طرح مجروح ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا صفات سے صرف اُنہی مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو متصف کیا ہے جنہیں اُن کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، اور وہ چار حضرات ہی ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چوں کہ ان مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ تھے، بلکہ اُن لوگوں میں سے تھے جنہیں ''فتح مکہ'' کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی گرفت اور سزا سے آزاد فرما دیا تھا اور ایسے لوگوں

کو ''طلقاء'' کہا جاتا ہے، اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ متصف کردہ صفات میں شامل کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے ذاتی اوصاف وکمالات اور فضائل ومناقب اس سے کم ہیں کہ اُنہیں بلاوجہ چند ایک ایسی صفات کے ساتھ متصف کردیا جائے کہ جن سے صرف حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
ہی متصف ہوسکتے ہیں؟۔

دراصل امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ نکتہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ چوں کہ خلافت راشدہ موعودہ صرف چار صحابہ (حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم) ہی میں منحصر ہے، بعد کے خلفاء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ خلفاء کی خلافت اگرچہ ان حضرات کی ہی خلافت کے نقش قدم پر تھی، لیکن چوں کہ موعودہ نہیں تھی، اِس لئے بادی النظر میں جو یہ محسوس ہورہا تھا کہ شاید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی خلافت راشدہ موعودہ ہی ہے اس وہم کو دُور کرنے کے لئے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو حضرات خلفائے
راشدین رضی اللہ عنہم کی ذات سے ممتاز کرنے کے لئے علیحدہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر اگر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے تو وہ یہ کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے آپؓ کو ''طلقاء'' میں سے شمار کیا ہے، تو یاد رکھنا چاہیے کہ ''طلقاء'' میں سے ہونا کوئی عیب کی
بات نہیں، ہم اس مسئلہ پر شروع کتاب میں سیر حاصل بحث ہم کر آئے ہیں۔ **فلیراجع .**

دوسری مثال:

۲- اسی طرح سورۃ النور کی اس آیت مبارکہ:

﴿ وعد الله الذي آمنوا منكم و عملوا الصالحاتليستخلفنهم في الأرض ...... ﴾ ۱

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں
اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُنہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا......الخ۔ ۲
کی تفسیر میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فيه الدلالة علي صحة نبوة النبي صلي الله عليه وسلم لأنه قصر ذلک علي قوم بأعيانهم......فوجد مخبره علي ما أخبر به فيهم . وفيه الدلالة علي صحة امامة الخلفاء الأربعة أيضاً ، لأن الله استخلفهم في الأرض ومكن لهم كما جاء الوعد . ولا يدخل فيهم معاوية لأنه لم يكن مؤمناً في ذلک
الوقت ." ۳

ترجمہ: اس آیت میں حضور ﷺ کی نبوت کی صحت پر دلالت موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو ایک متعین گروہ کے ساتھ فرما کر خاص کر دیا ہے، پھر اُس نے اس گروہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیے گئے جس وعدے کی حضور ﷺ کے ذریعے خبر دی تھی واقعاتی طور پر وہ حرف بحرف درُست ثابت ہوئی، اس میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی صحت پر بھی دلالت موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ اُنہیں زمین میں خلافت عطا فرمائی تھی اور غلبہ دیا تھا، ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شامل نہیں ہیں، کیوں کہ آیت کے
نزول کے وقت آپؓ ایمان نہیں لائے تھے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''موصوف آیت استخلاف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: ''اس آیت سے ثابت
ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی امامت صحیح ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حسبِ
وعدہ ان کو

ا (ألنور : ٢٤/٥٥)

۲ (آسان ترجمۂ قرآن: ۲/۱۰۸۴، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

۳ (أحكام القرآن للجصاص : ٥......١٩٠ ، ١٩١ ، ألناشر : دار احياء التراث
العربي ، بيروت ، لبنان)

خلافت ارضی سے نوازا تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے زمرے میں اس لئے داخل نہیں کہ وہ اس
وقت
تک ایمان نہیں لایا تھا۔'' [۱]

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت صاف اور بے غبار ہے!:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی بالکل صاف اور بے غبار ہے، اس لئے کہ
جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان ہی نہیں لائے تھے تو وہ اِس کے
مصداق کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ پتہ نہیں لوگ خواہ مخواہ کھینچا تانی کر کے اُنہیں اِس آیت کا مصداق
کیوں کر ٹھہراتے ہیں؟ نیز اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی خلافت راشدہ موعودہ ہی کے
طرز پر تھی، لیکن چوں کہ وہ خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی، اِس لئے براہِ راست اور اصالۃً حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس آیت کا اطلاق کرنا کسی طرح بھی درُست نہیں، البتہ تبعاً اور ثانوی درجہ
میں دیگر حضرات
خلفائے راشدین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی طرح آپ رضی اللہ عنہ پر خلیفہ راشد کا
اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

تیسری مثال:

۳- پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

’’موصوف سورۃ الحجرات کی آیت ﴿ قتال اهل البغي ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ’’حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑائی میں حق پر تھے، اِس کے برخلاف معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا باغی تھے،

علاوہ ازیں جس نے بھی ان کے خلاف خروج کیا وہ باغی ہے۔‘‘ ۲

اور ڈاکٹر صفوت مصطفیٰ خلیلو فیتش لکھتے ہیں:

’’ فهذه الأقوال فيها تشهير بمعاوية وانتقاص من شأنه وكان أوليٰ بالجصاص رحمه الله أن يترك مثل هذا التحامل عليه وأن يفوض أمره اليٰ الله ، خصوصا أن معاوية معدود من الصحابة ، وهو أيضا من كتاب الوحي ألذين ارتضاهم رسول الله واختارهم بنفسه لهذه المهمة الخطيرة ...... و ينبغي للانسان أن يلتزم بالأدب اذا ما تعرض للحديث عن مثل هذه

۱ (احکام القرآن: ص۴۰۶ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۵۴)
۲ (احکام القرآن: ص۴۹۲ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۵۴)

هذه الشخصية وأن يفوض أمرها الي الله .'' ۱؎

ترجمہ: پس ان اقوال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کا پہلو پایا جاتا ہے زیادہ مناسب یہ تھا کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر اس طرح درپے ہونے کو ترک کرتے اور اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیتے، بالخصوص اس وجہ سے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، نیز آپؓ اُن ''کاتبین وحی'' میں سے ہیں کہ جنہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہتم بالشان کام (وحی) کی خاطر اپنی ذات کے لئے منتخب کر رکھا تھا...... آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) جیسی شخصیت کے بارے میں کوئی بات کرنے لگے تو ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور (اگر اِس طرح کی شخصیت کی ذات میں کوئی خلاف واقع بات نظر آجائے تو) اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

''جصاص کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض ہے اچھا ہوتا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں ملوث نہ کرتے اور اُن کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے۔

مذکورہ صدر آیات کو اپنے جذبات ونظریات کے سانچہ میں ڈھالنا بھی کوئی قابل تعریف کام نہیں۔'' ۲؎

امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو باغی نہیں تو پھر اور کیا کہا جائے؟

ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سمیت دیگر معترضین حضرات سے بھی یہ بات پوچھتے ہیں کہ امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو اگر ''باغی'' نہیں کہا جاسکتا تو پھر اُسے اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ اگر آپ لوگ جنگ صفّین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو ایک برحق جماعت مانتے ہو (جیسا کہ واقع میں بھی یہ لوگ حق پر تھے) تو پھر خواہ مخواہ آپ حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو باغی ماننا پڑے گا۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ

ل (ألاما أبو بكر الرازي الجصاص و منهجه في التفسير : ص ٥٦٧ ، ألناشر : دار السلام للطباعة و النشر و التوزيع)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۹۳)

اور اُن کی جماعت کو ناحق اور باغی کہتے ہو(حالاں کہ یہ بات خلافِ واقع ہے) تو پھر خواہ مخواہ آپ حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو برحق ماننا بڑے گا حالاں کہ یہ بات عقلاً ونقلاً کسی طرح بھی دُرُست نہیں۔ اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو بھی برحق مانا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو بھی برحق کہا جائے کہ یہ دو متضاد باتیں ایک جگہ اکٹھی جمع نہیں ہوسکتیں، لہٰذا خواہ مخواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو برحق اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو خلیفہ برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے کی وجہ سے ''باغی'' ماننا پڑے گا، وگرنہ حدیث عمار: ﴿تقتلک ألفئة الباغية﴾ کا بے محمل ہونا لازم آئے گا اور یہ بات محال اور ناممکن ہے۔

نیز کیا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی چند ایک مخصوص صفات کہ جن کے ساتھ اُنہیں خاص طور پر متصف کیا گیا ہے خواہ مخواہ کھینچ تان کر کسی دوسرے کے ساتھ ان کو متصف کرنا، امام برحق کے خلاف ناحق خروج کو بغاوت نہ کہنا، اور حدیث عمار ﴿تقتلک ألفئة الباغية﴾ کے محمل کے موجود ہونے کے باوجود اس کو اس کے حقیقی محمل پر محمول نہ کرنا بلکہ اسے بھی اپنے جذبات ونظریات ہی کے سانچہ میں ڈھالنا یہ بھی کوئی قابل تعریف کام ہے اور کیا آپ جیسے متعصبین لوگوں کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض نہیں ہے؟؟؟۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر بدعت کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چوتھی مثال:

۴-''جناب جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قول: ﴿ **توریث المسلم من الکافر** ﴾ کو''احداث فی الاسلام''اور''بدعت شرعی'' قرار دیتے ہیں ۔ملاحظہ ہواحکام القرآن:۱۰۲/۲)جب کہ یہی قول حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ، زین العابدین رحمہ اللہ، جناب باقر رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، سعید بن مسیّب رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ، مسروق رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، عبداللہ بن معقل رحمہ اللہ، یحییٰ رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب ہے، اگر مذکورہ قول کی نسبت اِن حضرات کی طرف صحیح ہے تو پھر کوئی احمق اور جاہل ہی اسے''احداث فی الاسلام''اور ''بدعت شرعی'' سے تعبیر کرسکتا ہے۔''[1]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۹۳،۹۴)

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت (کہ جس سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے آپ کواحمق اور جاہل
فرمایاہے) پیش خدمت ہے، ذراملاحظہ فرمائیے:

" وأختلف في ميراث المسلم الكافر وميراث المرتد فأما ميراث المسلم من الكافر فان الأمة من الصحابة متفقون عليٰ نفي التوارث بينهما وهو قول عامة التابعين وفقهاء الأمصار وروي شعبة عن عمرو بن أبي حكيم عن ابن باباه عن يحييٰ بن يعمرعن أبي الأسود الدؤلي قال كان معاذ بن جبل باليمن فارتفعوا اليه في يهودي مات وترک أخاه مسلماً فقال سمعت رسول الله يقول ﴿ألاسلام يزيد ولاينقص﴾ وروي ابن شهاب عن داؤد بن أبي هند قال : قال مسروق : ما أحدث في الاسلام قضية أعجب من قضية قضاها معاوية قال: كان يورث المسلم من اليهودي والنصراني، ولايورث اليهودي والنصراني من المسلم قال: فقضيٰ بها أهل الشام .قال داؤد : فلما قدم عمر بن عبد العزيز ردهم اليٰ الأمر الأول . وروي هشيم عن مجالد عن الشعبي : أن معاوية كتب بذلک اليٰ زياد يعني توريث المسلم من الكافر فأرسل زياد اليٰ شريح فأمره بذلک وكان شريح قبل ذلک لايورث المسلم من الكافر فلما أمره زياد بما أمره قضيٰ بقوله فكان شريح اذا قضيٰ بذلک قال : هذا قضاء أمير المؤمنين . وقد روي الزهري عن علي بن الحسين عن عمرو بن عثمان عن أسامة بن زيد قال قال رسول الله: ﴿ لايتوارث أهل ملتين شتي ﴾ وفي لفظ ﴿ لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم ﴾ وروي عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قال رسول الله ﴿ لا يتوارث أهل ملتين بهذه الأخبار تمنع توريث المسلم من الكافر والكافر من المسلم ﴾ ولم يرو عن النبي خلافه ، فهو ثابت الحكم في اسقاط التوارث بينهما وأما حديث معاذ فانه لم يعن هذه المقالة ، وانما تأول فيها قوله : ﴿ ألايمان يزيد ولاينقص ﴾

والتأول لايقضي به عليٰ النص والتوقيف وانما يرد التأويل اليٰ المنصوص عليه يحمل عليٰ موافقته دون مخالفته . و قول النبي صلي الله عليه وسلم : ﴿ ألايمان يزيد ولاينقص ﴾ يحتمل أن يرد به من أسلم ترک علي 'اسلامه و من خرج عن الاسلام رد اليه . واذا احتمل ذلک واحتمل ما تأوله معاذ وجب حمله عليٰ موافقة خبر أسامة في منع التوارث اذ غير جائز رد النص بالتاويل والاحتمال أيضاً لا تثبت به حجة لأنه مشکوک فيه وهو مفتقر في اثبات حکمه اليٰ دلالة من غيره فسقط الاحتجاج به . وأما قول مسروق : ما أحدث في الاسلام قضية أعجب من قضية قضي بها معاوية في توريث المسلم من الکافر فانه يدل عليٰ بطلان هذا المذهب لاخباره أنها قضية محدثة في الاسلام وذلک يوجب أن يکون قبل قضية معاوية : لم يکن يورث المسلم من الکافر واذا ثبت أن من قبل قضية معاوية لم يکن يورث المسلم من الکافر وأن معاوية لا يجوز أن يکون خلافاً عليهم بل هو ساقط القول معهم ، ويؤيد ذلک أيضاً قول داؤد بن أبي هند أن عمر بنعبد العزيز ردهم اليٰ الأمر الأول والله أعلم ."[1]

ترجمہ: اور مسلمان کے کافر کے اور مرتد کے وارث ہونے میں اختلاف ہے ۔ جہاں تک مسلمان کے کافر کے وارث ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں صحابہؓ کی ایک جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ، اکثر تابعین اور فقہائے امصار کا یہی قول ہے ۔ شعبہ نے عمرو بن ابی حکیم سے انہوں نے ابن باہ باہ سے انہوں نے یحیٰی بن یعمر سے انہوں نے ابوالاسود الدؤلی سے روایت کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں تھے ، اُن کے سامنے مسئلہ پیش ہوا کہ ایک یہودی مر گیا ہے اور اُس کا ایک مسلمان بھائی رہ گیا ہے ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا کہ: ''میں نے حضور

ل (أحكام القرآن للجصاص : ٣/٣٦ ، ٣٧ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ﴿ **ألاسلام يزيد و لا ينقص** ﴾ یعنی اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے۔ ابن شہاب نے داؤد بن ابی ہند سے روایت کی ہے کہ مسروق نے ایک مرتبہ کہا کہ: ''اسلام میں اس فیصلہ سے بڑھ کر تعجب انگیز اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا (یعنی) آپؓ مسلمان کو یہودی اور نصرانی کا وارث تو قرار دیتے تھے لیکن کسی یہودی یا نصرانی کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیتے تھے، اہل شام نے بھی یہی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ داؤد کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ شام تشریف لائے تو آپ نے اس مسئلے میں لوگوں کو پہلے مسلک کی طرف لوٹا دیا۔ ہشیم نے مجالد سے اور انہوں نے شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے گورنر زیاد کو لکھا، زیاد نے قاضی شریح کو پیغام بھیج کر اس کی رُوشنی میں فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے، قاضی صاحب اس سے پہلے مسلمان کو کافر کا وارث قرار نہیں دیتے تھے، لیکن زیاد کے حکم کی رُوشنی میں اس کے مطابق فیصلے کرنے لگے، البتہ جب وہ اس قسم کا کوئی فیصلہ سناتے تو ساتھ یہ ضرور کہہ دیتے کہ یہ امیر المؤمنین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کا فیصلہ ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿ **لا يتوارث أهل ملتين شتي** ﴾ یعنی دو مختلف ملتوں کو ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ ایک روایت میں ہے: ﴿ **لا يرث المسلم الكافر و لا الكافر المسلم** ﴾ یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور اُنہوں نے اِن کے دادا سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ﴿ **لا يتوارث أهل ملتين** ﴾ یعنی دو مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

یہ روایات مسلمان کے کافر کے اور کافر کے مسلمان کے وارث بننے کی نفی کرتی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ سے اس کے برخلاف کوئی بات مروی نہیں ہے، لہٰذا مسلمان اور کافر کے درمیان توارث کو ساقط کرنے میں ان کے حکم کو ثابت اور محکم تسلیم کیا جائے گا۔ باقی رہی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت تو اس میں یہ مسئلہ مراد ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں حضور اقدس ﷺ کے ارشاد: ﴿ **ألایمان یزید ولا ینقص** ﴾ (یعنی ایمان بڑھتا تو ہے گھٹتا نہیں) کا مفہوم و مطلب بیان ہوا ہے، جسے تاویل کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ تاویل کسی نص اور توقیف کو ختم نہیں کرسکتی، بلکہ تاویل کو اس معنی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جو منصوص علیہ ہو اور اسے اس کے موافق مفہوم پر محمول کیا جاتا ہے، مخالف مفہوم پر محمول نہیں کیا جاتا۔ حضور اقدس ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد: ﴿ **ألایمان یزید ولا ینقص** ﴾ (یعنی ایمان بڑھتا تو ہے گھٹتا نہیں) میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ: ''جو شخص مسلمان ہو جائے گا اسے اس کے اسلام پر بدستور رہنے دیا جائے گا، اور جو شخص اسلام سے نکل جائے گا اسے دوبارہ اسلام کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔'' جب اس روایت میں یہ بھی احتمال ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ مفہوم کا بھی احتمال ہے، تو پھر ضروری ہے کہ اسے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مفہوم پر محمول کیا جائے، جس میں مسلمان اور کافر کے درمیان توارث کی ممانعت کردی گئی ہے، کیوں کہ کسی نص کو تاویل اور احتمال کی بناء پر ردّ کر دینا جائز نہیں ہے، خود احتمال میں حجت اور دلیل بننے کی صلاحیت نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک مشکوک بات ہوتی ہے اور اسے اپنے حکم کے اثبات کے لئے کسی اور دلالت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے احتمال پر استدلال کی بنیاد رکھنا غلط اور ساقط ہے۔ اور مسروق کا یہ قول کہ: ''اسلام میں کوئی فیصلہ ایسا نہیں کیا گیا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے زیادہ تعجب انگیز ہو جس میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا گیا خود اس مسلک کے بطلان پر دلالت کر رہا ہے، کیوں کہ مسروق نے یہ بتایا ہے کہ یہ فیصلہ اسلام میں ایک نیا فیصلہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے پہلے مسلمان

کافر کا وارث نہیں بنتا تھا۔اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے
فیصلہ سے پہلے مسلمان
کافر کا وارث نہیں بنتا تھا۔اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے
فیصلہ سے پہلے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا تھا، دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت جائز نہیں تھی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان کا قول ساقط ہے، اس کی تائید داؤد بن ابی ہند کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے شام کے لوگوں کو پہلے مسلک کی طرف لوٹا دیا تھا۔ واللہ اعلم ۔(ترجمہ ختم)

یہ تھی امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر احکام القرآن کی وہ عبارت بمع ترجمہ کے کہ جس کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام تھوپا کہ اُنہوں نے ’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قول ’’ **توریث المسلم من الکافر**‘‘ کو’’احداث فی الاسلام‘‘ اور’’بدعت شرعی‘‘ کہا ہے، لیکن جیسا کہ آپ نے اصل عبارت بمع اردو ترجمہ کے ملاحظہ فرمالی کہ یہ براہِ راست امام جصاص رحمہ اللہ کا قول نہیں بلکہ یہ تو مسروقؒ کا قول ہے جو اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس قول ’’ **توریث المسلم من الکافر**‘‘ کو’’احداث فی الاسلام‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔جس کا ٹھیک اور صحیح مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے اسلام میں ایک نئے مسئلے کا استنباط کیا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب ملاحظہ فرمائیے کہ ایک تو اُنہوں نے امام مسروق رحمہ اللہ کے قول کی نسبت براہِ راست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کردی اور دوسرے ’’احداث في الاسلام‘‘ کا ’’بدعت شرعی‘‘ سے انتہائی بے ہودہ اور غلط ترجمہ کرکے امام جصاص رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تاثر دینے کی مذموم کوشش کی کہ اُن کے نزدیک (نعوذ باللہ!) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جہنمی ہیں، کیوں کہ ’’بدعت شرعی‘‘ کا ارتکاب کرنے والا جہنم میں ہوتا ہے۔

اصل واقعہ کی مکمل تحقیق کیے بغیر محض اپنی نیم علمی تحقیق پر بھروسہ کرکے خواہ مخواہ کسی کے سر ایک جھوٹا الزام تھوپ دینا ایک بہت بڑی بددیانتی، ایک بہت بڑی علمی خیانت اور سادہ لوح عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مسروق کا قول نقل کرنے سے یہ نہیں ہے کہ وہ اس سے نعوذ باللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات کو طعن وتنقید کا ہدف بنانا چاہتے ہیں، بلکہ درحقیقت وہ اس مسئلہ کی اصل صورت حال یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اصل میں یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

اِس بات پر تو اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس اختلاف کی تشریح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے:

" وأما المسلم فهل يرث من الكافر أم لا ؟ فقالت عامة الصحابة (رضي الله عنهم) : لايرث وبه أخذ علمائنا ، والشافعي ، وهذا استحسان والقياس أن يرث وهو قول معاذ بن جبل ومعاوية بن أبي سفيان وبه أخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفية ومحمد بن علي بن حسين ."[1]

ترجمہ: رہی یہ بات کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ سو عام صحابہؓ کا قول تو یہی ہے کہ وہ وارث نہ ہوگا، اور اسی کو ہمارے علماء (حنفیہ) اور امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے، لیکن یہ استحسان ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو، اور یہی حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے، اور اسی کو مسروق، حسن، محمد بن حنفیہ، اور محمد بن علی بن حسین نے اختیار کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

" أخرج ابن أبي شيبة من طريق عبد الله بن معقل قال :
مارأيت قضاء أحسن من قضاء قضيٰ به معاوية نرث أهل الكتاب ولايرثونا كما يحل النكاح فيهم ولايحل لهم وبه قال مسروق وسعيد بن المسيب وابراهيم النخعي واسحاق ." [۲]

ترجمہ: ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ: "میں نے کوئی فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں اور وہ نہ ہوں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے لئے اُن کی عورتوں سے نکاح حلال ہے، مگر اُن کے لئے ہماری عورتوں سے نکاح حلال نہیں۔ اور یہی مذہب مسروق،

[۱] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ٢٣/٢٦٠ ، ألناشر : ألطباعة المنيرية)

[۲] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر ألعسقلاني : ١٢/٤١ ، ألناشر : ألمطبعة البهية مصر)

سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی اور اسحاق کا ہے۔ (ترجمہ ختم)

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مسلک کی تائید میں ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے:

"عن معاذ قال: يرث المسلم من الكافر من غير عكس، واحجت بأنه سمع رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول:" ألاسلام يزيد ولاينقص."

وهو حديث أخرجه أبو داؤد وصححه الحاكم." [۱]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، مگر اِس کا عکس نہیں ہوگا۔ وہ دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ اُنہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "اسلام (انسانی حقوق میں) زیادتی کرتا ہے، کمی نہیں کرتا۔ یہ حدیث امام ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے اور حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (ترجمہ ختم)

(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق: ص۲۳......۲۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی)

الغرض مسروقؒ کے نقل کرنے سے امام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ کا مقصد اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو مختلف مذاہب کا بیان کرنا تھا، محض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو توہین و تنقید کا نشانہ بنانا نہیں تھا۔

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی وہ نیم علمی تحقیق کہ جس کی بناء پر اُنہوں نے خواہ مخواہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر اور مجتہد فی المذہب عالم کے سر ایک ایسی بات تھوپ دی کہ جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ اس کے کوئی پاؤں ہیں اور اس طرح آپ کو احمق اور جاہل جیسے القابات سے نواز دیا۔ فالیٰ الله المشتکیٰ.

امام جصاص رحمہ اللہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کرنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام جصاصؒ آیت ﴿ **لا ينال عهد الظالمين** ﴾ کی تفسیر میں حضرت

معاویہ

رضی اللہ عنہ پر مزید تبرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''......**ان الظالم لايكون اماماً...... فلا يجوزأن يكون الظالم نبياولاخليفة لنبي و لاقاضيا .**''

ترجمہ: ظالم امام نہیں ہوسکتا...... یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا

خلیفہ یا

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر ألعسقلاني : ۱۲/۵۰ ، ألناشر : دار المعرفة ، بيروت ، لبنان)

قاضی ہو۔(ترجمہ ختم)[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے احکام القرآن کے حوالے سے جس انداز سے یہ عبارت نقل کی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے جیسا کہ ہاشمی صاحب کا دعویٰ بھی ہے، حالاں کہ درحقیقت یہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول نہیں بلکہ مجاہد کا قول ہے جسے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے صرف نقل کیا

ہے۔

چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

" وعن مجاهد : أنه أراد أن الظالم لا يكون اماماً ...... فلا
يجوز أن
يكون الظالم نبيا ولا خليفة لنبي ولا قاضياً ." ۲

ترجمہ: اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے (اس سے) مراد یہ لیا کہ ظالم
امام نہیں بن سکتا...... لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ظالم نبی ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کا خلیفہ ہو اور
نہ اُس کے
لئے قاضی بننا جائز ہے۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا وہ دجل وفریب اور علمی خیانت کہ جس کے ذریعے
وہ عام مسلمانوں کو
دھوکہ دے کر اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف اُن کی ذہن سازی کر رہے ہیں۔

اور دوسرے یہ کہ اس تمام عبارت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام تک مذکور نہیں کہ جس
کی بنیاد پر یہ دعویٰ دائر
کیا جائے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کا کوئی تبرا یا تنقید کی ہو۔

اندازہ لگائیے! کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب عام مسلمانوں کے دلوں میں اکابرین
علمائے اہل سنت اور
اُن کے اسلاف کے خلاف نفرتوں کی آگ بھڑکا کر اُن کے ایمان کے ساتھ کس طرح کا کھیل
کھیل رہے ہیں؟۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی ''خلفائے بنی اُمیہ'' پر طعن وتشنیع:

ڈاکٹر صفوت مصطفیٰ خلیلوفیتش نے لکھا ہے کہ امام جصاص کے کلام سے اُن کی تفسیر
''احکام القرآن'' میں

۱ (أحكام القرآن للجصاص : ۱/۶۹ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۹۴)
۲ (أحكام القرآن للجصاص : ۱/۸۵ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ،

لبنان)

بعض مقامات پر بشکل عام خلفائے بنی اُمیہ پر طعن و تشنیع کا پہلو سامنے آتا ہے، اِس لئے کہ اُن کے عہدِ حکومت میں بیسیوں المناک و درناک حادثات و واقعات رُونما ہوئے تھے، بالخصوص آلِ مروان پر طعن و تشنیع کا پہلو زیادہ سامنے آتا

ہے، کیوں کہ اُس کے زمانہ میں ''حجاج کا فتنہ'' واقع ہوا تھا۔

مثلاً ایک جگہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”...... ولم يكن في العرب و لا آل مروان أظلم ولا أكفر ولا أفجر من عبد الملک ، ولم يكن في عماله أكفر ولا أظلم و لا أفجر من الحجاج وكان عبد الملک أول من قطع ألسنة الناس في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ، صعد المنبر فقال :" اني والله ما أنا بالخليفة المستضعف يعني عثمان ولابالخليفة المصانع يعني معاوية وانكم تأمروننا بأشياء تنسونها في
أنفسكم والله لا يأمرني أحد بعد مقامي هذا بتقوي الله الا ضربت عنقه ." [۱]

ترجمہ: پورے عرب اور مروان کے سارے خاندان میں عبدالملک بن مروان سے بڑھ کر کوئی شخص ظالم اور فاسق وکافر نہیں تھا۔ اور عبدالملک کے مقرر کردہ تمام عمال (گورنروں) میں کوئی عامل حجاج سے بڑھ کر ظالم اور فاسق وکافر نہیں تھا۔ عبد الملک ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کا کام سرانجام دینے والے لوگوں کی زبانیں کاٹ ڈالی تھیں۔ ایک دفعہ منبر پر چڑھ کر کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! میں کوئی کمزور خلیفہ نہیں ہوں (اشارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تھا) اور نہ ہی کوئی مصلحت کوش خلیفہ (اشارہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا) تم لوگ ہمیں ایسی باتوں کا حکم دیتے ہو جو خود تم اپنے بارے میں بھول جاتے ہو، اللہ کی قسم! میرے اس مقام کے بعد جو شخص بھی مجھ سے تقویٰ (اور اللہ تعالیٰ
سے ڈرنے) کی بات کرے گا میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔“ (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب بھی امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کے بعد موصوف عبدالملک بن مروان اور حجاج کا بایں الفاظ تذکرہ کرتے

ـلہ (أحكام القرآن للجصاص : ١/٨٨ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

" ولم يكن في العرب ولا آل مروان أظلم ولا أكفر ولا أفجر من عبد الملک ولم يكن في عماله أكفر ولا أظلم ولا أفجرمن الحجاج ."[1]

ترجمہ: عبدالملک سے بڑھ کر عرب اورآل مروان میں کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا

اورنہ اس کے عمال میں سے حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر، ظالم اور فاجر تھا۔

موصوف (امام ابوبکر الجصاصؒ) پھراس دور کے صحابہ وتابعین کا ذکر کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

" وسائر التابعين يأخذون أرزاقهم من أيدي هؤلاء الظلمة لا عليٰ أنهم كانوا يتولونهم ولايرون امامتهم وانما كانوا يأخذونها عليٰ أنها حقوق لهم في أيدي‌قوم فجرةو كيف يكون ذلک عليٰ وجه موالاتهم وهم خالفون لعبد الملک بن مروان لاعنون لهم متبرؤن منهم . وكذلک كان سبيل من قبلهم مع معاوية حين تغلب عليٰ الأمر بعد قتل علي عليه السلام وقد كان الحسن و الحسين يأخذان العطا. وكذلک من كان في ذلک العصر من الصحابة وهم غير متولين له بل متبرؤن منه عليٰ السبيل التي كان عليها عليٌّ عليه السلام اليٰ أن توفاه الله تعاليٰ اليٰ جنته ورضوانه ، فليس اذا في ولاية القضاء من قبلهم ولا أخذ العطاء منهم دلالة عليٰ توليتهم واعتقاد امامتهم . "[2]

ترجمہ: اورتمام صحابہ وتابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے، لیکن اِس بناء پرنہیں کہ وہ اِن کو دوست یا اِن سے محبت رکھتے ہوئے یا اِن کی خلافت وامامت اور اِمارت کو دُرست سمجھتے ہوئے، بلکہ وہ اِس خیال سے وظائف وصول

۱؎ (أحكام القرآن للجصاص : ۱/ ۸۷ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (أحكام القرآن للجصاص : ۱/ ۸۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

کرتے تھے کہ یہ اُن کے اپنے حقوق تھے جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضے میں تھے اور یہ طرزِ عمل اُن کے ساتھ دُوستی اور محبت کی بناء پر نہیں ہوسکتا ، بلکہ وہ حضرات عبدالملک بن مروان کی
بیعت توڑے ہوئے تھے، ان پر لعنت کرتے تھے اور ان پر تبرا کرتے تھے۔

اور ان سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی سلوک اور رویہ تھا جب وہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہوگیا تھا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے دور میں موجود تھے وظائف تو قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ دُوستی اور محبت کے بغیر، بلکہ اس سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام
کرتے تھے یہاں تک اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے۔

لہٰذا اس دور کے صحابہ و تابعین کا (عبدالملک، حجاج اور معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے، افجر اور اکفر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدہ قضاء اور وظائف قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے محبت اور دُوستی رکھتے تھے یا ان کی امامت و خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد
رکھتے تھے۔'' (ترجمہ ختم) ۱؎

ہاشمی صاحب کی ساٹھ سالہ قلمی بددیانتی:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''احکام القرآن'' کی عبارت کا مذکورہ بالا ترجمہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی دلی بھڑاس نکالتے ہوئے جس غیظ و غضب، بغض و عداوت

اور بے ادبی سے کیا ہے اُسے پڑھتے ہی کیا اپنے کیا پرائے فطرتی طور پر سبھی لوگ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف غصہ سے بھڑک اُٹھتے ہیں، حالاں کہ یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ساٹھ سالہ قلمی بد دیانتی اور علمی خیانت کا وہ مکروہ دجل وفریب اور مذموم عیاری ومکاری ہے کہ جس کو استعمال کر کے وہ اپنے قارئین کے خیالات ونظریات کی تعمیر اپنے مکروہ عزائم اور مذموم مقاصد کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں بھی اُنہوں نے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف یہی طریقہ اپنایا ہے کہ اُن کی تفسیر ''احکام القرآن'' کی عبارت کا ایسا غلط اور بے ادب ترجمہ کیا ہے کہ جس کا اصل عربی عبارت کے ساتھ تقابل

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۹۴۔۹۵)

کرائے بغیر کوئی بھی شخص امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف فطرتی طور پر بے اختیار بھڑک اُٹھتا ہے۔

اب ذیل میں ہم امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''احکام القرآن'' کی عربی عبارت کا مبنی برانصاف ترجمہ نقل کرتے ہیں اور اُس کے بعد پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا جائزہ لیتے

ہیں۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مبنی برانصاف ترجمہ:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

" وقد كان الحسن وسعيد بن الجبير والشعبي وسائر التابعين يأخذون أرزاقهم من أيدي هٰؤلاء الظلمة ، لا علي أنهم كانوا يتولونهم ، ولا يرون امامتهم وانما كانوا يأخذونها عليٰ أنها حقوق لهم في أيدي قوم فجرة وكيف يكون ذلک عليٰ وجه موالاتهم ،وقد ضربوا وجه الحجاج بالسيف وخرج عليه من القراء أربعة آلاف رجل ، هم خيار التابعين ، وفقهائهم فقاتلوه مع عبد الرحمان بن محمد بن الأشعث بالأهواز ، ثم بالبصرة ، ثم بدير الجماجم من ناحية الفرات بقرب الكوفة ، وهم خالعون لعبد الملک بن مروان ، لاعنون لهم ، متبرئون منهم ، وكذلک كان سبيل من قبلهم مع معاوية حين تغلب عليٰ الأمر بعد قتل عليٍّ عليه السلام . وقد كان الحسن والحسين يأخذان العطاء ، وكذلک من كان في ذلک العصر من الصحابة وهم غير متولين له ، بل متبرئون منه عليٰ السبيل التي كان عليها عليٌّ عليه السلام اليٰ أن توفاه الله تعاليٰ اليٰ جنته ورضوانه فليس اذاً في ولاية القضاء

من قبلهم ، ولا أخذ العطاء منهم دلالة عليٰ توليتهم واعتقاد امامتهم ." [1]

ترجمہ: حسن بصری، سعید بن جبیر، اور شعبی، نیز تمام دیگر حضرات تابعین (بنو اُمیہ کے) اِن ظالموں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے۔ اِن کی یہ وصولی اِس بناء پر نہیں تھی کہ

[1] (أحكام القرآن للجصاص : ۱/ ۸۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

اُنہیں اِن ظالموں سے لگاؤ تھا اور اُن کی اِمامت کو دُرست سمجھتے تھے، بلکہ یہ حضرات اِس بناء پر اُن سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے کہ وہ اِن وظائف کو اپنا ایسا حق سمجھتے تھے کہ جو فاجر
قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ حضرات از راہِ موالات اور دوستی کس طرح یہ حقوق حاصل کر سکتے تھے؟ جب کہ اُنہوں نے حجاج کے خلاف تلوار لے کر خروج کیا تھا ۔اس کے خلاف چار ہزار تابعین اور فقہاء نے عبدالرحمٰن بن الاشعث کی ہم رکابی میں پہلے ''اہواز'' کے مقام پر جنگ کی تھی اور پھر ''بصرہ'' کے مقام پر اور اس کے بعد ''کوفہ'' کے قریب ''دریائے فرات'' کی جانب سے ''دیر جماجم'' کے مقام پر۔ اُنہوں نے عبد الملک بن مروان سے خلافت کی بیعت توڑ دی تھی، اس پر لعنت بھیجتے رہے تھے اور اس سے اپنی برأت کا اظہار
کرتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ان حضرات سے پہلے لوگوں کا یہی رویہ تھا ، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر متمکن ہو گئے تھے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنے وظائف وصول کرتے تھے اور اس زمانے کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ کار تھا، حالاں کہ یہ حضرات خلیفہ وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے موالات کا کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے، بلکہ اُن سے اس طرح بے زاری کا اظہار کرتے تھے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی وفات تک ان سے بے زار رہے تھے۔ چنانچہ اِس بناء پر ظالم حکم رانوں کی طرف سے عہدۂ قضاء قبول کرنے اور ان سے اپنے وظائف وصول کرنے میں ایسی کسی دلالت کا وجود نہیں کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ حضرات ان ظالموں سے دوستی کا رشتہ
رکھتے تھے اور اُن کی امامت کے قائل تھے۔ (ترجمہ ختم)

دراصل امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ یہاں پر اس مسئلہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ:

’’اگر کوئی قاضی جو فی نفسہٖ عادل ہو اور اُسے کسی ظالم حاکم کی طرف سے عہدۂ قضاء پر مامور کر دیا گیا ہو تو اُس کے فیصلے نافذ العمل ہوں گے اور اُس کے پیچھے نماز دُرست ہوگی، اس لئے کہ قاضی اگر عادل ہوگا تو وہ بایں معنی قاضی ہوگا کہ اُس کے لئے احکامات کی

تنفیذ ممکن ہوگی اور جو شخص اس کے احکامات کو قبول کرنے سے باز رہے اُسے یہ
احکامات قبول کرنے پر مجبور کرنے کا اختیار اور قدرت ہوگی، اس سلسلے میں یہ نہیں دیکھا
جائے گا کہ اسے
کس نے اس عہدۂ قضاء پر مامور کیا ہے، کیوں کہ مامور کرنے والا حاکم قاضی کے دیگر
اعوان
اور کارندوں جیسا ہوگا، جب کہ قاضی کے مددگاروں کے لئے عادل ہونا شرط نہیں ہے۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اگر ایک شہر والے (جن کا کوئی حاکم نہ ہو) اکٹھے
ہوکر اپنے میں سے کسی عادل شخص کو عہدۂ قضاء سپرد کردیں تو اور اس سے وعدہ کرلیں کہ
جو لوگ اس کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے باز رہیں گے اُن کے خلاف یہ لوگ اس کی مدد
کریں گے، تو اس صورت میں مذکورہ قاضی کے تمام فیصلے نافذ العمل ہوں گے، خواہ
اسے اس عہدے کا پروانہ
کسی امام یا سلطان کی طرف سے حاصل نہ بھی ہو۔

اسی بناء پر قاضی شریح، حسن بصری، سعید بن جبیر اور شعبی حضرات حسنین
کریمین وغیرہ حضرات کو بنو اُمیہ کی طرف سے جو وظائف ملتے تھے یا اُن کی طرف سے
ان لوگوں نے جو عہدے قضاء کے قبول کر رکھے تھے تو وہ صرف اس بناء پر کہ یہ حضرات
اپنے تئیں یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے ذاتی حقوق ہیں جو فاجر قسم کے لوگوں کے ہاتھوں
ہیں اس لئے ہم انہیں گویا ایک طرح سے ان سے وصول کر رہے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ
ان حضرات نے اموی حکام بشمول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عقد موالات اور دوستی کا رشتہ
قائم کر رکھا ہے اور یہ اُن کی امامت
کے قائل ہیں۔'' [1]

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی اس توضیح سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اُموی خلفاء حضرات کی بارے میں جو ظالم اور فاجر وغیرہ کے الفاظ مروی ہیں
وہ اُس دور کے مذکورہ بالا قضاۃ حضرات کے

اپنے ہیں جنہوں نے اُمویہ حکام سے اپنے وظائف اور قضاء کے عہدے قبول کرر کھے تھے۔

نیز یہ الفاظ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں ہیں، بلکہ اُنہوں نے تو محض بنواُمیہ کے مذکورہ بالا قضاۃ وغیرہ

حضرات کے یہ الفاظ بطورِ حکایت کے نقل کیے ہیں کہ اُن قضاۃ وغیرہ حضرات کے خلفائے بنو اُمیہ کے بارے میں

۱؎ (أحكام القرآن للجصاص : ۱/۸۷ ، ۸۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

خیالات ونظریات یہ یہ تھے۔

چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت:

" **وانما كانوا يأخذونها عليٰ أنها حقوق لهم في أيدي قوم فجرة .** "۱؎

ترجمہ: اور وہ حضرات اس نظریئے کی بنیاد پر ان سے اپنے وظائف اور عہدے قبول کرتے تھے کہ یہ

ہمارے حقوق ہیں جو فاجر قوم کے قبضے میں ہیں۔ (ترجمہ ختم)

ہماری اس توجیہ پر روزِ رُوشن کی طرح شاہد عدل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کا دامن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کے بارے میں طعن وتنقید اور توہین وتشنیع سے بالکل پاک، صاف، بے غبار اور مبنی بر اعتدال ہے، اور اس میں کسی بھی قسم کی

کوئی چیز آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف ادنیٰ گستاخی کی بھی نہیں پائی جاتی۔

بنواُمیہ کے دو ظالم اور فاسق حکم ران:

باقی رہے دیگر خلفائے بنواُمیہ تو اس بارے میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف دونوں فاسق وفاجر اور ظالم قسم کے خلفاء گزرے ہیں۔

چنانچہ ایک جگہ واضح اور صاف طور پر امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ ہی اِن کے بارے میں

لکھتے ہیں:

”...... وكان أحد الأسباب التي لها استجاز القراء والفقهاء قتال عبد الملک بن مروان و الحجاج لعنهما الله أخذهم الجزية من المسلمين

ثم صار ذلک أحد أسباب زوال دولتهم وسلب نعمتهم .“ ۲؎

ترجمہ:......اُس زمانے کے فقہاء اور قراء نے جو عبدالملک بن مروان اور حجاج کے خلاف جنگ کے جواز کا جو فتویٰ دیا تھا من جملہ اُس کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ حکمران مسلمانوں سے جزیہ وصول کرتے تھے۔ پھر یہی چیز ان کی حکومت کے زوال

اور ان کی نعمت چھن جانے کا دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب بن گئی۔ (ترجمہ ختم)

۱؎ (أحكام القرآن للجصاص : ۱/۸۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (أحكام القرآن للجصاص : ٤/۲۹۷ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

تاریخ کی شہادت:

اب آیئے! تاریخ کے جھروکوں سے اس بات کا ثبوت تلاش کرتے ہیں کہ کیا خلفائے بنوامیہ (سوائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے) حقیقت میں بھی ان مذکورہ بالا اوصاف شنیعہ سے متصف تھے یا امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے محض اپنی دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے ان پر اور بالخصوص آلِ مروان پر طعن وتشنیع کی یونہی بوچھاڑ کر دی؟ اس کا فیصلہ میں اور آپ نہیں بلکہ فن تاریخ کے مایہ ناز علماء اور ممتاز مؤرخین حضرات فرمائیں گے، پھر دیکھیں گے کہ اس بارے میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف اور ان کا پلہ کتنا بھاری ہے؟۔

عبدالملک بن مروان:

شروع شروع میں عبدالملک بن مروان بڑے درجے کے فقہاء میں سے تھا، یہاں

تک کہ بادشاہت سے پہلے اسے مدینہ میں حضرت سعید بن، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذؤیب کے مرتبے کا فقیہ سمجھا جاتا تھا۔ (خلافت وملوکیت: ص۱۸۴، ۱۸۵)

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:

" كان عبد الملك عاقلاً ، حازماً ، أديباً ، لبيباً ، عالماً . قال أبو الزياد : كان فقهاء المدينة أربعة : سعيد بن المسيب وعروة بن الزبير وقبيصة بن ذؤيب و عبد الملك بن مروان ." [۱]

ترجمہ: عبدالملک عاقل، دور اندیش، ادیب، لبیب، اور عالم تھا۔ امام ابو الزناد فرماتے ہیں کہ: مدینہ میں چار فقہاء تھے: (۱) سعید بن مسیّب (۲) عروہ بن زبیر (۳) قبیصہ بن ذؤیب (۴) عبدالملک بن مروان۔ (ترجمہ ختم)

۷۲ھ میں عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کرنے مکہ مکرمہ بھیج دیا، چنانچہ جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا تو حجاج بھی دیگر حجاج کے ساتھ حج کرنے کی غرض سے چل دیا، اُس وقت حجاج اور اُس کی ساری فوج اسلحہ سے لیس تھی اور یہ لوگ عرفات میں اور اسی طرح اس کے بعد دیگر مشاعر میں قیام پذیر رہے اور چوں کہ حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اس لئے آپ اس سال حج ادا نہ فرما سکے بلکہ آپ نے صرف یوم نحر میں ایک بدنہ کی قربانی کی اسی طرح دیگر حجاج کرام جو ایک کثیر مقدار میں آپ کے ساتھ تھے اور

[۱] (ألكامل في التاريخ لابن أثير ألجزري : ۵۳۳/۳ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

وہ بھی جو حجاج بن یوسف کے ساتھ تھے اور طارق بن عمرو یہ تمام حضرات بھی اس سال طواف کعبہ نہ کر سکے، چنانچہ یہ تمام لوگ یونہی احرام باندھے رہے اور انہیں دوسری مرتبہ احرام کھولنے کا موقع ہی نہ مل سکا، اور حجاج بن یوسف اپنی فوج کے ساتھ ﴿ **حجون** ﴾ اور ﴿ **بئرِ ميمونة** ﴾ کے درمیان پڑاؤ ڈالے رہا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" قال ابن جرير : و فيها بعث عبد الملك بن مروان الحجاج بن يوسف الثقفي اليٰ عبد الله بن الزبير ليحاصره بمكة......فلما دخل ذوالحجة حج بالناس الحجاج في هذه السنة وعليه وعليٰ أصحابه السلاح وهم وقوف بعرفات ، وكذا فيما بعدها من المشاعر ، وابن الزبير محصور لم يتمكن من الحج هذه السنة بل نحر بدنا يوم النحر وهكذا لم يتمكن كثير ممن معه من الحج و كذا لم يتمكن كثير ممن مع الحجاج و طارق بن عمر أن يطوفوا بالبيت ، فبقوا عليٰ احرامهم ، لم يحصل لهم التحلل الثاني والحجاج وأصحابه نزول بين الجحون و بئر ميمونة . فانا لله وانا اليه راجعون ."[1]

ترجمہ: ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ: اسی سال (۷۲ھ) میں عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ مکہ میں ان کا محاصرہ کرے...... چنانچہ جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا تو حجاج بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ حج کرنے نکلا اُس وقت حجاج اور اُس کی ساری فوج اسلحہ سے لیس دار تھی اور یہ لوگ عرفات میں اور اسی طرح اس کے بعد دیگر مشاعر میں قیام پذیر تھے اور چوں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا حجاج نے محاصرہ کر رکھا تھا اس لئے وہ اس سال حج نہ کر سکے بلکہ وہ صرف یوم نحر میں ایک بدنہ کی قربانی کر سکے اسی طرح دیگر حجاج کرام جو ایک کثیر مقدار میں آپ کے ساتھ تھے اور وہ بھی جو حجاج بن یوسف کے ساتھ تھے اور طارق بن عمرو یہ تمام حضرات بھی اس سال طواف

[1] (ألبداية و النهاية لابن كثير : ۳۵۸/۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

کعبہ نہ کر سکے، چنانچہ یہ تمام لوگ یونہی احرام باندھے رہے اور انہیں دوسری مرتبہ احرام کھولنے کا موقع ہی نہ مل سکا، اور حجاج بن یوسف اپنی فوج کے ساتھ ﴿**حجون**﴾ اور ﴿**بئرِ میمونة**﴾ کے درمیان پڑاؤ ڈالے رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ترجمہ ختم)

یزید کے زمانہ میں عبدالملک بن مروان نے کعبہ پر سنگ باری کے خلاف سخت ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ مگر جب وہ خود خلیفہ ہوا تو اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کے لئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیج دیا۔ اُس ظالم نے عین حج کے زمانہ میں مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی، جب کہ زمانہ جاہلیت میں کفار ومشرکین بھی جنگ سے ہاتھ روک لیتے تھے۔ اور ''کوہِ ابوقبیس'' پر ''مِنْجَنِیْقِیْں'' لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سخت اصرار پر یہ سنگ باری صرف اتنی دیر کے لئے روکی گئی کہ باہر سے آئے ہوئے حُجّاج طواف و سعی کرلیں۔ لیکن نہ اُس سال کے حج میں مکہ کے لوگ منٰی اور عرفات جاسکے اور نہ خود حجاج کی فوج کے لوگ طواف وسعی کرسکے۔ باہر سے آنے والوں نے جب طوافِ زیارت کرلیا تو حجاج نے اعلان کیا کہ سب حاجی نکل جائیں اور از سرِنو سنگ باری شروع کردی۔ (خلافت و ملوکیت: ص۱۸۵)

چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

" ولما قدم الحجاج مكة أحرم بحجة ونزل بئر ميمونة وحج بالناس ولم يطف ولاسعي وحصر ابن الزبير عن عرفة فنحر بدنة بمكة و لم يمنع الحاج من الطواف والسعي ثم نصب الحجاج المنجنيق عليٰ أبي قبيس ورميٰ به الكعبة وكان ابن عمر قد حج تلك السنة فبعث اليٰ الحجاج بالكف عن المنجنيق لاجل الطائفتين ففعل و ناديٰ منادي الحجاج عند الافاضة انصرفوا فانا نعود بالحجارة عليٰ ابن الزبير و رميٰ بالمنجنيق عليٰ الكعبة ."[1]

ترجمہ: اور جب حجاج مکہ میں داخل ہوا تو اس نے حج کا احرام باندھا اور بیر میمونہ میں قیام پذیر ہوا اور لوگوں کے ساتھ حج کیا لیکن نہ تو طواف کیا اور نہ ہی سعی کی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا عرفہ میں محاصرہ کرلیا، پس اُنہوں نے مکہ ہی میں ایک "بدنہ" کی قربانی کی

[1] (تاریخ ابن خلدون : ٤٩/٣ ، ألناشر : دار الفکر ، بیروت)

اور اس نے لوگوں کو طواف اور سعی سے منع نہیں کیا، پھر حجاج نے کوہِ ابو قبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی، اور چوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس سال حج
کرنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے، اس لئے آپؓ نے حجاج کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ (تھوڑی دیر) ان دو جماعتوں کے لئے منجنیق کی سنگ باری روک دے (تا کہ یہ لوگ طواف زیارت کر لیں، چنانچہ جب یہ دونوں جماعتیں طواف زیارت کر چکیں تو) حجاج نے تمام حجاج کرام کے درمیان افاضہ (یعنی عرفات سے منیٰ کی طرف روانہ ہونے) کے وقت یہ اعلان کروا دیا تم لوگ (جلدی سے) یہاں سے نکلو! کیوں کہ ہم دوبارہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر سنگ باری شروع کرنے لگے ہیں، چنانچہ حجاج نے دوبارہ کعبہ شریف پر سنگ باری
کرنی شروع کر دی۔ (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف:

حجاج بن یوسف عبدالملک بن مروان اور اُس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے زمانے میں تقریباً بیس سال
تک ان کا گورنر رہا اور ظلم وستم کے پہاڑ لوگوں پر ڈھاتا رہا۔

اگرچہ کوئی انسان بھی دُنیا میں مجسم شر نہیں ہوتا اور حجاج بن یوسف بھی خیر سے گو کہ بالکل عاری نہ تھا۔ قرآن مجید پر اعراب لگوانا اُس کی وہ نیکی ہے جس کی تعریف رہتی دُنیا تک کی جائے گی۔ سندھ کی فتح بھی اُسی کے کارناموں میں سے ہے، جس کی یہ دولت آج اِس سرزمین میں اللہ کا نام لینے والے پائے جاتے ہیں۔ مگر کسی شخص کی ساری نیکیاں بھی ایک مؤمن کے قتل ناحق کی ہم وزن نہیں ہو سکتیں۔ کجا کہ وہ ظلم وستم کہ جس کا ارتکاب اُس نے اپنے طویل دورِ حکومت میں کیا۔

مشہور امام قرأت عاصم بن ابی النجود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی حرمت ایسی نہ رہی جس کا ارتکاب اس شخص (حجاج بن یوسف) نے نہ کیا ہو۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''اگر دُنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے اُن پر بازی لے جاسکتے ہیں۔''

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" قال عمر بن عبد العزيز : لو جائت كل أمة بخبيثها وجئناهم بالحجاج لغلبناهم وقال أبو بكر بن عياش :عن عاصم بن ابي النجود :ما بقيت لله حرمة الا وقد ارتكبها الحجاج ." [۱]

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اگر دُنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جاسکتے ہیں۔'' امام ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ امام قرأت عاصم بن ابی النجو د رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی حرمت ایسی نہ رہی جس کا ارتکاب اس شخص (حجاج بن یوسف) نے نہ کیا ہو۔'' (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو حجاج بن یوسف منافقین کا سردار کہتا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ: ''اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہما مجھے مل جاتے تو میں اُن کے خون سے زمین کی پیاس بجھاتا۔''

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" ثنا الصلت بن دينار سمعت الحجاج علي منبر واسط يقول : عبد الله بن مسعود رأس المنافقين لو أدركته لأسقيت الأرض من دمه ." [۲]

ترجمہ: صلت بن دینارؒ کہتے ہیں کہ میں نے منبر کے عین وسط میں بیٹھے حجاج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منافقین کے سردار ہیں، اگر میں نے ان کو پالیا تو ضرور ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاؤں گا۔'' (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف نے اعلان کر رکھا تھا کہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی

قرأت کو میں مصحف میں سے مٹادوں گا، اگرچہ مجھے سؤر کی ہڈی سے ہی کیوں نہ مٹانا پڑے اور اگر میں نے اُن کو پالیا تو میں اُن کی گردن اُڑادوں گا۔''

چنانچہ امام کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

۱ (ألبداية و النهاية لابن كثير : ٢٦٧/٦ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ١٤٩/٩ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

" وفي قوله عن قرائته : انها شعر من شعر هذيل و انه لابد أن يحكها من المصحف و لو بضلع خنزير ، وأنه لو أدركه لضرب عنقه ، فحصل علي اثم ذلک كله بنيته الخبيثة ."[۱]

ترجمہ: قرأت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں حجاج کا قول ہے کہ یہ ہذیل کے اشعار میں سے ایک شعر ہے اور مصحف میں سے اسے میں مٹادوں گا اگرچہ مجھے سور کی ہڈی سے ہی کیوں نہ مٹانا پڑے اور اگر میں نے ان کو پالیا تو میں اُن کی گردن اڑادوں گا۔'' یہ ساری (چیزیں) اُس کی خبیث نیت کا نتیجہ ہیں۔ (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف نے حضرت انس بن مالک اور حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما جیسے اکابر بزرگ صحابہ کو گالیاں دیں اور اُن کی گردنوں پر مہریں تک لگائیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

" عن اسحاق بن زيد قال : رأيت أنس بن مالک مختوماً في عنقه ختم الحجاج أراد أن يذله بذلک . "[۲]

ترجمہ: اسحاق بن زید سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ

اُن کی گردن پر حجاج کی مہر لگی ہوئی تھی اور حجاج کا مقصد اِس سے اُن کو ذلیل کرنا تھا۔

اسی طرح ۷۴ھ میں حجاج نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک

پیغام بھیجا جس سے اس کا مقصد انہیں ذلیل کرنا تھا اس میں لکھا تھا کہ کس چیز نے آپ کو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے سے روک دیا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے امیر المؤمنین کی مدد کی تھی حجاج نے کہا جھوٹ بولتے ہو اس کے بعد ان کے بارے میں حکم جاری کیا کہ ان کی گردن پر مہر لگا دی جائے چنانچہ آپ کی گردن پر حجاج کی مہر لگا دی گئی نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی گردن پر بھی اس کی مہر لگائی گئی جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مہر لگائی گئی یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کا حکم اس بارے میں صادر نہ ہو جائے ،اس طرح مہر لگانے سے حجاج کا مقصد ایک تو ان حضرات کو عوام الناس میں ذلیل کرنا تھا اور دوسرے یہ کہ عوام ان سے دور رہ سکیں اور ان کی کوئی بات نہ سن سکیں۔

۱؎ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ٩/ ١٥٠، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (ألاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر : ١/ ١١٠ ، ألناشر : دار الجيل ، بيروت ، لبنان)

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) ہی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" وفي سنة اربع و سبعين أرسل الحجاج في سهل بن سعد يريد اذلاله . قال : مامنعک من نصرة امير المؤمنين عثمان؟ قال:قد فعلته .قال: كذبت ، ثم أمر به ، فختم في عنقه و ختم أيضاً في عنق انس بن مالک حتي ورد كتاب عبد الملک فيه . وختم في يد جابر يريد اذلالهم بذلک و أن
يجتنبهم الناس ولا يسمعوا منهم ."[1]

ترجمہ:اور ۷۴ھ میں حجاج نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک پیغام بھیجا جس سے اس کا مقصد انہیں ذلیل کرنا تھا، کہا کہ:''کس چیز نے آپ کو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے سے روک دیا تھا؟۔'' آپؓ نے جواب دیا کہ:''میں نے امیر المؤمنین کی مدد کی۔'' حجاج نے کہا:''جھوٹ بولتے ہو۔''اس کے بعدان کے بارے میں حکم جاری کیا کہ ان کی گردن پر مہر لگادی جائے! چنانچہ آپؓ کی گردن پر حجاج کی مہر لگادی گئی۔اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی گردن پر بھی اس کی مہر لگائی گئی، یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کا حکم اس بارے میں صادر ہوا،اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مہر لگائی گئی۔اس طرح مہر لگانے سے حجاج کا مقصد ایک تو ان حضرات کو عوام الناس میں ذلیل کرنا تھا اور دوسرے
یہ تاکہ عوام ان سے دور رہ سکیں اور ان کی کوئی بات نہ سن سکیں۔(ترجمہ ختم)

ایک روایت میں آتا ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کی دھمکی دی تھی۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" وقيل : ان الحجاج حج مع عبد الله بن عمر فأمره عبد الملک بن مروان أن يقتدي بابن عمر ، فكان ابن عمر يتقدم الحجاج في المواقف

لے (ألاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر : ٢/٦٦٤ ، ألناشر : دار الجيل ، بيروت)

بعرفة وغيرها فكان ذلک يشق عليٰ الحجاج فأمر رجلاً معه حربة مسمومة فلصق بابن عمر عند دفع الناس فوضع الحربة عليٰ ظهر قدمة ، فمرض منها أياماً ، فأتاه الحجاج يعوده ، فقال له : من فعل بک ؟ قال: وماتصنع ؟ قال : قتلني الله ان لم أقتله ! ." قال : ما أراک فاعلاً .أنت أمرت ألذي نخستني بالحربة ." فقال : " لاتفعل يا أبا عبد الرحمان ! وخرج عنه ." لے

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ (جب) حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حج (کرنے کا ارادہ) کیا تو عبدالملک بن مروان نے حجاج سے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرنا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عرفات وغیرہ تمام مواقیت میں حجاج سے آگے آگے رہے اور یہ بات حجاج پر شاق گزری، چنانچہ اس نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر حملہ کرے، اس آدمی کے پاس ایک زہر آلود نیزہ تھا وہ لوگوں کو اِدھر اُدھر کرتے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ چمٹ گیا اور وہ نیزہ آپؓ کے پاؤں کی پیٹھ پر اس طرح رکھا کہ آپؓ (اس سے زخمی ہوگئے اور) کئی دن تک آپؓ اس کی وجہ بیمار رہے، چنانچہ حجاج آپؓ کی عیادت کرنے آیا اور کہنے لگا: ''یہ نیزہ کس نے مارا ہے؟۔'' آپؓ نے فرمایا: ''تو (اُس کے ساتھ) کیا کرے گا؟۔'' حجاج نے کہا: ''اللہ مجھے موت دے دے اگر میں اس شخص کو قتل نہ کردوں۔'' آپؓ نے فرمایا: ''مجھے لگتا نہیں کہ تو ایسے کرے گا (کیوں کہ) تو نے ہی اُس کو مجھے نیزہ چبھونے کا حکم دیا ہے۔'' حجاج نے کہا: ''ایسے مت کروائے ابوعبدالرحمان! اور وہاں سے ''دال فے عین'' ہوگیا۔ (ترجمہ ختم)

اور ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حجاج ہی آپ کے قتل کا سبب بنا تھا۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں

" وكان سبب قتله أن الحجاج أمر رجلاً فسم زج رمح وزحمه في الطريق و وضع الزج في ظهر قدامه ، وانما فعل الحجاج ذلک لأنه خطب

ل (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير ألجزري : ۳۳٦/۳ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

يوماً و أخر الصلاة ، فقال له ابن عمر : ان الشمس لا تنظرک ، فقال له الحجاج : لقد هممت أن أضرب الذى فيه عيناک ، قال :ان تفعل فانک

سفيه مسلط ." ل

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قتل کا سبب یہ بنا کہ حجاج نے ایک شخص کو آپؓ کے قتل کرنے کا حکم دیا، اُس شخص نے سب سے پہلے تو نیزے کے نچلے لوہے کو زہر آلود کیا اور پھر آپؓ کے لئے چلنے کا راستہ تنگ کیا اور نیزے کے اس زہر آلود نچلے لوہے کو آپؓ کے پاؤں کی پیٹھ پر رکھا (جس سے آپؓ زخمی ہو گئے) اور یہ کام حجاج نے اس لئے کیا کہ ایک دن وہ خطبہ دے رہا تھا اور نماز کو مؤخر کر رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: ''سورج تیرا انتظار نہیں کرتا۔'' تو حجاج کہنے لگا: ''میرا دل چاہتا ہے کہ میں تیری گردن اڑا دوں۔'' آپؓ نے فرمایا: ''اگر تو نے ایسا کیا تو تو بیوقوف ہوگا جو ہم پر مسلط کیا
گیا ہے۔'' (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) نے ایک اور جگہ یہ تصریح بھی نقل فرمائی ہے:

" وعاده الحجاج في مرضه ، فقال:من فعل بک هذا ؟ قال :
أنت
لأنک أمرت بحمل السلاح في بلد لا يحل حمله فيه ." ۲

ترجمہ: حجاج نے اِن (حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما) کی عیادت کی اور آپؓ سے پوچھا کہ: کس نے آپؓ کے ساتھ یہ حرکت کی؟ آپؓ نے فرمایا: "تو نے! اس لئے کہ تو نے ہی ایسے شہر میں ہتھیار اُٹھانے کا حکم دیا ہے، جہاں ان کا اُٹھانا حلال نہیں ہے۔" (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف علانیہ کہتا تھا کہ: "اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لئے اُن کا خون حلال ہے۔"

۱ (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير ألجزري : ۳۳٦/۳ ، ألناشر : دار العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲ (ألكامل في التاريخ لابن أثير ألجزري : ١٣٠/٤ دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" والله لو أمرت الناس أن يخرجوا من باب المسجد
فخرجوا من
باب آخر لحلت لي دمائهم وأموالهم ."۱

ترجمہ: اللہ کی قسم! اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں
اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لئے اُن کا خون حلال ہے۔ (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف کے صبر کرنے کے نتیجے میں جو لوگ قتل کیے گئے صرف اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ جب وہ مرا تو اُس کے قید خانوں میں اسی ہزار بے قصور انسان کسی مقدمے اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر سڑ رہے تھے۔

چنانچہ امام کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) ہی لکھتے ہیں:

" وقال أبوعيسيٰ الترمذي : ثنا أبوداؤد سليمان بن مسلم البلخي ثنا النضر بن شميل،عن هشام بن حسان قال:أحصوا ما قتل الحجاج صبراً فبلغ مائة ألف وعشرين ألفاً.قال الأصمعي:ثنا أبوالصم عن عباد بن كثير عن قحدم قال:أطلق سليمان بن عبد الملک في غداة واحدة أحدا و ثمانين ألف أسير كانوا في سجن الحجاج.وقيل:انه لبث في سجنه ثمانون ألفا منهم منهم ثلاثون ألف امرأة،وعرضت السجون بعد الحجاج فوجدوا فيها ثلاثة وثلاثين ألفا ، لم يجب عليٰ أحد منهم قطع ولا صلب ." ؎۲

ترجمہ: ہشام بن حسانؒ کہتے ہیں کہ: "حجاج کے صبر کرنے کے نتیجہ میں جو لوگ قتل کیے گئے صرف اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے، قحدمؒ کہتے ہیں کہ: "ایک صبح سلیمان بن عبدالملک نے اکیاسی ہزار لوگوں کو حجاج کی قید سے آزاد کیا تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حجاج کی قید میں اسی ہزار لوگ تھے، جن میں سے صرف تیس ہزار عورتیں تھیں اور جب وہ مرا تو اُس کے قید خانوں میں تینتیس ہزار بے گناہ ایسے لوگ تھے جو کسی مقدمے اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر ہی سڑ رہے تھے۔ (ترجمہ ختم)

؎۱ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ۱٤۸/۹ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

؎۲ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ۱٥٦/۹ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

عبدالملک بن مروان کی موت وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی کہ: "حجاج بن یوسف کا ہمیشہ لحاظ رکھنا، اس لئے کہ اسی نے ہمارے لئے سلطنت کا راستہ ہموار کیا، دشمنوں کو مغلوب کیا، اور ہمارے خلاف سر اٹھانے والوں کو قلع قمع کیا۔"

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" ...... أنظر اليٰ الحجاج بن يوسف ، فاكرمه ، فانه هو الذي مهد
لک البلاد وقهر الأعداء وخلص لکم الملک وشتت الخوارج ......ألخ "[۱]

ترجمہ: حجاج بن یوسف کا خیال رکھنا ، اور اُس کی عزت کرنا ، کیوں کہ یہی وہ شخص ہے کہ جس نے تیرے لئے سلطنت کا راستہ ہموار کیا ، دشمنوں کو مغلوب کیا ، بادشاہت کا سہرا پہنایا اور خارجیوں و باغیوں کو تتر بتر کردیا۔ (ترجمہ ختم)

یہ وصیت اُس ذہنیت کی پوری نمائندگی کرتی ہے جس کے ساتھ یہ لوگ حکومت کر رہے تھے۔ اُن کی نگاہ میں اصل اہمیت اُن کے اپنے اقتدار کی تھی۔ اُس کا قیام واستحکام جس ذریعہ سے بھی ہو، اُن کے نزدیک مستحسن تھا۔ قطع نظر اِس سے کہ شریعت کی تمام حدیں اُس کی خاطر توڑ ڈالی جائیں۔

یہ ظلم وستم اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ چیخ اُٹھے کہ: ''عراق میں حجاج ، شام میں ولید ، مصر میں قرہ بن شریک ، مدینہ میں عثمان بن حیان اور مکہ میں خالد بن عبد اللہ القسری ، خداوندا! تیری دُنیا ظلم سے بھر گئی ہے! اب انسانوں کو راحت دے!۔''

چناں چہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ حجاج بن یوسف اور قرۃ بن شریک دونوں کی ایک ہی مہینہ میں وفات ہوگئی اور ان کے پیچھے پیچھے ولید بن عبد الملک بھی چلتا بنا اور عثمان اور خالد دونوں معزول کردیے گئے ، یوں اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی دعاء قبول فرمائی۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

[۱] (ألبداية والنهاية لابن كثير : ۸۱/۹ ، ألناشر: دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان) و (تاريخ ابن خلدون : ۷۳/۳ ألناشر : دار الفكر ، بيروت)

" قيل : ان عمر بن عبد العزيز ذكر عنده ظلم الحجاج وغيره من ولاة الأمصار أيام الوليد بن عبد الملك ، فقال:الحجاج بالعراق ، و الوليد بالشام ، وقرة بمصر ، و عثمان بالمدينة ، و خالد بمكة ، أللهم قد امتلأت الدنياظلماً وجوراً فأرح الناس! فلم يمض غيرقليل حتي توفي الحجاج وقرة بن شريك في شهر واحد ثم تبعهما الوليد وعزل عثمان و خالد واستجاب الله لعمر ." [۱]

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عبدالملک بن مروان کے زمانہ کے مختلف شہروں کے والیوں حجاج وغیرہ کے ظلم وستم کا تذکرہ کیا گیا تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دعاء مانگی: ''عراق میں حجاج ،شام میں ولید، مصر میں قرہ بن شریک، مدینہ میں عثمان بن حیان اور مکہ میں خالد بن عبداللہ القسر ی'' اے اللہ! تیری دنیا ظلم وبربریت سے تلملا اٹھی اب انسانوں کو راحت وسکون عطا فرما!'' ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حجاج بن یوسف اور قرۃ بن شریک دونوں کی ایک ہی مہینہ میں وفات ہوگئی اور ان کے پیچھے پیچھے ولید بن عبدالملک بھی چلتا بنا اور عثمان اور خالد دونوں معزول کردیے گئے، یوں اللہ
تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی دعاء قبول فرمائی۔(ترجمہ ختم)

سیاسی ظلم کے علاوہ یہ لوگ عام دینی معاملات میں بھی بڑی حد تک انحراف پسند ہو گئے تھے، نمازوں میں غیر معمولی تاخیر ان کا معمول تھا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" وفي رواية : وهذه الصلاة قد ضيعت – يعني ما كان يفعله خلفاء
بني أمية من تأخير الصلاة الیٰ آخر وقتها الموسع ." [۲]

ترجمہ: اور ایک روایت میں آیا ہے اور یہ نماز ضائع کردی گئی یعنی خلافائے
بنی

۱؎ (ألكامل في التاريخ لابن أثير ألجزري : ٤/٥٨ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ٩/١٠٦ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

اُمیہ کی یہ عادت تھی کہ وہ نماز کو اُس کے آخری وقت تک مؤخر کر کے پڑھتے تھے ۔(ترجمہ ختم)

علاوہ ازیں یہ لوگ جمعہ کا پہلا خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے، نیز عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ دینے کا رواج عبدالملک نے نکالا اور اس کے خاندان کے لئے یہ ایک مستقل سنت بن گیا۔

علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ ھ) لکھتے ہیں:

” و صلي بالمدينة الجمعة فخطب الخطبة الأولي جالساً ثم قام فخطب الخطبة الثانية قائماً ...... اليٰ أن قال ...... قال رجاء : روي لهم شيٌ فاقتدوا به .“ ۱؎

ترجمہ:عبدالملک بن مروان نے مدینہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا پھر کھڑا ہوا اور دوسرا خطبہ کھڑے ہو کر دیا......رجاء کہتے ہیں کہ جب خلفائے بنی امیہ کو اِس بات کا پتہ چلا تو اُنہوں نے اس سلسلہ میں عبدالملک بن مروان کی پیروی کرنی شروع کردی۔

چناں چہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ ھ) لکھتے ہیں:

” أول من قدم الخطبة عليٰ الصلاة يوم العيد مروان .“ ۲؎

ترجمہ:عید کی نماز سے پہلے خطبہ دینے کا رواج مروان نے ایجاد کیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ (سوائے حضرت معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کے) بنو اُمیہ کے تقریباً تمام ہی خلفاء خصوصاً عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف انتہائی درجے کے فاسق وفاجر اور ظالم وجابر حکم ران تھے،اس لئے ان کے فسق وفجور اور ظلم وستم میں کسی کو کوئی شبہ نہیں۔(خلافت وملوکیت:ص۱۸۴......۱۸۷)

" **أئمة الكفر**" سے مراد"طلقاء" حضرات ہیں:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام جصاص رحمہ اللہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱؎ (ألكامل في التاريخ لابن أثير ألجزري :٤/٣٣ ، ألناشر: دار الكتاب العربي، بيروت ، لبنان) و (تاريخ الرسل والملوك ألمعروف بتاريخ الطبري : ٦/٤٦٦ ، ألناشر : دار التراث ، بيروت)

۲؎ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ٨/٢٨٣، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان) و (ألكامل في التاريخ لابن : ٣/٢٧٦ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

''تبرے کی انتہا یہ ہے کہ اس حنفی اور معتزلی مفسر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یکے از ''أئمة الکفر''قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر ''سورة التوبه'' کی آیت '' **فقاتلوا أئمة الکفر** ''کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''ابن عباس ؓ اور مجاہدؒ سے روایت ہے کہ '' **أئمة الکفر** ''سے سردارانِ قریش مراد ہیں، اور قتادہ نے کہا کہ: ''اس سے مراد ابو جہل،

امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور سہل بن عمرو ہیں۔''

ابو بکرؒ نے کہا کہ: ''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورۃ برأت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی، اور ابو جہل، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ اس سے پہلے ہی مارے گئے تھے اور سرداران قریش میں سے سورۃ برأت کے نزول کے وقت کوئی بھی باقی نہ بچا تھا جس نے کفر کا اظہار کیا ہو۔ ''أئمة الکفر'' کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام کا اظہار تو کیا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے اور وہ ''طلقاء'' ہیں جیسے ابوسفیان اور اس کا گروہ: '' **الا أن یکون المراد قوماً من قریش قد کانوا أظهروا الاسلام وهم الطلقاء من نحو أبي سفیان وأحزابه ممن لم ینق قلبه من الکفر .**''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یقیناً حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہی کے گروہ میں شامل تھے

لیکن جصاص نے ان کے بارے میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ:

'' **لیس معاویة من المهاجرین بل هو من الطلقاء .** ''[1]

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے نہیں بلکہ ''طلقاء'' میں سے ہیں۔

اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے نزدیک یکے از ''ائمة الکفر''ہو گئے۔

[1]

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی وضاحت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، اگر چہ صحیح

۱ (أحكام القرآن للجصاص : ۸٦/۳ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۹۵، ۹٦)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۹۵، ۹٦)

اور راجح یہی ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لے آئے تھے، لیکن چوں کہ انہوں نے ایک خاص حکمت عملی کے تحت اپنے اسلام لانے کو چھپائے رکھا تھا، اور فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا تھا اس لئے کئی حضرات نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاید آپؓ فتح مکہ کے موقع پر ہی اسلام لائے تھے۔

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو "طلقاء" میں سے شمار فرمایا ہے تو اُس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپؒ تک اُن کے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے کی کوئی صحیح روایت نہ پہنچی ہو، اور آپؒ نے یہی سمجھ رکھا ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر ہی اسلام قبول کیا ہے، اور اسی وجہ سے آپؓ کو "طلقاء" میں سے شمار کر دیا ہو۔

بہرحال اسلام قبول کرنے کے بعد جو ان حضرات کے بارے میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ: "اگر چہ فتح مکہ کے موقع پر ان لوگوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے۔" تو اُس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ! وہ منافق بن گئے تھے کہ بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور دل میں کفر رکھتے تھے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرتے ہی فوراً اُن کے دل زمانۂ جاہلیت کے اثرات سے پاک نہیں ہو گئے تھے، بلکہ جوں جوں وہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے گئے تدریجاً تدریجاً اور آہستہ آہستہ اُن کے دل بھی

زمانۂ جاہلیت کے اثرات سے پاک ہوتے چلے گئے۔

چنانچہ امام ابوالحسن الماوردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

" ألمؤلفة قلوبهم صنفان : مسلمون ومشركون . فأما المسلون فصنفان : صنف كانت نياتهم في الاسلام ضعيفة ، فتألفهم تقوية لنياتهم كعقبة بن زيد ، وأبي سفيان بن حرب ، والأقرع بن حابس والعباس بن مرداس ...... ألخ ." [۱]

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب......کی دو قسمیں ہیں (۱) مسلمان (۲) مشرک۔ بہرحال مسلمان تو اُن کی (بھی) دو قسمیں ہیں: (۱) ایک صنف وہ ہے کہ جن کی نیتیں اسلام (لانے)

[۱] (ألنكت والعيون ألمعروف بتفسير الماوردي (بحذف) : ۳۷۵/۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

کے بارے میں کم زور تھیں، پس آنحضرت ﷺ نے اُن کے ساتھ تالیف قلب کا معاملہ فرمایا تاکہ اُن کی نیتیں قوی ہوجائیں، جیسے عقبہ بن زید، ابوسفیانؓ بن حرب، اقرع بن حابس، اور عباس بن مرداس (وغیرہم)۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۱۰ھ) بھی لکھتے ہیں:

" ألمؤلفة قلوبهم وهم قسمان : قسم مسلمون وقسم كفار ،
فأما المسلمون فقسمان :قسم دخلوا في الاسلام ونيتهم ضعيفة فيه،
فكان النبي (صلي الله عليه وسلم) يعطيهم تألفا ، كما أعطيٰ عيينة بن
بدر ، والأقرع بن
حابس والعباس بن مرداس ألسلمي ...... ألخ ."[۱]

ترجمہ:''مؤلفۃ القلوب'' کی دو قسمیں ہیں:ایک قسم مسلمان اور دوسری قسم کافر۔بہر حال مسلمان تو اُن کی (بھی) دو قسمیں:ایک اُن کی ہے کہ جو اسلام میں داخل ہو گئے لیکن اسلام کے بارے میں اُن کی نیتیں کم زور تھیں،پس نبی اکرم ﷺ نے تالیف قلب کے لئے اُنہیں (کچھ مال) عطاء فرمایا،جیسے عیینہ بن بدر،اور اقرع بن حابس،اور عباس بن مرداس
السلمی کو (کچھ مال) عطاء فرمایا۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابوالعباس احمد بن محمد الفاسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۲۴ھ) بھی لکھتے ہیں:

" وقسم الأموال في المؤلفة قلوبهم ترغيباً في تسكين قلوبهم للاسلام ."[۲]

ترجمہ:آنحضرت ﷺ نے''مؤلفۃ القلوب''میں مال تقسیم فرمایا تاکہ اُن کے دلوں کو تسکین نصیب ہو اور وہ
اسلام کی طرف رغبت کریں۔

۴-اسی طرح مشہور حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ:''اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا اور مجھے اس کا خوف نہ ہوتا کہ وہ برا مانیں گے تو میں اس حطیم کو بھی میں
بیت اللہ میں شامل کر دیتا،اور زمین کو دروازہ کے برابر کر دیتا،تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر جا سکتا۔''

ا؎ (معالم التنزيل في تفسير القرآن ألمعروف بتفسير البغوي : ٣٦١/٢ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)

۲؎ (ألبحر المديد في تفسير القرآن المجيد للفاسي : ٢٧٠/٢ ، ألناشر : ألدكتور حسن عباس زكي ، ألقاهرة)

چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عن عائشة زوج النبي صلي الله عليه وسلم أن رسول الله صلي الله عليه وسلم قال لها ألم تري أن قومك حين بنؤ الكعبة اقتصروا عن قواعد ابراهيم ، فقلت يا رسول الله ! ألا تردها

عليٰ قواعد ابراهيم ؟ قال : لولا حدثان قومك بالكفر لفعلت .''

وفي رواية : لولا حداثة قومك بالكفر لنقضت البيت ثم لبنيته علي أساس ابراهيم فان

قريشاً استقصرت بنائه .''

وفي رواية: لولا أن قومك حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر قلوبهم أن أدخل

الجدر في البيت وأن ألصق بابه بالأرض .'' ا؎

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اُن سے فرمایا: ''تمہیں معلوم ہے جب تمہاری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی تو ''قواعدِ ابراہیم'' کو چھوڑ دیا تھا۔'' میں نے عرض کی یا

رسول اللہ (ﷺ)! پھر آپ ''قواعدِ ابراہیم'' کو بھی شامل کر لیجئے! لیکن آپ ؐ نے فرمایا کہ: ''اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں خانہ کعبہ کو توڑ کر اُسے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر بناتا، کیوں کہ قریش نے اس کی بناء میں کمی کر دی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: اگر تمہاری قوم کی جاہلیت کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور مجھے اس کا خوف نہ ہوتا کہ وہ
برا مانیں گے تو اس حطیم کو بھی میں بیت اللہ میں شامل کر دیتا، اور زمین کو دروازہ کے برابر کر دیتا۔ (تا کہ ہر شخص آسانی سے اندر جا سکتا۔) (ترجمہ ختم)

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر مکہ اور اطراف مکہ سے آ کر اسلام قبول کرنے والے نو مسلم طلقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ جن کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی، ''غزوۂ حنین'' کے لئے نکلے، اور مقام حنین پر آ کر پڑاؤ ڈالا، اُس وقت مسلمانوں کے لشکر میں چودہ ہزار سپاہیوں کی جمعیت اور کثیر تعداد میں سامانِ جنگ تھا، وہ لوگ اس سے پہلے بدر و اُحد میں مسلمانوں کی عظیم فتوحات کا مشاہدہ بھی اپنی آنکھوں سے کر چکے تھے، جن میں مسلمانوں کی قلیل تعداد نے کفار کے

لے (صحيح البخاري : ۲/ ۱٤۷ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

لشکر جرار کو شکست و ہزیمت سے دو چار کیا تھا، اس لئے اپنی جمعیت اور طاقت پر نظر کر کے ان میں سے بعض طلقاء صحابہ رضی اللہ عنہم (جو ابھی تک مکمل طرح قوی الاسلام نہیں ہوئے تھے، بلکہ زمانۂ جاہلیت کے بعض اثرات تا ہنوز اُن کے دلوں میں باقی تھے، اُن) کی زبان سے اس طرح کے کلمات نکل گئے کہ: ''آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں، آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دُشمن فوراً بھاگے گا۔'' لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبوب جماعت سے اس قسم کے کلمات پسند نہ آئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اپنی جمعیت اور طاقت پر غرہ نہ کرنا چاہیے، بلکہ جس طرح کم زوری اور بے سر و سامانی کے عالم ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد و نصرت پر رہتی ہے اسی طرح جمعیت و طاقت کے وقت بھی ان کا مکمل اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرح سبق سکھایا کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یک بارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چاروں طرف سے گھیر اڈال دیا، گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا، تو ابتدائی ہلہ ہی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار

پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہت تھوڑے سے صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی تعداد تین سو (۳۰۰) اور بعض نے ایک سو (۱۰۰) یا اس سے بھی کم بتلائی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمے رہے۔ یہ حالت دیکھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پکارو! کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے بیعت جہاد کی تھی، اور سورۂ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں، اور وہ
انصار کہاں ہیں کہ جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا؟ سب کو چاہیے کہ واپس آئیں ۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکا یک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دُشمن کا پورا مقابلہ کیا۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، اور اُن کے قلوب میں تسکین پیدا فرما دی، تو اُن کے اُکھڑے ہوئے قدم جم گئے، اور وہ واپس پیچھے کی طرف پلٹنے لگے، تب اُنہوں نے
اللہ تعالیٰ کی اس غیبی مدد و نصرت کے سبب یہ میدانِ کارزار فتح کیا۔ [۱]
اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر کے ''غزوۂ حنین'' میں شریک ہونے والے
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل اسلامی تعلیمات سے ابھی تک پوری طرح رُوشناس نہیں ہوئے تھے اور اُن کے دلوں میں زمانۂ جاہلیت کے اثرات تاہنوز باقی تھے، جب ہی تو وہ اپنی جمعیت اور قوت و طاقت کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے جس کے سبب اللہ

[۱] (معارف القرآن (بتغیر واختصار): ۴/۳۴۴......۳۵۱، ناشر: ادارۃ المعارف، کراچی)

تعالیٰ نے اپنی غیبی مدد و نصرت کا نزول اُن سے رُوک دیا، لیکن اس کے معاً بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاوے پر جونہی اُنہیں اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی اور اُن کے ایمان کی کیفیت بدلی اور اُنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے دوبارہ واپس پیچھے کی طرف پلٹے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے اُکھڑے ہوئے قدم

جما دیئے، اور اُن کے قلوب میں تسکین پیدا فرما دی، اور فرشتوں کو اُن کی مدد کے لئے اُتار دیا، تب مسلمانوں نے کفار پر غلبہ حاصل کیا اور میدانِ جنگ سے سرخرو ہو کر واپس لوٹے۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لقد نصركم الله في مواطن كثيرة و يوم حنين . اذ أعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئاً وضاقت عليكم الأرض بما رحبت ثم وليتم مدبرين . ثم أنزل الله سكينته عليٰ رسوله وعلي المؤمنين وأنزل جنوداً لم

تروها وعذب الذين كفروا ، وذلك جزاء المحسنين ."[1]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن، جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رُخ موڑ لیا، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی، اور ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر

اَپنا رکھا تھا، اللہ نے اُن کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے۔[2]

الحاصل جن لوگوں نے "فتح مکہ" کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا، اُن کے دل چوں کہ فوراً جاہلیت کے اثرات سے پاک صاف نہیں ہو گئے تھے بلکہ تا ہنوز اُن کے دلوں میں جاہلیت کے اثرات باقی تھے، لیکن تدریجاً تدریجاً اور آہستہ آہستہ جوں جوں وہ پیغمبر علیہ السلام کی رُوشن اور مبارک تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے گئے اُن کے دل بھی زمانۂ

جاہلیت کے اثرات پاک اور صاف ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ لوگ بعد میں قوی الاسلام ہو گئے۔

[1] (ألتوبة: ۹/۲۵، ۲۶، ۲۷)

۲؎ (آسان ترجمۂ قرآن: ۱/ ۵۶۹، ۵۷۰، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اور یہی مطلب ہے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا کہ جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''اگر چہ فتح مکہ کے موقع پر ان لوگوں نے اسلام تو قبول کرلیا تھا، لیکن اُن کے دل (ابھی تک) کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے۔''

یہ مطلب ہرگز مراد نہیں کہ نعوذ باللہ! وہ لوگ منافق بن گئے تھے کہ بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا اور دل میں کفر رکھتے تھے۔

﴿۴﴾

امام ابوعبداللہ محمد حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۴۰۵ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب حاکم اور عرف ابن البیع (بمعنی بیوپاری کا بچہ) ہے،

پورا سلسلہ نسب یہ ہے: ''ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم بن حکم الاضبی ......الخ۔'' [1]

ولادت باسعادت:

آپؒ کی ولادت ۳ ربیع الاوّل ۳۲۱ھ کو ایران کے صوبہ خراسان کے جنوبی پہاڑوں کے دامن میں واقع مشہد کے قریب مشہور ومردم خیز شہر ''نیشاپور'' میں ہوئی جو اُس عہد کا زبردست علمی مرکز تھا اور اسی نسبت سے آپؒ نیشاپوری کے نام سے مشہور ہوئے۔

عہدۂ قضاء:

آل بویہ کی انتہائی سفاک اور ظالم شیعہ حکومت کا دور ۳۲۰ھ سے لے کر ۴۴۸ھ تک رہا ہے۔

ـ۱ (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٥٠٩/٣ ، ألناشر : دار الغرب الاسلامي ، بيروت ، لبنان) و (وفياة الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان : ٢٨٠/٤ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت) و (ألمنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي : ١٥/ ١٠٩ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و) تبيين كذب المفتري فيما نسب الیٰ الامام أبي الحسن ألأشعري لابن عساكر : ٢٣١/١ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان) و طبقات الشافعية الكبريٰ للسبكي : ١٥٥/٤ ، ألناشر : ألهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

نیشاپور کا علاقہ بھی اسی ظالم حکومت کی ماتحتی میں تھا۔ گویا امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی ۳۲۱ھ سے لے کر ۴۰۵ھ تک اسی عہد میں گزری، جب کہ اسی حکومت کے دورِ عروج یعنی ۳۶۵ھ میں اس حکومت کی طرف سے آپؒ عہدۂ قضا پر بھی مامور ہوئے جس کی بناء پر آپؒ کا لقب " **ألحاكم** " اس قدر مشہور ہوا کہ بالآخر وہ آپؒ کے نام پر ہی غالب آ گیا۔ ـ۱

تحصیل علم:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد بلند پایہ عالم تھے اور انہیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد اور اپنے ماموں کی توجہ خاص کے سبب "علم حدیث" کی تحصیل میں مشغول ہو گئے اور ذوق علم اتنا بڑھا کہ نیشاپور سے نکل کر عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے بیشتر شیوخ واساتذہ کی بارگاہوں سے کسب فیض کے لئے کٹھن سفر کیے اور اپنے دامن علم کو گلشن نبوت کے سدا بہار پھولوں سے مالا مال کیا۔

علمی اسفار:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی میں تعلیم و تعلم میں مشغول ہو گئے تھے، اور نو (۹) سال کی عمر میں باقاعدہ حدیث کا سماع کیا، اور اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے سب سے پہلے اپنے

وطن ’’نیشاپور‘‘ (جواُس وقت علمائے فن اور محدثین کا مرکز بنا ہوا تھا) اربابِ کمال کی جانب رجوع کیا، بیس (۲۰) سال کے ہوئے تو دوسرے علمی شہروں اور مراکز حدیث کا رُخ کیا اور عراق، بغداد، مکہ، کوفہ، مرو، بخاریٰ، موراءالنہر، ہمدان اور اصبہان وغیرہ تشریف لے گئے۔ بغداد دوبار گئے، پہلی بار عین شباب کے زمانہ میں اور دوسری بار بڑھاپے کے زمانہ میں۔ اسفار کی کثرت کی وجہ سے
مؤرخین نے انہیں اِن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

’’طاف الآفاق ، رحل الكثير .‘‘ ۲

ترجمہ: ملکوں پھرے، لمبے سفر کیے۔ (ترجمہ ختم)

۱ **’’وانما عرف بالحاكم لتقلده القضاء .‘‘** (وفياة الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان : ٢٨١/٤ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت)

۲ (تذكرة المحدثين :

علم سے شغف:

علم سے شغف کا یہ حال تھا کہ آپؒ کو اپنے سے کم تر اور کم سن لوگوں سے بھی روایت کرنے میں کسی طرح کا
عار نہ ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپؒ کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے۔

اساتذہ وشیوخ:

چنانچہ حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، قرأت، تصوف، سلوک اور تاریخ میں بھی آپؒ نے اپنا نام پیدا کیا اور
تقریباً دو ہزار کم وبیش شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، جن میں سے چند اہم شیوخ و اساتذہ کے نام یہ ہیں:

(۱)عبداللہ بن محمد بن حمدویہ(والد ماجد)(۲)محمد بن علی بن عمر المذکر (۳)ابی العباس الاصم(۴)ابوجعفر محمد بن صالح بن ہانی(۵)محمد بن عبداللہ الصفار (۶)ابی عبداللہ بن الاخرم(۷)ابی العباس بن محبوب(۸)ابی حامد بن حسنویہ(۹)حسن بن یعقوب البخاری(۱۰)ابی النضر محمد بن محمد بن یوسف(۱۱)ابی الولید حسان بن محمد(۱۲)ابی عمرو بن السماک(۱۳)ابی بکر النجاد(۱۴)ابی محمد بن درستویہ(۱۵)ابی سہل بن زیاد(۱۶)عبدالرحمٰن بن حمدان الجلاب،(۱۷)علی بن محمد بن عقبہ الشیبانی (۱۸)ابی علی الحافظ۔ان کی صحبت سے منتفع ہوئے ان سے سماعِ حدیث کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے اصحاب سے بھی حدیث کا سماع کیا۔[1]

تلامذہ وشاگرد:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ طالبان علم کی آماجگاہ بنی رہی اور ہزاروں تشنگانِ علم نے خوب سیر ہوکر آپؒ سے کسب فیض کیا جن کی پوری فہرست ازبس دشوار ہے البتہ چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

[1] " **روي عن أبيه ومحمد بن علي بن عمر المذكر وأبي العباس الأصم وأبي جعفر محمد بن صالح بن هانيٍ ومحمد بن عبد الله الصفار وأبي عبد الله بن الأخرم وأبي العباس بن محبوب وأبي حامد بن حسنويه وحسن بن يعقوب البخاري وأبي النضر محمد بن محمد بن يوسف وأبي الوليد حسان بن محمد وأبي عمرو بن السماك وأبي بكر النجاد وأبي محمد بن درستويه وأبي سهل بن زياد وعبد الرحمان بن حمدان الجلاب علي بن محمد بن عقبه الشيباني وأبي علي الحافظ . وانتفع بصحبته . وما زال يسمع حتي سمع من أصحابه .**" (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۳/۱٦۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

(۱) دار قطنی (۲) ابوالفتح بن ابی الفوارس (۳) ابوالعلاء الواسطی (۴) محمد بن احمد بن یعقوب (۵) ابوذر الہروی (۶) ابویعلی الخلیلی (۷) ابوبکر البیہقی (۸) ابو القاسم القشیری (۹) ابوصالح الموذن (۱۰) زکی عبدالحمید البحیری (۱۱) عثمان بن محمد المحمی (۱۲) ابوبکر احمد بن علی بن خلف الشیرازی۔" [۱]

علمی مقام:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دامن میں بڑے بڑے علماء، فقہاء اور قراء کا علم جمع کیا اور علمی جامعیت اور فضل وکمال میں اپنے ہم عصر علماء پر فائق ہوئے۔ اور گو کہ آپؒ کو تمام علوم وفنون پر ید طولیٰ حاصل تھا، مگر علم حدیث اور اُصول حدیث سے قلبی شغف تھا، یہی وجہ ہے کہ بعد میں آپؒ "فخر المحدثین" اور "نقاد حدیث" کی حیثیت سے علمی دُنیا میں مشہور ہوئے اور آپؒ کی علمی جلالت وقابلیت کا اعتراف ملت اسلامیہ کے کبار محدثین ومؤرخین نے واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اساطین علم کی نظر میں:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فن حدیث میں غیر معمولی کمال، خصوصی امتیاز، اور ہمہ تن مشغولیت کی بناء پر:

" ألحافظ الكبير و امام المحدثين ."

وغیرہ جیسے گراں قدر القابات سے یاد کیے جاتے۔

علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

چنانچہ علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

" امام أهل الحديث في عصره ،والمؤلف فيه الكتب التي لم يسبق

---

[۱] " حدث عنه ألدار قطني وأبو الفتح بن أبي الفوارس وأبو العلاء الواسطي ومحمدبن أحمد بن يعقوب وأبو ذر الهروي وأبويعلي الخليلي وأبوبكر

البيهقي وأبو القاسم القشيري وأبو صالح المؤذن والزكي عبد الحميد البحيرى وعثمان بن محمد المحمي وأبوبكر أحمد بن علي بن خلف الشيرازي وخلائق .'' (تذكرة الحفاظ للذهبي : ١٦٢/٣، ألناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (تاريخ بغداد : ٥٠٩/٣ ، ألناشر: دار الغرب الاسلامي بيروت)

اليٰ مثلها ،كان عالما ، عارفا واسع العلم .'' [۱]

ترجمہ:(امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ)اپنے زمانہ میں محدثین کے امام اور علم حدیث میں ایسی کتابوں کے مصنف ہیں کہ کوئی آپؒ پر سبقت نہ لے جاسکا،آپؒ عالم، عارف اور
وسیع علم رکھنے والے تھے۔(ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" ألحاكم الحافظ الكبير امام المحدثين ...... صاحب التصانيف " [۲]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے حافظ الحدیث، محدثین کے امام......اور بہت ساری کتابوں کے
مصنف ہیں۔(ترجمہ ختم)

علامہ خلیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

علامہ خلیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" و هو ثقة واسع العلم "

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور وسیع علم رکھنے والے عالم تھے۔(ترجمہ ختم)

امام عبدالغافر بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

امام عبدالغافر بن اسمٰعیل رحمۃ الہ علیہ فرماتے ہیں:

" أبو عبد الله الحاكم هو امام أهل الحديث في عصره

العارف به

حق معرفته ."

ترجمہ:امام ابوعبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں محدثین کے امام

تھےاور

فن حدیث کوکما حقہ جانتے تھے۔(ترجمہ ختم)

۱؎ (وفيات الأعيان و انباء أبناء الزمان لابن خلكان : ٢٨٠/٤ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت)

۲؎ (تذكرة الحفاظ للذهبي : ١٦٢/٣ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان
)

فن حدیث میں عالی مقام:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے ''فن حدیث'' میں کمال وامتیاز کا اس بات سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے حفظ وضبط اور ثقاہت وعدالت پر تمام ائمۂ فن اور محدثین کا اتفاق ہے۔چنانچہ ابوعبدالرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ میں نے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاکمؒ اور ابن مندہؒ کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ ابن بیع
(امام حاکمؒ) ابن مندہؒ کی بہ نسبت حافظہ میں ''اتقن'' اور زیادہ مستند ہیں۔''

تصانیف:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے، چنانچہ بعض نے پانچ سو،بعض نے ایک ہزار اور بعض نے ڈیڑھ ہزار جزء کے بقدر تعداد بتائی ہے۔۱؎لیکن قدماء کی طرح اِن کی بھی اکثر وبیشتر کتابیں اب
معدوم اور ناپید ہیں۔

چند مشہور اور موجود کتابوں کے نام یہ ہیں:

﴿ ۱ ﴾الأربعين ﴿ ۲ ﴾ألأمالي ﴿۳﴾أمالي العشيات ﴿۴﴾تراجم الشيوخ ﴿۵﴾تراجم المسند عليٰ شرط الصحيحين﴿ ٦ ﴾ألتلخيص ﴿۸﴾فضائل الامام الشافعي﴿ ۹ ﴾فضائل العشرة المبشرة ﴿ ۱۰ ﴾فضائل فاطمة ﴿ ۱۱ ﴾فوائد الخراسانيين ﴿ ۱۲ ﴾فوائد الشيوخ ﴿ ۱۳ ﴾فوائد العراقيين﴿ ۱۴ ﴾ما تفرد باخراجه كل واحدمن الامامين﴿ ۱۵ ﴾كتاب المبتداء من اللآلي ﴿ ۱٦ ﴾مناقب الصديق﴿ ۱۷ ﴾كتاب العلل﴿ ۱۸ ﴾ألمدخل اليٰ معرفة الصحيحين ﴿ ۱۹ ﴾ مزكي الأخبار ﴿ ۲۰ ﴾كتاب الاكليل ألمدخل اليٰ علم الحديث ﴿ ۲۱ ﴾تاريخ نيشابور ﴿ ۲۲ ﴾ معرفة علوم الحديث ﴿ ۲۳ ﴾ألمستدرک عليٰ الصحيحين .

ا؎ قال ابن خلكان : ”وصنف في علومه (أي في علوم الحديث) ما يبلغ ألفاً وخمس مائة جزء .“(وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان : ٤ / ٢٨٠ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت) **وقال السبكي : ” بلغت تصانيفه قريباً من خمس مائة جزء .“**(طبقات الشافعية الكبريٰ للسبكي : ٤ / ١٥٨ ، ألناشر : ألهجر للطباعة والنشر والتوزيع) **وقال الذهبي : ” اتفق له من التصانيف ما لعله يبلغ قريباً من ألف جزء .“**(تذكرة الحفاظ للذهبي : ٣/ ١٦٤، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (بستان المحدثين للدهلوي : ٤١)

وفات حسرت آیات:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن نیشا پور میں مؤرخہ ۳ صفر المظفر ۴۰۵ھ بروز منگل یا بدھ کو دفعتاً وفات پائی، حمام سے غسل کر کے نکل رہے تھے اور ابھی صرف تہہ بندہی باندھا تھا کہ ایک آہ کھینچی اور روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی، عصر کے بعد تجہیز و تکفین کی گئی، اور قاضی ابو بکر حیرہؒ نے آپؒ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ا؎

وفات کے بعد ایک نیک خواب:

وفات کے بعد حسن بن اشعث قرشی نے خواب میں دیکھا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نہایت اچھی وضع قطع میں ایک گھوڑے پر سوار ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ: ''مجھے نجات مل گئی۔'' تو میں نے اُن سے پوچھا کہ اے حاکم! کس
چیز کی وجہ سے؟۔'' تو فرمایا کہ: ''حدیث کی تحریر و کتابت کی وجہ سے۔'' [1]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفض و تشیع کا الزام اور اُس کی حقیقت:

لیکن با ایں ہمہ فضل و کمال امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے بغض و حسد اور کینہ وعداوت کے
تیروں کے وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے، کسی نے آپ کو رافضی شیعہ کہا تو کسی نے خبیث ناقد معاویہ۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''محدثین اور متقدمین کی اصطلاح کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھنے
والا اور ان پر سب کرنے والا محض رافضی ہی نہیں بلکہ غالی رافضی ہے۔

[1] '' **قال الحافظ أبو موسي : كان الحاكم دخل الحمام واغتسل وخرج فقال: آه ، فقبض روحه وهو متزر لم يلبس قميص بعد وصلي عليه القاضي أبوبكر ألحيري . توفي الحاكم في صفر سنة خمس وأربع مائة ، رحمه الله تعاليٰ** ." (تذكرة الحفاظ للذهبي : ٢٤٦/٣ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (طبقات الشافعية الكبريٰ للسبكي : ١٦١/٤ ، ألناشر: ألهجر للطباعة والنشر والتوزيع)و (وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان: ٢٨١/٤ ، ألناشر: دار صادر ، بيروت) و (تبيين كذب المفتري فيما نسب الي الامام أبي الحسن ألأشعري لابن عساكر:
٢٣١/١ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت)

۲ " **قال الحسن بن أشعث ألقرشي : رأيت الحاكم في المنام علي فرس في هيئة حسنة وهو يقول:ألنجاة ! فقلت له : أيها الحاكم ! فيماذا ؟ قال : في كتبة الحديث .**" (طبقات الشافعية الكبريٰ للسبكي : ٤/١٦١، ألناشر : ألهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

بذلک ولا يعتذر منه .“ ١؎

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

” وكان منحرفا غاليا عن معاوية وعن أهل بيته يتظاهر بذلک

ولا

يعتذر منه .“ ٢؎

ترجمہ: وہ یعنی (امام حاکمؒ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی آل و پیروکاروں سے سخت منحرف اور بے زار تھے۔ اس چیز کا برملا اظہار کرتے تھے جس کا کوئی عذر بھی بیان نہیں کیا

جاسکتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اعلانیہ و برملا برأت کا

اظہار کرتے تھے اور یہ انحراف و مخالفت بھی انتہائی درجے کی تھی۔ (كان منحرفاً غالياً)

جب امام حاکمؒ کی اس ناپاک جسارت کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا عام ہونے لگا تو ایک جماعت اور گروہ نے اس رویہ سے تنگ ہوکر موصوف کے اس منبر کو (جس پر بیٹھ کر وہ مجلس تبرا پڑھتے تھے) توڑ دیا اور آئندہ کے لئے انہیں گھر سے باہر مسجد کی طرف نکلنے

اور خطبہ دینے سے بھی منع کر دیا۔

اس گروہ کا صرف یہی مطالبہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں لہٰذا ان کے خلاف بدزبانی نہ کی جائے۔ چنانچہ ابوعبدالرحمٰن السلمی امام حاکمؒ کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے درخواست کی کہ: ”حضرت! لوگوں کا بس یہی ایک مطالبہ ہے کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو تبرا کرتے ہیں اس سے معذرت کرلیں اور ان کی منقبت و شان میں کوئی حدیث بیان

۱؎ (تذكرة الحفاظ للذهبي بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۹۷،۹۸)
۲؎ (سير أعلام النبلاء للذهبي : ۱۷/۱۷٤ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:
ص۹۷،۹۸)

کردیں تاکہ اس محصوری سے نجات مل جائے، تو موصوف نے جواباً واشگاف الفاظ میں کہا کہ: "**لا يجئ من قلبي ، لا يجئ من قلبي**"، یعنی میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی مجھے یہ تکلیف تو گوارا ہے لیکن اس شخص (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی فضیلت میں حدیث بیان
کرکے چھٹکارا حاصل نہیں کرنا چاہتا۔" ۱؎

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حسب عادت کلام کے سیاق وسباق میں قطع وبرید کرکے اوپر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " **تذكرة الحفاظ**" کے حوالہ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی شیعہ ثابت کرنے کے متعلق علامہ ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول تو نقل کردیا ہے، لیکن اس کے معاً بعد اس قول پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نقل نہیں کیا جس میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ہی شان دار اور زبردست انداز میں دفاع کیا ہے۔

چنانچہ ذیل میں ہم قارئین باتمکین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشی صاحب کے اس دجل وفریب کو طشت ازبام کرنے اور اُن کی اس علمی بددیانتی اور اخلاقی گراوٹ کو آشکارا کرنے اور اس کی اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لئے سب سے پہلے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عربی عبارت بمع اس کے سیاق وسباق کے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کا سلیس اردو ترجمہ کرتے ہیں تاکہ ہمارے معزز قارئین کی آنکھوں کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل وفریب کا فسوں ٹوٹ جائے اور وہ اس بارے میں اصل حقیقت سے رُوشناس ہوسکیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" قال ابن طاهر : سألت أبا اسمٰعيل الأنصاري عن الحاكم فقال : ثقة في الحديث رافضي خبيث ، ثم قال ابن طاهر : كان شديد التعصب للشيعة في الباطن و كان يظهر التسنن في التقديم و الخلافة و كان منحرفاً عن معاوية و آله ، متظاهراً بذلك ولا يعتذر منه ، قلت : أما انحرافه عن خصوم عليٍّ فظاهر ، وأما أمر الشيخين فمعظم لهما بكل حال فهو شيعيٌّ

لا رافضيٌّ ." [۱]

ترجمہ: ابن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے ابواسمٰعیل انصاریؒ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا: "حدیث میں تو ثقہ ہیں (لیکن) خبیث (قسم کے) رافضی ہیں۔ پھر ابن طاہرؒ نے فرمایا کہ: "آپؒ اندر سے بڑے متعصب قسم کے شیعہ تھے، لیکن تقدیم اور خلافت میں اپنا سنی ہونا ظاہر فرماتے تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ اور آل معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیزار رہتے تھے، اوراس کا برملا اظہار بھی کرتے تھے اوراس کے متعلق کوئی معذرت نہیں کرتے تھے۔"

(علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ: جہاں تک ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے انحراف کا تعلق ہے تو وہ تو ظاہر ہے، لیکن جہاں تک حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی بات کا تعلق ہے تو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حضرات کی بہرحال تعظیم وتکریم کرتے تھے، اس لئے وہ شیعی ضرور تھے [۲] لیکن رافضی نہیں تھے۔ (ترجمہ ختم)

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۹۸)

اِس عبارت میں اگر چہ ابو اسمٰعیل انصاریؒ کے قول سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ایک قسم کے رافضی ہیں، لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد خود علامہ ابن طاہر مقدسیؒ (کہ جنھوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے رافضی ہونے کی ابو اسمٰعیل انصاریؒ سے روایت کی ہے) کے اپنے کلام سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے رفض کا
دُور دُور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا ہے۔

بہر حال یہ حقیقت تو آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن طاہر مقدسیؒ کے قول کا کس طرح جواب دیا ہے اور کتنی مضبوطی کے ساتھ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع کرتے ہوئے
آپ کی ذات سے رفضیت کا الزام دھوڑ الا ہے!۔

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی وہ علمی خیانت اور وہ اخلاقی بد دیانتی کہ جس کی بنیاد پر انہوں نے محض

۱؎ (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۳/۱٦٥،١٦٦ ، ألناشر : دارالكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲؎ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے الزام کی حقیقت کا جائزہ آگے آرہا ہے۔ رفیع
اپنے مدعا کے اثبات میں علامہ ابن طاہرؒ کا قول نقل تو کر دیا ہے لیکن اس قول کے تعاقب، اس کے ردّ اور اس کے جواب میں اس کے معاً بعد علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ تبصرہ اس پر نقل نہیں کیا کہ جس سے آپؒ ذات پر سے ''رفضیت'' کا
ازالہ ہو رہا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دوسری علمی خیانت:

اسی طرح ایک دوسری روایت جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ان کی کتاب ''سیر أعلام النبلاء'' سے نقل فرمائی ہے اُس کو بھی ہم پہلے اُس کی عربی عبارت بمع اس کے سیاق وسباق کے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اُس کا سلیس

اُردو ترجمہ کرتے ہیں تاکہ اصل حقیقت خوب اچھی طرح واضح
ہو جائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل و فریب اور جھوٹ کی قلعی خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آ جائے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" قال ابن طاهر : سألت أبا اسمٰعيل الأنصاري عن الحاكم فقال : ثقة في الحديث رافضي خبيث ، قلت كلا ليس هو رافضيّاً ، بل يتشيع . قال ابن طاهر : كان شديد التعصب للشيعة في الباطن وكان يظهر التسنن في التقديم و الخلافة وكان منحرفاً غالياً عن معاوية رضي الله عنه وعن أهل
بيته ، يتظاهراً بذلک ولا يعتذر منه ." [1]

ترجمہ: ابن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے ابواسمٰعیل انصاریؒ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: ''فن حدیث میں تو ثقہ ہیں، لیکن خبیث قسم کے رافضی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ: ''ہرگز نہیں! آپؒ رافضی نہیں تھے، بلکہ آپؒ میں تشیع تھا۔ ابن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ: ''آپؒ اندر سے سخت قسم کے شیعہ تھے، اور تقدیم و خلافت میں اپنا سنی ہونا ظاہر فرماتے تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور آلِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیزار تھے اور اس کا
اظہار بھی فرماتے تھے اور اس کا کوئی معقول عذر پیش نہیں فرماتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

اس روایت میں بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حسب سابق اپنے اسی دجل و فریب اور ہوشیاری و

[1] (سير أعلام النبلآء للذهبي : ۱۲/ ۵۷٦،۵۷۷ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة)

چالاکی کا مظاہرہ کیا ہے، اور پچھلی عبارت میں اگر کلام کا سباق حذف کر گئے تھے تو اس عبارت میں کلام کا سیاق حذف

کر گئے ہیں۔

یہ ہے پروفیسر طاہر صاحب کی علمی خیانت، اخلاقی گراوٹ اور بددیانتی کی وہ بدترین
مثال کہ جس سے
انہیں اس آخری عمر میں بہرحال توبہ کر لینی چاہیے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

" وقد قال ابن طاهر : سألت أبا اسمٰعيل عبد الله الأنصاري
عن الحاكم أبي عبد الله فقال: امام في الحديث رافضي خبيث ،
قلت: ألله يحب
الانصاف ما الرجل برافضي ، بل شيعي فقط ."[1]

ترجمہ: اور ابن طاہرؒ نے کہا ہے کہ میں نے ابو اسمٰعیل عبداللہ انصاریؒ سے
امام حاکم ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: " امام
فی الحدیث
ہیں اور خبیث قسم کے رافضی ہیں۔"

(علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ (ان کے بارے
میں ایسا کہنا ظلم ہے اور) اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتے ہیں (اس لئے انصاف کا تقاضا
یہ ہے کہ)
آپؒ رافضی نہیں ہیں بلکہ صرف شیعی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تشیّع کے بارے میں سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جو
خطیب بغدادی رحمۃ
اللہ علیہ نے اور پھر ان کے حوالہ سے بعض دوسرے ارباب سیر و تاریخ نے نقل کیا ہے کہ:

" وكان ابن البيع يميل اليٰ التشيع ، فحدثني أبو اسحاق ابراهيم بن محمد الأرموي بنيسابور، وكان شيخا صالحا فاضلا عالما ، قال : جمع الحاكم أبو عبد الله أحاديث زعم أنها صحاح عليٰ شرط البخاري ومسلم ، يلزمها اخراجها في صحيحيهما ، منها حديث الطير و من كنت مولاه فعلي مولاه فأنكر عليه أصحاب الحديث ذلک ولم يلتفتوا فيه الي قوله ولا

[1] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ۳/۸۵ ، ألناشر : دار المعرفة ، للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

صوبوه في فعله ."[1]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ "تشیع" کی جانب مائل تھے، مجھ سے ابراہیم بن محمد ارموی (جو ایک صاحب علم اور صالح قسم کے آدمی تھے) نے نیشا پور میں بیان کیا کہ: "امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایسی احادیث اپنے پاس جمع کر رکھی ہیں کہ جن کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ وہ صحیحین کی شرائط کے مطابق ہیں، اس لئے حضرات شیخین پر ان کی تخریج ضروری تھی۔ چنانچہ اسی قسم کی احادیث میں "حدیث طیر" اور حدیث "من كنت مولاه فعلي مولاه" بھی ہیں (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں وارد ہوئی ہیں) پس ان احادیث کی وجہ سے محدثین عظامؒ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نکیر فرمائی، اور اس بارے میں اُن کی بات کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور نہ ہی اُن کے اس فعل میں اُن کی تصویب کی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفض کا الزام صحیح نہیں بلکہ سراسر بے بنیاد ہے۔

" لا يجئ من قلبي " کے واقعہ کی تحقیق:

باقی رہی بات ابوعبدالرحمٰن السلمی کے اُس واقعہ کی کہ جس میں اُنہوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت وشان میں حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو اُنہوں نے جواب میں یہ کہا کہ:" **لا يجيُ من قلبي ، لا يجيُ من قلبي** "یعنی میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی ،میرے دل میں اس شخص کی
محبت نہیں آرہی۔

تواس کا جواب علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ میرا غالب گمان ہے کہ یہ واقعہ ابوعبدالرحمان سلمی کی طرف غلط طور پر منسوب کی گیا ہے،امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں اس قسم
کی بات کے صادر ہونے کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ہاں !زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں وارفتہ تھے،ورنہ امام
حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

ل (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ۳/ ۵۰۹ ، ألناشر : دار المغرب الاسلامي ، بيروت)

علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" والغالب علي ظني أن ما عزي الیٰ أبي عبد الرحمان السلمي كذب عليه ، ولم يبلغنا أن الحاكم ينال من معاوية ، ولا يظن ذلک فيه ، و غاية ماقيل فيه الافراط في ولاء عليٍّ كرم الله وجهه ومقام الحاكم عندنا
أجل من ذلک ." [1]

ترجمہ: میرا غالب گمان یہ ہے کہ ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ کی طرف مذکورہ واقعہ کی جو نسبت کی گئی ہے یہ اُن پر جھوٹ ہے۔ ہم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی ہو، اور نہ ہی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں اس بات کا گمان کیا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں وارفتہ تھے، ورنہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ہمارے نزدیک
اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفضیّت کے الزام کی تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے گزشتہ بیان کے علاوہ دوسرے بیانات سے بھی جو آگے نقل کئے جائیں گے مکمل طرح سے تردید ہو جاتی ہے۔ نیز علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی پرزور تردید کی ہے، اس لئے اس پر مزید بحث کرنے کی کوئی خاص ضرورت معلوم نہیں ہوتی، البتہ
''شیعیت'' کا الزام بظاہر بڑا قوی معلوم ہوتا ہے، اس لئے یہاں اُس کا مفصل علمی و تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیّع کے الزام کی حقیقت اور اُس کا علمی و تحقیقی جائزہ:

چنانچہ جن لوگوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیّع کا الزام عائد کیا ہے ان کے اقوال کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کے تشیّع کا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب و شتم یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل اور خلافت میں ان کی تقدیم سے کوئی تعلق نہیں تھا، یہاں تک کہ علامہ ابن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مخالف

شخص کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ تقدیم وخلافت کے مسئلہ میں آپ تسنن کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

۱ (طبقات الشافعية الكبرىٰ للسبكي : ٤/١٦٣ ، ألناشر : هجر ، للطباعة و النشر و التوزيع)

" **قال ابن طاهر : ...... و كان يظهر التسنن في التقديم و الخلافة .**" ۱

ترجمہ: علامہ ابن طاہرؒ فرماتے ہیں:......اور آپؒ تقدیم وخلافت کے مسئلہ میں تسنن کا اظہار فرمایا کرتے
تھے۔(ترجمہ ختم)

اور گو کہ یہ بات بھی بعض علماء سے منقول ہے کہ آپؒ کے تشیّع کا مطلب یہ ہے کہ آپؒ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے تھے جو اسلاف کی ایک جماعت کا بھی مذہب رہا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز
محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ:

''ان کے ''تشیّع'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
فضیلت کے قائل تھے، جو اسلاف کی ایک جماعت کا بھی مذہب ہے۔'' (ترجمہ ختم)
۲

لیکن یہ امر بہرحال مسلم ہے کہ آپؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے نہ افضل سمجھتے تھے اور نہ ہی ان حضرات کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔

اِس لئے اب صرف آپؒ کے تشیّع کے متعلق صرف یہ ایک امر قابل بحث رہ جاتا ہے کہ آپؒ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت میں غیر معمولی افراط وتفریط اور غلو کے

شکار تھے تو اسے بھی قابل اعتراض وملامت گردانانا اور تشیّع کی بنیاد قرار دینا کسی طرح درُست نہیں ،اس لئے کہ بہت

۱؎ (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۱٦٥/۳ ، ۱٦٦ ، ألناشر : دار العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (بستان المحدثين : ص ٤١)

سے اکابر علماء اور ائمہ اسلام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت وعقیدت میں غیر معمولی افراط وتفریط اور غلو رہا ہے۔ لہٰذا آپؒ کا غلو اُسی وقت قابل ملامت کہلا یا سکتا ہے جب کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت وجلالت کا آپؒ نے پاس نہ رکھا ہو، یا آپؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہوں، لیکن یہاں عجیب معاملہ یہ ہے کہ خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ کو قرار دینے والوں کو بھی اس بات کا کھلے دل سے اعتراف ہے کہ آپؒ حضرات شیخین کی تنقیص وتوہین ہرگز نہیں کرتے تھے، بلکہ عام اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل اور خلافت کے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقدم سمجھتے تھے۔ اس لئے آپؒ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت میں وارفتہ ہونا نہ قابل التفات ہے اور نہ ہی اس سے آپؒ کا کسی طرح شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ کے دفاع میں علامہ سبکی شافعی رحمہ اللہ کا جان دار تبصرہ:

غالبًا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب جیسے ناقدین حضرات کے مذکورہ بالا اعتراضات ہی کے جواب میں علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ نے ان اُصولوں کی رہنمائی میں بڑا ہی جان دار اور اُتنا ہی شان دار تبصرہ پیش کیا ہے جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اور ان جیسے دیگر ناقدین حضرات کے لئے ایک بڑے لمحہ فکریہ کا درجہ رکھتا ہے، اُس میں موصوف لکھتے ہیں:

" ذكر البحث عما رمي به الحاكم من التشيع ومازادت
أعدائه ونقصت أوداؤه رحمه الله تعالي و النصفة بين الفئتين أوّل ما
ينبغي لک أيها المنصف اذا سمعت الطعن في رجل أن تبحث عن
خلطائه والذين عنهم أخذ ما ينتحل وعن مرباه وسبيله ثم تنظر كلام
أهل بلده وعشيريته من معاصريه العارفين به بعد البحث عن الصديق
منهم له والعدو الخالي عن الميل الي احدي الجهتين وذلک قليل في
المتعاصرين المجتمعين في بلد وقد رمي هذا الامام الجليل بالتشيع
وقيل انه يذهب الي تقديم علي من غير أن يطعن في واحد من الصحابة
ث فنظرنا فاذا الرجل المحدث لايختلف في ذلک وهذه العقيدة تبعد
علي محدث فان التشيع فيهم نادر وان وجد في افراد قليلين ثم نظرنا
مشايخه الذين أخذ عنهم العلم وكانت

له بهم خصوصية ، فوجدناهم من كبار أهل السنة ومن المتصلبة في عقيدة أبي الحسن الأشعري كالشيخ أبي بكر بن اسحاق الصبغي والأستاذأبي بكر بن فورك والأستاذ أبي سهل الصعلوكي وأمثالهم وهؤلاء هم الذين كان يجالسهم في البحث ويتكلم معهم في أصول الديانات ومايجري مجراها ثم نظرنا تراجم أهل السنة في تاريخه فوجدناه يعطيهم حقهم من الاعظام والثناء مع ما ينتحلون واذا شئت فانظر ترجمة أبي سهل الصعلوكي وأبي بكر بن اسحاق وغيرهما من كتابه ولايظهر عليه شيٌ من الغمز علي عقائدهم وقد استقريت فلم أجد مؤرخا ينتحل عقيدة ويخلو كتابه عن الغمز ممن يحيد عنها سنة الله في المؤرخين وعادته في النقلة ولا حول ولا قوة الا بحبله المتين ثم رئينا الحافظ الثبت أبا القاسم بن عساكر أثبته في عداد الأشعريين الذين يبدعون أهل التشيع ويبرؤن الي الله منهم فحصل لنا الريب فيما رمي به هذا الرجل علي الجملة ."[1]

ترجمہ: اب یہاں پر ہم امام حاکم رحمہ اللہ پر تشیّع کے الزام اور آپؒ کے دُشمنوں اور دوستوں کی طرف سے افراط وتفریط ہونے کے شکار اور ان دونوں گروہوں کے درمیان انصاف اور برابری کی بحث کو شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک منصف مزاج شخص کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ کسی شخص کے بارے میں کوئی نامناسب سنے تو سب سے پہلے اس کے شیوخ واساتذہ اور رفقاء وتلامذہ وغیرہ سے اُس کے متعلق بحث وتفتیش کرے، اس کے بعد اس کے ماحول اور اس کے ان حالات کا جائزہ لے جن میں اس کی نشونما ہوئی ہے، پھر اُس کے ان معاصرین، ہم وطنوں اور اعزہ واقرباء کے اقوال وآراء معلوم کرے جو اس کی زندگی کے حالات وواقعات سے خوب

۱ (طبقات الشافعية الكبرىٰ للسبكي : ٤/١٦١، ١٦٢ ، ألناشر : ألهجر ، للطباعة والنشر والتوزيع)

اچھی طرح واقف ہوں۔ معاصرین کے متعلق اس بات کی تحقیق ضرور کر لینی چاہیے کہ ان کے اس متہم شخص سے کس قسم اور کس نوعیت کے تعلقات تھے؟ آیا وہ اس کے موافق، اس کے حمایتی اور اس کے دوست تھے یا اس کے مخالف و معاند اور معترض و نکتہ چیں تھے، یا بالکل ہی غیر جانب دار تھے اور غیر جانب دار بہت کم ہوتے ہیں۔ اِن اُصولوں کی رُوشنی میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تشیّع اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے الزام پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ وہ ایک جلیل القدر محدث تھے، اُن کی اس حیثیت میں اُن کے مخالفین کو بھی کوئی کلام نہیں اور محدثین میں ایسے عقائد شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ اِس کے بعد امام حاکم رحمہ اللہ کے اُن شیوخ پر غور کیا جائے جن سے اُنہوں نے علم و فن کی تحصیل کی ہے، بالخصوص اُن شیوخ کو دیکھا جائے جن سے ان کو زیادہ تعلق اور قربت رہی ہے تو معلوم ہوگا کہ ان کے شیوخ و اساتذہ میں اکابر اہل سنت اور ایسے لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ تھے، جیسے امام ابوبکر بن اسحاق ضبعیؒ ابوبکر بن فورکؒ اور امام ابوسہل الصعلوکیؒ وغیرہم۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کے ساتھ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا اٹھنا بیٹھنا تھا اور انہیں حضرات کے ساتھ اُصول و دیانات وغیرہ میں آپؒ کے مجادلے و مباحثے رہتے تھے۔ اسی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اہل سنت علماء کے جو تراجم لکھے ہیں ان میں ان کی مکمل طور پر تعریف و توصیف کی ہے اور کہیں بھی ان کے عقائد پر طنز و تعریض نہیں کی ہے۔ علاوہ ازیں امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو ان اشاعرہ کے زمرہ میں شمار کیا ہے جو اہل رفض و تشیّع کو مبتدع کہتے ہیں اور ان کے عقائد سے تبریٰ ظاہر کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

یہ وہ چیزیں ہیں جو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر لگائے جانے والے الزامات کو مشکوک بنا دیتی ہیں۔ اور آگے چل کر جو تفصیلات بیان کی جائیں گی ان سے یہ شکوک و شبہات سراسر یقین

واذعان میں تبدیل ہوجائیں اورخوب اچھی طرح سے یہ بات سامنے آجائے گی کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا دامن رفض وتشیّع دونوں سے بالکل پاک صاف ہے۔

تھوڑا آگے چل کر علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۱ھ) مزید لکھتے ہیں:

" أن الرجل كان عنده ميل اليٰ علي رضي الله عنه يزيد علي الميل الذي يطلب شرعا ولاأقول انه ينتهي به اليٰ أن يضع من أبي بكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم ولا انه يفضل عليا علي الشيخين بل استبعد أن يفضله علي عثمان رضي الله عنه ، فاني رأيته في كتابه ﴿ ألأربعين ﴾عقد بابا لتفضيل أبي بكر وعمر وعثمان واختصهم من بين الصحابة . وقدم في المستدرک ذكر عثمان عليٰ علي رضي الله عنهما . ورويٰ فيه من حديث أحمد بن أخي ابن وهب حدثنا عمي حدثنا يحييٰ بن أيوب حدثنا هشام ابن عروة عن أبيه عن عائشة قالت:" أول حجر حمله النبي صلي الله عليه وسلم لبناء المسجد ، ثم حمل أبوبكر حجراً آخر، ثم حمل عمر، ثم حمل عثمان حجراً آخر، فقلت يا سرول الله صلي الله عليه وسلم ! ألا تريٰ هٰؤلآء كيف يساعدونک ؟ فقال : يا عاشة ! هٰؤلآء الخلفاء من بعدي ." قال الحاكم : علي شرطهما. وانما اشتهر من رواية محمد بن الفضل بن بن عطية فلذلک هجر . قلت : وقد حكم شيخنا الذهبي في كتابه ﴿ تلخيص المستدرک ﴾ بأن هذا الحديث لايصح ،ل أن عائشة لم يكن النبي صلي الله عليه وسلم دخل بها اذ ذاک . قال : وأحمد منكر الحديث وان كان مسلم خرج له في الصحيح،يحييٰ وان كان ثقة فيه ضعف.قلت : فمن يخرج هذا الحديث الذي يكاد يكون نصا في خلافة الثلاثة مع ما في اخراجه من الاعتراض عليه

يظن به الرفض ، وخرج أيضا في ﴿فضائل﴾ عثمان حديث : "لينهض كل رجل منكم الي كفئه فنهض النبي الي عثمان وقال:" أنت ولي في الدنيا والآخرة." وصححه مع أن في سنده مقالات . وأخرج غير ذلک من الأحاديث الدالة علي أفضلية عثمان مع ما في بعضهامن الاستدراک عليه وذكر فضائل طلحة والزبير وعبد الله بن عمرو بن العاص فقد غلب عليٰ الظن أنه ليس فيه (ولله الحمد) شئ مما يستنكره عليه افراط في ميل لاينتهي اليٰ بدعة." [1]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے اندر تشیّع کی جانب میلان کا جوذکر کیا جاتا ہے، اگر یہ شریعت کے مطلوب واقتضاء سے بھی بڑھ کر رہا ہوتو بھی یہ اِس حد کو نہیں پہنچا ہوا تھا کہ وہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی مذمت اور تنقیص کرتے رہے ہوں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل مانتے رہے ہوں، بلکہ میں تو اس بات کو بھی ان سے بعید سمجھتا ہوں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فوقیت دیتے رہے ہوں، کیوں کہ میری نظر سے ان کی کتاب " ألأربعين "میں ایک باب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی عظمت وتفضیل پر گزرا ہے، اس میں آپؒ نے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ان ہی تینوں حضرات کی عظمت کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ''مستدرک'' میں بھی آپؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا ہے اوراس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ:'' مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کے لئے پہلا پتھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا، پھر دوسرا پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھایا، پھر تیسرا پتھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اٹھایا، پھر چوتھا پتھر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اٹھایا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:) میں نے عرض کیا:''اے اللہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! دیکھئے! کس طرح یہ لوگ آپ کی معاونت کررہے ہیں؟۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے عائشہ! یہی لوگ میرے بعد میرے خلفاء اور میرے جانشین ہوں گے۔'' امام حاکم رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:''یہ حدیث بخاری اور مسلم

ـا(طبقات الشافعية الكبريٰ للسبكي : ٤/١٦٧ ، ١٦٨ ، ألناشر : دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

لئے مجبور ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب "تلخیص مستدرک"

میں اس روایت پر عدم صحت کا حکم لگایا ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہیں گئے تھے۔ اور فرمایا ہے کہ: "احمد منکر الحدیث" ہے اگر چہ اُس کی روایات کی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ اور یحییٰ ؒ اگر چہ ثقہ ہے، لیکن اُس میں ضعف

ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص (یعنی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ) اعتراضات کی پرواہ کیے بغیر ایسی حدیث کی تخریج کر سکتا ہے جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے متعلق تقریباً ایک منصوص اور قطعی امر کی حیثیت رکھتی ہے، تو کیا ایسے شخص کے بارے میں رفض و تشیّع کا گمان کیا

جا سکتا ہے؟۔

نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے کہ: "ہر شخص کو اپنے ہم سر کے ساتھ ہونا چاہیے اور آپ ؐ نے خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر ان سے معانقہ فرمایا، اور فرمایا کہ: آپ رضی اللہ عنہ دنیا اور آخرت (دونوں جگہوں) میں میرے دوست ہیں۔" امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اس کے کہ اس

حدیث کی سندوں میں کلام ہے اس کی تصحیح کی ہے۔

علاوہ ازیں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں اور بھی کئی احادیث کی تخریج کی ہے، جن میں سے بعض پر "استدراک" کا اعتراض بھی موجود ہے۔ نیز حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی کئی احادیث ذکر کی ہیں۔ لہٰذا میرا غالب گمان یہ ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب میلان اور عقیدت میں کسی ایسی افراط و تفریط یا کسی ایسے غلو و اغراق سے کام نہیں لیتے تھے جو بدعت (یا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب و شتم) کا کسی بھی

طرح سبب بن سکتا ہو۔(ترجمہ ختم)

الغرض امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غالی ومفرط ہونا اولاً تو ثابت ہی نہیں ہے،

اور اگر کسی درجہ میں ثابت ہو بھی جائے جب بھی بوجوہ قابل اعتراض اور موجب تشیع نہیں ہے:

۱-اولاً تو اس وجہ سے کہ آپؒ نے حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا جہاں ایک ساتھ تذکرہ کیا ہے وہاں اسی ترتیب کے مطابق کیا ہے جو اہل سنت نے ان بزرگوں کے درمیان قائم کی ہے۔چنانچہ ''مستدرک'' کے ''فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے ابواب میں یہی ترتیب ہے۔یعنی یہ کہ پہلے بالترتیب حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے۔

چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ اپنی کتاب ''معرفة علوم الحديث'' میں لکھتے ہیں:

'' ألنوع السابع من هذا العلم معرفة الصحابة عليٰ مراتبهم .''[۱]

ترجمہ: اس علم کی ساتویں نوع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اُن کے مراتب کے لحاظ سے ان کی معرفت ہے۔

اس نوع میں انہوں نے مراتب ہی کے اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ (۱۲) طبقوں کا ذکر کیا ہے۔اور پہلے طبقہ میں حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے نام اس ترتیب کے ساتھ لیے ہیں:

" فأولهم قوم أسلموا بمكة ، مثل أبي بكر ، وعمر ، وعثمان ،
وعلي
وغيرهم رضي الله عنهم ." ۲؎

ترجمہ: پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مکہ میں اسلام لائے۔ جیسے حضرت ابوبکر
صدیق
رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات
ہیں۔

محدثین عظام کے سنین اور عمروں کے بیان میں بھی آپؒ نے حضرات خلفائے ثلاثہ
رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت علی
رضی اللہ عنہ کا سن وفات تحریر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو:

" فأما أبو بكر الصديق رضي الله عنه فانه توفي وهو ابن
ثلاث و

۱؎ (معرفة علوم الحديث للحاكم : ۱/۲۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

۲؎ (معرفة علوم الحديث للحاكم : ۱/۲۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

ستين سنة ، وذلک في جمادي الأوليٰ سنة ثلاث عشرة . وتوفي عمر بن الخطاب رضي الله عنه وهو ابن ستين سنة في أكثر الأقاويل ، وقيل : خمس وخمسين سنة وقيل خمس وستين سنة،ولم يختلفوا في وقت وفاته أنه توفي في ذي الحجة سنة ثلاث و عشرين . وقتل عثمان ابن عفان رضي الله عنه صبراً في ذي الحجة سنة خمس و ثلاثين ، وهو يومئذ ابن اثنتين و ثمانين سنة .وكذلک قتل علي رضي الله عنه ليلة الجمعة لسبع عشرة من رمضان

سنة أربعين ، وهو يومئذ ابن ثلاث و ستين سنة .''[۱]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو وہ اُس وقت تریسٹھ (۶۳) سال کے تھے، اور یہ ۱۳ھ کی بات ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو وہ اُس وقت زیادہ تر اقوال کے مطابق ساٹھ (۶۰) سال کے تھے، بعض نے کہا ہے کہ پچپن (۵۵) سال کے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ پینسٹھ (۶۵) سال کے تھے، لیکن ان کے وقت وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے ماہِ ذی الحجہ ۲۳ھ کو وفات پائی ہے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب ظلماً قتل کئے گئے تو اُس وقت ان کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی اور یہ ماہِ ذی الحجہ ۳۵ھ کی بات ہے۔ اور اسی طرح جب علی رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے تو اُس وقت ان کی

تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور یہ شب جمعہ سترہ (۱۷) رمضان ۴۰ھ کی بات ہے۔ (ترجمہ ختم)

۲-اور ثانیاً اس وجہ سے کہ عام اہل سنت حضرات کی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بھی چاروں خلفائے

راشدین رضی اللہ عنہم کو خلفائے برحق سمجھتے تھے اور آپؒ نے اپنی تصنیفات میں بحیثیت خلفاء ان کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

۳-اور ثالثاً اس وجہ سے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب میں جو

احادیث وآثار امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیے ہیں ان سے بھی ان کی وہی عظمت وفضیلت اوران کا وہی درجہ ومرتبہ ثابت ہوتا ہے جو عام اُمت نے ان کو دیا ہے۔یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ وبرتر ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ وبرتر ہیں، پھر حضرت عثمانِ

۱؎ (معرفة علوم الحديث للحاكم : ۱/۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

غنی رضی اللہ عنہ تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ وبرتر ہیں،اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمام امت میں سب سے زیادہ
برگزیدہ وبرتر ہیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احادیث وآثار سے یہی ثابت کیا ہے بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایسے اقوال
بھی نقل فرمائے ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب پر فائق وبرتر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاخیر اور آپ رضی اللہ عنہ کی آزردگی کے مسئلہ نے تاہنوز اُمت کے درمیان بحث وتمحیص کا موضوع دھارا ہوا ہے،لیکن امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی اس
کا سبب بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

” قال علي والزبير ما غضبنا الا لأنا قد أخرنا عن المشاورة ، وانا نريٰ أبابكر أحق الناس بها بعد رسول الله أنه لصاحب الغار وثاني اثنين و أنا نعلم بشرفه و كبره ، ولقد أمره رسول الله صلي الله عليه وسلم بالصلوٰة
بالناس وهو حي .“ [1]

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ”ہمیں غصہ اس بات پر تھا کہ ہم لوگوں کو باہم مشورہ لینے سے نظر انداز کر دیا گیا تھا، ورنہ ہم لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، وہ غار میں آپ ﷺ کے ساتھ اور دو میں کے دوسرے تھے، ہمیں ان کی عظمت وشرف خوب اچھی طرح معلوم
ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ان کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ۔(ترجمہ ختم)

باقی جہاں تک حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت کا معاملہ ہے تو اس میں معترضین حضرات کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، البتہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ضرور مختلف فیہ ہے، حالاں کہ یہ معاملہ بھی درحقیقت خلاف واقعہ معاملہ ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ
کو تیسرا اور حق خلیفہ مانتے تھے اور ان کے قتل کو بجا طور پر ناحق سمجھتے تھے۔

چنانچہ آپؒ اپنی کتاب ” **معرفة علوم الحديث** “ میں لکھتے ہیں:

[1] (ألمستدرك عليٰ الصحيحين للامام الحاكم : ٣ / ٧٠ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

” قتل عثمان بن عفان صبراً “ [1]
ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کیا گیا۔(ترجمہ ختم)

خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ترتیب کے متعلق جو اشارات بعض حدیثوں میں ملتے ہیں وہ اشارات ''مستدرک'' میں بھی ہیں۔ چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی دو حدیثیں 'مستدرک'' سے نقل فرمائی ہیں۔ یہاں دو اور روایتیں نقل کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

" عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أن رسول الله صلي الله عليه وسلم قال: أري الليلة رجل صالح أن أبابكر نيط برسول الله صلي الله عليه وسلم ونيط عمر بأبي بكر ونيط عثمان بعمر . قال جابر : فلما قمنا من عند النبي صلي الله عليه قلنا : الرجل الصالح النبي وأما من ذوكر من نوط بعضهم بعضا فهم ولاة هذا الأمر الذي بعث الله به نبيه صلي الله عليه وسلم ." [۲]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ'': رات کو ایک صالح شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر سے جڑ گئے راوی کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو یہ بات چیت کر رہے تھے کہ صالح آدمی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور جڑ جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس معاملہ کے ذمہ دار ہوں گے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔ (ترجمہ ختم)

دوسری حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

" بعثني بنو المصطلق اليٰ رسول الله صلي الله عليه وسلم فقالوا :

ل (معرفة علوم الحديث للامام الحاكم : ۱/۲۰۲ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲ (ألمستدرك عليٰ الصحيحين للامام الحاكم : ۳/ ۷۵ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

سل لنا رسول الله صلي الله عليه وسلم اليٰ من ندفع صدقاتنا بعدک ؟ قال: فأتيته فسألته فقال : اليٰ أبي بكر فأتيتهم فأخبرتهم فقالوا : ارجع اليه فسله فان حدث بأبي بكر حدث فاليٰ من ؟ فأتيته فسألته فقال : اليٰ عمر ، فأتيتهم فأخبرتهم ، فقالوا : ارجع اليه فسله فان حدث بعمر حدث فاليٰ من ؟ فأتيته

فسألته فقال : اليٰ عثمان . فأتيتهم فأخبرتهم ...... " ل

ترجمہ: بنی مصطلق کے لوگوں نے مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ بات دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے بعد کس کو صدقات دیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو!" ان لوگوں نے کہا: "جا کر پوچھو کہ:" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کس کو دیا کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو!" تیسری مرتبہ پھر بھیجا تو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیا کرو!۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں جو روایتیں نقل فرمائی ہیں ان

میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی کسی قسم کی کوئی توہین وتنقیص نہیں پائی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ دیگر عام محدثین کی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مسلک یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت میں طعن اور ان کی تنقیص کرنے والے کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

چنانچہ مذاہب محدثین کی معرفت کے بیان
میں آپؒ لکھتے ہیں:

" ثنا معاذ بن المثني العنبري قال:سألت علي بن المديني عن
أبي اسرائي الملائي ، فقال : لم يكن حديثه بذک ، و كان يذكر
عثمان يعني
بالسوء ." ۲

ترجمہ:امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''ابواسرائیل ملائی کا
پایہ علم حدیث میں بلند نہیں تھا کیوں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر برائی کے ساتھ کرتے
تھے۔اسی

۱ (ألمستدرك علي الصحيحين للامام الحاكم : ۸۲/۳ ، ألناشر : دار الكتب
العلمية ، بيروت ، لبنان)
۲ (معرفة علوم الحديث للامام الحاكم : ۱۳٦/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلية ،
بيروت ، لبنان)

طرح علی بن حسینؒ سے روایت ہے کہ حسینؒ نے سدیؒ کے یہاں جانا محض اس لئے
ترک
کر دیا تھا کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرتے تھے۔(ترجمہ ختم)
درحقیقت متقدمین علماء کے نزدیک امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے
معاملہ میں جادۂ حق اور مسلک اعتدال سے منحرف نہیں تھے،جن لوگوں نے آپؒ کو شیعی قرار دیا
ہے،اُنہوں نے بھی اس کے ثبوت میں کوئی
ایک واقعہ یا آپؒ کی تصانیف سے کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی ہے۔
ہاں!البتہ دو روایتیں ضرور ایسی ملتی ہیں جو بظاہر آپؒ کے رفض وتشیّع کے ثبوت میں
بڑے دھڑلے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں،حالاں کہ ان کی بھی حقیقت پر کاہ سے زیادہ نہیں ہے

۔ذیل میں انہیں دو روایتوں پر فاضلانہ،
محققانہ اور عالمانہ بحث کی جاتی ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

پہلی حدیث ﴿ من كنت مولاه فعلي مولاه ﴾ کی تحقیق!

پہلی حدیث ﴿ **من كنت مولاه فعلي مولاه** ﴾ ہے،امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تخریج تین طرق سے کی ہے اور ان تینوں ہی طرق کی تصحیح وتصویب فرمائی ہے۔[1]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''جامع'' میں،امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''سنن'' میں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ان کے علاوہ نے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''معجم'' میں امام ضیاء مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مختارۃ'' میں اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خصائص علی رضی اللہ عنہ'' میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔اور گو کہ ''مستدرک حاکم'' کے بعض رجال پر کلام کیا گیا ہے اور ان کی روایتوں میں بعض ایسے اضافے ہیں جو صحاح اور مسند احمد میں نہیں ہیں،تاہم روایت کے جس حصہ ﴿ **من كنت مولاه فعلي مولاه** ﴾ کو قابل بحث،وجہ اعتراض اور شیعیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے وہ حصہ سب میں مشترک ہے،اس لئے اگرچہ بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف اور بے اصل قرار دیا ہے،لیکن جمہور اور اکثر محدثین نے اس حدیث کو صحیح اور
ثابت قرار دیا ہے۔

چنانچہ مشہور حافظ الحدیث علامہ شمس الدین ذہبیؒ جنہوں نے ''مستدرک حاکم'' کی تلخیص کی تھی،اُنہوں نے بھی اس میں قدم قدم پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نقد وتعقب کیا ہے،
اور اسی باب فضائل علی رضی اللہ عنہ کی دسیوں ضعیف اور

[1] ألمستدرك علي الصحيحين للامام الحاكم : ۳/۱۱۹ ، ۳/۶۱۳ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

غیر مستند احادیث پر تنبیہ بھی فرمائی ہے،جس میں بعض جگہ آپؒ کا لہجہ نسبتاً قدرے تیز وتند بھی ہو گیا ہے۔مثلاً ایک جگہ

آپؒ لکھتے ہیں:

" ألعجب من الحاكم و جرأته في تصحيح هذا و أمثاله من البواطل ."[۱]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر اور آپؒ کی ایسی اور اس جیسی باطل احادیث کی تصحیح کی جرأت پر سخت تعجب
ہے۔ (ترجمہ ختم)

لیکن زیر بحث روایت کے صرف ایک طریق کے محمد نامی راوی کے علاوہ آپ نے کسی پر کلام نہیں کیا ہے [۲] اور تذکرہ میں اس صراحت کے باوجود کہ مستدرک میں غیر صحیح احادیث بھی پائی جاتی ہیں اس حدیث کے بارے میں یہ
فیصلہ کیا ہے کہ:

" و أما حديث : ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ فله طرق جيدة و
قد أفردت ذلک ." [۳]

ترجمہ: اور بہر حال حدیث: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ تو اس کے
طرق جید ہیں اور میں نے اس کے لئے علیحدہ ایک رسالہ لکھا ہے۔ (ترجمہ ختم)

حافظ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں "مستدرک" میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ساقط روایات کی تصریح فرمائی ہے، لیکن اس حدیث کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ ضعاف و موضوعات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی اس حدیث کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
نے "جامع صغیر" میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے:

" من كنت مولاه فعلي مولاه (حم) عن البراء (حم) عن

بريدة

(ت ن) و الضياء عن زيد بن أرقم – (ح) ." ۴

ترجمہ: حدیث﴿**من كنت مولاه فعلي مولاه**﴾جو کہ حضرت براء بن

عازب

۱ (تلخيص مستدرك للذهبي : ۱۲۷/۳)

۲ (تلخيص مستدرك للذهبي : ۱۱۰/۳)

۳ (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۱٦٤/۳ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان

)

۴ (ألجامع الصغير للسيوطي : ۱۱۱۲/۲ ، ألناشر : ألمكتب الاسلامي)

رضی اللہ عنہ حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ اور ضیاء مقدسیؒ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے یہ

حدیث ''حسن'' ہے۔

البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب بتلایا ہے۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا عبدالرحمان مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے

ہیں:

" قوله : (هذا حديث حسن غريب) و أخرجه أحمد و النسائي و الضياء ، وفي الباب عن بريدة أخرجه أحمد وعن البراء بن عازب أخرجه أحمدوابن ماجة وعن سعد بن أبي وقاص أخرجه ابن ماجة وعن علي أخرجه أحمد ." [1]

ترجمہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "حسن غریب" بتلایا ہے، لیکن امام احمدؒ، امام نسائیؒ اور امام ضیاء مقدسیؒ نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے، اس باب میں امام احمدؒ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اور امام ابن ماجہؒ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اور امام احمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایتیں کی ہیں ۔(ترجمہ ختم)

اور علامہ اسمٰعیل بن محمد عجلونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۶۳ھ) نے تو اس حدیث کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ:

"حدیث: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ کی امام طبرانیؒ، امام احمدؒ، اور امام ضیاء مقدسیؒ نے "مختارہ" میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس لفظ ﴿أللهم وال من والاه وعاد من عاداه﴾ کے ساتھ تخریج کی ہے۔ پس یہ حدیث مشہور یا متواتر ہے۔" [2]

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بعض علمائے فن اور محدثین نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے ۔چنانچہ علامہ زیلعی

[1] (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي للمباركفوري : ۱۰ / ۱٤۸ ، ألناشر : دار

الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲؎ " من كنت مولاه فعلي مولاه . رواه الطبراني وأحمد والضياء في المختارة عن زيد بن أرقم وعلي وثلاثين من الصحابة بلفظ : " أللهم وال من والاه وعاد من عاداه ." فالحديث متواتر أو مشهور . " (كشف الخطاء ومزيل الألباس عما اشتهر من الأحاديث علي ألسنة الناس : ۱٤۲/۲ ، ألناشر : موقع شبكة مشكاة الاسلامية)

رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی ''نصب الرایہ'' میں صاف تصریح کی ہے، تاہم یہ حدیث چاہے صحیح ہو یا ضعیف ہو یا موضوع، محض اس کے نقل کر دینے کی بنیاد پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو شیعی قرار دینا سراسر زیادتی اور ناانصافی پر مبنی ہے، جب کہ ''مستدرک'' میں اور بھی بیسیوں ضعیف و موضوع روایات موجود ہیں اور ان کی بنیاد پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ و مسلک کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم نہیں کی گئی ہے، یہاں تک کہ خود حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب میں بھی کم زور اور ساقط قسم کی روایات درج ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر کسی نے بھی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر ان بزرگوں کی عقیدت میں غلو اور افراط کا الزام عائد نہیں کیا ہے، تو پھر بتایئے نا کہ اس روایت کو آپؒ کے عقیدہ و مسلک کی بنیاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں بے جا افراط اور غلو کی دلیل کے طور پر کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟ پھر جب کہ اس حدیث کی تخریج بیسیوں متعدد ائمہ کبار نے بھی کی ہے اور اس کی وجہ سے ان ائمہ کو رفض و تشیّع سے متہم نہیں کیا گیا، تو پھر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ہی کو ہدف طعن اور شیعی قرار دینے کی آخر کیا وجہ
ہو سکتی ہے؟۔

اگر اس حدیث کی حجیت یقینی اور مسلم مان بھی لی جائے جب بھی اس کے مفہوم سے رفض و تشیّع کی بوجوہ کوئی
تائید نہیں ہو سکتی:

اولاً تو اس وجہ سے کہ عربی زبان میں لفظ ''مولیٰ'' کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور

جیسا کہ شارحین نے
لکھا ہے کہ یہاں ''مولیٰ'' اور ''ولی'' کا لفظ دوست اور ساتھی کے معنی میں ہے۔
چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

" ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ قيل معناه: من كنت أتولاه فعلي يتولاه من الولي ضد العدو. أي: من كنت أحبه فعلي يحبه. وقيل معناه: من
يتولاني فعلي يتولاه. كذا ذكره شارح من علمائنا." ۱

ترجمہ: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ کا مطلب ﴿من كنت أتولاه فعلي يتولاه﴾ ہے، یعنی یہ لفظ ﴿تولاه﴾ لفظ ﴿ولي﴾ (بمعنی دوست) سے مشتق ہے جو

۱ (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح لملا علي قاري: ۳۹۳۷/۹، ألناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان) و (تحفة
الأحوذي شرح جامع الترمذي للمبارك فوري: ۳۲٦/٤، ألناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

﴿عدو﴾ (بمعنی دُشمن) کی ضد ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ: ''میں جس سے محبت کرتا ہوں، علی رضی اللہ عنہ بھی اس سے محبت کرتا ہے'' اور دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: ''جو مجھ سے محبت
کرتا ہے اس سے علی رضی اللہ عنہ بھی محبت کرتا ہے۔ ہمارے شراح علماء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔''

پہلے مفہوم کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والے کو مؤمن
اور آپ رضی اللہ عنہ سے بغض ونفرت کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔

ثانیاً اس وجہ سے کہ اس قسم کے الفاظ بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی کئی احادیث میں آئے ہیں، چنانچہ خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت نقل فرمائی ہے جو ماسبق میں بھی گزر چکی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دُنیا و آخرت (یعنی دونوں جہانوں) میں اپنا ولی اور اپنا دوست بتلایا ہے، لہٰذا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی ایسی اہم اور خاص خصوصیت نہیں ہے کہ جس میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ شریک نہ ہوں۔

ثالثاً اس وجہ سے کہ حضرت ابو بریدۃ اسلمی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی احادیث (جو مستدرک اور مذکورہ بالا کتابوں میں مذکور ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ الفاظ ایک خاص موقع پر ارشاد فرمائے تھے، جب بعض لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے کسی طرزِ عمل سے آزردہ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تھی، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و نفرت کا اظہار کر کے تم لوگ مجھ سے بغض و نفرت کا اظہار کر رہے ہو، اس لئے کہ جس کا میں دوست ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے دوست ہیں۔

اس واقعہ کی رُوشنی میں یہ حدیث چاہے صحیح ہو چاہے ضعیف، بہر حال اس سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا تشیّع کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

دوسری حدیث ﴿ حدیث طیر ﴾ کی تحقیق:

اس سے پہلے کہ ہم ''حدیث طیر'' کی تحقیق میں غوطہ زن ہوں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کا مختصر پس منظر بیان کر دیا جائے تا کہ دورانِ تحقیق اسے سمجھنے میں مزید آسانی ہو سکے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ:

''اے اللہ! تو اس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق

میں

سب سے زیادہ محبوب ہو، تا کہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے!۔''

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ اس کو تناول فرمایا۔ [۱]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ایسی تفصیلات اور اضافے ہیں جو امام ترمذیؒ وغیرہ کی روایات میں نہیں ہیں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کی احادیث بہت ہی مختصر ہیں، مسئلہ کی تنقیح

اور اس کی توضیح کے خیال سے یہاں پہلے ترمذی کی روایت اور اس کے بعد نسائی کی روایت نقل کی جاتی ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے:

" عن أنس بن مالک كان عند النبي (صلي الله عليه وسلم)

طير

فقال: أللهم ائتني بأحب خلقک اليک يأكل معي هذا الطير فجاء

علي

فأكل معه ." [۲]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا، تو آپ ﷺ نے یہ دعاء مانگی کہ: ''اے اللہ! تو اُس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، تا کہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے۔'' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ اس کو

تناول فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

اور سنن نسائی کی روایت میں ہے:

" عن أنس بن مالک رضي الله عنه أن النبي صلي الله عليه وسلم كان عنده طائر، فقال:أللهم ائتني بأحب خلقک اليک يأكل معي من هذا

الطير، فجاء أبوبكر فرده وجاء عمر فرده وجاء علي فأذن له ."[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعاء کی کہ:"اے اللہ! تو اُس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، تاکہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے۔" پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، مگر ان کو باریابی کی اجازت نہیں ملی، تیسری مرتبہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت نہایت طویل ہے، اس کا ملخص اور ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء ﴿أللهم ائتني ...... ألخ﴾ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ دعاء کی کہ: اے اللہ! یہ محبوب بندہ قبیلہ انصار کا کوئی فرد ہو۔" چنانچہ جب دو دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی

[1] " عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: كنت أخدم رسول الله صلي الله عليه وسلم ، فقدم لرسول الله صلي الله عليه وسلم فرخ مشوي ، فقال : ﴿ أللهم ائتني بأحب خلقک اليک يأكل معي من هذا الطير ﴾ فجاء عليٌّ رضي الله عنه ."(ألمستدرك علي الصحيحين للحاكم : ٣/١٤١،١٤٢ ، ألناشر : دارالكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[2] (جامع الترمذي : ٥/٦٣٦ ، ألناشر : شركة مكتبة و مطبعة مصطفي ألبابي ألحلبي ، مصر)

ضرورت سے تشریف لے گئے ہیں، مگر جب تیسری مرتبہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو
لے آؤ! تم ہی پر موقوف نہیں ہے، ہر شخص کو اپنی قوم سے محبت ہوتی ہے۔''

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت کے متعلق فرمایا ہے:

" هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث السدي الا من هذا الوجه

وقد روي هذا الحديث من غير وجه عن أنس ." [2]

ترجمہ: یہ حدیث غریب ہے، سدی سے یہ حدیث صرف اسی سند اور اسی طریق سے ان کی حدیث کا ہمیں علم ہے، حالاں کہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے
مروی ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ''تلخیص مستدرک'' میں ''حدیث طیر'' کی پہلی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ابن عياض لا أعرفه ولقد كنت زماناً طويلاً أظن أن حديث الطير

[1] (خصائص علي للنسائي : ٢٩/١ ، ألناشر : مكتبة المعلا ، ألكويت)

[2] (جامع الترمذي : ٦٣٦/٥ ، ألناشر : شركة مكتبة ومطبعة مصطفي ألبابي ألحلبي ، مصر)

لم يجسر الحاكم أن يودعه في مستدركه ، فلما علقت هذا الكتاب رأيت الهول من الموضوعات التي فيه فاذا حديث الطير بالنسبة اليها سماء ، قال وقد رواه عن أنس جماعة أكثر من ثلاثين نفساً ، ثم صحت الرواية عن علي
وأبي سعيد وسفينة .'' [۱]

ترجمہ: ابن عیاضؒ کے بارے میں مجھے واقفیت نہیں ہے۔میرا ایک زمانہ تک یہ خیال تھا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ''حدیث طیر'' کو اپنی ''مستدرک'' میں نقل کرنے کی جسارت نہ کی ہوگی،لیکن جب میں نے یہ تعلیق لکھی تو مجھے ایسی ہولناک موضوع احادیث اس میں ملیں کہ جن کے مقابلہ میں ''حدیث طیر'' ایک بلند پایہ حدیث ہے، کیوں کہ اس حدیث کے متعلق خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تیس سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہے،علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوسعید
رضی اللہ عنہ اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے بھی صحت کے ساتھ مروی ہے۔(ترجمہ ختم)

اور دوسری سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' قلت فيه ابراهيم بن ثابت وهو ساقط .'' [۲]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ابراہیم بن ثابت ساقط ہے۔(ترجمہ ختم)

اس حدیث کے متعلق ''تذکرۃ الحفاظ'' میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ مزید نرم ہوگیا۔چنانچہ آپ لکھتے
ہیں:

" ...... وأما حديث الطير فله طرق كثيرة جدا ، أفردتها

بمصنف و

بمجموعها يوجب أن يكون الحديث له أصل ."[1]

ترجمہ:اور بہرحال ''حدیث طیر'' تو یہ بہ کثرت طرق سے مروی ہے، میں نے ان سب طرق کو ایک مستقل رسالہ میں جمع کردیا ہے، اوران سب کے مجموعہ سے ثابت ہوتا ہے

[1] (تلخيص المستدرك للذهبي : ۳/۱۳۱)

[2] (تلخيص المستدرك للذهبي : ۳/۱۴۷۶)

کہ یہ حدیث ثابت ہے۔(ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؒ کو''حدیث طیر'' کے ضعیف یا موضوع ہونے میں نہیں، بلکہ اس کے صحیح اور ثابت ہونے میں مکمل طور پر شرح صدر تھا اورامام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اس کو ''غریب'' بتایا ہے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ آپؒ نے اس کے کثرت طرق کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ حدیث ضعیف یا موضوع نہیں ہے۔

لیکن بایں ہمہ عام علماء نے ''حدیث طیر'' کو صحیح تسلیم نہیں کیا جیسا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے اعتراضات سے ظاہر ہوتا ہے، البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں سے بعض کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض کے نزدیک موضوع۔ علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" و أما الحكم عليٰ حديث الطير بالوضع فغير جيد ،
ورأيت لصاحبنا الحافظ صلاح الدين خليل بن كيكلدي العلائي عليه
كلاماً قال فيه بعد ما ذكر تخريج الترمذي له وكذلك النسائي في
خصائص ان الحق في الحديث أنه ربما ينتهي اليٰ درجة الحسن أو
يكون ضعيفاً يحتمل ضعفه . قال : فأما كونه ينتهي اليٰ أنه موضوع من
جميع طرقه فلا قال وقد خرجه الحاكم من رواية محمد بن أحمد بن
عياض قال حدثنا أبي قال حدثنا يحييٰ بن حسان عن سليمان بن بلال
عن يحييٰ بن سعيد عن أنس رضي الله عنه قال ورجال هذا السند كلهم ثقاة
معروفون سويٰ أحمد بن عياض فلم أر من ذكره
بتوثيق ولا جرح . "[۲]

ترجمہ: ''حدیث طیر'' پر وضع کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے۔ ہمارے دوست
حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدي العلائی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے
کہ: ''اس

[۱] (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۳/۱٦٤ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۲] (طبقات الشافعية الكبريٰ للسبكي : ٤/۱۷۰ ، ألناشر : ألهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

کے متعلق صحیح فیصلہ یہ ہے کہ اس کے بعض طرق ''حسن'' کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، یا زیادہ سے زیادہ اس کو ''ضعیف'' کہہ سکتے ہیں، لیکن اس کے تمام طرق کا ''موضوع'' ہونا ثابت نہیں ہوتا، اُنہوں نے اس کی سند کے تمام رجال کو بجز ''احمد بن عیاض'' کے ثقہ ومعروف بتلایا ہے،
تاہم میری نظر سے ان کی جرح یا تعدیل کے بارے میں کوئی قول نہیں گزرا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۶۲ھ) نے بھی اس حدیث کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''وكم من حديث كثرت رواته وتعددت طرقه وهو حديث ضعيف كحديث الطير وحديث الحاجم والمحجوم وحديث من كنت مولاه فعلي مولاه .'' [1]

ترجمہ: اور کتنی ہی ایسی احادیث موجود ہیں کہ جن کے رُواۃ دسیوں اور ان کے طرق بیسیوں ہوتے ہیں، لیکن بایں ہمہ وہ احادیث ضعیف کہلاتی ہیں، جیسا کہ حدیث طیر
حدیث حاجم اور محجوم اور حدیث: ﴿**من كنت مولاه فعلي مولاه**﴾ ہیں ۔ (ترجمہ ختم)

تاہم جن لوگوں نے اس حدیث کو بالکل ہی موضوع قرار دیا ہے ان کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔

چنانچہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) اس حدیث کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" قال أبو عبد الله الحاكم :حديث الطائرلم يخرج في الصحيح و هو صحيح ،قال ابن ناصر :حديث موضوع ، انماجاء من سقاط أهل الكوفة

عن المشاهيرو المجاهيل عن أنس وغيره ." ۲؎

ترجمہ:امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''حدیث طائر کی صحیح میں تخریج نہیں
کی گئی حالاں کہ وہ صحیح ہے۔لیکن ابن ناصرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اہل کوفہ میں

۱؎ (نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية للزيلعي : ۳۵۹/۱،۳٦۰، ألناشر : مؤسسة الريان ، للطباعة و النشر ، بيروت
لبنان ۔ دار القبلة للثقافة الاسلامية ، جدة ، السعودية)

۲؎ (ألمنتظم في تاريخ الملوك و الأمم لابن الجوزي : ۱۰۹/۱۵ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

سے ساقط الاعتبار قسم کے لوگوں نے کچھ مشہور اور کچھ مجہول راویوں کے واسطہ سے اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کیا ہے۔(ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن ملقن شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) لکھتے ہیں:

" وقال ابن طاهر (في) حديث الطير المشهور المروي من (نحو) عشرين طريقا عائبا علي اخراج الحاكم له في ﴿ مستدركه ﴾ هذا حديث موضوع كل طرقه باطلة معلولة انمايجيٌ عن سقاط أهل الكوفة و المجاهيل
عن أنس وغيره ." ۱؎

ترجمہ: ابن طاہر مشہور ''حدیث طیر'' جو کہ تقریباً بیس (۲۰) طرق سے مروی ہے کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر اُن کے اِس کی اپنی ''مستدرک'' میں تخریج کرنے پر عیب لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''یہ حدیث موضوع ہے، اس کے تمام طرق باطل اور معلول ہیں۔ اہل کوفہ میں سے ساقط الاعتبار قسم کے لوگوں نے کچھ مشہور اور کچھ مجہول راویوں
کے واسطہ سے اس کو حضرت انس وغیرہ سے روایت کیا ہے۔'' (ترجمہ ختم)

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" حدثني أبو اسحاق ابراهيم بن محمد الأرموي ، قال: جمع الحاكم أبو عبد الله أحاديث زعم أنها صحاح عليٰ شرط البخاري و مسلم يلزمهما اخراجها في صحيحيهما ، فمنها حديث الطير ، و من كنت مولاه فعلي مولاه ، فأنكر عليه أصحاب الحديث ذلک ، ولم يلتفتوا اليٰ قوله و
لاموه في فعله ." ۲؎

ترجمہ: ابو اسحاق ارمویؒ کہتے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے چند احادیث اس
خیال سے جمع کیں کہ یہ بخاریؒ و مسلمؒ کی شرائط کے مطابق صحیح ہوں گی اور ان دونوں حضرات کو

۱؎ (ألبدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير: ۱/۳۱۴،

ألناشر : دار الهجرة للنشر والتوزيع
الرياض ، السعودية)
۲ (ألبداية و النهاية لابن كثير : ۱۱/۴۰۹ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

بھی ان کی تخریج لازمی کرنی چاہیے تھی، من جملہ ان میں سے ایک ''حدیث طیر'' ہے اور دوسری حدیث ﴿من کنت مولاه فعلي مولاه﴾ ہے۔ پس محدثین نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نکیر فرمائی اور ان کے قول کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور ان کے اس فعل پر انہیں ملامت کیا۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

" قال في المختصر له طرق كثيرة كلها ضعيفة وقد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وأما الحاكم فأخرجه في المستدرک وصححه واعترض عليه كثير من أهل العلم ومن أراد استيفاء البحث فلينظر ترجمة الحاكم في النبلآء ." ۱

ترجمہ: مختصر میں ہے کہ اس حدیث کے بیسیوں طرق ہیں جو کہ سب ضعیف ہیں اور علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے، مگر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مستدرک'' میں اس حدیث کی تخریج کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر علماء نے ان پر اعتراضات بھی کیے ہیں، جو اس کی مفصل بحث دیکھنا چاہتا ہے وہ ﴿ سیر أعلام النبلآء ﴾ میں امام حاکم کا ترجمہ دیکھ سکتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

حاصل کلام:

بہر حال امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ''حدیث طیر'' کو اپنی ''مستدرک'' میں داخل کیا ہو

یاخارج کیا ہوا اس کا
موضوع اور باطل ہونا اکثر علمائے فن حدیث اور محدثین عظام کے نزدیک مسلم ہے۔

اور اگر کسی صورت میں اسے صحیح مان بھی لیا جائے جب بھی اس سے شیعیت کی تائید اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا تشیّع کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علی الاطلاق سب سے افضل و برتر ہونا یقینی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔

ل (ألفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني : ۳۸۳/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

﴿یا أیها الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبأٍ فتبینوا (الحجرات:۴۹/۶)﴾
یعنی اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو!۔

حضرت معاویہؓ

اور

عباراتِ اکابرؒ

﴿جلد دوم﴾

تصنیف:
مفتی محمد وقاص رفیعؔ
فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور

من منشورات:
ادارۃ التحقیق والادب
ایبٹ آباد روڈ، اسلام پور، واہ کینٹ، ضلع راولپنڈی

﴿۵﴾

علامہ برہان الدین المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۵۹۳ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: برہان الدین، اور والد کا نام: ابوبکر ہے۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

''ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدا لجلیل بن الخلیل بن ابی بکر حبیب......الخ۔''

سلسلۂ نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

آپؒ کی پیدائش مؤرخہ ۸ رجب المرجب ۵۱۱ھ بروز دوشنبہ (پیر کے دن) بعد از نمازِ عصر ہوئی۔

وطن عزیز:

عام طور پر آپؒ کا وطن ''مرغینان'' ہی بتایا جاتا ہے جو ''مراغہ'' کا ایک قصبہ ہے، لیکن آپ کے ہم وطن بادشاہ بابر نے ''تزک'' میں آپ کے گاؤں کا نام ''رشدان'' بتایا ہے جو ''مرغینان'' کے تعلقہ میں تھا۔ چنانچہ صاحب مفتاح السعادۃ نے بھی ''مرغینانی'' کے بعد نسبت میں ''رشدانی'' بڑھایا ہے۔

تحصیل علم:

علامہ مرغینانی نے اپنے اُن اساطین امت سے علوم کی تحصیل کی تھی جو ہر فن میں مرجع الخلائق تھے، ان کے اسماء کی ایک طویل فہرست ہے، جسے ''مشیخة'' کہا جاتا ہے اور بقول صاحب ﴿ ألجواهر المضية ﴾ حافظ عبدالقادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ کے' یہ فہرست خود صاحب ہدایہؒ ہی نے مرتب کی ہے اور اس میں اپنے شیوخ واساتذہ اور اُن

کی مرویات کو جمع کیا ہے۔ [۱]

مکمل تصویر:

ان ہی محترم ومقدس ہستیوں کے فیضانِ صحبت نے آپؒ کو کشورِ علم وفضل کا تاج دار بنادیا جس کی مکمل تصویر صاحب ﴿ ألجواهر المضية ﴾ نے اس طرح کھینچی ہے جس میں آپؒ کے چہرۂ فضل وکمال کا ایک ایک خدوخال

نمایاں ہو جاتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"کان اماماً فقیهاً حافظاً محدثاً مفسراً جامعاً للعلوم ضابطاً للفنون متقناً محققاً نظاراً مدققاً زاهداً ورعاً بارعاً فاضلاً ماهراً أُصولیاً أدیباً شاعراً .

لم ترالعیون مثله في العلم والأدب " . [۲]

ترجمہ: صاحب ہدایہؒ امام وقت، فقیہ بے بدل، حافظ زماں، محدث دوراں، مفسر قرآن، جامع العلوم، ضابط الفنون، علم میں پختہ، محقق ومدقق، وسیع النظر، عابد وزاہد، متقی وپرہیزگار، فائق الاقران، فاضل الاعیان، ماہر فنون، اصولی، بے مثل ادیب اور بے مثال شاعر اور علم وادب میں دُرِّ لاثانی تھے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ آپؒ کے ہم عصر علماء امام فخر الدین قاضی خاں، صاحب محیط وذخیرہ محمود بن احمد بن عبدالعزیز، شیخ زین الدین ابونصر احمد بن محمد بن عمر عتابی اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ محمد بن احمد بخاری وغیرہ نامور علماء ومشائخ نے آپؒ

کے علم وادب اور آپ کے فضل وتقدم کا بجا طور پر اعتراف کرتے ہوئے آپ کو دادِ قابلیت پیش کی ہے۔

حافظ عبدالقادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵ے۷ھ) لکھتے ہیں:

[۱] **"ولقي المشایخ وجمع لنفسه مشیخة کتبتها ."** (ألجواهر المضیة في طبقات

الحنفية للقرشي : ١/٣٨٤ ، ألناشر:
مير محمد كتب خانه ، كراتشي ، ألباكستان)

٢ (ألجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي : ...... ألناشر : مير محمد كتب خانه ، كراتشي ، ألباكستان)

" أقر له أهل مصر بالفضل والتقدم ."[1]

ترجمہ: اہل مصر نے آپؒ کے فضل وتقدم کا اقرار کیا۔ (ترجمہ ختم)

تصانیف:

آپؒ کی گراں قدر علمی تصانیف جنہوں نے آپ کو شہرت و بزرگی کے بام عروج پر پہنچا دیا تھا یہ ہیں:

﴿١﴾ بداية المبتدي ﴿٢﴾ كفاية المنتهي ﴿٣﴾ ألهداية ﴿٤﴾ ألمنتقيٰ ﴿٥﴾ ألتجنيس ﴿٦﴾ ألمزيد ﴿٧﴾ مناسک الحج ﴿٨﴾ نشر المذهب ﴿٩﴾ مختارات النوازل ﴿١٠﴾ فرائض العثماني ﴿١١﴾ مختار الفتاويٰ وغيرهم .

بالخصوص "ہدایہ" تو آپؒ کا وہ مایۂ ناز و بلند پایہ علمی شاہکار ہے کہ جس کی نظیر آج تک دنیائے علم وفن کا کوئی فرزند پیش نہیں کرسکا۔ **كما قال الشاعر الساحر :**

ان الهداية كالقرآن قد نسخت ما صنفوا اقبلها في الشرع من كتب يسلم
فاحفظ قرائتها وألزم تلاوتها مقالک من زيغ ومن كذب

ترجمہ: (۱) ہدایہ گویا اس باب میں قرآن کے مشابہ ہے جس نے گزشتہ شرائع کی کتابوں کو گویا منسوخ کردیا ہے (۲) پس اس کتاب کو پڑھتے رہو اور اس کی خواندگی اپنے اوپر لازم کرلو اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری گفتگو کجی اور
غلطیوں سے پاک ہوجائے گی۔ (ترجمہ ختم)

وفات حسرت آیات:

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۱۴ ذی الحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ میں شب سہ

شنبہ (منگل کے روز)
اِس عالم آب وگل سے اپنا رشتۂ حیات منقطع کیا، اور سرزمین سمرقند میں یہ آفتاب علم وہدایت یہ کہتا ہوا کہ:

چنیں قفس نہ سزائے چومن خوش الحان است
روم بہ ''گلشن رضواں'' کہ مرغِ آں چمن ام

ترجمہ: مجھ جیسے خوش الحان پرندے کو اس قسم کا قفس (پنجرہ) زیب نہیں دیتا، میں تو ''گلشن رضوان'' ۲ کی

۱ (ألجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي : ۳۸۳/۱ ، ألناشر : میر محمد کتب خانه ، کراتشي ، ألباكستان)
۲ ''رضوان'' جنت کے داروغہ کا نام ہے اور ''گلشن'' سے یہاں مراد جنت ہے۔ رفیع

طرف جا رہا ہوں کہ جس کے چمن کا میں پرندہ ہوں۔ (ترجمہ ختم)
ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔ **فرحمه الله رحمة واسعة .**
کہا جاتا ہے کہ سمرقند میں تقریباً چار سو نفوس مدفون ہیں، جن میں سے ہر ایک کا نام محمد ہے۔ ۱

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:
لیکن بایں ہمہ علم وکمال اور فضل وتقدم آپؒ اپنے حاسدین ومعاندین کے دودھاری خنجروں کے وار سے
کسی طرح بھی محفوظ نہ رہ سکے۔
چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ایک جگہ آپؒ کا بے جا علمی محاسبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علامہ مرغینانیؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت کے فیصلوں کے حوالے

سے

''ألسلطان الجائر'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

'' ثم يجوز التقلد من السلطان الجائر ، كما يجوز من العادل

، لأن

الصحابة تقلد و ه من معاوية والحق كان بيد علي في نوبته .'' ۲

ترجمہ: پھر سلطان جائر کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کیا تھا، حالاں کہ اپنی خلافت کی نوبت آنے پر حق حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے ہاتھ میں تھا۔

علامہ ابن ہمامؒ صاحب ہدایہؒ کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

''هذا تصريح بجور معاوية والمراد في خروجه لا في أقضيته .'' ۳

ترجمہ: یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جور کی تصریح ہے اور اس سے مراد عدالتی

فیصلوں

میں ان کا جور مراد نہیں بلکہ ان کا خروج ہے۔

۱ (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين : ۱۹۱، ۱۹٤، ألناشر : مير محمد كتب خانه ، آرام باغ ، كراتشي ، ألباكستان)

۲ (ألهداية ، كتاب أدب القاضي **بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۹۹)**

۳ (فتح القدير : ٥/٤٦١ طبع مصر ، **بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۰۰)**

باوجود اس کے کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔

صاحب ہدایہؒ خود امام اعظمؒ کے اِس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقوله (أي قول أبي حنيفة) وهو ظلم (أي ميل عن سواء السبيل) وهكذا يكشف عن مذهبه رحمه الله أن المجتهد يخطئ ويصيب لا كما ظنه البعض ."[1]

ترجمہ اور: امام اعظمؒ کے قول " وهو ظلم "میں "ظلم" سے مراد سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے ہیں اور اِس سے اِن کا مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد خطاء پر بھی
ہوتا ہے اور صواب پر بھی نہ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔

اِس سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ "ظلم" سے خود صاحب ہدایہؒ نے خطائے اجتہادی ہی مراد لی ہے، اور خطائے اجتہادی جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سرزد ہوسکتی ہے اسی
طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صادر ہوسکتی ہے۔

امام ابن ہمامؒ کی توضیح میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں:

۱- ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج۔ اس وجہ سے ان
پر جائر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ ان کا "جور" تازیست نہیں تھا، بلکہ "صلح حسن رضی اللہ عنہ" تک تھا، اس سے پہلے جو عہدے قبول کیے گئے وہ "سلطان جائر" کی طرف سے ہیں اور ان کا قبول کیا جانا بھی جائز ہے، لیکن "صلح حسن رضی اللہ عنہ" کے بعد ان کی یہ حیثیت بھی باقی نہیں رہی

ل (ألهداية ، كتاب أدب القاضي : ۲/۱۱۷ ،بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۰۰)

بلکہ ''سلطان عادل'' کی ہوگئی۔یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''جائر'' تھے اور مصالحت کے بعد ''جائر'' نہ رہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن ہمامؒ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری سے پہلے ''جائز'' ہونا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس ''دورِ جور'' میں عہدے دیے تھے۔

موصوف صاحب ہدایہؒ کی عبارت کی تشریح کر کے ان کے استدلال کو غیر تام بتا رہے ہیں،یعنی صاحب ہدایہؒ نے جو دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''جور'' کا فرض کیا ہے،اس میں اُنہوں نے نہ کسی کو عہدۂ قضا دیا،نہ کسی نے لیا۔اور جس دور میں یہ لینا دینا با قاعدہ پایا گیا تو وہ دور ''مصالحت حسن رضی اللہ عنہ'' کے بعد کا ہے جسے بالا تفاق وبالا جماع ''دورِ عدل'' قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے اگر چہ ''ظلم'' کا معنی ''**میل عن سواء السبیل**''،یعنی سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے لئے ہیں،اور اسے مجتہد کی ''خطاء'' و ''صواب'' پر محمول کیا ہے،لیکن اُن کی یہ تاویل صحیح نہیں،کیوں کہ ''سلطانِ عادل'' کے مقابلے میں ''سلطان جائر'' بمعنی ''مجتہد مخطی'' کسی لغت میں نہیں ہے۔

یہ درُست ہے کہ ''جور'' کا معنی صرف ''ظلم'' ہی نہیں بلکہ '' **میل عن الاستواء والاعتدال**'' بھی ہے،لیکن یہاں بات مطلق ''جور'' کی نہیں ہو رہی ہے بلکہ ''سلطانِ عادل'' کے بالمقابل ''سلطانِ جائر'' کے ''جور'' کی ہو رہی ہے،جس کا معنی ''ظلم'' ہی بنتا ہے......ل

تھوڑا آگے چل کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہؒ کے ہاں صرف یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ: ''کیا ''سلطانِ جائر'' کی طرف سے ''عہدۂ قضاء'' قبول کیا جاسکتا ہے؟ اِس کا جواب بھی اُنہوں نے دے دیا کہ ہاں! ہوسکتا ہے، لیکن اِس جواب کی دلیل میں اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو درمیان میں لاکر

ا (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱)

''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' سے متعلق اہل سنت والجماعت کے مسلک کو نظر انداز کیا ہے۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی مثال نہیں دی جاسکتی تھی؟ کیا ''جائر'' وہی کہلا سکتا ہے جو امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرے؟ کیا ایک مستقل امام جائر نہیں ہوسکتا؟ کیا اس جور کا تعلق خروج کے ساتھ ہی ہے؟۔'' ا

یہاں لفظ جور سے اُس لغوی نہیں کی فقہی اصطلاح مراد ہے!:

اس میں شک نہیں کہ یہاں بات مطلق ''جور'' کی نہیں ہو رہی بلکہ ''سلطانِ عادل'' کے مقابلے میں ''سلطانِ جائر'' کے ''جور'' ہی کی ہو رہی ہے، لیکن یہاں پر لفظ ''جور'' سے اُس کا لغوی معنیٰ ''ظلم'' مراد نہیں بلکہ صاحب ہدایہؒ خود تصریح کر رہے ہیں کہ اس کا اصطلاحی معنیٰ ''خطائے اجتہادی'' بتاویل ''میل عن سواء السبیل'' مراد ہے، اس لئے کہ اصطلاحِ فقہ میں امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرنے والے پر لفظ جور، خروج، اور بغاوت وغیرہ الفاظ کا اطلاق کر کے اُسے ''جائر، اور باغی'' کہا جاتا ہے، اور یہ اطلاق ''ظلم'' کو مستلزم نہیں۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا وہ بھی چوں کہ ایک ''امام عادل'' کے مقابلہ میں خروج تھا اور ہوا بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کی بناء پر تھا اس لئے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے اسے جور، خروج اور بغاوت جیسے الفاظ سے تعبیر کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جائر بمعنیٰ ''میل عن سوا السبیل'' کہا گیا ہے، جس کا یہاں لغوی معنیٰ ''ظلم'' مراد لینا کسی بھی طرح صحیح نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''ظالم'' قرار دینے کا الزام صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک جھوٹی تہمت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

کیا مصالحت حسنؓ سے قبل حضرت معاویہؓ نے کسی کو عہدۂ قضا سونپا تھا؟:

محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ: صاحب ہدایہؒ کا استدلال تب دُرست ثابت ہوتا ہے جب کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''مصالحت حسن رضی اللہ عنہ'' سے پہلے اپنے دورِ ابتلاء میں کسی کو کوئی عہدہ سونپا ہو، اگر ''مصالحت حسن رضی اللہ عنہ'' کے بعد کسی کو کوئی عہدہ سونپا ہو تو اس سے صاحب ہدایہؒ کا استدلال تام نہیں ہوتا، اس لئے کہ ''مصالحت حسن رضی اللہ عنہ'' کے بعد تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''سلطانِ عادل'' ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔

چنانچہ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۰۱، ۱۰۲)

''ثم انما یتم اذا ثبت أنه ولي القضاء قبل تسلیم الحسن له و أما بعد تسلیمه فلا .''[1]

ترجمہ: پھر (صاحب ہدایہؒ کا) یہ استدلال اُس وقت تام ہوتا ہے جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کرنے سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو قضاء کا والی بنایا ہو، بہر حال خلافت سپرد کرنے کے بعد اگر کسی کو والی بنایا ہو تو پھر نہیں۔ (ترجمہ ختم)

درحقیقت یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''مصالحت حسن رضی اللہ عنہ'' سے پہلے اپنے ''دورِ جور'' میں کئی لوگوں کو عہدۂ قضاء'' سونپا ہے۔ اور اس کی کئی ایک مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ لیکن مثالیں پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس دورِ جور کا اجمالی جائزہ لے لیا جائے جو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر مصالحت امام حسن رضی اللہ عنہ تک کا زمانہ کہلاتا ہے، تا کہ مثالیں سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے لیکر مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کے دور تک کا اجمالی جائزہ:

یاد رہے کہ خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوا اور بقول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ۲۴ ذی الحجہ، بروز پنج شنبہ ۳۵ھ میں بیعت کی اور اس کے دوسرے دن یعنی ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ میں عام اہل مدینہ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی شہادت ماہِ رمضان ۴۰ھ میں ہوئی، جس کے بعد لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، یہاں تک کہ مؤرخہ ۵ ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ''مسئلہ خلافت'' میں صلح کر لی [2] اور امر خلافت آپ کے سپرد کر کے اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

مشہور مؤرخ خلیفہ ابن خیاط رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۴۰ھ کہتے ہیں کہ یہ صلح ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں پیش آئی۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

[1] (فتح القدير للعاجز الفقير شرح الهداية لابن الهمام : ٢٦٣/٧ ، ألناشر : دار الفكر)

[2] (ألبداية و النهاية لابن كثير : ٢٠/٨ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

" وسلم الحسن بن علي الي معاوية و ذلک في شهر ربيع الآخر أو في جمادي الأولي سنة احدي و أربعين ." [1]

ترجمہ: امام حسن رضی اللہ عنہ نے امر خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور یہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کی بات ہے۔ (ترجمہ ختم)

مصالحت حسن رضی اللہ عنہ سے پہلے کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو عہدے سونپنا:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے انتقال (ماہِ ذی الحجہ ۳۵ھ) کے بعد سے لے کر ''مصالحت حسن رضی اللہ عنہ'' (ماہِ ربیع الاول یا ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ علیٰ حسب اختلاف الاقوال) پانچ سال اور چند ماہ کا دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''مصالحت حسن رضی اللہ عنہ

’’ سے پہلے کا دور کہلاتا ہے اور اس دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے
جن جن لوگوں کو عہدۂ قضاء سونپا تھا ذیل کی سطور میں ان کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

۱۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ:

یہ مشہور صحابی اور بڑے عقل منداور شجاع قسم کے آدمی تھے، اپنی معاملہ فہمی اور دانش مندی کی بناء پر عرب کے سیاست دانوں میں آپ رضی اللہ عنہ کا ایک مقتدر مقام تھا۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی لشکروں کے امیر رہے اور کئی علاقوں
کے والی بنائے گئے، پھر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں آپ رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور کارنامے مسلم ہیں۔

مصر آپ رضی اللہ عنہ ہی کی مساعی جمیلہ سے فتح ہوا، دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں آپ رضی اللہ عنہ امیر مصر رہے، اور خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ میں بھی کچھ مدت امیر مصر رہے اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مصر کے حاکم بنائے گئے اور ۳۸ھ سے لے کر ۴۱ھ تک مصر کے والی رہے اور صحیح قول کے مطابق ۴۳ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کا مصر ہی میں انتقال ہوا۔ کہا جاتا
ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم مشیر اور اعلیٰ درجہ کے حاکم تھے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

” وولي عمرو امرة مصر في زمن عمر بن الخطاب وهو الذي افتتحها وأبقاه عثمان قليلا ثم عزله ...... ثم سار في جيش جهزه معاوية الي مصر فولها لمعاوية من صفر سنة ثمان وثلاثين الي أن مات سنة ثلاث

[1] (تاريخ خليفة ابن خياط : ۲۰۳/۱ ، ألناشر : دار القلم ، مؤسسة الرسالة ، دمشق ، بيروت)

وأربعين عليٰ الصحيح .“[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر کے والی مقرر کیے گئے، اور آپ رضی اللہ عنہ ہی کی مساعی جمیلہ سے مصر فتح ہوا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ مدت آپ رضی اللہ عنہ کو مصر کا امیر باقی رکھا پھر معزول کر دیا، اور پھر آپ رضی اللہ عنہ اُس لشکر میں
چلے گئے کہ جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کی طرف روانہ کیا، جہاں آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صفر ۳۸ھ میں مصر کے والی بنے، یہاں تک کہ صحیح قول کے مطابق
۴۳ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کا مصر ہی میں انتقال ہو گیا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

” فيها (أي في سنة ثمان وثلاثين) بعث معاوية عمرو بن العاص اليٰ ديار مصر ، فأخذها من محمد بن أبي بكر ، واستناب معاوية عمروا عليها.“ [2]

ترجمہ: ۳۸ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دیارِ مصر کی طرف (والی بنا کر) بھیجا...... الخ۔ (ترجمہ ختم)

﴿۲﴾ حضرت شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ:

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ”حمص“ کے والی رہے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

” شرحبيل بن السمط بن الأسد بن جبلة الكندي ...... كان أميراً عليٰ حمص لمعاوية ومات بها وصلي عليه حبيب بن مسلمة وقيل :انه مات
سنة أربعين .“ [3]

۱؎ (ألاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر ألعسقلاني : ٤/ ٥٤٠ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ٣٤٦/٧ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۳؎ (ألاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر : ٦٩٩/٢ ، ألناشر : دار الجيل ، بيروت)

ترجمہ: شرحبیل بن سمط کندی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ''حمص'' کے والی تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال وہیں ''حمص'' ہی میں ہوا،آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔کہا جاتا ہے کہ آپ کا انتقال ۴۰ھ میں ہوا۔(ترجمہ ختم)

﴿۳﴾ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ:

۳۹ھ میں حضرت معایہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو دو ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ ''مغربی کوفہ'' کے قریب ''عين التمر'' نامی مقام کی طرف والی بنا کر بھیجا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''وكان ممن بعث في هذه السنة (أي سنة تسع و ثلاثين) النعمان بن بشير (لمعاوية) في ألفي فارس اليٰ عين التمر .''۱؎ و ۲؎

ترجمہ:۳۹ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو مغربی کوفہ کے قریب ''عين التمر'' نامی مقام کی طرف دو ہزار گھوڑ سواروں کی معیت میں والی بنا کر بھیجا تھا۔(ترجمہ ختم)

﴿۴﴾ حضرت عبداللہ بن مسعدہ الفزاری رضی اللہ عنہ:

۳۹ھ میں عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو ایک ہزار سات سو آدمیوں کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقام ''تیماء'' کا والی بنا کر بھیجا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہاں کے لوگوں سے صدقات وغیرہ وصول کرنا اگر دے دیں تو
فبھا ورنہ ان سے قتال کرنا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

'' وفيها (أي في سنة سبع و ثلاثين) بعث معاوية عبد الله بن مسعدة

۱؎ (ألبداية و النهاية لابن كثير : ٧/٣٥٤ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲؎ **'' (عين التمر) بلدة قريبة من الأنبار غربي الكوفة افتتحها المسلمون في أيام أبي بكر الصديق عليٰ يد خالد بن الوليد عنوة سنة ١٢ .''** (حاشية ألبداية و النهاية لابن كثير : ٧/٣٥٤ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت لبنان)

الفزاري في ألف وسبع مائة اليٰ '' تيماء '' وأمره أن يصدق أهل البوادي ومن امتنع من أعطائه فليقتله .'' ۱؎

ترجمہ: اور ۳۹ھ میں حضرت معاویہ نے حضرت عبداللہ بن مسعدہ فزاری رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار سات سو آدمیوں کی معیت میں مقام ''تیماء'' کا والی بنا کر بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہاں کے لوگوں سے صدقات وغیرہ وصول کرنا اگر دے دیں تو فبھا ورنہ ان سے قتال کرنا۔

﴿۵﴾ حضرت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ:

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاونین میں سے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی

طرف سے متعدد مقامات پر والی بنائے گئے۔ بلادِ روم کے غزوات پر آپ رضی اللہ عنہ کو آمادہ کر کے روانہ کیا جاتا تھا، پھر اس سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ کو غلبہ حاصل ہوتا رہا اور آپ رضی اللہ عنہ اپنے کارہائے نمایاں بخوبی انجام دیتے رہے۔ آخری عمر میں آپ رضی اللہ عنہ کو ''آرمینیہ'' کا والی اور حاکم مقرر کیا گیا، جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے ۴۲ھ میں وفات پائی۔ جنگ صفّین وغیرہ تمام لڑائیوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ''آرمینیہ'' کا والی بنا کر بھیجا، اور وہیں ۴۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کا
انتقال ہوا۔

چنانچہ امام ابن اثیر الجزری (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

''ولما حصر عثمان أمده معاوية بجيش ، واستعمل عليهم حبيب بن مسلمة لينصروه ، فلما بلغ وادي القرى لقيه الخبر بقتل عثمان ، فرجع ولم يزل مع معاوية في حروبه كلها بصفين وغيرها وسيره معاوية الي أرمينية
واليا عليها ، فمات بها سنة اثنتين وأربعين .'' [۲]

ترجمہ: اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدد کے لئے ایک لشکر روانہ کیا اور اُس پر حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جب ''وادی القریٰ'' نامی جگہ میں پہنچے تو انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی

[۱] (ألبداية والنهاية لابن كثير : ۳۵٤/۷ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

[۲] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير ألجزري : ٦٨١/١ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

اور وہ وہیں سے واپس لوٹ آئے۔

آپ رضی اللہ عنہ جنگ صفّین وغیرہ تمام لڑائیوں میں ہمیشہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو "آرمینیہ" پر والی مقرر کر کے بھیجا، اور وہیں ۴۲ھ
میں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ (ترجمہ ختم)

اور امام ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"وكان معاوية يغزيه الروم فيكون له فيهم نكاية واثر ثم وجهه الي
أرمينية واليا عليها فمات بها سنة اثنتين وأربعين ." [1]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کو (غزواتِ) روم کے لئے بھیجتے تھے، پس آپ رضی اللہ عنہ اُن میں غلبہ حاصل کرتے اور کارہائے نمایاں انجام دیتے (آخری عمر میں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو "آرمینیہ" کا والی (اور حاکم) بنا کر بھیجا اور وہیں ۴۲ھ
میں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ (ترجمہ ختم)

الغرض اس طرح کی اور مثالیں بھی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہوں گی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے "مصالحت حسن رضی اللہ عنہ" سے پہلے کے دور میں کئی لوگوں کو مختلف علاقوں کے لئے والی اور امیر مقرر
کر کے روانہ فرمایا۔

اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے جو صاحب ہدایہؒ کے استدلال کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے "مصالحت حسن رضی اللہ عنہ" سے پہلے کے "دورِ جور" میں مختلف لوگوں کو "عہدۂ قضاء" سونپنے کی شرط کے ساتھ مشروط ٹھہرا کر تام بتلایا تھا مذکورہ بالا مثالوں میں وہ شرط بوجہ اتم پائی جا رہی ہے، اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہؒ کا استدلال اپنی جگہ

بالکل صحیح اور درُست ہے، اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق اور علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف اُن کا پروپیگنڈا بالکل باطل، غلط اور مبنی بر جہالت ہے۔

''امام قوال'' اور ''امام فعال'' کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

ل (ألطبقات الكبرىٰ لابن سعد ألمعروف بطبقات ابن سعد : ٢٧٨/٨ ، ألناشر : دار صادر ، بيروت)

۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

" فإن اقتصر علیٰ ذکر اللہ جاز عند أبي حنیفة و قالا لابد من

ذکر طویل یسمي خطبة لأن الخطبة هي الواجبة و التسبیحة
و التحمیدة لا تسمي
خطبة ...... وعن عثمان أنه قال : ألحمد لله فارتج علیه فنزل و صلي
...... "[1]

ترجمہ: پس اگر اس نے اکتفا کی (صرف) اللہ کے ذکر پر تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ نے کہا ذکر طویل ضروری ہے جس کا نام (عادۃً) خطبہ رکھا جا سکے، کیوں کہ خطبہ واجب ہے اور تسبیح و تحمید کا نام خطبہ نہیں ہے......اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں) " ألحمد لله " کہا تو ان پر اختلاط واقع ہو گیا، کپکپی طاری ہو گئی، زبان بند ہو گئی جس کی وجہ
سے وہ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔

فاضل محشی ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے اس قصہ کی طرف
رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

"وهو ما روي أن عثمان لما صعد المنبر في أول جمعة ولّي
فارتج علیه فقال : ان أبابکر وعمر رضي الله عنهما کان یعدان لهذا
المکان مقالاً
و أنتم الیٰ امام فعال أحوج منکم الیٰ امام قوال ".

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے بعد جب پہلے خطبہ
کے لئے منبر پر چڑھے تو "الحمدللہ" کہنے کے بعد ان پر کپکپی طاری ہو گئی اور زبان بند ہو گئی (اور نیچے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔ بعد میں فرمایا کہ) ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اس جگہ خطبہ کی تیاری

ل (ألهداية : ١/١٦٩ ، بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۰۴)

کر کے آتے تھے (اس جگہ کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے) اور تم کو قوال (زیادہ بولنے والے) امام کی بہ نسبت فعال امام کی زیادہ ضرورت و احتیاج ہے۔ (ترجمہ ختم)

فاضل محشی نے "**فارتج عليه**" کے معنی "**وقع في اختلاط**" کے کیے ہیں یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اختلاط میں پڑ گئے، اُن پر کپکپی طاری ہوگئی، اُن کی زبان بند ہوگئی اور وہ "**ألحمد لله**" کے سوا اور کچھ نہیں ادا کر پائے۔ اس قصہ کی روایتی حیثیت "روي" کے صیغہ سے بخوبی واضح ہوگئی ہے۔ جب کہ امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے یہ وضاحت فرمائی

ہے:

" **فانها لم تعرف في كتب الحديث بل في كتب الفقه .**" ل

ترجمہ: یعنی یہ قصہ کتب حدیث میں نہیں ہے بلکہ کتب فقہ میں پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" **حكي المؤرخون عن عثمان كذبة عظيمة .**" ۲

ترجمہ: مؤرخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت بڑا جھوٹا قصہ ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن ابی العز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

" **أنكره ابن العربي وغيره من أهل الأثر .**" ۳

ترجمہ: اس قصہ کا ابن العربیؒ اور دیگر اہل اثر نے انکار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"**لم أجده مسنداً وذكره قاسم بن ثابت في الدلائل بغير اسناد .**" ۴

ترجمہ: مجھے اس کی سند معلوم نہیں اور قاسم بن ثابت نے اسے دلائل میں بغیر سند

ہی کے ذکر کیا ہے۔

۱ (فتح القدیر شرح هداية ، **بحوالہ:سیدنا معاویہ**رضی اللہ عنہ **کے ناقدین:ص۱۰۴**)

۲ (عارضة الأحوذي : ۲/۲۹٦ ، **بحوالہ:سیدنا معاویہ**رضی اللہ عنہ **کے ناقدین:ص۱۰۵**)

۳ (ألتنبيه عليٰ مشكلات الهداية : ج ۲ ص ۷٤٦ ، **بحوالہ:سیدنا معاویہ**رضی اللہ عنہ **کے ناقدین:ص۱۰۵**)

۴ (ألدراية : ۱/۲۱٥ ، **بحوالہ:سیدنا معاویہ**رضی اللہ عنہ **کے ناقدین:ص۱۰۵**)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"هذا غريب ولكن قد اشتهر في كتب الفقه ......" ۱؎

ترجمہ: یہ غریب ہے مگر فقہ کی کتابوں میں مشہور ہے۔

فاضل محشی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کی حسب ذیل توضیح فرمائی ہے:

"أراد به الخطباء والذين يأتون بعدالخلفاء الراشدين يكونون علي كثرة المقال. وأنا وان لم أكن قوالاً مثلهم فأنا عليٰ الخير دون الشر. فأما أن يريد بهذا تفضيل نفسه عليٰ الشيخين فلا . كذا في المحيط" . ۲؎

ترجمہ: اس سے ان (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کی مراد خطباء اور وہ لوگ تھے جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے ہیں، وہ بہت زیادہ بولنے والے ہوں گے اور میں اگر اُن کی طرح زیادہ بولنے والا نہیں ہوں تو میں بہتری پر ہوں نہ کہ شر پر۔ پس اس سے اگر ان کا شیخین پر اپنے آپ کو فضیلت دینا مراد لیا جائے تو ایسا نہیں ہے "محیط" میں اسی طرح ہے۔

یہ توضیح نفس مضمون کے ساتھ بالکل مطابقت نہیں رکھتی کیوں کہ صاحب ہدایہ نے اس جھوٹے اور وضعی قصے کو امام ابوحنیفہ کے اس قول: "فان اقتصر عليٰ ذكر الله جاز" (یعنی صرف ذکر اللہ سے خطبہ ہو جائے گا) کی دلیل کے طور پر صحیح سمجھ کر نقل کیا ہے، لیکن وہ اس قصہ کی حقیقت پر غور نہیں فرما سکے کہ کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین بھی پائی جاتی ہے کہ انہیں "اختلاط" ہو گیا تھا، زبان بند ہو گئی تھی، کپکپی طاری ہو گئی تھی، وہ خلیفہ تو منتخب ہو گئے مگر خطبہ نہیں دے سکے یا بغیر تیاری کے وہ منبر پر چڑھ گئے۔ بعد میں وہ اس پر کوئی عذر تو پیش نہیں کر سکے (کہ اس منبر پر پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما خطبہ دیا کرتے تھے ان کی یاد آ گئی اور "اختلاط" واقع ہو گیا وغیرہ) اُلٹا حضرات شیخین کو

۱؎ (ألبناية : ۳/ ۷۱ ، **بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۰۵)**

۲؎ (ألهداية : ۱/ ۱٦٩ ، حاشية : ٨ كتاب الصلوٰة باب صلاة الجمعة ، **بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۰۵)**

''قوال''(زیادہ باتیں کرنے والا)اور خود کو''فعال''(باتیں کم اور کام زیادہ کرنے والا)قرار دے دیا جس سے ان حضرات کی بھی اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔'' ۱؎

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب ملاحظہ فرمائیے کہ اُنہوں نے صاحب ہدایہؒ پر فردِ جرم عائد کرنے کی غرض سے کتنی ہوشیاری و چالاکی کے ساتھ محشی ہدایہ مولانا عبدالحی لکھنوی ؒ کی عبارت کو معرضِ استدلال میں پیش کیا ہے اور صاحب ہدایہ کو کھینچ تان کر ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔صاحب ہدایہؒ نے تو صرف اتنا فرمایا

ہے:

'' وعن عثمان أنه قال : ألحمد لله فارتج عليه فنزل وصلي

...... ۲؎

ترجمہ:حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں) '' **ألحمد لله** '' کہا تو ان پر کپکپی طاری ہو گئی اور وہ

منبر سے نیچے اُتر آئے اور نماز پڑھا دی۔(ترجمہ ختم)

باقی اس عبارت کی وضاحت میں محشیٔ ہدایہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اصل واقعہ کی طرف رہنمائی کرتے

ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ:

" وهوما روي أن عثمان لما صعد المنبر في أول جمعة ولّي فارتج عليه فقال : ان أبابكر وعمر رضي الله عنهما كان يعدان لهذا المكان مقالاً

وأنتم الیٰ امام فعال أحوج منکم الیٰ امام قوال ." ۳

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے بعد جب پہلے خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو "ألحمد لله" کہنے کے بعد ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور زبان بند ہوگئی (وہ نیچے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔ بعد میں فرمایا کہ:) "ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اس جگہ خطبہ کی

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۰۳......۱۰۶)

۲ (ألهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني : ١٦٩/١)

۳ (حاشية اللكنوي علي الهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني : ١٦٩/١)

تیاری کر کے آتے تھے (اس جگہ کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے) اور تم کو قوال (زیادہ

بولنے والے) امام کی بہ نسبت فعال امام کی زیادہ ضرورت واحتیاج ہے۔(ترجمہ ختم)

تو اس میں فاضل محشی نے " فارتج عليه " کے معنیٰ " وقع في اختلاط " کے کیے ہیں، جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اختلاط میں پڑ گئے تھے، ان پر کپکپی طاری ہوگئی تھی، ان کی زبان بند ہوگئی تھی اور وہ

"ألحمد لله " کے سوا اور کچھ نہیں ادا کر پائے۔

تو اس توضیح وتفصیل کا صاحب ہدایہؒ کی عبارت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا براہِ راست تعلق محشیٔ ہدایہ مولانا لکھنویؒ سے ہے جنہوں نے ہدایہ کی عبارت کی تشریح کی ہے۔

لہٰذا اب آپ ہی ذرا انصاف سے بتائیں کہ صاحب ہدایہؒ کی اس عبارت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تینوں کی تنقیص کیسی پائی جاتی ہے؟ نیز منبر رسول

رضی اللہ عنہ پر بیٹھ کر اختلاط واقع ہو جانے، کپکپی
طاری ہو جانے، اور زبان کے بند ہو جانے میں توہین و تنقیص کا آخر کون سا پہلو نکلتا ہے؟۔
پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج:
لیکن اگر یہی چیزیں ان حضرات میں نقص و عیب شمار کی جاتی ہیں تو پھر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے یہ بات پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ پھر آپ کا اُن حضرات محدثین کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جنہوں نے ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں سجدۂ سہو ہو جانے، دورانِ نماز بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قرأت میں اٹک کر رکوع میں چلے جانے، حضرت بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ کے سوتے رہ جانے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لفظ ''أبا'' کا مطلب نہ جاننے'' کی روایات تو نقل کر دیں ،لیکن نقل روایت کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے ان روایات کے صحیح مطلب اور اصل مفہوم کی وضاحت نہیں کی؟ تو کیا وہ حضرات محدثین ان کے ناقد اور گستاخ ٹھہرے؟ اور کیا وہ اس کی وجہ سے ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کی صف میں شامل
ہو گئے؟ اگر ہاں! تو کیوں کر؟ اور اگر نہیں تو کیوں نہیں؟۔
'' فما هو جوابكم فهو جوابنا ''
صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ایک لطیف توجیہ:
بہر حال اس بارے میں صاحب ہدایہؒ کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے معرضِ استدلال میں ایک کم زور روایت پیش کی اور ایک ضعیف روایت سے استدلال کیا ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک قیاس کے مقابلہ میں ضعیف روایت سے استدلال کرنا صحیح ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک ضعیف
روایت قیاس کے مقابلہ فائق تر ہوتی ہے۔
دوسرے یہ کہ بیسیوں مسائل ایسے ہیں کہ جن میں صاحب ہدایہؒ سمیت بعض دوسرے متعدد فقہائے احناف کی پیش کردہ روایات کتب حدیث میں موجود نہیں، یا روایت کسی دوسرے انداز میں ہے، اور اُنہوں نے کسی اور انداز میں نقل کر دی ہے، تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، اس لئے کہ فقہاء شارح حدیث نہیں ہوتے کہ وہ لفظاً، معناً، سنداً، اور متناً ہر حیثیت سے ہر ہر

روایت پر محدثانہ کلام کریں اور نہ ہی وہ روایت باللفظ کے پابند ہوتے ہیں، بلکہ وہ تو اپنے مدعا کے اثبات میں **روایت بالمعني** کرتے ہیں اور آگے چل پڑتے ہیں۔

چنانچہ صاحب ہدایہؒ نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے اُنہوں نے زیر بحث روایت
سے استدلال تو کیا، لیکن اُس پر محدثانہ کلام کیے بغیر آگے کی طرف چل پڑے۔

كلمة حق أريد بها الباطل!:

بہرحال! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ کی تاریخی حیثیت جو بھی ہو بہرحال اس سے اس کا مفہوم مخالف مراد لیا گیا ہے۔ اور اس واقعہ کو بنیاد بنا کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے فاضل محشی مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی آڑ میں صاحب ہدایہؒ پر بے جا تنقید کی ہے۔ اس واقعہ کا صحیح مفہوم وہی ہے جو خود پروفیسر آں موصوف نے فاضل محشی
ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

اور یہی مفہوم علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۰ھ) نے بھی اپنے الفاظ میں اس طرح لکھا ہے
کہ:

" ومراد عثمان بقوله انكم اليٰ امام......ألخ أن الخلفآء الذين يأتون من بعد الخلفآء الراشدين تكون عليٰ كثرة المقال مع قبح الفعال فأنا وان لم أكن قوّالاً مثلهم فأنا عليٰ الخير دون الشر ، فأما أن يريد بهذا القول تفضيل
نفسه عليٰ الشيخين فلا كذا في النهاية ."[1]

[1] (ألبحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم : ١٦١/٢ ، ألناشر : دار الكتاب الاسلامي)

ترجمہ: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مراد اپنے اس قول سے یہ تھی کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جو خلفاء آئیں گے وہ کام ٹھیک طرح سے نہ کر سکنے والے ہوں گے، لیکن باتیں بہت زیادہ کرنے والے ہوں گے اور میں اگر چہ اُن کی طرح زیادہ باتیں کرنے والا نہیں ہوں تاہم خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔ بہر حال اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول سے آپ کی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر افضلیت مراد لی جائے تو یہ مراد لینا ٹھیک نہیں ہے۔(**كذا في النهاية.**) (ترجمہ ختم)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

لیکن ''نہایہ'' کے اس مطلب و مفہوم سے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول کا زیادہ واضح، غیر جانب دار،
صاف اور بے غبار مطلب اور مفہوم وہ ہے جو علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۱ھ) نے بیان کیا ہے، جس میں
وہ لکھتے ہیں:

"قال في النهاية: ولم يعن عثمان بقوله وانكم......ألخ تفضيل نفسه عليٰ الشيخين بل عليٰ الخلفاء الذين يكونون بعد الراشدين فانهم يكونون عليٰ كثرة في المقال مع قبح الفعال فكأنه يقول :أنا وان لم أكن قوّالاً مثلهم
فأنا عليٰ الخير دون الشر ."[1]

ترجمہ: نہایہ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول:
"وانکم......ألخ" سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر اپنی افضلیت مراد نہیں لی تھی، بلکہ ان خلفاء کی بہ نسبت اپنا افضل ہونا مراد لیا تھا جو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد آئیں گے، کیوں کہ وہ باتونی زیادہ ہوں گے اور کام اُن کے قبیح ہوں گے۔ گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ میں اگرچہ اِن آنے
والے خلفاء کی طرح زیادہ باتونی تو نہیں ہوں البتہ خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔ (ترجمہ ختم)

حاصل کلام:

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ کا صاف اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ جب آپ

[1] (حاشية الطحطاوي عليٰ مراقي الفلاح شرح نور الايضاح : ۵۱۴/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے بعد پہلا جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جلوہ افروز ہوئے اور ابھی آپ رضی اللہ عنہ نے "ألحمد لله" کہا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا زمانہ یاد آ گیا کہ وہ حضرات اس جگہ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ پر "اختلاط" واقع ہو گیا، آپ رضی اللہ عنہ پر کپکپی طاری ہوگئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی زبان مزید
کچھ بولنے سے قاصر ہوگئی، جس کے نتیجہ میں آپ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور لوگوں

کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔

جب آپ رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے تو اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے انتہائی عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ: ''اے لوگو! حضرات شیخینؓ اس جگہ یعنی منبر نبوی ﷺ پر کلام
کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے، اس نازک مگر عظیم مقام پر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دینا انہیں حضرات کو زیب دیتا تھا اور اس مقام پر کھڑے ہونے کے وہی حضرات زیادہ حق دار تھے، ان کے بعد جو خلفاء آئیں گے وہ کردار کے کم اور گفتار کے زیادہ غازی ہوں گے اور میں اگرچہ آنے والے خلفاء کی بہ نسبت زیادہ باتیں کرنے والا نہیں ہوں
تاہم خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔''

﴿۶﴾

علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۷۹۲ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: مسعود، لقب: سعدالدین، والد کا نام: عمر، لقب: فخر الدین، دادا کا نام: عبداللہ اور لقب برہان الدین ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "**بغية الوعاة**" میں آپؒ کا نام مسعود اور والد کا نام عمر ہی ذکر کیا ہے [۱] اور یہی مشہور ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "**ألدرر الكامنة**" میں آپؒ کا نام مسعود اور والد کا نام عمر ہی ذکر کیا ہے [۲] لیکن "**انباء الغمر**" میں آپؒ کا نام محمود اور والد کا نام عمر بتلایا ہے۔ [۳] اور حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے "**كشف الظنون**" میں آپؒ کا نام عمر اور والد کا نام مسعود مانا ہے۔ [۴]

[۱] "**مسعود بن عمر بن عبد الله الشيخ سعد الدين التفتازاني.**" (بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة للسيوطي :
۲/۲۸۵ ، ألناشر : ألمكتبة العصرية ، لبنان ، صيدا)

[۲] " **مسعود بن عمر ألتفتازاني** ......" (ألدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة لابن حجر ألعسقلاني : ۶/۱۱۲ ، ألناشر :
مجلس دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، ألهند)

[۳] "**محمود بن عمر بن عبد الله ألعجمي ألشيخ سعد الدين ألتفتازاني......ألخ**" (انباء الغمر بأبناء العمر لابن حجر

ألعسقلاني : ۳۸۹/۱ ، ألناشر : ألمجلس الأعلیٰ للشؤون الاسلامية ، لجنة احياء التراث الاسلامي ، مصر)

۴؎ "**وهوعمر بن مسعود العلامة سعد الدين.**"(كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون لحاجي خليفة : ۱۰۳۷/۲ ، ألناشر : مكتبة المثني ، بغداد)

ولادت باسعادت:

آپؒ ماہِ صفر ۷۲۲ھ کو ولایت خراسان کے مشہور شہر ''تفتازان'' میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے ''تفتازانی'' کہلانے لگے۔

علامہ محی الدین محمد بن قاسم رومیؒ نے "**روض الأخبار المستخرجة من ربيع الأبرار**'' میں اور علامہ کفویؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپؒ ماہِ صفر ۷۲۲ھ میں ''تفتازان'' میں پیدا ہوئے جو ولایت ''خراسان'' کا ایک شہر ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجویؒ نے " **رياض المرتاض** ''میں آپؒ کو" **نسا** '' کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ کسی نے آپؒ سے پوچھا: ''شما از نسائید؟'' (یعنی آپؒ ''نسا'' کے رہنے والے ہیں) تو آپؒ نے از راہِ خوش طبعی کے فرمایا: '' آرے! **ألرجال من النساء.**''(یعنی ہاں! مرد عورتوں سے ہیں۔ دراصل ''**نساء**'' عربی میں عورتوں کو کہا جاتا ہے۔(رفیع)" **نسا** '' کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں بارہ ہزار چشمے جاری تھے اور یہاں استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے برابر میں چار اولیاء آسودۂ خواب ہیں، اسی لئے ''**نسا**'' کو ''شام خرد'' بھی کہتے ہیں۔ ۱؎

ابتدائی حالات:

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ موصوف ابتداء میں بہت کند ذہن تھے، بلکہ عضد الدینؒ کے حلقۂ درس میں ان سے زیادہ ''غبی'' اور کوئی نہ تھا، مگر جد وجہد سعی وکوشش اور مطالعہ کتب میں سب سے آگے تھے۔ ۲؎

تحصیل علم:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اصحاب فضل وکمال شیوخ امام عضد، امام قطب

الدین رازیؒ وغیرہ سے علوم وفنون کا استفادہ کیا، یہاں تک کہ تحصیل علم کے بعد عنفوانِ شباب ہی میں آپؒ کا شمار کبار علماء میں ہونے لگا۔

درس وتدریس:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد فوراً ہی آپؒ مسند درس پر رونق افروز ہوئے اور سینکڑوں تشنگان علم نے آپؒ

۱ (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين : ص ٣٣٩، ألناشر : مير محمد كتب خانه ، كراتشي ، ألباكستان)

۲ (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين : ص ٣٣٩، ألناشر : مير محمد كتب خانه ، كراتشي ، ألباكستان)

کے چشمہ فیض سے سیرابی حاصل کی۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) عبدالواسع بن خضر (۲) شیخ شمس الدین محمد بن احمد حضرمی شارحِ تذکرۂ نصیریہ (۳) ابوالحسن برہان الدین حیدرہ بن احمد بن ابراہیم ہروی عجمی (۴) جلال الدین یوسف استاذ ملا منصفک علی بن مجد الدین (۵) اور مولانا فضل اللہ ایخوکہ، جن سے بہمنی حکومت کے مشہور علم دوست اور خود متبحر حکیم سلطان فیروز شاہ بہمنی نے تعلیم حاصل کی۔

علمی مقام:

علماء نے لکھا ہے کہ بلادِ مشرق میں علم ان پر ختم ہوگیا۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

" انتهت اليه رياسة الحنفية في زمانه " .

ترجمہ: آپ کے زمانہ میں ریاست مذہب حنفیہ آپ پر ختم ہوگئی۔

اور علامہ کفوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

" كان من محاسن الزمان لم تري العيون مثله في الأعلام و الأعيان . "

ترجمہ: علامہ تفتازانی اعجوبہ روزگار تھے آپ کی نظیر بڑے بڑے علماء میں نہیں ملتی۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی قابلیت اور وسعت علمی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مدمقابل بھی آپؒ کی کتابوں سے استفادہ کرتا اور آپؒ کی علمی قابلیت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ [1]

تصنیف وتالیف:

چوں کہ تصنیف وتالیف کا ذوق ابتداء ہی سے پیدا ہو چکا تھا اس لئے تحصیل علم سے فراغت کے بعد درس وتدریس کے ساتھ ساتھ صرف، نحو، منطق، فقہ، اُصول فقہ، تفسیر، حدیث، عقائد، معانی غرض ہر علم میں آپؒ نے کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ شرح تصریف زنجانی آپؒ کی اُس وقت کی تصنیف ہے جب آپؒ کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

فقہی مسلک:

آپؒ کے فقہی مسلک کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ، علامہ طحاویؒ، اور ملا علی قاریؒ نے آپ کو طبقات حنفیہ میں ذکر کیا ہے جب کہ حاجی خلیفہؒ، ملا حسن کاتب چلپیؒ، علامہ کفویؒ اور امام جلال الدین سیوطیؒ نے آپؒ کو شافعی المسلک بتلایا ہے۔ تاہم مولانا عنایت اللہ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ: ''تلویح کی بعض عبارات کو بہ نظر غائر دیکھنے

[1] (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين : ص ٣٤١، ألناشر : مير محمد كتب خانه ، كراتشي ، ألباكستان)

سے آپؒ کا حنفی المسلک ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے، علاوہ ازیں آپؒ نے کتب حنفیہ بالخصوص فقہ حنفی پر اپنی خصوصی توجہ دی ہے۔''

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ تیموریہ میں:

شروع شروع میں شجاع بن مظفر کے دربار میں آپؒ کا بڑا اثر ورسوخ تھا، لیکن اس کے بعد آپؒ شاہ تیمور لنگ کے یہاں ''صدر الصدور'' مقرر ہو گئے تھے۔ شاہ تیمور آپؒ کا بڑا معتقد تھا اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جب آپؒ نے ''مطول شرح تلخیص'' تصنیف کی اور شاہ کی خدمت میں پیش کی، تو شاہ نے اسے بہت پسند کیا اور عرصہ تک ''قلعۂ ہرات'' کے دروازہ کو اِس سے زینت بخشی۔

امیر تیمور لنگ:

امیر تیمور ۷۳۶ھ میں سمرقند میں پیدا ہوا۔ اس کا شجرۂ نسب چغتائی خاندان سے جا کر ملتا ہے۔ بچپن میں امیر تیمور کو بحیثیت ایک صیاد کے شہرت ملی اور جوانی میں سپاہی ہونے کی وجہ سے اسے ماموری حاصل ہوئی۔

امیر تیمور کو ''تیمور لنگ'' بھی کہا جاتا ہے، جس کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک جنگ میں ایک تیر آ کر اس کے پاؤں پر لگ گیا تھا اور اس کے پاؤں میں ایسا کاری زخم ڈالا کہ یہ اس کی وجہ سے تمام عمر کے لئے لنگڑا ہو گیا اور ''تیمور لنگ'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔

فاتحین ایشیاء میں سے جس شخص نے ایشیاء اور یورپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ تیمور لنگ ہی ہے۔ تیمور لنگ سکندر اور چنگیز کی آخری فاتحانہ حدود سے بھی آگے نکل گیا تھا اور اس نے اس قدر فتوحات حاصل کیں کہ کوئی ایشیائی فاتح اس کی فتوحات کو نہیں پہنچ سکا۔ بالآخر تیمور لنگ ۸۰۷ھ میں بہ عمر ۷۱ سال سمرقند ہی میں فوت ہوا اور اسے دُنیا کے ایک عظیم اور خوب صورت مقبرے میں دفن کیا گیا۔

تیمور لنگ رافضی اور انتہائی سفاک، ظالم اور درندہ صفت انسان واقع ہوا تھا اس نے مسلمانوں کا بے دریغ قتل کیا اور کم و بیش بارہ لاکھ مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے تھے۔ تیمور لنگ چوں کہ رافضی تھا اس لئے سب سے پہلا تعزیہ اسی نے ہی رکھا تھا چنانچہ مشہور شیعہ عالم غلام احمد کاکوروی لکھتا ہے:

''سب سے پہلا تعزیہ امیر تیمور نے رکھا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تیمور لنگ کو حضرت امام حسین سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ ہر سال کربلائے معلیٰ (روضۂ اطہر) کی زیارت کو جاتا تھا۔ ایک سال جنگ و جدل میں وہ اس قدر مصروف رہا کہ زیارت نہ کر سکا، چنانچہ اس نے روضۂ اقدس کی شبیہ منگوا کر اس کو تعزیہ کی صورت میں بنالیا اور اس کی زیارت سے تسکین حاصل کی۔'' [1]

الغرض امیر تیمور لنگ اور اس کے جانشینوں کے ایک سو چھبیس (۱۲۶) سال (۷۸۲ھ

ھ تا ۹۰۶ھ) دور میں
شیعہ اور مذہب شیعہ نے خوب ترقی کی اور اس میں اہل سنت مظالم کا نشانہ بنے رہے۔ ۲

وفات حسرت آیات:

بہر حال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ امیر تیمور لنگ کے دربار کے ''صدر الصدور'' اور بے پناہ اثر ورسوخ کے مالک تھے۔ بالآخر اپنے ہم عصر اور نامور عالم دین میر سید شریف جرجانی کے ساتھ ایک مناظرہ میں شکست کھانے کے صدمہ کی وجہ سے صاحب فراش ہوگئے اور ۲۲ محرم الحرام ۷۹۲ھ کو بہ مقام ''سمرقند'' وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ بعد میں دو ماہ اور سترہ دن کے بعد آپؒ کا جسد خاکی ۹ جمادی الاولیٰ ۷۹۲ھ کو مقام ''سرخس'' کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ ۳

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

مگر بایں ہمہ فضل وکمال اور علم میں علو مقام آپؒ حاسدین ومعاندین اور دشمنوں کے وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے ہاں ''**امام في العقائد**'' مانے جاتے ہیں مگر وہ بھی اپنے آپ کو شیعی اثرات وجراثیم سے محفوظ نہیں رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے۔ چنانچہ موصوف

۱ (ماہنامہ المعرفت حیدر آباد ۱۳۸۹ھ)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۱، ۱۱۲)

۳ (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين ملخصاً: ص ۳۳۸......۳۴۳، ألناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي، ألباكستان)

''مسنداور مسندالیہ'' کی بحث میں ''بغض معاویہ ؓ'' پر مبنی ایک انتہائی مکروہ مثال دیتے
ہیں
کہ:

''ركب علي وهرب معاوية......فالتعظيم مأخوذ من لفظ
علي لأخذه من العلوّ . والاهانة مأخوذ من لفظ معاوية لأنه مأخوذ من
العويٰ وهو صراح
الذئب والكلب .''[1]

ترجمہ: علیؓ سوار ہوئے اور معاویہؓ بھاگ گیا۔ (موصوف اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:) ''پس تعظیم لفظ ''علی'' سے ماخوذ ہے کہ اس میں '' علوّ'' (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ ''معاویہ'' سے ماخوذ ہے کیوں کہ وہ ''عویٰ'' سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔'' (ترجمہ ختم)

دارالعلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر مفسر، محدث اور استاذ شیخ الہند حضرت
مولانا
محمود حسن، تفتازانی کی اس مکروہ مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولايخفيٰ مافيه من سوء الأدب في حق سيدنامعاوية والجرأة
عليه
بمالا يليق...... ''[2]

ترجمہ: حضرت معاویہ ؓ کے حق میں جو جرأت، بے ادبی اور گستاخی اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ یہ مثال نامناسب ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے تفتازانیؒ کا تعاقب اور گرفت اس بات کا واضح
ثبوت ہے کہ ان کی طرف سے حضرت معاویہ کی شان میں گستاخی ہوئی ہے۔'' [3]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں سب سے پہلے تو اپنی علمی خیانت اور اپنی اخلاقی

بددیانتی کا ثبوت یہ

ا (مختصر المعاني : ص ٧١ تحت أحوال المسند اليه ، تعريفه بالعلمية ، بحوالہ:
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۱۲)

۲ (حاشیہ مختصر المعانی:ص ۷۱،بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۱۲)

۳ (ناقدین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ:ص ۷۱، ۷۲)

دیا ہے کہ علامہ تفتازانی کی عبارت اور اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ دونوں کو ایک کر کے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے، تاکہ قارئین کو وہ اور بھی زیادہ واضح صراحت کے ساتھ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ہونا باور کرا سکیں، لیکن ہاشمی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ تفتازانیؒ اور
حضرت شیخ الہندؒ کے روحانی فرزند اُنہیں اِس علمی رہزنی میں کسی بھی طرح کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

علامہ تفتازانی کی تو عبارت صرف اس قدر ہے:

”مثل ركب علي وهرب معاوية .“ا

ترجمہ: جیسے ”علیؓ“ سوار ہوئے اور ”معاویہ“ بھاگ گئے۔(ترجمہ ختم)

اس عبارت کے حاشیہ نمبر ۱۰ پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”فالتعظيم مأخوذ من لفظ علي لأخذه من العلوّ والاهانة مأخوذ من لفظ معاوية لأنه مأخوذ من العويٰ وهو صراح الذئب والكلب .“ ۲

ترجمہ: پس تعظیم لفظ ”علیؓ“ سے ماخوذ ہے کہ اس میں ”علوّ“ (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ ”معاویہ“ سے ماخوذ ہے کیوں کہ وہ ”عویٰ“ سے مشتق ہے اور وہ
بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔(ترجمہ ختم)

قارئین کرام! یہ ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا وہ دجل وفریب، اور اکابر دُشمنی کا منہ بولتا ثبوت کہ جس کی آڑ میں رہ کر وہ اپنی ساٹھ سالہ دجالیوں اور فریب کاریوں کا مکروہ دھندا چلا رہے ہیں اور عام اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے حقیقی اسلاف اور اپنے روحانی پیشواؤں علمائے اہل سنت سے دُور کر رہے ہیں۔

ہاشمی صاحب کے اس طرح اکابرین کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے ایسا لگ رہا ہے جیسے قلم تو ایک نیم ملا ریٹائر پروفیسر کا ہے لیکن دماغ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا ہے کہ وہ بھی اِس سے قبل کچھ اسی طرح کے نا قابل فراموش کارہائے نمایاں انجام دے کر علمائے دیوبند کے خلاف عرب علماء کی آنکھوں میں دھول جھونک ہی رہے تھے کہ فخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے " **ألمهند علي المفند** "جیسی شمشیر بے نیام

ا (مختصر المعاني : ص ۷۱ ، ألناشر : مكتبة رشيدية ، كوئتة ، ألباكستان)

۲ (حاشية شيخ الهند عليٰ مختصر المعاني : ص ۷۱ ، ألناشر : مكتبة رشيدية ، كوئتة ، ألباكستان)

سے اعلیٰ حضرت کی خوب خبر لی اور عرب علماء کو اُن کی دجالیوں وفریب کاریوں سے خوب آگاہ کیا۔

ہنوز آمدم بر سر مطلب !:

بہر حال اِس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا دونوں لفظوں (علی ومعاویہ) سے بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے دو صحابی مراد ہیں اور اسی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا پہلو بھی سامنے آتا ہے جس پر
اتنی بڑی جرأت واقعہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے منصب کے لائق نہیں ہے۔

اور اگر ان دونوں لفظوں کا اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لیا جائے تب بھی یہ لفظ بے ادبی کے شائبہ سے
خالی نہیں، کیوں کہ اس صورت میں بھی گمان ان دونوں حضرات کی طرف جا سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" والمتبادر أن المراد بعلي ومعاوية صاحبا رسول الله ولايخفيٰ مافيه من سوء الأدب في حق سيدنا معاوية والجرأة عليه بمالايليق بمنصبه

بل لوحملناهما عليٰ غيرها لم يخل من سوء الأدب لما فيه من الايهام ." [1]

ترجمہ: بظاہر "علی" اور "معاویہ" سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے دوصحابی مراد ہیں اور یہ مراد لینے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا پہلو ظاہر ہوتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتنی جرأت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے منصب کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم ان دونوں لفظوں کو اس کے علاوہ کسی اور معنیٰ پر محمول کردیں جب بھی یہ لفظ سوئے
ادب سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس میں ایہام (وہم میں پڑنا پایا جاتا) ہے۔ (ترجمہ ختم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا دفاع:

بہرحال چاہے ان دونوں لفظوں کا محمل حضورِ اقدس ﷺ کے دوصحابی (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا محمل ہو "ظنوا بالمؤمنين خيراً" کی رُو سے بہرحال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو قطعی اور یقینی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد وگستاخ ٹھہرانا کسی طرح بھی درُست نہیں، اس لئے کہ اوّل تو قطعی اور یقینی طور پر یہ بات ثابت نہیں کہ یہ مثال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اور آپ رضی اللہ عنہ کے
مقامِ صحابیت کو گرانے اور اُس پر طعن وتنقید کی غرض سے ذکر کی ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی

[1] (حاشية شيخ الهند عليٰ مختصر المعاني: ص ١٧ رقم الحاشية: ١٠، ألناشر: مكتبة رشيدية، كوئتة، ألباكستان)

بہتر جانتے ہیں اور

ہمیں '' **ظنوا بالمؤمنین خیراً** '' کا حکم دیا گیا ہے۔

دیگر توجیہ:

اور دوسرے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مثال بھی روافض کے اُس پروپیگنڈے اور سازش کا حصہ ہو کہ جس کے تحت صرف ونحو کی مبتدی کتابوں سے لے کر منتہی کتابوں تک '' **ضرب زید عمروا** ''، وغیرہ کی جو مثالیں دی جاتی ہیں اُن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نام استعمال کیئے جاتے ہیں۔

چناں چہ مولانا مسعود الرحمٰن عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

'' یہ بھی اُس سازش کا حصہ تو نہیں جس کے تحت نحو صرف کی ابتدائی کتب میں مثال کے لئے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زیدؓ کے نام استعمال کیے جاتے ہیں۔'' (اسم معاویہؓ پر علمی و تحقیقی جائزہ: ص ۱۱۲)

بہر حال دورانِ تعلیم اِن مثالوں سے ہر اُس شخص کو واسطہ پڑتا ہے جس نے عربی، فارسی اور اُردو صرف ونحو (گرائمر) کی کتابیں پڑھی ہوں۔ چناں چہ اگر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی گرائمر کی مذکورہ کتابیں پڑھیں ہوں گی تو انہیں بھی لامحالہ اِس قسم کی مثالوں سے واسطہ پڑا ہوگا، لیکن اس کے باوجود کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ وہ ان کتابوں کے مصنّفین پر طعن و تشنیع کرے، یا کم از کم آگے ان کے پڑھنے پڑھانے والوں کو ڈانٹ پلائے کہ انہوں نے تو چلو جو کچھ لکھ دیا سو لکھ دیا مگر تم تو کم از کم اس سے پہلو تہی برتو!۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی بھی عالم یا متعلّم یا گرائمر سیکھنے والا کوئی بھی ادنیٰ درجہ کا مسلمان اس بات کا شائبہ تک اپنے دل میں نہیں لاسکتا کہ اس قسم کی مثالوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذاتیں مراد ہیں، بلکہ وہ تو صرف ایک نام کی حد تک ان مثالوں سے استفادہ کرتے ہیں، کسی مخصوص صحابی کا نام سمجھ کر ان سے ہرگز استفادہ نہیں کرتے۔

ہاں! اگر کوئی بدبخت محض اس نیت سے اس قسم کی مثالیں اپنی نوکِ زبان پر لائے تا

کہ ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ گھٹایا جائے یا اُن کی ذات ستودہ صفات میں توہین و تنقیص کا کوئی پہلو نکالا جائے تو ایسے شخص کی شقاوت و بدبختی اور ضلالت و گم راہی میں کسی مسلمان کو کیا کلام ہو سکتا ہے؟۔

پس زیر بحث مثال میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ﴿ ظنوا بالمؤمنین خیراً ﴾ کے بموجب محض حسن ظن کی بناء پر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ مثال دیتے وقت ''علی'' اور ''معاویہ'' مطلق دو نام اُن کے سامنے آ گئے ہوں گے اور انہوں نے انہی دو ناموں کو مثال میں پیش کر دیا ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتیں اس سے ہرگز مراد نہیں لی ہوں گی۔ چنانچہ یہ احتمال حاشیہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص محض اس بات کی وجہ سے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ٹھہرائے کہ انہوں نے اپنے استدلال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کی مثال پیش کی ہے تو پھر اس میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ پھر تو اُسے سب سے اُن اصحابِ علم و فضل و کمال کو ''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' ٹھہرانا پڑے گا جنہوں نے خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہم جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے مبارکہ کو بطورِ مثالوں کے صرف و نحو کی کتابوں میں بہ کثرت استعمال فرمایا ہیں۔

لیکن اگر آپ کہیں کہ وہاں ''زید، عمرو، بکر'' صرف نام مراد ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذاتیں مراد نہیں ہیں تو پھر ہم بھی اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو مثال ذکر کی ہے اُس میں بھی ''علی'' و ''معاویہ'' صرف دو نام مراد ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتیں مراد نہیں۔

'' فما ھو جوابکم فھو جوابنا. ''

ہاں! زیادہ سے زیادہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے اُن کی اس عبارت میں ایک گونہ تقصیر کا پہلو پایا جاتا ہے، اس لئے اگر وہ اس کی جگہ کوئی دوسری واضح

اور غیر مبہم متبادل عبارت لاتے تو بہت بہتر ہوتا۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی ایک پیچیدہ عبارت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''علامہ تفتازانیؒ ''عقائد نسفیہ'' کی شرح میں ''احترام صحابیت'' کو فراموش کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کے جواز کا مسئلہ زیر بحث لائے ہیں، اگرچہ انہوں نے لعنت سے متعلق عدم جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن انہیں " رضي الله عنهم ورضوا عنه'' کی ربانی سند کے بعد سرے سے اس مسئلہ کو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہیے تھا کیوں کہ اس
اسلوب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی واضح طور پر بے ادبی پائی جاتی ہے:

" و بالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن عليٰ معاوية وأحزابه لأن غاية أمرهم البغي والخروج عليٰ الامام
وهو لايوجب اللعن .''[1]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کا جواز مجتہدین اور علمائے

[1] (شرح العقائد النسفية : ص ١١٦ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۳)

صالحین سے منقول نہیں ہے، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ ان سے امام برحق (حضرت علی رضی اللہ عنہ)
کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب ہوا تھا اور اس فعل سے لعنت واجب نہیں ہوتی۔
یعنی خروج و بغاوت کے ارتکاب سے لعنت واجب تو نہیں لیکن کیا ''وجوب'' سے کم درجہ کی ''گنجائش'' نکل سکتی ہے؟ موصوف نے اگر چہ یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کو لعنت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن اس اسلوب سے بھی اہانت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پہلو نمایاں
ہوتا ہے۔[۱]

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی پیچیدہ عبارت کی وضاحت:

دراصل علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ یہاں روافض پر رد کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک امام برحق کے خلاف ناحق خروج اور بغاوت کرنے والے شخص پر لعنت کرنا واجب ہے۔ نیز علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لعنت کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ زیر بحث لا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام صحابیت کا تحفظ اور دفاع کرتے ہوئے روافض کے سامنے علمائے اہل سنت کا یہ اجماعی مؤقف پیش کر کے اُنہیں یہ جواب دینا چاہتے ہیں کہ محض بغاوت اور خروج کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے گروہ پر لعنت کرنے کا جواز ہمارے سلف صالحین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں، بلکہ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے خلیفہ برحق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب کیا تھا، اور امام برحق کے خلاف بغاوت اور خروج کرنے سے اہل سنت کے نزدیک کوئی شخص لعنت کا مستحق نہیں ہوتا اور اس کے ارتکاب سے اُس پر لعنت واجب نہیں ہوتی لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

دوسرا جواب اس کا یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ " لا یوجب " کا معنیٰ ''واجب'' ہی ہو بلکہ بعض جگہ " لا یوجب " " لا یلزم " کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ ارباب لغت نے لکھا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن منظور الافریقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

" وجب : وجب الشيُ يجب وجوباً أي لزم ." ؎۲

؎۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۱۳)

؎۲ (لسان العرب لابن منظور الافریقي : ۱/۷۹۳ ، ألناشر : دار صادر ، بیروت)

ترجمہ: وجب: شے واجب ہوگئی يجب وجوباً یعنی کہ "لازم" ہوگئی۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

" وجب يجب وجوباً وجبة : لزم ." ؎۱

ترجمہ: واجب ہونے کا معنی لازم ہونا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ سید مرتضٰی الزبیدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لکھتے ہیں:

" وكان الحسن يراه لازماً، وحكي ذلک عن مالک يقال :
وجب الشيُ وجوباً : اذا ثبت ولزم ." ؎۲

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ "وجوب" کو "لازم" کے معنی میں لیتے تھے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے: "وجب الشيُ وجوباً"
جب کوئی چیز ثابت ہو جائے اور لازم ہو جائے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جگہ " لایوجب " کو " لایلزم " کے معنی میں لیا ہے جس کا وجوبِ شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس صورت میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مفہوم یہ بنے گا کہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے گروہ پر لعنت کا جواز ائمۂ مجتہدین اور علمائے صالحین سے منقول نہیں، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ اُن سے امام برحق (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب ہوا تھا اور اس فعل سے لعنت واجب (لازم) نہیں ہوتی۔

الغرض علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ بحث عبارت سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ

مراد لینا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے گروہ پر لعنت کرنا واجب نہیں، مگر اس سے کم درجہ یعنی جواز کی گنجائش موجود ہے بالکل غلط اور بعید از قیاس ہے۔

1 (ألقاموس المحيط للفيروز آبادي : ١٤١/١ ، مؤسسة الرسالة ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان)

2 (تاج العروس من جواهر القاموس : ٣٣٣/٤ ، ألناشر : دار الهداية)

یزید اور اس کے اعوان وانصار پر لعنت بھیجنے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ ملحوظ رہے کہ علامہ تفتازانیؒ نے لعنت کے عدم جواز کے متعلق سلف کا مذکورہ قول نقل کیا ہے، لیکن آگے انہوں نے یزید کی بحث میں اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی لعنت کی گنجائش نکال لی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اس مقام پر مطلقاً ''اعوان و انصار'' کا ذکر کیا ہے (واللہ أعلم بمرادہ) چنانچہ موصوف یزید پر لعنت کے جواز اور عدم جواز کے اقوال نقل
کرنے کے بعد اپنا عقیدہ بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں کہ:

''والحق أن رضایزید بقتل الحسین واستشارہ بذلک واھانة أھل بیت النبي (علیه السلام) مما تواتر معناہ وان کانت تفاصیله أحاداً ، فنحن
لانتوقف في شأنه بل في ایمانه لعنة اللہ علیه وعلیٰ أنصارہ وأعوانه .''[۱]

یہی قول علامہ قسطلانیؒ نے بھی اپنی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں تحریر
کیا ہے:

'' لانتوقف في شأنه بل في ایمانه لعنة اللہ علیه وعلیٰ أنصارہ و أعوانه .''[۲]

ترجمہ: اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر اس کا راضی ہونا اور اس پر اس کا خوش ہونا اور نبی علیہ السلام کے گھر والوں کی توہین کرنا ایسی بات ہے جو معناً متواتر ہے اگر چہ اس کی جزئیات اخبار احاد ہیں، ہم اس کی شان بلکہ اس کے ایمان ہی کے بارے میں
کوئی توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی پھٹکار ہو یزید پر اور اس کے تمام یاروں اور مددگاروں پر۔

علامہ تفتازانیؒ نے یزید کی ''شان'' میں یہ اشعار بھی کہے ہیں:

ألّلعن عليٰ يزيد في الشرع　　　والّلاعن يجزي حسنات ويفوز
يجوز

ل (شرح العقائد النسفية : ص ١١٧ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۱۴)
۲ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، بحوالہ مقالات: ۲/ ۳۳۵ پیر کرم شاہ صاحب الازہری، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۱۴)

قد صح لديّ أنه معتل　　　واللعن مضاعف وذلک مهموز

یزید) ''بیمار'' تھا اور ''روگ'' کا شکار تھا، اس پر دوگنی لعنت ہو وہ معیوب ومطعون تھا۔

شرح عقائد کی عبارت اور مذکورہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف خود امیر تیمور رافضی کی مصاحبت سے ''یزید فوبیا'' کا شکار ہو گئے تھے۔اسی لئے انہوں نے جمہور علماء
کے مؤقف کے برعکس یزید پر سنگین ترین ''فردِ جرم'' عائد کی ہے۔

یزید کے اعوان وانصار کے عموم سے حضرت معاویہ، حضرت مغیرۃ بن شعبہ اور دیگر مجوزین مبایعین صحابہ وتابعین کو کیوں کر مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟ جن کی مساعیٔ جمیلہ سے وہ منصب خلافت پر فائز ہوا تھا۔ یا جن صحابہ وتابعین نے واقعہ کربلا کے بعد بھی اس بیعت کو نہیں
توڑا تھا اور بیعت واطاعت پر قائم رہے۔

علاوہ ازیں یزید پر لعنت کے جواز میں تین وجوہات (قتل حسین رضی اللہ عنہ پر رضا مندی اس پر خوشی کا اظہار اور اہانت اہل بیت) بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں ۔نیز موصوف کے نزدیک یہ امور موجب لعنت وکفر ہیں۔اسی لیے انہوں نے اس پر کفر کا حکم لگاتے ہوئے اسے اعوان وانصار سمیت لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ حالاں کہ اگر بالفرض یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم دینا ''ثابت'' بھی ہو جائے تو پھر بھی اس پر ''کفر'' کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ایسا حکم گناہِ کبیرہ کے زمرے میں ہی آتا ہے۔لیکن یہاں یزید کا قتل حسین کا حکم دینا،
اس قتل پر خوشی کا اظہار کرنا اور قافلہ اہل بیت کی اہانت کرنا تینوں امور ثابت نہیں ہیں۔

مزید برآں یزید کا حالت کفر پر مرنا بھی یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کیوں کہ وحی کا سلسلہ کا منقطع ہو چکا ہے لہٰذا یزید کی نہ تو تکفیر کی جا سکتی ہے اور نہ ہی مع اعوان وانصار اس پر بالتعیین لعنت ۔کسی بھی مسلمان کو متعین طور پر کافر اور لعنت کا مستحق قرار دینے کا شرعی حکم اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر مبایعین صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ سے

متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کا مسئلہ ایک علیحدہ اور مستقل عنوان ہے

جس پر یہاں بحث کا موقع نہیں ہے۔'' [۱]

یزید کے اعوان و انصار سے کون سے اشخاص مراد ہیں؟:

جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی اس بات کا تعلق ہے کہ علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ نے یزید کی بحث میں اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی لعنت کی گنجائش نکالی ہے، کیوں کہ انہوں نے اس مقام پر مطلقاً ''اعوان و انصار'' کا ذکر کیا ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر یزید کے اعوان و انصار سے صرف وہی لوگ مراد ہیں جو یزید کے ساتھ مل کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی اور خوش تھے اور اُنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی توہین و تذلیل کی تھی، وہ لوگ مراد نہیں جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور دیگر مجوزین مبایعین حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ اس لئے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق و سباق ہی سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ یہاں پر زیر بحث مسئلہ یزید اور اُس کے اُن اعوان و انصار کا چل رہا ہے کہ جنہوں نے قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دیا تھا یا وہ قتل حسین رضی اللہ عنہ پر خوش اور راضی تھے یا اُنہوں نے حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کی توہین و تذلیل کی تھی، اُن لوگوں کی تو یہاں سرے سے بات ہی نہیں ہو رہی ہے کہ جن کی مساعی سے یزید منصب خلافت پر فائز ہوا تھا یا جن صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے واقعہ کربلا کے بعد بھی یزید کی بیعت کو نہیں توڑا تھا، بلکہ وہ اس کی بیعت پر برابر قائم رہے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق و سباق کو دیکھتے ہوئے یزید کے اعوان و انصار سے صرف یزید کے ماتحت وہی لوگ مراد ہیں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی اور خوش تھے اور اُنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی توہین و تذلیل کی تھی۔

چنانچہ علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی اسی عبارت '' و علي أنصاره و أعوانه ''

کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" أي جنوده الذين حاربوا الحسين ." ۲

ترجمہ: یعنی یزید کا وہ لشکر کہ جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال کی تھی۔ (ترجمہ ختم)

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۴، ۱۱۵)

۲ (ألنبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي : ص ۳۳۲ ، ألمكتبة الحقانية ، ملتان ، ألباكستان)

پس ثابت ہوا کہ یزید کے اعوان وانصار سے علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ کی مراد وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دیا یا وہ لوگ قتل حسین رضی اللہ عنہ پر خوش ہوئے یا انہوں نے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی توہین و
تذلیل کی تھی۔ علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ نے صرف انہیں لوگوں پر لعنت بھیجی ہے۔ وصف عام کے ساتھ لعنت کرنا بالاتفاق جائز ہے!:

باقی جہاں تک بات ہے یزید اور اس کے مذکورہ بالا اعوان وانصار پر لعنت بھیجنے اور نہ بھیجنے کے مسئلہ کی تو اس کے بارے میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ: ''جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، یا قتل کا حکم دیا،
یا قتل کو جائز کہا، یا قتل پر راضی رہا اُس پر بالاتفاق لعنت کرنا جائز ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"واتفقوا عليٰ جواز اللعن عليٰ من قتله أو أمر به أو أجازه أو رضي به ." ۱

ترجمہ: اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، یا قتل کا حکم دیا، یا قتل کو جائز کہا، یا قتل
پر راضی رہا اُس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) اس کی تشریح لکھتے ہیں:

" أما من قتله فلقوله تعاليٰ: ﴿ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزائه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه﴾ وأما الآمر فلأنه شريك القاتل في الاثم وأما من أجازورضي فلأن الرضاء بالمعصيه كفر وأيضاً قال الله تعاليٰ : ﴿ ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة ﴾ وقال الله تعاليٰ : ﴿ لعنة الله عليٰ الظالمين ﴾ ولا شك أن قاتله والآمر به والراضي به موذي ظالم وعندنا فيه بحث لأنه ان أراد لعن الشخص المعين فدعوي الاتفاق غير مسموعة الا في من رضي ومات عليه بلا توبة ، لأن الرضاء بالمعصية من حيث هي معصية كفر بالاتفاق ولكن اثبات الموت عليه أصعب من خرط القتاد. وان أزيد اللعن بالوصف العام فالاتفاق مسلم ، لكن لا يلزم منه جواز

ـلـ (شرح العقائد النسفية : ص ٣٧٤ ، ألناشر : مكتبة البشريٰ ، كراتشي ، ألباكستان)

اللعن عليٰ الشخص المعين الذي يوجب هذا الوصف فيه كما سنحققه .''[1]

ترجمہ: بہرحال جس شخص نے آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تو اُس پر تو اس وجہ سے (لعنت کرنا جائز ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اُس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اُس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا......الخ۔'' (نساء:۴/۹۳) [2] اور قتل کا حکم دینے والے پر اس وجہ سے کہ وہ گناہ میں قتل کرنے والے کا شریک تھا اور قتل کو جائز کہنے اور اس پر خوش رہنے والے پر اس وجہ سے کہ گناہ پر خوش ہونا کفر ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت کی ہے......'' (الاحزاب:۳۳/ ۵۷) [3] اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ''سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی لعنت ہے اِن ظالموں پر!۔'' (الهود:۱۱/ ۱۸) [4] اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا، آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینے والا اور آپ رضی اللہ عنہ کے قتل پر خوش ہونے والا شخص موذی اور ظالم ہے۔

اور ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں تھوڑی سی بحث ہے وہ یہ کہ اگر اس سے کسی معین شخص پر لعنت کرنا مراد ہے تو (علماء کا) یہ اتفاق غیر مسموع ہے، مگر اُس شخص کے بارے میں جو (گناہ پر) راضی (اور خوش) ہو اور اسی حالت میں توبہ کے بغیر مر جائے۔ اس لئے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر اُس پر خوش ہونا بالاتفاق کفر ہے، لیکن رضاء بالمعصیۃ پر (کسی کے لئے) موت کا ثابت کرنا ازبس دُشوار ہے۔ اور اگر وصف عام کے ساتھ لعنت کی جائے تو (اس پر علماء کا) اتفاق مسلم ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس شخص معین میں یہ وصف پایا جاتا ہو اُس پر
لعنت کرنا جائز ہے، جیسا کہ عن قریب ہم اس کی تحقیق کریں گے۔ (ترجمہ ختم)

[1] (ألنبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي : ص ۳۳۲ ، ألناشر : مكتبة

البشریٰ ، کراتشي ، ألباکستان)

۲ (آسان ترجمۂ قرآن:۱/ ۲۸۸، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

۳ (آسان ترجمۂ قرآن:۳/ ۱۳۰۶، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

۴ (آسان ترجمۂ قرآن:۲/ ۶۷۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

شخص معین (یزید) پر لعنت کرنے کا مسئلہ:

گویا علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شخص معین پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ اُس وقت متفق علیہ کہلایا جاسکتا ہے جب کہ کسی شخص کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوجائے کہ اس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع ہوئی ہے، حالاں کہ یہ بات معلوم کرنا ازبس دُشوار ہے، اور جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہی نہ ہوسکے کہ اُس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع ہوئی ہے یا توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع نہیں ہوئی ہے تو ایسے شخص پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ علماء کے درمیان اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

چنانچہ یزید جیسے شخص معین پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ بھی اُسی وقت متفق علیہ کہلایا جاسکتا ہے جب کہ اُس کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوجائے کہ اُس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ (یعنی قتل حسین رضی اللہ عنہ) پر (خوشی کی حالت میں) واقع ہوئی ہے، حالاں کہ یہ بات معلوم کرنا کسی کے بھی بس میں نہیں کہ یزید نے آخری وقت قتل حسین رضی اللہ عنہ پر خوش رہنے کے گناہ سے توبہ کرلی تھی یا توبہ نہیں کی تھی، پس معلوم ہوا کہ یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ بھی علماء کے درمیان اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

چنانچہ علمائے اہل سنت میں سے جو لوگ (یزید پر) جوازِ لعنت کے قائل ہیں اُن میں ابن جوزیؒ، قاضی ابویعلیؒ، علامہ تفتازانیؒ، علامہ قسطلانیؒ، اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ حضرات نمایاں ہیں۔ جب کہ عدم جواز کے قائلین میں امام غزالیؒ، اور امام ابن تیمیہؒ وغیرہ نمایاں ترین بزرگ حضرات ہیں۔

اسلام میں سب سے پہلے بغاوت کرنے والے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ تفتازانیؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

'' ویتأول تأویلاً فاسداً ، ولھذا ذھب الأکثرون الیٰ أن أول من

بغيٰ

في الاسلام .''[1]

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ فاسد تاویل کرتا تھا۔لہٰذا اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ

اوّل

جس نے اسلام میں بغاوت کی ہے وہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہے۔

[1] (شرح المقاصد : ۳۰۶/۲ ،بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۱۵،۱۱۶)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور نے اسے اجتہادی اختلاف قرار دیا ہے اور

موصوف کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ معاویہؓ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں بغاوت کی۔

حالاں کہ جنگ جمل پہلے ہوئی ہے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑی ہے۔کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف

بغاوت کی نسبت نہیں کرسکتا۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی،تو پھر ان

کی طرف کس طرح ''أوّل من بغيٰ في الاسلام'' کی نسبت کی جاسکتی ہے؟ قاتلین

عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں

کیا فتویٰ ہے جو بالاتفاق سب سے پہلے بغاوت اور قتل وغارت کے مرتکب ہوئے

تھے؟۔[1]

ہاشمی صاحب کی عربی گرائمر سے بے خبری یا اُن کا تجاہل عارفانہ:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ

علیہ کی اس عبارت: ''ویتأول تأویلاً فاسداً ''،میں ''یتأول'' کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مانا

ہے حالاں کہ اس کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔(تفصیل اس کی آگے آرہی

ہے۔رفیع)اور دوسرے یہ کہ ''یتأول'' کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مان کر اس کا انتہائی غلط

ترجمہ کیا ہے اور اس سے قارئین باتمکین کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف مزید بھڑکانے کی اپنی سی کوشش کی ہے، بایں طور کہ اس عبارت کا استمرار کا ترجمہ کیا ہے، حالاں کہ عربی زبان کی ابجد سے واقفیت رکھنے والا نو آموز طالب علم بھی یہ بات خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ فعل مضارع میں دوام اور استمرار کا ترجمہ نہیں پایا جاتا بلکہ لفظ کان کو فعل مضارع کے شروع میں لگانے سے اس میں دوام اور استمرار کا ترجمہ پایا جاتا ہے اور اس
وقت وہ فعل، فعل مضارع نہیں رہتا بلکہ ماضی استمراری بن جاتا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت: ''**ویتأول تأویلاً فاسداً**'' کا ترجمہ کیا ہے: ''اور معاویہؓ فاسد تاویل کرتا تھا۔'' حالاں کہ یہ ترجمہ ماضی استمراری کا ہے جو کہ بالکل غلط اور خلافِ حقیقت ہے اور اس سے بجا طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معاذ اللہ! علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہر قسم کی تاویلات کو فاسد قرار دیا ہے، بایں طور کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو بھی تاویل کرتے تھے وہ فاسد ہوتی تھی، حالاں کہ یہ بات بعید از قیاس اور خلافِ واقعہ ہے۔

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۵، ۱۱۶)

اور تیسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سیاق حذف کر کے ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا'' کا صحیح مصداق اُس سے اپنے مطلب کی عبارت کشید کر کے خواہ مخواہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرادیا، حالاں کہ اگر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا اُس کے کامل سیاق کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو علامہ موصوف کا دامن نقد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بالکل پاک اور
صاف نظر آتا ہے۔

چنانچہ ذیل میں ہم علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع اُس کے سیاق کے نقل کرتے ہیں کہ جس کو حذف کر کے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب قارئین باتمکین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اُن کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ہونا باور

کرانا چاہتے ہیں اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اُن کے سینوں میں بغض ونفرت کا لاوا بھڑکانا چاہتے ہیں۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت:

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

" فان قيل : لا كلام في أن عليًّا أعلم وأفضل وفي باب الاجتهاد أكمل،لكن من أين لكم أن اجتهاده في هذه المسألة وحكمه بعدم القصاص علي الباغي أوباشتراط زوال المنعة صواب واجتهاد القائلين بالوجوب خطأ ليصح له مقاتلتهم ؟ وهل هذا الا كما اذا خرج طائفة عليٰ الامام وطلبوا منه الاقتصاص ممن قتل مسلماً بالمثقل.قلنا : ليس قطعنا بخطأهم في الاجتهاد عائداً اليٰ حكم المسألة نفسه بل اليٰ اعتقادهم أن عليًّا رضي الله عنه يعرف القتلة بأعيانهم ويقدرعليٰ الاقتصاص منهم . كيف وقد كانت عشرة آلاف من الرجال يلبسون السلاح وينادون : اننا كلنا قتلة عثمان . وبهذا يظهر فساد ما ذهب اليه عمرو بن عبيدة و واصل بن عطاء من أن المصيب احدي الطائفتين ولا نعلمه علي التعيين وكذا ما ذهب اليه البعض من أن كلتا الطائفتين علي الصواب بناء علي تصويب كل مجتهد وذلک لأن الخلاف

انما هو فيما اذا كان كل منهما مجتهداً في الدين عليٰ الشرائط المذكورة في الاجتهاد ، لا في كل من يتخيل شبهة واهية ويتأول تأويلاً فاسداً ، ولهذا ذهب الأكثرون اليٰ أن أول من بغيٰ في الاسلام معاوية ، لأن قتلة عثمان لم يكونوا بغاة ، بل ظلمة وعتاة ، لعدم الاعتداد بشبهتهم ولأنهم بعد كشف الشبهة أصروا اصراراً واستكبروا استكباراً ." ؎۱

ترجمہ: پس اگر کہا جائے کہ اس بارے میں تو کوئی کلام نہیں کہ سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ فضیلت والے اور اجتہاد کے باب میں سب سے زیادہ کامل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن اس بات کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد کرنا اور اُن کا باغیوں پر عدم قصاص کا حکم لگانا، یا قصاص کو اُن کی قوت وشوکت کے زائل ہونے کے ساتھ مشروط ٹھہرانا دُرست ہے، اور قائلین وجوبِ قصاص کا اجتہاد غلط ہے، تاکہ حضرت علی کا اُن کے ساتھ باہم قتل وقتال کرنا صحیح ہوسکے؟ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جب کوئی جماعت امام کے خلاف خروج کرے اور اُس سے اُس شخص سے قصاص لینا طلب کرے کہ جس نے کسی مسلمان کو بھاری آلہ سے قتل کیا ہو (تو یہ شرعاً جائز ہے اور اسے کوئی بھی غلط نہیں کہتا۔ (رفیع) ہم کہتے ہیں کہ نفسِ مسئلہ کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے قطعی طور پر ہم ان کو اُن کے اجتہاد میں مخطی نہیں کہتے، بلکہ اُن کے اُس اعتقاد کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں اُن کے اجتہاد میں مخطی کہتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اُن سے دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے پر قادر ہیں، اس طرح کہ وہ دس ہزار آدمی تھے جو اسلحہ سے لیس تھے اور وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ: "ہم سب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔" اور اسی سے اُس مذہب کا فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو عمرو بن عبیدہ اور واصل بن عطاء کا ہے کہ: "ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت مصیب ہے، لیکن علی التعیین ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سی جماعت ہے؟"

ل (شرح المقاصد للتفتازاني : ۵/۳۰۸ ، ۳۰۹ ، ألناشر : عالم الكتب ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان)

اسی طرح اس سے اُن بعض لوگوں کے مذہب کا بھی فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: ''دونوں جماعتیں مصیب ہیں بنابریں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔'' اور یہ اس وجہ سے کہ اختلاف صرف اُسی صورت میں (معتبر) ہوتا ہے جب کہ دونوں میں سے ہر ایک شخص مجتہد فی الدین ہو اُن شرائط کے مطابق جو اجتہاد کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں ، نہ کہ ہر اُس شخص کے بارے میں کہ جس کے دماغ میں کوئی معمولی سا شبہ گزرے اور وہ فاسد (اور باطل) قسم کی تاویل کر دے۔ اسی وجہ سے اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی بغاوت کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، (قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نہیں ہیں) اس لئے کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے، بلکہ وہ تو (اِس سے بھی بڑھ کر) ظالم اور سرکش تھے، ان کے شبہات کے اعتبار (اور وزن) کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر (اور ڈٹے) رہے اور تکبر ہی تکبر کا
مظاہرہ کرتے رہے۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کہ وہ مکمل عبارت بمع ترجمہ کے کہ جس کا سیاق و سباق حذف کر کے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنے من کا مطلب اور مفہوم نکال کر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر اندھا دھند بوچھاڑ
شروع کر دی اور اُنہیں ''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی فہرست میں لا کھڑا کر دیا۔

ہاشمی صاحب کا طشت از بام ہوتا دجل وفریب:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے مندرجہ ذیل دجل وفریب کی
قلعی کھلتی ہے:

۱-ایک تو یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت :'' ویتأول تأویلاً فاسداً ''، میں ''یتأول'' کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مانا ہے، لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اس کا فاعل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ ہر وہ شخص ہے کہ جس کے دماغ میں کوئی معمولی سا کا شبہ گزرے اور وہ فاسد (اور باطل) قسم کی
تاویل کردے۔

۲-اور دوسرے یہ کہ پروفیسر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت:'' ویتأول تأویلاً فاسداً '' کا ترجمہ کیا ہے:''اور معاویہ رضی اللہ عنہ فاسد تاویل کرتا تھا۔'' ایک تو آپ اس بات سے یہ اندازہ لگائیں کہ ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرانے کے لئے جان بوجھ کر''معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا'' کتنا بے ہودہ اور بے ادبی والا ترجمہ کیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ماضی استمراری کا ترجمہ کیا ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جملہ اجتہادات کو باطل اور فاسد خیال
کرتے تھے، کیوں کہ ماضی استمراری دوام اور استمرار کو چاہتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مضارع بعض جگہ میں ماضی کے معنی میں ضرور آتا ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ موقع ومحل کی مناسبت سے جس ماضی کا معنی بن رہا ہو وہی مراد لیا جائے۔ چنانچہ اس جگہ ماضی مطلق کا معنی بنتا ہے، ماضی استمراری کا نہیں، اسی لئے ہم نے ماضی مطلق کا ہی ترجمہ کیا ہے کہ:''جس کے دماغ میں کوئی معمولی سا شبہ گزرے اور وہ فاسد
(اور باطل) قسم کی تاویل کردے۔''

۳-اور تیسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سیاق وسباق حذف کر کے اُس سے اپنے مطلب کی عبارت اخذ کر کے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور اُن کا گستاخ ٹھہرایا ہے حالاں کہ اگر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا اُس کے کامل سیاق وسباق کے ساتھ مطالعہ کیا
جائے تو علامہ موصوف کا دامن''نقد معاویہ رضی اللہ عنہ'' سے مکمل طرح پاک اور صاف نظر آتا ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے ''بغاوت'' کس نے کی؟:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کے ردّ میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے دعویٰ کیا تھا کہ:

''علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے "**أول من بغي في الاسلام معاوية**" کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے، حالاں کہ ''جنگِ جمل'' پہلے ہوئی ہے، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑی ہے، لیکن
کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کر سکتا۔ حضرت معاویہ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی تو پھر اُن کی طرف کس طرح "**أول من بغي في الاسلام**" کی نسبت کی جا سکتی
ہے؟۔'' ؎

؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۶)

اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی ہیں!:

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس میں شک نہیں کہ ''قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ'' اور ''جنگِ جمل'' کے واقعات ''جنگِ صفّین'' سے پہلے ہی رُونما ہوئے تھے، اور ''جنگِ صفّین'' کا واقعہ بعد میں پیش آیا تھا، لیکن اگر کتبِ تاریخ کا گہرائی کے ساتھ
مطالعہ کیا جائے تو اِس سے اِس بات کا ثبوت اچھی طرح مل جاتا ہے کہ دراصل اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی تھیں:

پہلی بغاوت:

۱- پہلی بغاوت ''جمل'' کی تھی جس میں جنگ اتفاقیہ طور پر وقوع پذیر ہوئی ہوئی تھی۔
چنانچہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن سبا کی جماعت اور بلوائیوں کے گروہ کو جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے متصل پڑے ہوئے تھے' کوئی موقع اپنی شرارت آمیز ارادوں کے پورا کرنے کا نہ ملا ۔اب جب کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ صبح کو صلح نامہ لکھا جائے گا تو بہت فکرمند ہوئے اور رات بھر مشورے کرتے رہے۔ آخر سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے کے قریب انہوں نے سیدنا طلحہ وز بیر رضی اللہ عنہما کے لشکر یعنی اہل جمل پر حملہ کر دیا۔ جس حصۂ فوج پر یہ حملہ ہوا اُس نے بھی مدافعت میں ہتھیاروں کا استعمال شروع کیا۔ جب ایک طرف سے لڑائی شروع ہوگئی تو فوراً ہر طرف' طرفین کی فوجیں لڑائی پر مستعد ہو کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوگئیں ۔لڑائی کا یہ شور سن کر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اپنے خیموں سے نکلے اور شور وغل کا سبب دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے اچانک حملہ کر دیا۔ سیدنا طلحہ وز بیر رضی اللہ عنہما فرمانے
لگے: ''افسوس! علی رضی اللہ عنہ کشت وخون کے بغیر باز نہ آئیں گے۔''

اُدھر شور وغل کی آواز سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے خیمے سے نکلے اور شور وغل کی وجہ پوچھی، تو وہاں پہلے ہی سے عبداللہ بن سبا نے اپنے چند آدمیوں کو لگا رکھا تھا، اُنہوں نے فوراً جواب دیا کہ: ''طلحہ وز بیر رضی اللہ عنہما نے ہمارے لشکر پر اچانک بے خبری میں حملہ کر دیا ہے، اور مجبوراً ہمارے آدمی بھی مدافعانہ لڑائی پر آمادہ ہوگئے ہیں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''افسوس! طلحہ وز بیر رضی اللہ عنہما بغیر خون ریزی کیے باز نہ آئیں گے۔'' یہ فرما کر اپنے فوج
کے حصوں کو احکام بھیجنے اور دُشمن کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرنے لگے۔ غرض بڑے زُور و شور سے لڑائی شروع ہوگئی۔ فریقین کے سپہ سالاروں میں سے (غلط فہمی میں) ہر ایک نے
دوسرے کو مجرم سمجھا اور حقیقت اصلیہ سے دونوں بے خبر و ناواقف رہے۔'' [1]

۲- اور دوسری بغاوت ''صفّین'' کی تھی، جس میں جنگ ارادے اور عزم کے ساتھ وجود میں آئی تھی۔ غالباً علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جنگ جمل'' کو سب سے پہلی بغاوت

اس لئے نہ کہا کہ چوں کہ یہ جنگ اتفاقیہ اور بلا
قصد ہوئی تھی، اس لئے اِس کا وجود ''جنگ صفّین'' کی صورت میں پیش آنے والی ایک بڑی جنگ
کے مقابلہ میں کچھ بھی
نہیں تھا۔

اصحابِ جمل کی طرف بغاوت کی نسبت:

باقی رہا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ کہ:

''جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی
طرف
بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔'' [۲]

ہاشمی صاحب کے بطلانِ دعویٰ پر چند دلائل:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ خلاف حقیقت اور بالکل باطل ہے کہ: ''کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔'' اس لئے کہ اکابر علمائے اہل سنت جس طرح جنگ صفّین پر بغاوت کا اطلاق کرتے ہیں اسی طرح جنگ جمل پر بھی بغاوت کا اطلاق کرتے ہیں، اور ایسے درجنوں حوالے موجود ہیں
کہ جن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف بغاوت کی نسبت کی گئی ہے۔ مثلاً:

﴿۱﴾ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حوالہ:

خلیفۂ چہارم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اہل جمل وغیرہ حضرات کے بارے میں فرمایا
کرتے تھے کہ: ''ہمارے
بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی اور تلوار نے اُنہیں پاک کیا۔''

[۱] (تاریخ اسلام: ۱/۴۲۳، ۴۲۴)

[۲] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۱۶)

چنانچہ امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ (۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

" يزيد بن هارون عن شريک عن أبي العنبس عن أبي البختري : قال:سئل عليٌّ عن أهل الجمل قال : قيل:أمشركون هم ؟ قال: من الشرک فروا . قيل : أمنافقون هم؟ قال:ان المنافقين لا يذكرون الله الا قليلاً . قيل :

فما هم ؟ قال: اخواننا بغوا علينا ." [۱]

ترجمہ:ابوالبختری کہتے ہیں کہ:''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہل جمل کے بارے میں پوچھا گیا کہ:''کیا وہ مشرک تھے؟۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''شرک سے تو وہ بھاگتے تھے۔''پوچھا گیا:''کیا وہ منافق تھے؟۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''منافقین اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔''پوچھا گیا کہ:''پھر وہ کیا تھے؟۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'' ہمارے بھائی تھے، ہمارے خلاف اُنہوں نے بغاوت کی۔''(ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"وقال من أهل الجمل وغيرهم:أصحاب الجمل اخواننا بغوا علينا طهرهم السيف ." [۲]

ترجمہ:اور(حضرت علی رضی اللہ عنہ نے)اہل جمل وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ جمل والے ہمارے بھائی ہیں،اُنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے اُن کو پاک کیا۔

اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

" وكان يقول في أصحاب الجمل اخواننا بغوا علينا ، طهرهم السيف ." [۳]

[۱] (مصنف ابن أبي شيبة : ۵۳۵/۷ ، ألناشر : مكتبة الرشد ، ألرياض)

[۲] (ألفتاويٰ الكبريٰ لابن تيمية : ۵۳۹/۳، ألناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت ،

لبنان) و(حقوق آل البيت لابن تيمية: ٣٤/١ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (مجموع الفتاويٰ لابن تيمية : ٥١٦/٢٨ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و(منهاج السنة النبوية لابن تيمية : ٤٠٦/٧،٤٩٧/٤ ، ألناشر : جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية)

۳؎ ألمنتقيٰ من منهاج الاعتدال في نقض كلام أهل الرفض والاعتزال للذهبي : ٢٧٤/١)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحابِ جمل کے بارے میں فرماتے تھے کہ ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے ان کو پاک کیا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

" وروينا عن عليٍ أنه سئل عليٌّ عن أهل الجمل فقال : اخواننا بغوا علينا ، فقاتلناهم ." ۱؎

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "اہل جمل" کے بارے پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف خروج کیا، پس ہم نے اُس کے ساتھ قتال کی۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

" وقال فيهم (أي في أصحاب الجمل والصفين) اخواننا بغوا

علينا

طهرهم السيف ، وصلي علي قتلي الطائفتين ." ۲

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحابِ جمل واہل صفّین کے بارے میں فرماتے تھے

کہ: ''ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے ان کو پاک

کیا۔''اور آپ رضی اللہ عنہ

نے دونوں جماعتوں کے مقتولین کی نماز جنازہ پڑھی۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی

۱۳۸۴ھ) فرماتے ہیں:

" سئل عليٌّ (رضي الله عنه) عن أهل الجمل فقال : اخواننا

بغوا

علينا ، فقاتلناهم ." ۳

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ''اہل جمل'' کے بارے میں پوچھا گیا تو

آپ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ: ''ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت پس ہم نے اُن کے ساتھ قتال

کی۔

۱ (ألسنن الكبريٰ للبيهقي:۸/۳۱۵،ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان

)و (مناقب الشافعي للبيهقي : ۱/۴۵۰

ألناشر : مكتبة دار التراث ، ألقاهرة)

۲ (ألتنبيه عليٰ مشكلاة الهداية : لابن أبي العز : ۴/۲۹۹ ، ألناشر : مكتبة الرشد ،

ناشرون، ألمملكة العربية ، ألسعودية)

۳ (حياة الصحابة للكاندهلوي : ۳/۱۹۹ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، للطباعة

والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان)

﴿۲﴾ امام عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أجمع فقهاء الحجاز والعراق ممن تكلم في الحديث والرأي منهم مالک والشافعي وأبو حنيفة والأوزاعي والجمهور الأعظم من المتكلمين والمسلمين أن عليًّا مصيب في قتاله لأهل صفين كما أصاب في قتاله أهل

الجمل ، وان الذين قاتلوه بغاة ." ۱

ترجمہ: حجاز اور عراق کے متکلم فی الحدیث والرائے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام اوزاعیؒ اور متکلمین اور مسلمانوں کے بڑے جمہور فقہاء کا اِس بات پر اجماع ہے کہ جس طرح اہل جمل کے ساتھ قتال کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب ہیں اسی طرح اہل صفّین

کے ساتھ قتال کرنے میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب ہیں۔ (ترجمہ ختم)

﴿۳﴾ امام ابومنصور الماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابومنصور الماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۴۴ھ) فرماتے ہیں:

" أجمعوا (أهل السنة)أن عليًّا مصيب في قتاله أهل الجمل طلحة

والزبير وعائشة ببصرة ." ۲

ترجمہ: اہل سنت کا اِس بات پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل جمل حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بصرہ میں لڑی جانے والی جنگ

میں "مصیب" تھے۔ (ترجمہ ختم)

﴿۴﴾ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

۱؎ (توضیح الأفکار لمعاني تنقیح الأنظار لأ بي ابراهیم عز الدین ألکحلاني :
۲۵۷/۲ ، ألناشر : دار الکتب العلمیة ،
بیروت ، لبنان)

۲؎ (فیض القدیر شرح جامع الصغیر للمناوي : ۳۶۵/۶ ألناشر مکتبة التجاریة
الکبرٰي ، مصر)

" والمصیب في حرب الجمل والخوارج عليٌّ والمخالفون بغاة." ۱؎

ترجمہ: جمل اور خوارج کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور (اُن کے) مخالفین باغی تھے۔

﴿۵﴾ علامہ ابن الوزیر الحسنی القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ ابن الوزیر الحسنی القاسمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۴۰ھ) فرماتے ہیں:

**"ألاجماع علیٰ أن المقاتلین لأمیر المؤمنین علیه السلام في
صفین
والجمل بغاة علیه ."** ۲؎

ترجمہ: اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ امیر المؤمنین (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے
جمل
وصفّین میں قتال کرنے والے اُن کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے۔ (ترجمہ ختم)

﴿۶﴾ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) فرماتے
ہیں:

" ومن حاربوه کانوا بغاة علیه ." ۳؎

ترجمہ: اور جنہوں نے اُن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے لڑائی کی تو وہ اُن کے خلاف باغی

تھے۔

﴿۷﴾ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:

''اب حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لڑنے والا اگر از راہِ بغض وعداوت لڑتا ہے تو یہ علمائے اہل سنت کے نزدیک بھی کافر ہے۔ اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ اور اگر شبہ فاسد اور تاویل باطل کی بناء پر نہ نیت عداوت و بغض سے حضرت رضی اللہ عنہ سے لڑنے والا مثلاً اصحابِ جمل و

۱؎ (فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي : ۴۵۳/۲ ، ألناشر : ألمكتبة التجارية الكبريٰ ، مصر)

۲؎ (ألعواصم والقواصم في الذب عن سنة أبي القاسم لابن الوزير : ۹۵/۱ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان)

۳؎ (ألأساليب البديعة في فضل الصحابة واقناع الشيعة عليٰ هوامش شواهد الحق للنبهاني : ۱۶۸/۱ ، ألناشر : ألمطبعة الميمنية ، مصر)

اصحابِ صفّین تو یہ خطائے اجتہادی۔'' ۱؎

﴿۸﴾ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

" **وأهل السنة ...... يقولون ...... ان مقاتليه في الوقعتين مخطئون باغون .** " ۲؎

ترجمہ: اہل سنت ...... کہتے ہیں کہ ...... دونوں لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے مخطی اور باغی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

﴿۹﴾امام الحرمین امام ابوالمعالی الجوینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۸ھ) فرماتے ہیں:

" كان (عليٌّ) اماماً حقا ، ومقاتلوه كانوا بغاة ." [۳]

ترجمہ: (حضرت علی رضی اللہ عنہ) خلیفۂ برحق تھے اور اُن کے ساتھ قتال کرنے والے باغی تھے۔ (ترجمہ ختم)

﴿۱۰﴾امام قرطبی رحمہ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

" فتقرر عند علماء المسلمين وثبت بدليل الدين أن

عليًّا رضي الله

عنه كان اماماً وأن كل من خرج عليه باغ ." [۴]

ترجمہ: پس علمائے اہل اسلام کے نزدیک یہ بات دلیل شرعی سے ثابت

ہوگئی کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ (برحق) تھے اور اِن کے خلاف (ناحق) خروج کرنے والے باغی

تھے۔

﴿۱۱﴾امام قاضی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

[۱] (تحفۂ اثنا عشریہ (اردو): ص ۶۱۳، ناشر: ولی محمد اینڈ سنز، کراچی)

[۲] (ألأجوبة العراقية عليٰ الأسئلة اللاهورية للآلوسي : ۳۸/۱ ، ألناشر : مطبعة الحميدية ، بغداد)

[۳] (كتاب الارشاد للامام الحرمين ألجويني : ص۴۳۳ ألناشر : لم أطلع عليه)

[۴] (ألجامع لأحكام القرآن ألمعروف بتفسير القرطبي : ۳۱۸/۱۶ ، ألناشر : دار الكتب المصرية ، ألقاهرة)

"فتقرر عند علماء المسلمين وثبت بدليل الدين أن
عليًّا رضي الله
عنه كان اماماً وأن كل من خرج عليه باغ ." [1]

ترجمہ: پس علمائے اہل اسلام کے نزدیک یہ بات دلیل شرعی سے ثابت
ہوگئی کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ (برحق) تھے اور ان کے خلاف (ناحق) خروج کرنے والے باغی
تھے۔

﴿۱۲﴾ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" وقد ثبت أن من قاتل عليًّا كانوا بغاة ." [2]

ترجمہ: اور یہ بات ثابت ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کی وہ باغی تھے۔

﴿۱۳﴾ علامہ محمد بن علی الولوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمد بن علی الاثیوبی الولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد ثبت أن من قاتل عليًّا بغاة ." [3]

ترجمہ: اور یہ بات ثابت ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کی وہ باغی ہے۔

ہاشمی صاحب کا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علمائے اہل سنت پر کفر کا فتویٰ:

اس ساری تفصیل اور تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت مذکورہ بالا تمام علمائے اہل سنت اہل جمل پر "بغاوت" کا اطلاق کرتے تھے، مگر اِدھر دیکھئے کہ ہاشمی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ:

''جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف
بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔'' [۴]

[۱] (أحكام القرآن لابن العربي : ٤/ ٥٠ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۲] (فتح الباري لابن حجر ألعسقلاني : ١٣/ ٦٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۳] (ذخيرة العقبىٰ في شرح المجتبىٰ للولّوي : ١٦/ ٢٥٤ ، ألناشر : دار آل بروم ، للنشر والتوزيع)

[۴] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۱۶)

گویا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت مذکورہ بالا تمام علمائے اہل سنت پر کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں بڑے دھڑلے کے ساتھ اسلام سے ہی خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا اِس پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو چاہیے کہ وہ دوبارہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کریں، کیوں کہ اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد اور مقام صحابیت کے
حامل ایک عظیم صحابی کی انتہائی سخت توہین اور تنقیص کی ہے۔

کیا بیعت نہ کرنے سے بغاوت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے؟:

اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص امام برحق کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُس کو توڑ دے تو وہ باغی کہلاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سرے سے بیعت ہی نہ کرے تو کیا وہ بھی باغی کہلاتا ہے یا نہیں؟ پروفیسر طاہر ہاشمی
صاحب کا دعویٰ ہے کہ ایسا شخص باغی نہیں کہلاتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی تو پھر اُن کی طرف کس
طرح
﴿أوّل من بغيٰ في الاسلام﴾ کی نسبت کی جا سکتی ہے؟۔‘‘ [۱]
اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلیفہ برحق کی بیعت نہ کرنے سے بغاوت کا حکم آدمی سے
ساقط ہوجاتا ہے۔ یہ حکم فقہ طاہری کا تو ہوسکتا ہے، فقہ اسلامی کا ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ فقہ اسلامی
کا حکم مطلق ہے، چاہے کوئی شخص امام برحق کی
بیعت سرے سے کرے ہی نہیں یا کر کے توڑ ڈالے دونوں صورتوں میں وہ باغی کہلاتا ہے۔
چنانچہ علامہ علاء الدین الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:
" ألبغاة ...... شرعاً (هم الخارجون عن الامام الحق بغير حق).‘‘ [۲]
ترجمہ: شرعاً باغی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو امام برحق کے خلاف ناحق خروج کریں۔
اور علامہ محمد بن فرامرز ملا خسرو رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۸۵ھ) لکھے ہیں:
**’’هم قوم مسلمون خرجوا عن طاعة الامام فيدعوهم اليٰ
العود
فيكشف شبهتهم .‘‘** [۳]

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۱۶)
[۲] (ألدر المختار شرح تنوير الأبصار للحصكفي : ۳۵۱/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)
[۳] (درر الحكام في شرح غرر الأحكام لملا خسرو : ۳۰۵/۱ ، ألناشر : دار احياء الكتب العربية)

ترجمہ: باغی وہ مسلمان قوم ہوتی ہے جو امام کی اطاعت سے نکل جائے اور وہ
انہیں
واپس لوٹنے کی دعوت دے اور اُن کے شکوک وشبہات دُور کرے۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ شیخی زادہ داماد افندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں:

”وفي التنوير هو في عرف الفقهاء هم الخارجون عليٰ الامام

الحق

بغير حق .“ [۱]

ترجمہ: اور تنویر میں ہے کہ فقہاء کے عرف میں باغی اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے

جوامام

برحق کے خلاف ناحق خروج کریں۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ مطلقاً امام برحق کے خلاف خروج کرنے والا شخص ”باغی“ کہلاتا ہے، چاہے اُس نے امام کے ہاتھ پر سرے سے بیعت ہی نہ کی ہو یا بیعت کر کے بعد میں توڑ ڈالی ہو، دونوں صورتوں میں وہ ”باغی“ کہلائے گا۔

قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں بلکہ ظالم اور سرکش تھے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک یہ استفتاء بھی کیا ہے کہ:

”قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو بالاتفاق سب سے

پہلے

بغاوت اور قتل و غارت کے مرتکب ہوئے تھے؟۔“ [۲]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے عقائد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے بلکہ وہ اِس سے بھی بڑھ کر ظالم، سرکش اور مذہب کے نافرمان تھے۔ باغی کے لئے تو پھر بھی کسی شبہ اور تاویل کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن یہ لوگ نرے فسادی تھے، ان کے پیدا کردہ شبہات کا کچھ اعتبار اور وزن نہیں، اِس لئے کہ شکوک و

شبہات کے رفع دفع ہونے اور حق بات کھل جانے کے باوجود وہ لوگ باطل پر ڈٹے رہے۔

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۲ھ) ہی فرماتے ہیں کہ:

” ان قتلة عثمان لم يكونوا بغاة ، بل ظلمة وعتاة ، لعدم

الاعتداد

۱؎ (مجمع الأنهر في شرح ملتقي الأبحر لشيخي زاده أفندي : ٦٩٩/١ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)
۲؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۱٦)

بشبهتهم،ولأنهم بعد كشف الشبهة أصروا اصراراً واستكبروا استكباراً ."۱؎

ترجمہ: قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے، بلکہ ظالم اور سرکش تھے،ان کے شبہات کا اعتبار (اور وزن) کے نہ ہونے کی وجہ سے،اور اس وجہ سے کہ یہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر (اور ڈٹے) رہے اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ
کرتے رہے۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ کمال الدین قدسی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰۹ھ) بھی لکھتے ہیں کہ:

**" ان قتلة عثمان رضي الله عنه لم يكونوا بغاة بل ظلمة وعتاة لعدم الاعتداد بشبهتهم ، ولأنهم أصروا عليٰ الباطل بعد كشف الشبهة وايضاح
الحق لهم ." ۲؎**

ترجمہ: قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے، بلکہ ظالم اور سرکش تھے،ان کے شبہات کے اعتبار کے نہ ہونے کی وجہ سے،اور اس وجہ سے کہ وہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق
کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر اور (اُس پر ڈٹے) رہے۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"فان الذي ذهب اليه كثيرون من العلماء ان قتلة عثمان لم يكونوا بغاة وانما كانوا ظلمة وعتاة ، لعدم الاعتداد بشبهتهم ، ولأنهم أصروا عليٰ
الباطل بعد كشف الشبهة وايضاح الحق لهم ." [۳]

ترجمہ: بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ "باغی" نہیں تھے، بلکہ وہ صرف "ظالم" اور "سرکش" تھے، ان کے شبہات کا اعتبار کے نہ ہونے کی وجہ سے، اور اِس وجہ سے کہ وہ لوگ شبہات کے ختم ہوجانے اور حق کے واضح ہوجانے کے بعد بھی باطل پر
ڈٹے رہے۔

[۱] (شرح المقاصد للتفتازاني : ۳۰۸/۵ ، ۳۰۹ ، ألناشر : عالم الكتب ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان)

[۲] (ألمسامرة شرح المسائرة : ۱۵۹/۲ ، ۱۶۰ ، ألناشر :)

[۳] (ألصواعق المحرقة عليٰ أهل الرفض والضلال والزندقة للهيتمي : ۶۲۳/۲ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، لبنان)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے "بدخواہوں" سے مراد کون لوگ ہیں؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ علامہ تفتازانیؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''چوٹ'' یا
''تعریض'' کا
کوئی سا موقع بھی ضائع نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ وہ ''شرح تلخیص'' میں لکھتے ہیں کہ:
''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے
تشریف
لائے، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے اُنہوں نے یہ شعر پڑھا:
(ترجمہ): (۱) اور بدخواہوں کے سامنے میرا اظہارِ بہادری اس مقصد کے
لئے ہے کہ میں زمانے کے حوادث کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔ (۲) اور جب
موت اپنے پنجے
گاڑ لیتی ہے تو تم کسی تعویذ کو کارگر نہیں پاؤ گے۔ [۱]
مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:
" ان الروایة غیر صحیح ، ولو سلمت فلیس فیها تصریح
بارادته
الحسن ." [۲]
ترجمہ: یہ روایت صحیح نہیں اور برتقدیر تسلیم اس میں تصریح نہیں کہ انہوں نے
حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مراد لیا تھا۔'' [۳]
پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں بھی اپنے دجل و فریب کا خوب سے خوب تر
مظاہرہ کیا ہے اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر یہ الزام تھوپ دیا ہے کہ اُنہوں نے حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ جب
آپ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اشعار کے سے انداز میں حضرت
حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا بدخواہ مراد لیا، حالاں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بد
خواہ مراد لینے کی کوئی تصریح نہیں ہے۔

۱؎ (ألمطول شرح تلخيص مفتاح العلوم للتفتازاني : ص ٦٠٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (ألناهية عن طعن امير المؤمنين معاوية :ص ٣٧ ،بحوالہ:**سیدنا معاویہ** رضی اللہ عنہ کے **ناقدین:ص١١٦)**

۳؎ (**سیدنا معاویہ** رضی اللہ عنہ کے **ناقدین:ص١١٦)**

اور دوسرا دجل پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہ کیا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو کانٹ چھانٹ کر مذکورہ بالا دونوں اشعار کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کردی، حالاں کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف پہلا شعر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نقل کیا ہے اور دوسرا شعر اُس کے جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

" حكي أن الحسن بن علي دخل عليٰ معاوية رضي الله عنه يعوده فلما رآه معاوية رضي الله عنه قام وتجلد وأنشد :

بتجلدي الشامتين أريهم

أني لريب الدهر لا أتضعضع

فأجابه الحسن علي الفور وقال:

واذا المنية ......ألخ [1]

ترجمہ: حکایت کی گئی ہے کہ حسن بن علی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے تشریف لائے، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُنہیں دیکھا تو کھڑے ہوگئے اورصبرو استقلال کا مظاہرہ کیا اور یہ شعر پڑھا:

ترجمہ: اورخوش ہونے والوں کے لئے میرا مضبوطی دکھانا اِس لئے تھا کہ میں اُنہیں دکھاؤں کہ میں گردشِ زمانہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے والا نہیں۔

توحسن بن علی نے فی الفور جواب دیا:

''اور جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو تم دیکھو گے کہ کوئی تعویذ فائدہ

نہیں

دیتا۔''(ترجمہ ختم)

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ۶ ماہ بعد ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی تھی [2] اورآپس کی دلی رنجشیں اور کدورتیں ایک دوسرے کو معاف کردی تھیں پھراس کے باوجود

[1] (ألمطول شرح تلخيص مفتاح العلوم للتفتازاني : ص ٦٠٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[2] (تاریخ اسلام:۱/ ۴۸۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ''بدخواہ'' مراد لینا کیوں کر دُرست ہوسکتا ہے؟ بالخصوص اُس وقت جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس کلام میں آپ رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح تک نہیں ہے۔جیسا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی اِس کا اعتراف ہے اور اُنہوں نے بھی علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

”بر تقدیرِ تسلیم صحت روایت ہذا اس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ہی خاص طور پر مراد لینے کی تصریح نہیں ہے۔“ [1]

علاوہ ازیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) نے بھی اپنی تاریخ میں کسی شخص معین کے نام کی تصریح کیے بغیر اِس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ [2]

چوتھا جواب اِس کا یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات کا ہے، جو ۶۰ھ میں پیش آیا تھا۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اِسی دن وفات پا گئے تھے جب کہ ابن الاعثم رحمہ اللہ کے قول کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے اِس واقعہ کے پانچ دن بعد وفات پائی۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

” فمات من يومه ذلك .“ [3]

ترجمہ: پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسی دن وفات پا گئے۔

” ألبداية و النهاية “ کے محقق اِس عبارت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

” في ابن الأعثم : مات بعد خمسة أيام .“ [4]

ترجمہ: ابن الاعثم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ دن بعد آپ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔

بہر حال اِس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات ۶۰ھ کا ہے جس کے فوراً بعد یا چند دن بعد آپ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات اِس واقعہ سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۱۶)

[2] ملاحظہ ہو: (ألبداية و النهاية : ۱۵۱/۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

[3] (ألبداية و النهاية : ۱۵۱/۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

[4] (حاشية المحقق علي البداية و النهاية : ۱۵۱/۸ ، ألناشر : دار احياء التراث

العربي ، بيروت ، لبنان)

چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

" والمشهور أنه مات سنة تسع وأربعين كما ذكرنا.وقال آخرون:مات سنة خمسين وقيل احديٰ وخمسين أو ثمان وخمسين ."[1]

ترجمہ:مشہور یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ ۵۰ھ میں ہوئی۔ اور کہا گیا ہے کہ ۵۱ھ میں ہوئی یا
۵۸ھ میں ہوئی۔ (ترجمہ ختم)

بہر حال حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا سن وفات اگر ۵۸ھ بھی مان لیا جائے تب بھی ۶۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات میں آپ رضی اللہ عنہ کا آ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لانا ازبس دُشوار بلکہ ناممکنات میں سے ہے جو کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوسکتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے مابین "مسئلہ تفضیل" پر علمی بحث:

اسلامی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرات خلفائے راشدین میں سے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے کون افضل اور کون مفضول ہے؟ اس بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی
صاحب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اب جمہور اہل سنت کے عقیدے کے برعکس شیعہ فرقہ ’’تفضیلیہ‘‘
کی موافقت میں موصوف کا ایک اور عقیدہ ملاحظہ فرمایئے!:

’’جمہور اہل سنت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی بالترتیب افضلیت کے قائل ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں، لیکن اس کے برعکس علامہ تفتازانی
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

” وأما نحن فقد وجدنا دلائل الجانبين متعارضة (أي في أفضلية عثمان أوعلي)ولم نجد هذه المسئلة مما يتعلق به شيءٌ من الأعمال أو يكون

؎ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ٤٨/٨ ، ٤٩ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

الشيخين و محبة الختنين . و الانصاف أنه ان أريد بالأفضلية كثرة
الثواب فللتوقف جهة و ان أريد كثرة ما يعده ذو و العقول من الفضائل

فلا ."[1]

ترجمہ: رہے ہم تو ہم نے جانبین کے دلائل کو متعارض پایا اور ہم نے اس مسئلہ کو ایسا نہیں پایا کہ اس سے کسی عمل کا تعلق ہو اور اس بارے میں توقف کسی واجب میں خلل انداز ہو۔ اور سلف صالحین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے "تفضیل شیخین اور محبت ختنین" کو اہل سنت والجماعت کی علامات میں سے قرار دیا۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرت ثواب مراد ہو تو (پھر تو) توقف کی (کوئی) وجہ (بنتی) ہے اور اگر وہ چیزیں مراد ہوں جن کو اہل دانش فضائل اور کمالات میں سے شمار کرتے
ہیں تو (پھر توقف کی) کوئی وجہ نہیں (بنتی)۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دینے کا مسئلہ ظنی ہے۔ ہمارے اسلاف سے یہی ترتیب منقول ہے۔ اگر ہم اسلاف کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر ان کی تقلید نہ کرتے تو اس بارے میں توقف
ہی افضل تھا۔

۱- ایک تو اس وجہ سے کہ اس سلسلے میں شیعہ اور اہل سنت کے دلائل متعارض

ہیں۔
لہٰذا کسی بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔

۲- اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ مسئلہ اعتقادی ہے ظنی نہیں اور اعتقادیات

میں
ظنیات کافی نہیں ہوا کرتے۔

۳- اور تیسرے اس وجہ سے کہ اس مسئلے میں توقف اور سکوت کسی واجب

شرعی
میں مخل نہیں۔

لے (شرح العقائد النسفية للتفتازاني : ص ٣٤٧ ، ألناشر : مكتبة البشريٰ ، كراتشي ، ألباكستان)

ہیں۔اسی طرح موصوف کا یہ کہنا (کہ ہمارے اسلاف نے توقف کو ترجیح دی ہے) بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان متنازع فیہ ''حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا مسئلہ نہیں بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا مسئلہ ہے۔لہٰذا انہوں نے توقف نہیں کیا بلکہ ''تفضیل شیخین'' کو اہل السنّت والجماعت کی علامات میں سے شمار کیا ہے۔

اِس مؤقف کے آخر میں موصوف نے جو''انصاف'' فرمایا ہے وہ شیعیت ہی کی ترجمانی ہے۔بعض علماء نے ان کے اس ''انصاف'' کی بناء پر پورا پورا انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ''انصاف'' سے شیعیت کی بو آتی ہے۔یعنی ان کا یہ کہنا کہ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے پھر تو توقف کی کوئی بنیاد ہے، کیوں کہ کثرت ثواب کا تعلق عقل سے ممکن نہیں اور نقل وارد نہیں۔اور اگر ان اشیاء کی زیادتی مراد ہے جن کو لوگ کمالات میں شمار کرتے ہیں تو پھر توقف کی کوئی وجہ نہیں۔اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کمالات اور کرامات زیادہ ہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلاف نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت اور ترجیح دی ہے اور اس کے برعکس عقیدے کو شیعیت قرار دیا ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي علىٰ عثمان و أن عليا كان مصيباً في حروبه و أن مخالفه مخطئٌ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما. وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض فلا تقبل رواية الرافضي الغالي و لا كرامة ."[1]

ترجمہ: متقدمین کے عرف واصطلاح میں تشیّع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

ل (تهذيب التهذيب : ۱/ ۹٤ ، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۱۷......۱۱۸)

صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق بجانب تھے اور ان کے مخالف خطاء پر تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین کی تفضیل کے بھی قائل تھے (مگر پھر بھی انہیں شیعہ سمجھا جاتا تھا)۔ جب کہ متاخرین کے نزدیک شیعیت خالص رفض کا نام ہے۔ لہٰذا نہ تو اس غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی عزت
کی جاسکتی ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اس شخص کو جو تمام اصول وفروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے، شیعہ قرار دیا ہے۔ ل

ل (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۱۷، ۱۱۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا مسئلہ قطعی ہے یا ظنی؟

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت میں دو نکات اُٹھائے ہیں:

۱- پہلا نکتہ تو یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا مسئلہ ''قطعی'' ہے ''ظنی''
نہیں۔

۲- اور دوسرا نکتہ یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والا شخص متقدمین کے
عرف اور ان کی اصطلاح میں ''شیعہ'' کہلاتا تھا۔

پہلا نکتہ:

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے کہ ''حضرت عثمان ﷛ کو حضرت علی ﷛ پر فضیلت دینے کا مسئلہ ''قطعی'' ہے ''ظنی'' نہیں ہے۔'' تو اس مسئلہ میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ متفرد نہیں، بلکہ پہلی، دوسری اور تیسری صدی کے علماء
کے یہاں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ نیز اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے شخص کو بدعتی بھی نہیں کہا جاسکتا۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان ﷛ اور حضرت علی ﷛ کی ترتیب کا مسئلہ ''ظنی'' ہے ''قطعی'' نہیں، اس لئے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے ساتھ حسن ظن رکھا ہے کہ اُن کے پاس کوئی دلیل ضرور موجود ہوگی جس کی وجہ سے اُنہوں نے افضلیت کے اعتبار سے یہ ترتیب قائم کی ہے کہ خلافت کے معاملہ میں حضرت عثمان ﷛ کا مقام و مرتبہ حضرت علی ﷛ سے مقدم ہے۔ اور اگر ہم حسن ظن کی بنیاد پر اُن کی تقلید نہ کرتے تو پھر اِس مسئلہ میں توقف اور سکوت افضل تھا۔ کیوں کہ اِس کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے دلائل باہم متعارض ہیں اس لئے کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ نیز افضلیت کا مسئلہ اعتقادی ہے، عملی نہیں، عملیات میں تو ظنی دلیل کافی ہوجاتی ہے، لیکن اعتقادیات میں دلیل ظنی کافی نہیں ہوتی، بلکہ اُس میں یقین مطلوب ہوتا ہے، جس لئے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز افضلیت کے اِس مسئلہ میں توقف اور سکوت کرنے میں کسی واجبِ شرعی کا نقصان بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اسلاف سے اِس مسئلہ میں توقف اور سکوت منقول ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے تو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ اُس کے یہاں کس کو زیادہ تقرب حاصل ہے، پھر تو توقف اور سکوت کرنا بجا ہے، کیوں کہ کثرت ثواب کو عقل سے جانا نہیں جاتا اور نقل اس میں وارد نہیں۔ اور اگر افضلیت سے مراد فضائل و مناقب کا زیادہ ہونا ہے تو پھر توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس اعتبار سے حضرت علی ﷛ کا مقام اعلیٰ ہے، کیوں کہ اُن کے مناقب بہت زیادہ ہیں، مثلاً کمالاتِ علمیہ وعملیہ، فصاحت و بلاغت، شجاعت و بہادری، سخاوت و فیاضی سیدۃ نساء

اہل الجنۃ کا شوہر ہونا، حسنین کریمین کا والد ہونا وغیرہ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر افضلیت ثابت ہونے کے چند شرعی دلائل:

اگر چہ کثرت ثواب کی بناء پر حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت دینے کا عقل سے ادراک نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی نقل اس بارے میں وارد ہے اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظاہری مناقب اس پر دلالت کرتے ہیں، تاہم چند
شرعی دلائل ایسے ضرور موجود ہیں کہ جن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ثابت ہوتی ہے:

پہلی دلیل:

۱- چنانچہ امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ نافع کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله (صلي الله عليه وسلم)
فنخير أبا بكر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ."[1]

[1] (صحيح البخاري : ٤/٥ ، ألناشر : دار طوق النجاة) و (جامع الترمذي : ٦٢٩/٥ ، ألناشر : شركة مكتبة و مطبعة مصطفيٰ ألبابي ألحلبي ، مصر)

ترجمہ: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پسند کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ (ترجمہ ختم)

اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سالم کی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ:

”كنا نقول ورسول الله صلي الله عليه وسلم حيٌّ: أفضل أمة
النبي
صلي الله عليه وسلم بعده أبوبكر ثم عمر ثم عثمان رضي الله عنهم .“
لے

ترجمہ: حضورِاقدس ﷺ کے حیات کے زمانہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ:
”(آنحضرت ﷺ کے بعد اُمت محمدیہ ﷺ میں سب سے **افضل**) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں
، پھر
حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔“ (ترجمہ ختم)

طبرانی کی روایت کے آخر میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ بات سنی
تو اِس پر کوئی نکیر نہیں
فرمائی۔ ملاحظہ ہو:

” كنا نقول ورسول الله صلي الله عليه وسلم حيٌّ: أفضل أمة
النبي صلي الله عليه وسلم بعده أبوبكر ، ثم عمر، ثم عثمان ،ويسمع
ذلک النبي
صلي الله عليه وسلم ولاينكره .“ ٢ے

ترجمہ: حضورِاقدس ﷺ کے حیات کے زمانہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ:
”(آنحضرت ﷺ کے بعد اُمت محمدیہ ﷺ میں سب سے **افضل**) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں
، پھر
حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔“ آنحضرت ﷺ نے یہ بات سنی اور
اِس پر
کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ (ترجمہ ختم)

دوسری دلیل:

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ: ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد اس اُمت میں

بہترین شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر میں ہوں۔(**رواه الحافظ أبوسعد السمان كما في فصل الخطاب**)

ل (سنن أبي داؤد : ۲۰۶/٤ ، ألناشر : ألمكتبة العصرية ، صيدا ، بيروت ، لبنان)
ع (ألمعجم الكبير للطبراني : ۲۸۵/۱۲ ، ألناشر : مكتبة ابن تيمية ، ألقاهرة)

اور یہی نہیں بلکہ امام ابومنصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے (حضرت علی رضی اللہ عنہ پر)افضل ہونے پر
اجماع نقل کیا ہے۔

چنانچہ علم عقائد کے مشہور محقق عالم علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

**”عن علي قال:خير الناس في هذه الأمة بعد أبي بكر عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورين ثم أنا . “(رواه الحافظ أبوسعد السمان كما في فصل
الخطاب) بل حكي أبو منصور ألبغدادي الاجماع علي أن عثمان أفضل .“** ل

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اِس اُمت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے بہترین آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر میں ہوں۔(**رواه الحافظ أبوسعد السمان كما في فصل الخطاب**) بلکہ امام ابومنصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا
ہے۔(ترجمہ ختم)

تیسری دلیل:

۳-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:”مہاجرین اور انصار

(صحابہ رضی اللہ عنہم) کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس اُمت میں سب سے بہترین شخص حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر
حضرت عثمانِ ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) ہی لکھتے ہیں:

" وعن عبد الله بن عمر قال : أجمع المهاجرون والأنصار

علي أن

خير هذه الأمة أبوبكر وعثمان وعلي . رواه خثيمة بن سعد ." [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ''مہاجرین اور
انصار (صحابہ رضی اللہ عنہم) کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس اُمت کے سب سے بہترین شخص
حضرت ابوبکر

[1] (ألنبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي : ٣٠٢ ، ٣٠٣ ، ألناشر : مكتبة
حقانية ، ملتان ، ألباكستان)

[2] (ألنبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي : ٣٠٣ ، ألناشر : مكتبة حقانية
، ملتان ، ألباكستان)

صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت عثمانِ ذوالنورین رضی اللہ عنہ
ہیں۔ اِس
کو خثیمہ بن سعدؒ نے روایت کیا۔ (ترجمہ ختم)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں کہ:

”واتفق أهل السنةعلي أن أفضلهم أبوبكرثم عمر، قال جمهورهم ثم عثمان ثم علي، وقال بعض أهل السنة من أهل الكوفة بتقديم عليٍّ علي
عثمان والصحيح المشهور تقديم عثمان .“[۱]

ترجمہ:”اہل سنت کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ (حضور ﷺ کے بعد تمام اُمت میں) سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، جمہور اہل سنت کہتے ہیں کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور بعض کوفہ کے رہنے والے اہل سنت کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، (لیکن اہل سنت کا) صحیح اور
مشہور مذہب (حضرت علی رضی اللہ عنہ پر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم کا ہے۔(ترجمہ ختم)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن رفض وتشیّع سے پاک ہے!:

بہر حال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی انہی مذکورہ باتوں کی وجہ بعض حاشیہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان سے شیعیت ورفضیت کی بو آتی ہے، لیکن بعض دوسرے حاشیہ نگاروں نے اُن کا تعاقب کرتے ہوئے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کا اعتراف کرنا رفض وشیعیت نہیں

ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

” قال بعض المحشين : في كلام الشارح هذا شائبة من الرفض وتعقبه محشي آخر وقال : ألاعتراف بفضائل علي رضي الله عنه ومناقبه
ليس رفضاً .“[۲]

[۱] (شرح النووي علي صحيح المسلم : ۱۵/ ۱٤۸ ، ألناشر : دار احياء التراث

العربي ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (ألنبراس علیٰ شرح العقائد النسفية للفرهاروي : ص ۳۰۳ ، ألناشر : ألمكتبة الحقانية ، ملتان ، ألباكستان)

ترجمہ: بعض حاشیہ نگاروں نے شارح (علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ) کے کلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس میں رفض کا شائبہ پایا جاتا ہے، لیکن بعض دوسرے حاشیہ نگاروں نے اُن کا تعاقب کرتے ہوئے اِس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و
مناقب کا اعتراف کرنا ''رفض'' نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

خلاصۂ کلام:

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کے مسئلہ میں جمہور علماء کے برعکس یہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی انفرادی تحقیقات ہیں جو ان کے رفض و تشیع سے متاثر ہونے کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اُن کی اپنی علمی و تحقیقی تحقیقات کے نتیجہ میں عمل میں آئی ہیں، اس لئے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر رفض و تشیّع کا الزام لگانا
کسی طرح بھی درُست اور قرین انصاف نہیں۔

دوسرا نکتہ:

دوسرا نکتہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والا شخص متقدمین کے عرف اور ان کی اصطلاح میں ''شیعہ'' کہلاتا ہے۔
چنانچہ وہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو متقدمین کے عرف اوران کی اصطلاح میں شیعہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’......اسلاف نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت وترجیح دی

ہے

اوراس کے برعکس عقیدے کو شیعیت قرار دیا ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

”فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل

عليٍّ عليٰ عثمان وأن عليا كان مصيبا في حروبه ، وأن مخالفه مخطئ

مع تقديم الشيخين و تفضيلهما. وأما التشيع في عرف المتأخرين

فهو الرفض المحض ، فلا تقبل

رواية الرافضي الغالي ولا كرامة .“[۱]

ترجمہ: متقدمین کے عرف واصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ کو صرف (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان

جنگوں میں حق

[۱] (تهذيب التهذيب : ۱/ ۹٤ ،بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۱۱۸)

بجانب تھے اوران کے مخالف خطاء پر تھے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین کی تفضیل کے

بھی قائل تھے (مگر پھر بھی انہیں شیعہ سمجھا جاتا تھا) جب کہ متاخرین کے نزدیک

شیعیت خالص رفض کا نام ہے۔لہٰذا نہ تو اس غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے

اور نہ ہی اس کی عزت

کی جاسکتی ہے۔(ترجمہ ختم)

اس سے واضح ہو گیا کہ متقدمین،سلف صالحین اور محدثین نے اس شخص کو جو

تمام اصول وفروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے' شیعہ قرار دیا ہے۔‘‘[۱]

متقدمین کی اصطلاح میں ’’تشیّع‘‘ کا مطلب:

اس میں شک نہیں کہ علمائے اہل سنت متقدمین، سلف صالحین اور علمائے علم حدیث نے اس شخص کو جو تمام اُصول وفروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہو، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو ''شیعہ'' قرار دیا ہے، لیکن بایں ہمہ اس سے اس شخص کا اس معروف ومتداول شیعہ فرقہ کا فرد یا اس کا پیروکار ہونا لازم نہیں آتا جو کہ اہل سنت کے مقابلہ میں ہے، اس لئے کہ لفظ ''شیعہ'' مشایعت بمعنی متابعت سے مشتق ہے جس کا معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہونا بنتا ہے۔ اور چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سچے اور اصل پیروکار اہل سنت والجماعت ہی ہیں، آج کل کے موجودہ شیعہ حضرات خالی زبانی دعویٰ کی حد تک ان سے عقیدت ومحبت کے دعوے دار ہیں، اس لئے کہ متقدمین علمائے اہل سنت کے نزدیک روافض مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ ''شیعہ'' کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوا کرتا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہو، گویا شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ ''شیعہ'' اہل سنت والجماعت کا پرانا نام تھا، لیکن جب بعد میں شیعہ مذہب وجود میں آیا اور اس لفظ کا بہ کثرت اطلاق اِس بدعتی، رافضی، اسماعیلی اور اہل بیت کے مخالف ٹولہ پر ہونے لگا تو حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے اصل پیروکار لوگوں (اہل سنت) نے اس لفظ کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا اور اُنہوں نے اپنا نیا نام ''اہل سنت والجماعت'' رکھ لیا۔

چنانچہ علامہ قفاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۱؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۸)

" فالشيعة و التشيع و المشايعة في اللغة تدور حول معني المتابعة و المناصرة و الموافقة بالرأي و الاجتماع عليٰ الأمر أو الممالأة عليه . ثم غلب هذا الاسم – كما يقوله صاحب اللسان ، والقاموس ، وتاج العروس – عليٰ كل من يتولي عليا و أهل بيته و هذه الغلبة محل نظر ، لأنه اذا تأمل الباحث في المعنيٰ اللغوي للشيعة والذي يدل عليٰ المتابعة و المناصرة ، ثم نظر اليٰ أكثر فرق الشيعة ألتي غلب اطلاق هذاالاسم عليها يجد أنه لايصح تسميتهابالشيعةمن الناحية اللغوية لأنها غيرمتابعة لأهل البيت علي الحقيقة بل هي مخالفة لهم ومجافية لطريقهم . ولعل هذا ما لاحظه شريک بن عبد الله حينما سأله سائل: أيهما أفضل أبوبكرأو عليّ ؟ فقال له :" أبوبكر " فقال السائل : " تقول هذا و أنت شيعيّ ! " فقال له : " نعم ! من لم يقل هذا فليس شيعيّاً، والله لقد رقي هذا الأعواد علي،فقال : ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر فكيف نرد قوله و كيف نكذبه ؟ والله ماكان كذاباً . فالامام شريک لاحظ أن غير المتابع لعليٍّ لايستحق اسم التشيع لأن معني التشيع وحقيقته المتابعة . ولهذا آثر بعض الأئمة أن يطلق عليهم اسم الرافضة . وقد لجأ المتابعون لأهل البيت عليٰ الحقيقة والذين كانوا يلقبون بالشيعة ، لجأوا اليٰ ترک هذا اللقب لما غلب اطلاقه عليٰ أهل البدع المخالفين لأهل البيت كما يشير صاحب " ألتحفة الاثني عشرية " اليٰ ذلک فيقول : ان الشيعة الأوليٰ تركوا اسم الشيعة لما صار لقباً للروافض والاسماعيلية ولقبوا أنفسهم بأهل السنة والجماعة ."[1]

ترجمہ: پس ''شیعہ، تشیع اور مشایعت لغت میں متابعت، مناصرت، موافقت بالرائے کسی خاص معاملہ پر اجتماع کرنے یا اُس کی موافقت کرنے کے معنی میں آتا ہے ۔

ـ (أصول مذهب الشيعة الامامية الاثني عشرية ، عرض ونقد للقفاري : ١/٣١ ، ٣٢)

پھراس لفظ کا غالب استعمال (صاحبِ لسان العرب، قاموس اور تاج العروس کی

تصریحات کے مطابق) ہر اس شخص پر ہونے لگا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کرے۔ لیکن اس لفظ کا غالب استعمال محل نظر ہے، اس لئے کہ جب بحث کرنے والا شخص لفظ ''شیعہ'' کے لغوی معنی میں اور اُس معنی میں جو کہ ''متابعت'' اور ''مناصرت'' پر دلالت کرتا ہے بحث کرے گا اور شیعوں کے اکثر فرقوں پر نظر کرے گا کہ جن پر اس نام کا اطلاق غالب آ چکا ہے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ لغوی اعتبار سے ان فرقوں کو ''شیعہ'' کا نام دینا بالکل صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حضرات اہل بیت کے حقیقی پیروکار نہیں ہیں، بلکہ یہ ان کے مخالف ہیں اور ان کے راستہ سے ہٹ جانے والے ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ شریک بن عبداللہؒ نے بھی اس بات کا اس وقت لحاظ رکھا ہو جب ایک شخص نے آ کر ان سے یہ سوال کیا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ!۔ سائل نے کہا: آپؒ شیعہ ہو کر یہ بات کیسے فرما رہے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: ''ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مؤقف اور اُن کا نظریہ بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا: ''خبردار! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں سب سے بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس ہم کیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بات کو ردّ کر دیں یا اسے جھٹلا دیں؟ اللہ کی قسم! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جھوٹے نہیں تھے۔'' امام شریک بن عبداللہؒ نے اس بات کا لحاظ کیا کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیروکار نہ ہو وہ اپنے لئے شیعہ نام رکھے جانے کا مستحق ہی نہیں ہے، اس لئے لفظ شیعہ کا حقیقی معنی کسی کا پیروکار ہونا ہے اور اسی وجہ سے بعض ائمہ نے ان کا رافضی نام رکھنا پسند کیا ہے۔ جب لفظ شیعہ کا غالب اطلاق بدعتیوں اور حضرات اہل بیت کے مخالف لوگوں پر ہونے لگا تو ان کے حقیقی پیروکاروں اور ان لوگوں نے کہ جن کا لقب شیعہ تھا اس لفظ (شیعہ) کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا، جیسا کہ صاحب ''تحفہ اثنا عشریہ'' نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''لفظ شیعہ جب رافضیوں اور اسماعیلیوں کا لقب بن گیا تو پہلے شیعہ لوگوں نے (اپنے لئے) اس لقب کو ترک کر دیا اور

(آئندہ کے لئے مستقل طور پر) اپنا لقب ''اہل سنت والجماعت'' رکھ لیا۔'' (ترجمہ ختم)

اورصاحب ''**تثبیت دلائل النبوۃ**'' لکھتے ہیں:

"...... وأن أمير المؤمنين علي بن أبي طالب كان يقدمه ويقدم عمر عليٰ نفسه ، ويفضلهما عليٰ منابره وهما من الأموات ، حتي يقول ابو القاسم البلخي :" ومن يفضل أمير المؤمنين لايمكننا أن ندفع قوله. ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر وعمر . ولايدفع هذا من له بالعلم بصيرة ، أو له فيه نصيب ، ولكنه عندنا ما أراد نفسه ، وقد كانت الشيعة الأوليٰ تفضل أبابكر وعمر عليه قال:وقال قائل لشريک بن عبد الله أيهما أفضل أبوبكر أم عليّ ؟ فقال : أبوبكر . فقال له السائل: أتقول هذا وأنت من الشيعة ؟ فقال: نعم ! انما الشيعي من قال مثل هذا والله لقد رقي أمير المؤمنين هذه الأعواد فقال: ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر وعمر . أفلا نردّ قوله ؟ أفكنا نكذبه ؟
والله ماكان كذاباً ." [1]

ترجمہ:......اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر مقدم رکھتے تھے، اور اپنے منبروں پر ان کے فضائل بیان کرتے تھے، حالاں کہ یہ دونوں حضرات وفات پا چکے تھے۔ حتیٰ کہ ابوالقاسم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: "جو امیر المؤمنین کو فضیلت دے ہمارے لئے اس کی بات کو ردّ کرنا ممکن نہیں ہے۔ خبردار! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور جس شخص کو علم میں بصیرت حاصل ہو یا علم میں اُس کا کچھ حصہ ہو وہ اس بات کو ٹھکرا نہیں سکتا، لیکن ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات مراد نہیں لی۔ اور پہلے زمانہ کے شیعہ حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ابوالقاسم بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پوچھنے والے نے شریک بن عبداللہؒ سے پوچھا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

ل (تثبيت دلائل النبوّة : ۱/ ٦٢ ، ٦٣)

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ!۔'' سائل نے کہا کہ:'' آپ شیعہ ہو کر یہ بات کیسے فرما رہے ہیں؟۔'' آپؒ نے فرمایا:'' ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔'' اللہ کی قسم! امیرالمؤمنین (حضرت علی) کا مؤقف بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا کہ:'' خبردار! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں سب سے زیادہ بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس ہم کیسے امیرالمأمنین (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بات کو
ردّ کر دیں یا اُسے جھٹلا دیں؟ اللہ کی قسم! وہ جھوٹے نہیں تھے۔'' (ترجمہ ختم)

اسی طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

''یہ بھی معلور رہنا چاہیے کہ شیعانِ اولیٰ جس میں اہل سنت اور اہل تفضیل دونوں شامل ہیں پہلے شیعہ ہی کہے جاتے تھے، مگر جب سے غلاۃ (غالی) روافض، زیدیوں اور اسماعیلیوں نے اپنے لئے شیعہ لقب اختیار کیا، اور ان کے اعمال وعقائد کی قباحتیں اور شر ظاہر ہونے لگے، تو حق و باطل کے مل جانے کے خطرہ کے پیش نظر فرقۂ سنیہ وتفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے لئے ناپسند کر کے ترک کر دیا، اور اس کی جگہ ا''ہل سنت والجماعت'' کا لقب اختیار کیا اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں اساطینِ اہل سنت کے لئے جو یہ الفاظ:'' **فلان من الشيعة أو من شيعة** '' مذکور ہیں تو یہ الفاظ اپنی جگہ دُرست ہیں، کیوں کہ پہلے ایسے حضرات شیعانِ اولیٰ کا یہ لقب تھا۔ واقدیؒ کی تاریخ اور الاستیعاب میں اس قسم کے الفاظ بہت آتے ہیں ،لہٰذا اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ یہ حضرات مذکورین ہرگز ایسے شیعہ نہ تھے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور مددگاری کے سبب شیعانِ علی رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی) کہلاتے تھے۔ ل

اسی طرح شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۷ھ) لکھتے ہیں:

" ألشيعة : وهم فرقة عليّ بن أبي طالب (عليه السلام)
المسمون بشيعة عليٍّ (عليه السلام) في زمان النبيّ وبعده معروفون
بانقطاعهم اليه

ل (تحفہ اثنا عشریہ (اردو): ص۴۰، ناشر: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی، پاکستان)

والقول بامامته ."۱

ترجمہ: "شیعہ" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرقہ کا نام ہے، جنہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں "شیعانِ علی رضی اللہ عنہ" کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسلک ہو جانے اور ان کی امامت کے قائل ہو جانے سے جانے پہچانے جاتے
ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح صاحب " ألفرق الاسلامية"، لکھتے ہیں:

" وفي نظري أن تعريف الشيعة مرتبط أساساً بأطوار نشأتهم ومراحل التطور العقدي لهم فالتشيع في العصر الأول غير التشيع فيما بعده فعليٰ هذا يكون التعريف للشيعة في الصدر الأول: " أنهم يقدمون عليّاً عليٰ عثمان فقط ." ۲

ترجمہ: میرے خیال میں لفظ "شیعہ" کی تعریف بنیادی طور پر ان کے ابتدائی حالات اور ان کے مرحلہ وار ادلتے بدلتے عقائد و نظریات کے ساتھ مربوط ہے ۔ پس پہلے زمانہ کے شیعہ اور تھے اور بعد کے زمانہ کے شیعہ اور ہیں۔ لہٰذا اس بات کی بنیاد پر لفظ "شیعہ" کی تعریف پہلے زمانہ میں یہ ہوگی کہ: "وہ لوگ جو حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم رکھتے تھے
اور بس!۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت کے تحت نیچے حاشیہ میں محشی نے لکھا ہے کہ:

" وهم وان سموا بالشيعة فهم من أهل السنة لأن مسئلة عثمان و علي ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها لكن المسئلة التي يضلل فيها هي مسئلة الخلافة وقد كان بعض أهل السنة اختلفوا في عثمان وعليّ بعد اتفاقهم علىٰ تقديم أبي بكر وعمر أيهما أفضل فقدم قوم عثمان وسكتوا

۱ (ألشيعة وأهل البيت لاحسان الهي ظهير : ۱/۱۷، ألناشر : ادارة ترجمان السنة ، لاهور ، ألباكستان)

۲ (ألفرق الاسلامية : ۲/ ٤٧)

**و ربّعوا بعليٍّ وقدم قوم عليّاً وقوم توقفوا لكن استقر أمر أهل السنة علىٰ
تقديم عثمان ."۱**

ترجمہ: پہلے زمانہ میں اگرچہ ان لوگوں کو شیعہ کہا جاتا تھا، لیکن درحقیقت یہی اہل سنت والجماعت تھے، اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا مسئلہ دین کے ان اُصولوں میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے شخص کی تضلیل کی جائے اور اسے گمراہ قرار دیا جائے۔ اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے، اور بعض علماء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا ہے جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہونے پر مستقر ہوگیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

" ومن أصول أهل السنة والجماعة ...... يقرون بما تواتر به النقل عن أمير المؤمنين عليّ بن أبي طالب وعن غيره من أن خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر ويثلثون بعثمان ويربعون بعليٍّ كما دلت عليه الآثار وكما أجمع الصحابة عليٰ تقديم عثمان في البيعة مع أن بعض أهل السنة كانوا قد اختلفوا في عثمان وعليٍّ بعد اتفاقهم عليٰ تقديم أبي بكر وعمر أيهما أفضل فقدم قوم عثمان وسكتوا أو ربعوا بعليٍّ وقدم قوم عليّاً وقوم توقفوا ، لكن استقر أمر أهل السنة عليٰ تقديم عثمان وان كانت هذه المسألة مسألة عثمان وعليٍّ ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها

[۱] (حاشية ألفرق الاسلامية : ٢/٤٧)

مسألة الخلافة . وذلک أنهم یؤمنون بأن الخلیفة بعد رسول الله أبوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم عليّ ومن طعن في خلافة أحد من هٰؤلآء الأئمة فهو أضل من حمار أهله ." [1]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کے اُصول میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ ان تمام روایات کا اقرار کریں جو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دوسرے اہل علم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ اس اُمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین آدمی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہیں، جیسا کہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کرنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھنے پر اجماع کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین رضی اللہ عنہما کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا ہے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے، اور بعض علماء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہونے پر مستقر ہو گیا ہے۔ جمہور علمائے اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باہمی افضلیت کا مسئلہ اگرچہ دین کے ان اُصول میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے کو گم راہ کہا جائے، تاہم مسئلہ خلافت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں اختلاف کرنے والے کو گم راہ کہا جائے گا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اہل سنت کا اس بات پر ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت علی

۱؎ (مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية : ۳/۱۵۳، ألناشر : مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف ، ألمدينة المنورة)

رضی اللہ عنہ ہیں۔اور جو شخص ان چاروں خلفاء میں سے کسی ایک کی خلافت کے بارے میں بھی طعن و
تشنیع کرے گا تو وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ گم راہ ہے۔(ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" واذا تقرر ذلک فالمقطوع به بين أهل السنة بأفضلية أبي بكر ثم عمر ثم اختلفوا فيمن بعدهما فالجمهور عليٰ تقديم عثمان وعن مالک التوقف والمسألة اجتهادية ومستندها أن هٰؤلآء الأربعة اختارهم الله تعاليٰ لخلافة نبيه واقامة دينه فمنزلتهم عنده بحسب ترتيبهم في الخلافة و الله أعلم ." ۱؎

ترجمہ: اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ بات (جان لینی چاہیے کہ) اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی افضلیت ایک قطعی چیز ہے، البتہ ان کے بعد والے خلفاء (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باہمی افضلیت) میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مقدم ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں توقف منقول ہے۔ اور یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اور اس کا مستند ہونا اس طرح سے ہے کہ ان چاروں خلفاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت اور اپنے دین کو قائم رکھنے کے لئے پسند کر کے چنا ہے۔ پس ان چاروں کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت میں ان کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

اکابرین کی مذکورہ بالاتمام عبارات سے دو چیزیں معلوم ہوئیں:

۱-ایک یہ کہ شروع اسلام کے زمانہ میں ''اہل سنت والجماعت'' کا پرانا نام ''شیعہ'' بمعنیٰ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے پیروکار'' تھا، لیکن جب اس نام کا غالب اطلاق اہل ہوا، اہل بدعت اور حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مخالفین پر ہونے لگا، جنہیں اس موجودہ دور میں ''روافض'' کہا جاتا ہے تو

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر ألعسقلاني : ٣٤/٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

تب اہل سنت والجماعت نے اپنا پرانا نام ''شیعانِ علی رضی اللہ عنہ'' سے بدل کر ''اہل سنت والجماعت'' نیا نام اپنے لئے منتخب کرلیا۔لہٰذا اگر متقدمین علمائے اہل سنت میں سے کسی عالم کے بارے میں کہیں لفظ ''شیعہ'' لکھا ہوا نظر آئے تو اس

سے اس عالم کا ''اہل سنت والجماعت'' میں سے ہونا ہی مراد لیا جائے گا۔

۲-اور دوسری یہ چیز معلوم ہوئی کہ جمہور اہل سنت کے مقابلہ میں جو بعض علماء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے کے قائل ہیں تو وہ بھی اہل سنت والجماعت ہی میں سے ہیں ''شیعہ'' نہیں ہیں۔جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے واضح ہوتا ہے۔بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو بالکل صاف اور واضح

الفاظ میں اِن کو بھی اہل سنت میں سے شمار فرمایا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''وقال بعض أهل السنة من أهل الكوفة بتقديم عليٍّ علي عثمان.''[1]

ترجمہ:اور کوفہ والے بعض اہل سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم کے قائل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے استدلال کر کے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو ''شیعہ'' بلکہ ''رافضی'' ثابت کرنے کی جو اپنی سی ناکام کوشش کی ہے وہ بالکل باطل

مردوداور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

ل (شرح النووي علي صحيح المسلم : ١٤٨/١٥ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

﴾۷﴿

جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۸۱۶ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: زین الدین، والد کا نام: محمد اور دادا کا نام: علی ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

”زین الدین ابوالحسن علی بن محمد بن علی۔“

آپؒ میر سید شریف جرجانی کے نام سے مشہور ہیں۔

سن پیدائش:

بقولِ علامہ غیاث الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ”**حبيب السير في أخبار افراد البشير**“ آپ قریۂ ”طاغو“ ملحقاتِ استر آباد میں مؤرخہ ۲۲/۲۲ شعبانُ المعظم ۷۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اور صغرسنی ہی میں علوم ادبیہ کی تکمیل کی، بلکہ صغرسنی ہی میں نحو کی متعدد کتابیں بھی لکھیں۔ چنانچہ ”وافیہ شرح کافیہ“ دورِ تعلیم ہی کی تصنیف ہے۔ مؤرخ شمس الدین نے جائے پیدائش ”جرجان“ بتائی ہے۔

تحصیل علم:

علوم ادبیہ کی تکمیل کے بعد آپؒ نے علوم عقلیہ کی تحصیل کی۔ پھر ”شرح مطالع“ و ”قطبی“ پڑھنے کے واسطے دِل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ یہ خود اُن کے مصنف سے پڑھیں ”**لأن صاحب البيت أدريٰ بما فيه**“ چنانچہ آپؒ اِن کتابوں کے مؤلف امام قطب الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (تحتانی) کی خدمت میں ”ہرات“ پہنچے، مگر اُس وقت قطب موصوف کی عمر دسویں منزل کی انتہاء پر پہنچ چکی تھی اور آپؒ پیر فرتوت ہو چکے تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے آبرو آنکھوں پر لٹک آئے تھے اور اپنی آخری بہار دکھا رہے تھے۔ کہن سال علامہ نے جواں ہمت سید کی ذہانت و قابلیت کی صحیح طور پر جانچ کی تو جوہر دانش ناصیۂ شباب پر نمودار پایا اور دیکھا کہ علم منطق میں آپؒ کی فکر ونظر برق کی طرح چمک رہی ہے، اس لئے آپؒ نے اپنے بڑھاپے کا عذر کیا اور کہا کہ تم کو پڑھانے کے لئے جس محنت کی ضرورت ہے وہ مجھ سے نہیں ہو سکتی، اس لئے تم میرے آزاد کردہ غلام اور تلمیذ مبارک شاہ منطقی کے پاس ”قاہرہ“ چلے جاؤ!۔ چنانچہ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ:

’’یہ مبارک شاہ علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔بچپن سے اُنہوں نے مبارک شاہ کو پالا پوسا اور پڑھایا تا ایں کہ مبارک شاہ مدرس ہو گئے اور ہر علم میں فاضل۔

عام طور سے لوگ ان کو’’مبارک شاہ منطقی‘‘ سے موسوم کرتے تھے۔‘‘

ساتھ ہی مبارک شاہ کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھ دیا۔

میر سید شریفؒ کا شوق اُن کو’’خراسان‘‘ سے’’مصر‘‘ لے پہنچا۔’’قاہرہ‘‘ پہنچ کر مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو استاد کا خط دیا۔سفارش کے اثر سے حلقۂ درس میں تو داخل کر لئے گئے، لیکن اللہ جانے کیا صورت

پیش آئی کہ مبارک شاہ نے اِن کو صرف بیٹھنے اور سننے کی اجازت دی، پوچھنے کی اور قرأت کی اجازت نہیں دی۔

علمی تکرار سے اُستاد پر وجد:

مبارک شاہ کا مکان مدرسہ سے بالکل متصل اور اس کا دروازہ بھی مدرسہ ہی کی جانب تھا۔ایک مرتبہ یہ دیکھنے کے لئے کہ طلباء کیا کر رہے ہیں؟ شب کو چپ چاپ نکلے اور جس حجرہ میں سید شریف مقیم تھے وہاں آئے۔اُس وقت میر سید شریف آموختہ دہرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ:

’’کتاب کے مصنف نے تو اس مسئلہ کی یہ تقریر کی ہے اور شارح کا یہ قول

ہے اور

اُستاد نے اس کی تقریر یوں کی ہے اور میں اِس کی تقریر یوں کرتا ہوں۔‘‘

مبارک شاہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر غور سے سننے لگے۔میر صاحب کی تقریر کا اندازِ بیان اتنا دل چسپ تھا کہ

مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ:

’’لحقه البهجة والسرور بحيث رقص في فناء المدرسة .‘‘[1]

ترجمہ: یعنی ان کو ایسی مسرت اور خوشی ہوئی کہ صحن مدرسہ میں ناچنے لگے۔

اس واقعہ سے اُستاد اتنا متاثر ہوا کہ صبح سے اِن کا درس مقرر کر دیا۔

اساتذہ وشیوخ:

''شرح مطالع''اور''قطبی'' کے علاوہ ''مواقف'' بھی میر صاحبؒ نے مبارک شاہ ؒ سے پڑھی اور علوم عقلیہ کے علاوہ علوم نقلیہ بمعیت شمس الدین محمد فناریؒ شیخ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفیؒ صاحب عنایہ (حاشیۂ ہدایہ) سے قاہرہ میں حاصل کیئے۔''مفتاح العلوم''نور طاؤسیؒ (شارحِ مفتاح) سے اور''شرح مفتاح'' مؤلف کے صاحب زادے مخلص الدین ابو الخیر علی بن قطب الدین رازیؒ سے پڑھی۔محمود بن اسرائیل (ابن قاضی سماوہ) اور الحاج پاشا صاحب رسہیل آپؒ کے ہم سبق تھے۔

جرجانیؒ وتفتازانیؒ:

موصوف علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور ان ہی کی وجہ سے تیموری دربار میں رسوخ حاصل کیا۔لیکن بعد میں ''معاصرانہ چشمک'' کی وجہ سے اپنی تحریرات میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر خوب عتراضات کرنے کے علاوہ قطبی کے حاشیہ میں سخت الفاظ میں چوٹیں بھی کیں، بلکہ تیمور کے دربار میں اپنی اپنی علمی دھاک بٹھانے کے لئے دونوں فضلاء کے درمیان نوک جھونک، بحث ومباحثہ اور مکالمہ ومناظرہ رہتا تھا۔اس نوعیت کے ایک مناظرہ میں ''حکم'' نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا، جس کے نتیجہ میں شاہ نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ بڑھا دیا۔بعد میں اسی شکست کے صدمہ کی وجہ سے علامہ

تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ صاحب فراش رہ کر ۷۹۲ھ میں انتقال کر گئے۔

تصانیف:

میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گراں قدر علمی وتحقیقی کتابیں تصنیف کی ہیں اُن کی اجمالی تفصیل

درجِ ذیل ہے:

لے (مفتاح السعادة لطاش کبري زادة بحوالة ظفر المحصلين بأوال المصنفين : ۳۲۷ ألناشر : مير محمد کتب خانة)

﴿ ۱ ﴾ شرح مفتاح العلوم (فرغ منه أواسط شوال سنة ۸۰۳ هجرية) ﴿۲﴾ شرح منتهي السؤال والأمل في علمي الأصول والجدل(لابن حاجب) ﴿۳﴾ شرح مواقف (فرغ منه في أوائل شوال سنة ۸۰۷ هجرية)﴿۴﴾ شرح فوائد غياثية ﴿۵﴾ شرح كافية (فارسي) ﴿۶﴾ حاشية لوامع الأسرار شرح مطالع الأنوار﴿۷﴾حاشية الشرح الشمسية ﴿۸﴾ حاشية المرشح فيشرح الكافية ﴿۹﴾ حاشية شرح الوقاية ﴿۱۰﴾ حاشية تحرير نصير طوسي ﴿۱۱﴾ حاشية التحفة الشاهية ﴿۱۲﴾ حاشية التذكرة النصيرية ﴿۱۳﴾ حاشية التلويح ﴿۱۴﴾ حاشية شرح حكمة العين ﴿۱۵﴾ حاشية الخلاصة (في اُصول الحديث) ﴿۱۶﴾ تعليق علي نصاب البيان (في اللغة)﴿۱۷﴾تعليق علي مقامات الأربعة التوضيح﴿۱۸﴾تعليق علي شرح الرضي ﴿۱۹﴾ تعليق عليالرسالة العضدية﴿۲۰﴾تعليق علي عوارف المعارف﴿۲۱﴾حاشية المطول ﴿۲۲﴾ ألأجوبة لأسئلة الأسكندر(من ملوک تبريز)﴿۲۳﴾ تعريفات العلوم ﴿۲۴﴾ تفسير الزهراوين ﴿۲۵﴾رسالة فيالانس والآفاق﴿۲۶﴾رسالة البهائية ﴿۲۷﴾ رسالة في تقسيم العلوم ﴿۲۸﴾ رسالة مرثية ﴿۲۹﴾ رسالة في الموجودات ﴿۳۰﴾ رسالة صغريٰ ﴿۳۱﴾ رسالة كبريٰ (في المنطق)﴿۳۲﴾ صرف مير ﴿۳۳﴾ نحو مير ﴿۳۴﴾ رسالة في الأدوار ﴿۳۵﴾ شرح ايسا غوجي﴿۳۶﴾حاشية شرح تجريد الأصفهاني ﴿۳۷﴾ شرح الچغميني ﴿۳۸﴾ ألشريفية شرح السراجية (في الميراث) ﴿۳۹﴾ حاشية البيضاوي ﴿۴۰﴾ حاشية المشكاة ﴿۴۱﴾ حاشية الهداية (في الفقه الحنفي) ﴿۴۲﴾ حاشية العوامل الجرجانية ﴿۴۳﴾

حاشية شرح الطوالع .

اِن میں سے " **صغريٰ ، كبريٰ ، صرف مير ، نحو مير** " اور " **مير قطبي** " داخل درس ہیں۔

وفات حسرت آیات:

جب شاہ تیمور لنگ نے ۷۸۹ھ میں ''شیراز'' کو فتح کیا تو وہ سید شریفؒ کو اپنے ہم راہ ''سمرقند'' لے گیا، جہاں علامہ تفتازانیؒ صدر الصدور تھے، تیمور اُن کی بہت عظمت کرتا تھا، اس لئے میر سید تیمور کی وفات تک ''سمرقند'' میں رہتے رہے اور تیمور کی وفات کے بعد ''شیراز'' واپس آ گئے اور یہیں یوم چہار شنبہ (بدھ کے دن) مؤرخہ ۶ ربیع الاوّل ۸۱۶ھ میں بہ عمر چھہتر (۷۶) سال نفس مجردِ شرف نے تحمل بار بدنِ خاکی کثیف سے خلاصی پائی۔

میر سید شریفؒ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین کے حسد اور معاندین کے عناد کے دودھاری وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے۔ چنانچہ صدیاں بیت جانے کے بعد آج بھی آپؒ کے بارے میں بعض شاذ حلقوں میں یہ بات بہ کثرت گردش کرتی رہتی ہے کہ: ''آپؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مشہور اختلاف کے ''اجتہادی'' نہیں بلکہ ''غیر اجتہادی'' ہونے کے قائل تھے۔''

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ اجتہادی تھا، جب کہ میر سید شریف جرجانی شارح مواقف نے کہا ہے کہ: ''ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔'' [۱]

ہاشمی صاحب کا دجل اور میر سید شریفؒ کی طرف منسوب عبارت کی وضاحت:

ایک تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ

بالاقول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا اور بلا حوالہ بات نقل کر دی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جہاں تک ہم نے شارح مواقف میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی محولہ بالا کتاب ''شرح مواقف'' کا مطالعہ کیا ہے تو ہمیں تو اُس میں آپؒ کی کوئی ایسی عبارت نہیں ملی کہ جس میں آپؒ نے یہ فرمایا ہو کہ: ''ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔'' البتہ اسی سے ملتا جلتا ایک مشہور اعتراض شرح مواقف کے حوالے سے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ: ''شیعہ حضرات کی طرح ہمارے بہت سے علمائے اہل سنت نے بھی ''تفسیق'' کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے۔

چنانچہ وہ شرح مواقف میں لکھتے ہیں:

'' ومنهم من ذهب الیٰ التفسيق كالشيعة و كثير من أصحابنا.'' [2]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۲۲)

[2] (شرح المواقف للجرجاني : ۸/۴۰۷، ألمرصد الرابع – ألمقصد السابع –: تعظيم الصحابة كلهم ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان)

ترجمہ: اور ان میں سے بعض علماء وہ ہیں جو (اس تخطیہ کی) تفسیق کی طرف گئے ہیں جیسا کہ شیعہ حضرات اور ہمارے بہت سے اصحاب۔

لیکن اصل میں بات یہ ہے کہ یہاں پر میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ نے ''تفسیق'' کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کی ہے، بلکہ 'خطائے اجتہادی'' کی طرف کی ہے۔

چنانچہ میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کی کتاب شرح مواقف کی مکمل عبارت بمع سیاق کے ملاحظہ فرمائیے!:

''﴿ والذي عليه الجمهور ﴾من الأمة هو﴿أن المخطئ قتلة عثمان ومحاربو علي لأنهما امامان فيحرم القتل والمخالفة قطعا ﴾ الا أن بعضهم كالقاضي أبي بكر ذهب الىٰ أن هذه التخطئة لا تبلغ الىٰ حد التفسيق ومنهم من ذهب الىٰ التفسيق كالشيعة وكثير من أصحابنا.''[1]

ترجمہ: اُمت کے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والے دونوں خطا کار ہیں، کیوں کہ وہ دونوں امام ہیں پس اُن کو قتل کرنا اور اُن کی مخالفت (لڑائی) کرنا قطعی طور پر حرام ہے۔ مگر بعض علماء قاضی ابوبکرؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تخطیہ حد تفسیق تک نہیں پہنچتا۔ اور بعض علماء جیسا کہ شیعہ حضرات اور ہمارے بہت سے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ (یہ تخطیہ حد) تفسیق تک پہنچ جاتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

ملاحظہ فرمائیے کہ میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ نے یہاں پر ''تفسیق'' کی نسبت ''خطاء'' کی طرف کی ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں، اور یہ بات اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ کسی فعل کا فسق ہونا اُس کے فاعل کے فاسق ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

''اور میرے نزدیک یہی مراد اُن ﴿کثير من أصحابنا﴾ کی بھی ہے جن کا قول

[1] (شرح المواقف للجرجاني : ۴۰۷/۸ ، ألمرصد الرابع – ألمقصد السابع : تعظيم الصحابة كلهم ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان)

میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں نقل کیا ہے، کیوں کہ انہوں نے ''تفسیق'' کی نسبت ''خطاء'' کی طرف کی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں، اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ کسی فعل کا فسق ہونا اس کے فاعل کے فاسق ہونے کو مستلزم نہیں ہے، اجتہادی اختلاف میں ایک شخص کا عمل دوسرے کے نظریے کے مطابق فسق ہوتا ہے، لیکن اسے فاسق نہیں کہا جاتا، جیسے ذبیحہ کی مثال میں پیچھے عرض کیا جاچکا ہے (کہ ذبیحہ پر جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ کر اسے ماردینا اور پھر اسے کھانا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہِ کبیرہ ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اسے جائز سمجھا ہے، اس لئے اگر کوئی شافعی المسلک انسان اسے کھالے تو اس کا یہ عمل دلائل شرعیہ کی رُو سے گناہِ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن چوں کہ وہ دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوا، اس لئے اس شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح کسی امام برحق کے خلاف بغاوت کرنا گناہِ کبیرہ اور فسق ہے لیکن...... اگر کوئی شخص جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اپنے دیانت دارانہ اجتہاد کی رُو سے اسے جائز سمجھتا ہے تو اس کی بناء پر وہ فاسق نہیں ہوتا، بلکہ اس کی غلطی کو ''خطائے اجتہادی'' کہا جاتا ہے۔ ورنہ اگر یہ بات مراد نہیں ہے تو میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تو ''کثیر من أصحابنا'' کہہ رہے ہیں، کوئی شخص اہل سنت کے کسی ایک عالم کا قول کہیں دکھلا دے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جنگ صفّین و جمل کی بناء پر فاسق قرار دیا ہو۔''[1]

علاوہ ازیں میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والوں (حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم) کے لئے جو ''فسق'' کا لفظ استعمال کیا ہے تو اُس سے یہی مراد ہے کہ ''بغاوت'' فی نفسہٖ ''فسق'' ہے، تاہم اِس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جاسکتا کہ اِس کی بناء پر (العیاذ باللہ!) یہ حضرات فاسق ہوگئے، اِس لئے کہ کسی فعل کا ''فسق'' ہونا اُس کے فاعل کے ''فاسق'' ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ چوں کہ وہ حضرات صاحب اجتہاد تھے اور اپنے موٴقف کی ایک بنیاد رکھتے تھے اور اُن کی جانب سے اِس فعل کا صدور نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کی بنیاد پر ہوا تھا، اِس لئے یہ

اُن کی اجتہادی غلطی ہی تصور کی جائے گی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا قول اپنی جگہ بالکل صحیح اور درُست ہے اور اس سے نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کی تنقیص ہوتی ہے اور نہ ہی آپؓ کے مقام صحابیت پر کسی قسم کی کوئی زد نہیں پڑتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''اَلمعترض کالأعمي'' (یعنی اعتراض کرنے والا اندھے کی طرح ہوتا ہے) ہمیں لگتا یہی ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت کے آخر میں کوئی حوالہ نقل نہیں فرمایا، تو اُس کی غالبًا یہی وجہ ہوگی کہ اُنہوں نے مذکورہ بالا عبارت کہیں سے اُٹھا کر یہاں غلط طور پر تو نقل کردی، لیکن اصل ماخذ کی طرف رجوع کر کے اُس کی تصدیق نہیں کی، جس سے اُن کے بطلانِ دعویٰ کی قلعی کھل گئی۔

کسی نے سچ کہا ہے:

''نقل را عقل باید''

یا پھر اگر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مذکورہ بالا عبارت کے اصل ماخذ کا حوالہ نہیں دے سکتے تھے تو کم از کم اتنی تکلیف تو ضرور فرما دیتے کہ جس کتاب سے اُنہوں نے یہ عبارت نقل کی ہے اُسی کا حوالہ دے دیتے یا اور کچھ بھی نہیں تو کم سے کم قابل اعتراض عبارت تو صحیح نقل فرما دیتے:

سچ ہے:

''عقل نئیں تے موجاں ای موجاں''

۱؎ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ص۲۶۲، ۲۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

﴿٨﴾

حضرت ملاعبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۸۹۸ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالرحمٰن، لقب اصلی: عماد الدین، لقب مشہور: نور الدین، کنیت: ابوالبرکات

تخلص: جامی، والد کا نام: احمد اور دادا کا نام: محمد ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''ابوالبرکات، نور الدین عبدالرحمٰن بن شمس الدین احمد بن محمد ہے۔''

شیخ صفی علاء الدین واعظ کاشفی نے ''رشحات عین الحیات'' میں ذکر کیا ہے کہ آپؒ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے ہیں، اور آپؒ کا تخلص جامؔی ہے۔ **كما يشير اليه بقوله :**

مولد جام ور شحۂ قلم

جرعۂ جام شیخ الاسلامی است

لاجرم در جریدۂ اشعار

بدو معنی تخلصم جامی است

ولادت باسعادت:

ملا عبدالرحمٰن جامؔی رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ کو بوقت عشاء ''خراسان'' کے مشہور قصبہ ''جام'' میں پیدا ہوئے، جہاں سے آپؒ بعد میں ''ہرات'' کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

تحصیل علم:

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے مشاہیر علماء وفضلاء سے علم کی تحصیل کی، جن کے اسماء آپؒ کے تلمیذ خاص ملا عبدالغفور اللاریؒ نے ''**حاشیه نفحات الانس**'' کے آخر میں درج کئے ہیں۔

آپؒ نے پہلے صرف ونحو کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، پھر خواجہ علی سمرقندیؒ

تلمیذ میر سید شریف
جرجانیؒ، مولانا شہاب الدین محمد جاجریؒ تلمیذ علامہ تفتازانیؒ اور مولانا جند اُصولیؒ کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوئے۔ طلبہ مولانا جندؒ سے شرح مفتاح پڑھتے اور یہ اُن کو سمجھایا کرتے اور کہتے کہ جب سے ''سمرقند'' آباد ہوا ہے
اُس وقت سے لے کر اب تک یہاں عبدالرحمٰن جامیؒ جیسا جید الطبع نہیں آیا۔

''ہرات'' میں ملا علاء الدین قوشجیؒ شارحِ تجرید سے مباحثہ ہوا اور آپ ہی غالب رہے، یہاں تک علامہ
قوشجیؒ کو اپنے طلبہ سے یہ کہنا پڑا کہ: ''مجھے یقین ہو گیا کہ ''نفس قدسی'' اسی عالم میں موجود ہے۔''

تصوف وسلوک:

ملا جامیؒ جب ظاہری علوم کی تکمیل سے فارغ ہو گئے تو ایک روز کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا جو آپؒ سے کہہ رہے ہیں: ''اتخذ حبیبا یہد یک'' خواب سے بیدار ہوئے اور اس واقعہ سے نہایت متاثر ہوئے، اور ''سمرقند'' سے ''خراسان'' منتقل ہو کر خواجہ عبیداللہ الاحرار نقش بندیؒ کے حلقہ میں داخل ہو گئے، خواجہ کی صحبت کے فیوض و برکات نے آپؒ کو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ شیخ سعدالدین کاشغریؒ سے بھی استفادہ کیا اور دیگر مشائخ عظام سے بھی ملاقات ہوئی۔

چنانچہ درج ذیل بیت اس پر دلالت کرتی ہے ۔

چو فقر اندر لباس شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

زیارتِ حرمین شریفین:

۸۷۷ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور بلادِ شام میں دمشق وحلب وغیرہ کا سفر کیا۔ وہاں
سفرِ حج کے علماء و مشائخ نے آپ کی تعظیم و تکریم کی۔

علامہ شامیؒ نے ملا جامیؒ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے ایک مرتبہ محض زیارتِ روضۂ

اقدس کی نیت سے سفر کیا
جس میں ''حج''، کو بھی شامل نہ کیا، تاکہ محض زیارت ہی کی نیت رہے۔
شیفتگی وفریفتگی:

ملا جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ سراپا خلق وایثار تھے، ان سب سے بالاتر جو وصف تھا وہ ذات
پاک رحمۃ للعالمین
ﷺ کے ساتھ والہانہ تعلق اور بے پناہ عشق ومحبت اور شیفتگی وعقیدت تھی۔
اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل ۸۹۷ھ کو مدینہ منورہ میں حاضر ہونے سے چند روز پہلے
یہ اشعار لکھے۔

أحن شوقاً الیٰ دیار لقیت فیھا جمال سلمیٰ
کہ می رساند از نواحی نوید وصلت بجانب ما
رہی جمال تو قبلۂ جاں، حریم کوئے تو کعبۂ دل
فان سجدنا الیک نسجد و ان سعینا الیک نسعیٰ
بکت عیوني علي شیوني نساء حالي و لا أبالي
کہ دانم آخر طبیب وصلت مریض خود را کند مداوا

ایسا ہی حج کو جانے سے پہلے آپؒ نے بے انتہاء والہانہ جذبہ اور عاشقانہ حالت
میں حضور اقدس ﷺ کی مدح میں نعتیہ قصیدہ بھی لکھا جو ''مثنوی جامیؒ'' کے نام سے ''یوسف زلیخا''
کے شروع میں بتیس (۳۲) اشعار پر مشتمل
آپؒ کی ایک مشہور نعت فارسی میں ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔
زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یارسول اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃٌ للعالمینی
زمحروماں چرا غافل نشینی
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فضائل درود

شریف‘‘ میں ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے کہ:

’’مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ یہ نعت کہنے کے بعد ایک مرتبہ حج کے لئے

تشریف

لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ: ’’اس (جامیؒ) کو مدینہ نہ آنے دیں۔‘‘ امیر مکہ نے ممانعت کر دی، مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور ﷺ نے فرمایا: ’’وہ آ رہا ہے، اس کو یہاں نہ آنے دو۔‘‘ امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑ کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور قدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’یہ کوئی مجرم نہیں، بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ

نکلے گا، جس میں فتنہ ہو گا۔‘‘ اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز واکرام کیا گیا۔‘‘ [1]

[1] (فضائل درود شریف: ص۱۲۳)

تصانیف:

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد چون (۵۴) تک پہنچتی ہے، جو آپؒ کے تخلص ’’جامی‘‘ کے اعداد ہیں۔

﴿ وهذا من قبيل كراماته أمر الهامي ﴾

آپؒ کی تصانیف کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

﴿۱﴾ ألتفسير الي قوله (فاياي فارهبون) ﴿۲﴾ شرح احاديث اربعين ﴿۳﴾ شرح حديث أبي رزين لقيط العقيلى الصحابي ﴿۴﴾ شواهد

النبوة﴿۴﴾نفحات الأنس من حضرات القدس﴿۵﴾شرح فصول الحكم﴿٦﴾نقد النصوص في شرح نقش النصوص﴿۷﴾ألطريقة النقشبندية﴿۸﴾أشعة اللمعات﴿۹﴾أللوامع﴿۱۰﴾شرح قصيدة التائية﴿۱۱﴾شرح رباعيات اللوائح﴿۱۲﴾شرح البيتين الأولين من المثنوي﴿۱۳﴾شرح أبيات امير خسرو الدهلوي ﴿۱۴﴾شرح كلمات خواجة محمد پارسا﴿۱۵﴾ألدر الفاخرة في تحقيق مذهب الصوفية ﴿۱٦﴾ رسالة في وحدة الوجود ﴿۱۷﴾ رسالة في أسئلة الهند واجوبتها ﴿۱۸﴾ مناقب عارف الرومي﴿۱۹﴾ رسالة لااله الا الله ﴿۲۰﴾ مناسک الحج ﴿۲۱﴾ اعتقاد نامة ﴿۲۲﴾ألصرف المنظوم ﴿۲۳﴾ ألمنصور ﴿۲۴﴾ شرح أشعار مائة عامل (منظوم) ﴿۲۵﴾ شرح مفتاح الغيب ﴿۲٦﴾ مثنوي طرح نوي ﴿۲۷﴾ سلسلة الذهب ﴿۲۸﴾ آبسال ﴿۲۹﴾ تحفة الاحرار، *مثنوی ہے جو حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں لکھی گئی ہے۔*﴿۳۰﴾ سبحة الابرار ﴿۳۱﴾ يوسف زليخا ﴿۳۲﴾ ليليٰ مجنون ﴿۳۳﴾ خرد نامه اسكندرية ﴿۳۴﴾ ديوانِ اوّل ﴿۳۵﴾ ديوانِ ثاني ﴿۳٦﴾ ديوانِ ثالث ﴿۳۷﴾ ديوانِ رابع ﴿۳۸﴾ ألكبير ﴿۳۹﴾ ألمتوسط ﴿۴۰﴾ ألصغير ﴿۴۱﴾ ألأصغر (*چاروں رسالے معمے میں ہیں*)﴿۴۲﴾رسالة في العروض ﴿۴۳﴾ رسالة في القوافي ﴿۴۴﴾ رسالة في الموسيقي ﴿۴۵﴾ بهارستان علي نمط گلستان. ألفه لولده ضياء الدين يوسف سنة ۸۴۰ هجرية رتب عليٰ ثمان روضات و اوراد ، في كل روضة منها لطائف حكمية ونوادرة كثيرة ﴿۴٦﴾ ألكبريٰ ﴿۴۷﴾ ألصغريٰ (*دونوں رسالے ادبیات ومنشآت میں ہیں*)﴿۴۸﴾ رسالة في الهيئة ﴿۴۹﴾ رسالة في الاصطرلاب ﴿۵۰﴾ رسالة في المنطق

﴿۵۱﴾ حاشية المفتاح ﴿۵۲﴾ هدية الخلان في لطائف البيان .

ان کتابوں میں آپ کی ''شرح ملا جامی، یوسف زلیخا'' اور ''شرح مائۃ عامل''، علمی دُنیا میں اپنی کافی شہرت رکھتی ہیں۔ ''شرح ملا جامی'' پر ملا عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینیؒ (المتوفی ۹۴۳ھ) اور ملا عبد الغفور اللاریؒ
وغیرہ جیسے بڑے بڑے علمائے کرام کے کثیر التعداد حواشی اور شروحات ہیں۔

وفات حسرت آیات:

ملا جامیؒ نے اعداد لفظ ''کاس'' یعنی اکیاسی سال کی عمر میں ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ھ بمطابق ۱۴۹۲ء میں جمعہ کے دن شہر ''ہرات'' میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے، اور جب ''طائفہ طاغیہ اروبیلیہ'' نے ''خراسان'' کا
قصد کیا تو آپؒ کے صاحب زادے علامہ ضیاء الدین یوسفؒ نے آپؒ کا جسم مبارک دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ [1]

[1] (ظفر المحصلین بأحوال المصنفین (بھذف واختصار) : ص ۳۳۰ ...... ۳۳۵ ، ألناشر : میر محمد کتب خانہ
کراتشي ، ألباکستان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باہمی اختلاف ملا جامیؒ کی نظر میں:

لیکن بایں ہمہ علم فضل مشہور حلقوں میں آپؒ پر یہ الزام ہے کہ آپؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''اجتہادی
خطاء'' کو نہ صرف ''خطائے منکر'' کہا، بلکہ آں موصوف پر تعریض کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا نام تک لینا گوارا نہ کیا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ سے محبت کی پہچان تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا جامیؒ جیسے ''عاشق رسول ﷺ'' نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''اجتہادی خطاء'' کو نہ صرف
''خطائے منکر'' کہا، بلکہ آں معظم پر تعریض کرتے ہوئے ان کا نام لینا بھی گوارا نہ کیا۔

پیر نصیر الدین گولڑوی نے جمہور اہل سنت والجماعت کے نظریہ کے برعکس اپنے
باطل نظریے کو مولانا جامیؒ کے نظریے سے ہی ثابت کیا ہے۔

چنانچہ پیر گولڑوی لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفۂ برحق تھے اور اس پر اجماعِ اُمت ہے کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس نظریے کو محض ''خطائے اجتہادی'' قرار دے کر موجب اجر وثواب سمجھنا محل نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتیٰ الوسع جدوجہد کے بعد ''اجتہادی غلطی'' کا معاملہ کچھ اور ہے، مگر دُنیوی اور ملکی اُمور میں ایسی ''اجتہادی خطاء'' کو جو
موجب فتنہ بنے، باعث اجر وثواب قرار دینا قرین دانش مندی وانصاف نہیں۔

ہمیں درجۂ صحابیت کا لحاظ ہے۔ اور ہم جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرزِ عمل کو ''اجتہادی کارنامہ''
سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں اہل سنت والجماعت کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات ونظریات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

''مشہور عاشق رسول ﷺ اور عارف حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ قدس سرہ السامی نقشبندی فرماتے ہیں:

جمعے از بیعتش ابا کردند

وندراں سرکشی خطا کردند

ترجمہ: ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا اور اس

جماعت

نے سرکشی میں خطاء کی۔

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلافے کہ داشت با حیدرؓ

در خلافت صحابیِ دیگر

حق دراں جا بدست حیدر بود

جنگ با او خطائے منکر بود

ترجمہ: اور وہ دوسرا اصحابی جو بہ سلسلہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف

رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ) اس وقت حق علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا اور ان سے

جنگ کرنا

''خطائے منکر'' تھا یعنی ناپسندیدہ خطاء تھی۔ ۱؎

جمہور کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باہمی اختلاف مبنی بر اجتہاد تھا:

جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے

اختلاف کی نوعیت ''اجتہادی'' ہے، لیکن پیر نصیر الدین گولڑوی نے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا حوالہ

نقل کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی

ساری جماعت کو ''سرکش'' بنا دیا ہے، جس میں بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ:

''نصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہیں۔ اور یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو زندیق

ہو اور

جس کا مقصد و منشاء دین کو باطل ٹھہرانا ہو۔'' ۲؎

تو کیا کوئی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت (یعنی نصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو

سرکش کہہ کر ’’سنی‘‘

۱ (نام ونسب:۵۳۳،بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۲٦)
۲ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ: دفتر اوّل،مکتوب ۲۵۱)
رہ سکتا ہے؟۔
ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پر مجدد الف ثانیؒ کا تبصرہ:
رہی بات مولانا جامیؔ کے ان اشعار کی ،تو اس پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ،اس کی تردید میں حضرت
مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا بصیرت افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

''وخدمت مولانا عبدالرحمٰن الجامی کہ ''خطائے منکر'' گفتہ است، نیز زیادۃ کردہ است برخطاہر چہ زیادت کنند خطاء است۔ وآں چہ بعدازاں گفتہ است: ''اگراُو مستحق لعنت است......الخ''نیز نامناسب گفتہ است، چہ جائے تردید است؟ وچہ محل اشتباہ؟ اگرایں سخن درباب یزیدمی گفت گنجائش داشت۔ امادر مادّۂ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گفتن شناعت دارد۔ ودراحادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ: ''حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام درحق معاویہ دعاء کردہ اند، وفرمودہ اند: '' **أللهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب** .''وجائے دیگر دردعاء فرمودہ اند: '' **أللهم اجعله هاديا ومهديا** ''. ودعائے آں حضرت مقبول ظاہراً ایں سخن ازمولانا برسبیل سہوونسیان سربر زدہ باشد وایضاً مولانا درہمان ابیات تصریح باسم ناکردہ گفتہ است آں صحابی دیگر ایں عبارت نیزازناخوشی خبرمی دہد۔ **ربنا لاتؤاخذنا ان نسينا أو أخطأنا** ''.[1]

ترجمہ: مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''خطائے اجتہادی'' کو''خطائے منکر'' کہہ کر زیادتی کی ہے۔ خطاء پر جو زیادتی کی جائے گی خطاء ہوگی۔ پھر اس کے بعد جو مولانا جامیؒ نے کہا کہ: ''اگر وہ مستحق لعنت ہے ......الخ'' یہ بات بھی نامناسب کہی ہے۔ یہ تردید کا کون سا مقام تھا؟ اور اس میں اشتباہ کا کون سا محل تھا؟ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہی جاتی تو البتہ گنجائش تھی، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا کہنا نہایت گھناؤنی بات ہے۔ حدیث نبوی میں ثقہ راویوں کی سند سے آیا ہے کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعاء فرمائی: ''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب وحساب

[1] (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ: دفتر اوّل، مکتوب ۲۵۱)

کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا۔'' دوسرے موقع پر یہ دعاء فرمائی: ''اے اللہ! ان کو ہادی ومہدی بنا''۔ اور آنحضرت ﷺ کی دعاء مقبول ومنظور ہے۔ ان تمام باتوں کی موجودگی میں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامیؒ سے یہ قول سہو ونسیان کی بدولت نکل گیا ہے۔ نیز ان اشعار میں مولانا جامیؒ نے نام کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ کہا ہے: ''اے دوسرے صحابی!'' اس عبارت سے بھی (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) ناخوشی کی بو آتی ہے، اس لئے ہم یہی دعاء کرتے ہیں: ''اے اللہ!

ہماری خطاء ونسیان پر مؤاخذہ نہ فرمانا۔''

''لعنت بر یزید'' کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''پیر نصیر الدین گولڑوی ''لعنت بر یزید'' سے متعلق مولانا جامیؒ کا ایک مکالمہ نقل کرتے ہیں: ''عارف نامی حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ (۸۹۸ھ ء) کے دور میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ چنانچہ مولانا جامیؒ کے فارسی کلیات کے مقدمہ نگار ہاشم رضا اپنے طویل مقدمے میں بہ روایت تذکرہ کرمی، خزینۃ الاصفیاء لطائف الطّوائف اور مولانا فخر الدین علی کاشفی کے

حوالے سے رقم طراز ہیں:

''مرزا ابابر کے زمانہ میں سمرقند کے ایک ''مزید'' نامی دانش مند فقیہ' ہرات آئے۔ مولانا جامیؒ اور مولانا مزید دونوں مرزا ابابر کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا نے ''لعن یزید'' کے بارے میں ''مزید'' سے سوال کیا، تو اُنہوں نے کہا کہ: ''یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ اہل قبلہ میں سے تھا۔ چنانچہ مرزا نے یہی سوال مولانا جامیؒ سے کیا کہ مولانا مزید کا تو یہ خیال ہے، آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ اس پر مولانا جامیؒ کہنے لگے کہ: ''ہم کہتے ہیں:

''صد لعنت بر یزید وصد دیگر بر مزید'' (یعنی) سو لعنت بر یزید اور سو بر مزید۔

اس کے دو معنی نکلتے ہیں، یعنی سو لعنت یزید پر ہو اور سو بر مزید۔ یعنی جو شخص یزید کو مستحق لعنت نہ سمجھتا ہو اس پر بھی لعنت۔ اس طرح حضرت جامیؒ نے لفظ ''مزید'' سے ''زائد'' کا مفہوم نکال لیا۔ اور مولانا ''مزید'' جو ''لعن یزید'' کے مخالف تھے ان کا نام لے کر ان پر بھی

چار حرف بھیج دیے۔ ایسے واقعات اور نکتہ آفرینیاں ان لوگوں کی حاضر جوابی اور ذہانت و

فطانے کا بین ثبوت ہیں۔'' [۱]

[۱] (نام ونسب: ص ۵۲۰، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۲۶)

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا سہو وتسامح:

بہر حال خلاصۂ کلام یہ کہ ملا جامیؒ کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''خطائے

اجتہادی'' کے بارے میں جو''خطائے منکر'' کے الفاظ سرزد ہوئے ہیں وہ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بطور سہوونسیان کے سرزد
ہوئے ہیں جن کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے یہی دعاء کرسکتے ہیں کہ: اے اللہ! ہماری خطا ونسیان پر مؤاخذہ نہ فرمانا۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت:

دراصل مولانا جامیؒ کی شخصیت پر بڑا انزاع ہے۔ بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیّع اور بعضوں نے ان کو
اہل تقیّہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ مولانا جامیؒ عقیدۃً ومسلکاً اہل سنت سے دُور اور اہل تشیّع سے قریب ہیں۔

اور اُنہوں نے خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں وہ بر بنائے تقیّہ ہیں...... ورنہ جامیؒ نے اپنی کتابوں خصوصاً ''شواھد النبوّۃ'' میں جن عقائد کی ترویج کی ہے وہ خالصتاً شیعہ عقائد ہیں...... خود مولانا جامیؒ کے حالات پر مشتمل کتاب میں ''جامیؒ'' کے مصنف سید عارف نوشاہی نے باب ''جامیؒ کے مذہبی عقائد''
کے تحت لکھا ہے کہ:

''۱- وہ شیعہ مائل سنی تھے۔[۱]

۲- مختصر یہ کہ مذکورہ کتاب (شواہد النبوّۃ) کے مندرجات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف ایک سنی ہے جس کا دل تعصب سے پاک ہے، مگر ساتھ ہی وہ عقائد امامیہ کی
طرف بھی راغب ہے۔[۲]

۳- جامیؒ کے افکار میں دونوں عقیدوں (شیعہ سنی) کے امتزاج کی دلیل ہے۔[۳]

[۱] (جامی: ص ۲۵۴)

۲؎ (جامی: ص۲۵۴)

۳؎ (جامی: ص۲۵۵)

(۴) جو ایرانی شیعہ جامی سے عقیدت رکھتے ہیں وہ جامی کو باطنی طور پر ایک خالص العقیدہ شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مدح میں یہ مقالات اور اشعار جامیؒ کا تقیّہ ہیں۔ چنانچہ "سجّة الأبرار" (مصنفہ جامیؒ) کے مندرجہ قطعہ کے آخری شعر کو یہ حضراتِ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی قدح اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارۃً و کنایۃً قیاس کرتے ہیں۔ وہ شعر یہ ہے:

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را

بیخ بر کن دوسہ روباہی را؎

شیخ عباس قمی شیعہ نے اپنی کتاب "ألکنيٰ و الألقاب" میں جامیؒ کے متعلق لکھا ہے:

"ألموليٰ عبد الرحمان بن أحمد بن محمد الدشتي الفارسي الصوفي ، النحوي ، الصرفي الشاعر ، الفاضل ...... و يقال له الجامي ، لأنه ولد ببلدة "جام" من بلاد ماورآء النهر سنة ۸۱۷ الهجرية ...... وله سجة الأبرار وشواهد النبوة في فضائل النبيّ والأئمة عليهم السلام ...... وهل هو من علماء السنة كما هو الظاهر منه بل من المتعصبين كما هو الغالب عليٰ أهل بلاد تركستان وماورآء النهر . ولذا بالغ في التشيع القاضي نور الله مع مذاقه الوسيع ، أو أنه كان ظاهراً من المخالفين ، وفي الباطن من الشيعة الخالصين . ولم يبرز ما في قلبه تقيّة كما يشهد بذلك بعض أشعاره منها ما عن "سجة الابرار" قوله :

پنجہ در کن اسداللّٰہی را
بیخ برکن دوسہ روباہی را

واعتضده السيد الأجل الأمير محمد حسين الخاتون آبادي سبط العلامة المجلسي (وينقل) حكاية في ذلک مسنداً وحاصلها أن الشيخ علي بن

۱ (جامی:ص۲۵۶)

عبد العالي ،كان رفيقاً مع الجامیؒ فی سفرہ زیارة أئمة العراق عليهم السلام وكان يتقيه . فلما وصلوا اليٰ بغداد ذهباً اليٰ ساحل الدجلة للتنزه فجاء درويش قلندر، وقرأ قصيدة غراء في مدح مولانا أمير المؤمنين عليه السلام ولما سمعها الجامي بكيٰ وسجد بكيٰ في سجوده ، ثم أعطاه جائزة . ثم قال في سبب ذلک اعلم ! أني شيعيٌّ من خلص الامامية ولكن التقية واجبة . وهذه القصيدة مني . وأشكر الله أنها صارت بحيث يقرأ ها القاري في هذا
المكان .

ثم قال الخاتون آبادي : وأخبرني بعض الثقات من الأفاضل نقلاً عن من يثق به أن كل من كان في دار الجامي من الخدم والعيال والعشيرة كانوا عليٰ مذهب الامامية . ونقلوا عنه أنه كان يبالغ في الوصية بأعمال
التقية سيما اذا أراد سفراً والله العالم بالسرائر ".[1]

ترجمہ: مولوی عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد دشتی، فارسی، صوفی، نحوی، صرفی، شاعر اورفاضل تھے۔ جامیؔ انہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ "ماوراء النّهر "کے شہر "جام" میں ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان تصانیف میں " سجّة الأبرار " اور " شواهد النبوّة " ہیں جو کہ آنحضرت ﷺ اور ائمہ کرام علیہم السلام کے فضائل میں لکھی گئی ہیں۔ کیا جامیؒ سنی علماء میں سے ہیں جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے؟ بلکہ وہ متعصب سنی ہیں، جیسا کہ ترکستان اور ماوراءالنّہر کے شہروں میں مشہور ہے، اسی لیے انہوں نے اپنی طبیعت کی عدم سختی کے باوجود قاضی نوراللہ شوستریؒ پر سخت تشنیع کی ہے، یا یہ کہ جامیؒ بظاہر مخالفین (سنیوں) میں سے تھے، لیکن باطنی طور پر خالص شیعوں میں سے تھے اور جو ان کے دل میں تھا وہ (انہوں نے) از روئے تقیہ ظاہر نہ کیا، اس
بات کی گواہی ان کے بعض اشعار دیتے ہیں۔ جیسا کہ "سجّة الأبرار "کا یہ شعر ہے
:

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را

؎ (ألكنيٰ والألقاب للقمي : ٢/١٣٨)

بیخ برکن دوسہ روباہی را

اوراس بات کو امیر سید حسین الخاتون آبادی نواسہ ملا محمد باقر مجلسی کی ذکر کردہ حکایت سے مزید مضبوطی حاصل ہوتی ہے، اس باسند حکایت کا خلاصہ (یہ) ہے کہ:

''شیخ علی بن عبد العالی ایک مرتبہ سفر میں جامیؒ کے رفیق تھے، جو عراق میں ائمہ کرام کی قبور کی زیارت کے سلسلہ میں کیا گیا تھا وہ تقیّہ کرتے تھے۔ جب یہ بغداد پہنچے تو دونوں ساحل دجلہ کی طرف چل دیئے، اتنے میں ایک درویش قلندر آیا اور اس نے ایک نہایت عمدہ قصیدہ مدحِ مولانا امیر المؤمنین علی علیہ السلام میں پڑھا۔ جب جامیؒ نے یہ قصیدہ سنا تو رو پڑے اور سجدہ ریز ہو کر روتے رہے۔ پھر اس (قصیدہ خواں) کو انعام دیا۔ پھر فرمایا: ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں شیعہ ہوں اور مخلص امامی ہوں، البتہ تقیہ واجب ہے اور یہ قصیدہ میرا لکھا ہوا ہے اور میں شکر الٰہی بجالاتا ہوں کہ اس نے قصیدہ کو اس مقام پر پہنچایا۔'' پھر محمد حسین خاتون آبادی نے کہا: ''مجھے ثقہ فاضلین میں سے کسی نے بتایا اور وہ اس بات کو ثقہ لوگوں سے روایت کرتا ہے کہ جامیؒ کے گھر کے تمام افراد، بال بچے اور خاندان کے لوگ ''مذہب امامیہ'' پر تھے، اور جامیؒ تقیّہ کے متعلق نہایت کڑی وصیت کرتے تھے، خاص کر جب
وہ سفر کا ارادہ کرتے اور اللہ ہی بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ (ترجمہ ختم)

عباس قمی شیعہ نے جامیؒ کے شیعہ ہونے پر جو حکایت بیان کی ہے وہ دیوانِ کامل
جامیؒ بخشش دہم صفحہ ۴۹۱
پر بھی موجود ہے۔ ؎

ہمارا موقف:

چوں کہ مولانا جامیؒ کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں وہیں ان کی کتابیں سنی

عقائد ونظریات کی بھی حامل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جامیؒ کے بارے میں ناقدین کسی ایک رائے پر متفق نہ ہوسکے۔چوں کہ اکابر علمائے اہل سنت والجماعت رحمہم اللہ ہمیشہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سُنّی ،صوفی اور مسلمان نعت گو شاعر کی حیثیت سے تسلیم کرتے رہے اور ان کا ذکر مدحیہ انداز میں کرتے رہے ہیں،ان سے حسن ظن رکھتے رہے ہیں،لہٰذا ہم

ا (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گم راہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ:ص ۱۹۵......۱۹۷،ناشر: مکتبہ عمر فارق رضی اللہ عنہ،شاہ فیصل کالونی،کراچی)

بھی حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں ان رافضی خرافات کو تسلیم نہیں کرتے۔جہاں تک ان حوالہ جات کے
ذکر کرنے کا تعلق ہے تو اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ:

''سبائیہ،باطنیہ اور دُشمنانِ صحابہ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیّہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیّع تھے اور اسی طرح (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیّع کی طرف ہو جائے گا) انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔راقم الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔پاکستان کے اکثر و بیشتر سُنّی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولّی ''مذہب امامیہ'' اختیار کر چکے ہیں اور اپنے مذہب کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔کیا طُرفہ تماشا ہے کہ صاحب مزار سُنّی تھا،لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولّی شیعہ ہے۔لاریب یہ اسی طریق کار کا ''ثمر شیریں'' ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے۔جس طرح ہو سکے صوفیوں کو ''مسلک امامیہ'' کا پیرو ثابت کرو تا کہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔''ا

مولانا جامیؒ کی کتابوں میں شیعہ سنی دونوں قسم کے عقائد کے مندرج ہونے کی بنیادی وجہ:

مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں تو وہیں ان کی کتابیں سُنّی

عقائد ونظریات کی بھی حامل ہیں۔اس کی بنیادی وجہ بتاتے ہوئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم لکھتے ہیں:

''صوفیہ کے اشعار میں تدسیس اورالحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا۔انہوں نے مولانا کی کتاب ''سلسلۃ الذہب'' پر چند اعتراضات کیے تھے۔ایک رافضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں

چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیئے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی، جس کا مقصد یہ تھا کہ

ا (اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش:۶۹، ۷۰ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ:ص ۱۹۷، ۱۹۸)

روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے، مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے
مولانا سے منسوب کر دیئے تھے۔ سُنّی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا۔ [۱]

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسماعیلیہ، قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیت علی (یا تنقیص معاویہ رضی اللہ عنہ۔ از: ناقل) پر استدلال ہو سکے، اپنی طرف
سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثناء احدیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہایت مکرم، محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی منقبت میں زورِ قلم صرف کیا ہے، وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس لئے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شامل کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی تھی۔ فرض کیجئے کہ مولانا جامیؒ نے اکیس اشعار کی ایک نظم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو تین ایسے شعر جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا دیا گیا ہو، اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے
(اور اسی کو تدسیس کہتے ہیں) تو کیا دُشواری لاحق ہو سکتی ہے؟'' [۲]

اسی وجہ سے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے ناقدین ان کے بارے میں آج تک کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ اور اسی وجہ سے ہم بھی مولانا جامیؒ سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے بارے میں اس قسم کی رافضی خرافات ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔ اور آپ کی طرف جو یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ کی ''خطائے اجتہادی'' کو ''خطائے منکر'' کہا ہے تو اس بات کا ایک جواب پیچھے یہ دیا جا چکا ہے کہ اس بات کا صدور آپ کی ذات سے بقول امام ربانی

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے: ''یا تو سہو ونسیان کے طور پر ہوا ہے۔'' جسے تسامح کہا جاتا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے

ا۔ اِس داستان کی تفصیل کے لئے ''حیاتِ جامی'' مؤلفہ: ڈاکٹر علی اصغر حکمت، مطبوعہ تہران ص ۸۳ ملاحظہ فرمائیے!۔ (رفیع)

۲۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش: ص ۴۵، ۴۶، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ: ص (۱۹۰، ۱۹۱)

کہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے تدسیس کرتے ہوئے چپکے سے اس بات کو آپ کے کلام میں شامل کر دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات متصف باصد صفات سے حسن ظن رکھتے ہوئے اُن کی شخصیت کو قطعی اور یقینی طور پر بغیر سوچے سمجھے محض ظن کی بناء پر اس طرح ''شیعیت'' سے متہم کر دینا کسی بھی طرح قرین انصاف اور دانش مندی کے لائق نہیں ہے۔

﴿۹﴾

محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: نورالدین، عرف: ملا علی قاری،

اور والد کا نام سلطان

محمد ہے۔

ولادت باسعادت:

آپؒ کی تاریخ پیدائش کا تو صحیح علم نہیں، البتہ آپؒ کی ولادت افغانستان کے مشہور شہر

''خراسان'' کے

معروف علاقے ''ہرات'' (مغربی افغانستان) میں ۹۳۰ھ کے لگ بھگ ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی دینی تعلیم آپؒ نے اپنے اسی علاقے ''ہرات'' میں اُس وقت کے اساتذہ سے حاصل کی۔ وہیں پلے پوسے، قرآن مجید حفظ کیا، اور شیخ مقری معین الدین بن حافظ زین الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ سے تجوید پڑھی،

یہاں تک کہ آپؒ کو سات قرائتوں پر مکمل عبور حاصل ہوگیا۔

منتہی تعلیم:

اس کے بعد اعلیٰ اور منتہی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپؒ نے مکہ معظّمہ کا سفر کیا، اور کئی سال تک وہاں کے

علماء سے علم حاصل کرتے رہے، یہاں تک کہ آپؒ کا شمار بھی مشاہیر علماء میں ہونے لگا۔

فقہی مسلک:

آپؒ حنفی المسلک تھے، جیسا کہ آپؒ کی تصانیف اور آپؒ کے حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے، نیز اکثر مسائل مذہب حنفیہ تفصیلاً لکھنے اور اُنہیں شرعی دلائل کے ذریعہ ثابت کرنے سے بھی آپؒ کا حنفی المذہب ہونا مترشح ہوتا

ہے۔

زہد وتقویٰ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تدین وتعفف اور ورع اور تقویٰ میں مشہور تھے۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے اور دُنیا سے بے رغبتی برتتے تھے۔ آپ پر زہد وعفاف اور قوت لایموت پر راضی رہنا غالب تھا۔ لوگوں سے بہت کم ملتے، عبادت الٰہیہ میں کثرت سے منہمک رہتے، ہر سال اپنی خوب صورت لکھائی سے ایک قرانِ مجید لکھتے اور اس کے حاشیہ

پر مختلف قرائتیں اور تفسیر لکھتے اور اُسے ہدیتاً بیچ دیتے اور اِس طرح ہدیہ کی یہ رقم آپؒ کے لئے پورا سال کافی ہوجاتی۔

شاہی حکام کا تقرب اور اُن کی عطایا کو آپؒ اخلاص اور تورع کے لئے مضر خیال

کرتے ،اورفرماتے کہ:''اللہ تعالیٰ میرے والد پررحم فرمائے !وہ مجھے فرمایا کرتے تھے کہ:''میں نہیں چاہتا کہ تیرا شمار علماء میں سے ہو کیوں کہ
مجھے ڈر ہے کہ پھر تو امیر اور مال دار لوگوں کے دروازوں پر ہی پڑا رہے گا۔''

شیوخ واساتذہ:

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل اساتذہ وشیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا:

﴿۱﴾ابن حجر ألهيتمي المكي﴿۲﴾علي ألمتقى ألهندي﴿۳﴾ عطيه بن علي ألسلمي
﴿۴﴾ محمد سعيد ألحنفي ألخراساني ﴿۵﴾ عبد الله السندي ﴿۶﴾ قطب الدين المكي .

تلامذہ وشاگرد:

آپؒ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

﴿۱﴾عبدالقادر الطبري﴿۲﴾عبدالرحمان المرشدي﴿۳﴾محمدبن فروخ الموروي

تصانیف:

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف علوم وفنون میں بیسیوں گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ تفسير القرآن﴿۲﴾ مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح﴿۳﴾ شرح نخبة الفكر ﴿۴﴾ ألفصول المهمة ﴿۵﴾ شرح مشكلات المؤطأ ﴿۶﴾ بداية السالک ﴿۷﴾ شرح الحصن الحصين ﴿۸﴾ شرح الأربعين النووية ﴿۹﴾ ضوء المعالي ﴿۱۰﴾شم العوارض في ذم الروافض﴿۱۱﴾فيض المعين وغيره ذلک .

وفات حسرت آیات:

بالآخر اپنی پوری زندگی قرآن وحدیث اور مختلف علوم وفنون کی خدمت کرتے کرتے آپؒ نے ماہِ شوال
۱۰۱۴ھ کو اس عالم رنگ وبو کو خیر آباد کہا اور "جنت المعلي" نامی قبرستان میں ابدی نیند سو کر محو استراحت ہو گئے۔

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ اپنے حاسدین ومعاندین کے بغض وحسد اور کینہ وعناد کے زہر آلود تیروں
سے کسی طرح بھی بچ نہ نکلے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی الشہیر بہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر
میں زیر عنوان: " اختلف أهل السنة في تسمية للمعاوية باغيا " لکھتے ہیں کہ:

" ثم كان معاوية مخطيا ، الا أنه فعل مافعل عن تأويل ، فلم يصر به فاسقاً . واختلف أهل السنة والجماعة في تسمية باغياً ، فمنهم من امتنع من ذلک والصحيح من أطلق (بلفظ الباغي أي عليٰ معاوية) لقوله لعمار : "تقتلک ألفئة الباغية " وكان عليٌّ مصيباً في التحكيم . وزعمت الخوارج أنه كان مخطياً فيه وقدكفراذ الواجب في أهل البغي المحاربة لقوله سبحانه وتعاليٰ : ﴿فان بغت احدٰهما عليٰ الأخريٰ فقاتلوا التي تبغي حتي تفَيٓ اليٰ أمر الله﴾ ولكنا نقول المقصود أراد دفع الشروتاليف القلوب وذا فيما فعل
عليٌّ ." [1]

۱ (شرح فقه الأكبر : ص ۸۲ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۲۸)

ترجمہ: پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے، مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کے ساتھ کیا پس وہ اس فعل کی وجہ سے فاسق نہیں ہوگئے۔ اور اہل سنت والجماعت نے انہیں ''باغی'' کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے۔ پس بعض نے اس سے منع کیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر باغی کا اطلاق درست ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے لئے اس قول کی بناء پر کہ: ''تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم میں مصیب تھے اور خوارج نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اس میں مخطی تھے اور انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ان پر باغیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بناء پر لڑنا فرض تھا کہ اگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک دوسرے گروہ پر بغاوت کرے تو تم اس کے ساتھ قتال کرو جس نے بغاوت کی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دفع شر اور تالیف قلوب کی وجہ سے تحکیم قبول کی تھی۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت سے درج ذیل اُمور ثابت ہوئے:

۱- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے۔

۲- اس فعل کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے۔

۳- جو اہل سنت ان پر باغی کا اطلاق نہیں کرتے وہ غلط ہے (ہیں۔ از: رفیع)۔

۴- انہیں باغی کہنا صحیح ہے۔

۵- حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی انہیں باغی سمجھتے تھے، مگر انہوں نے حکم الٰہی: ''**فقاتلوا التي تبغي**'' کی خلاف ورزی ''دفع شر اور تالیف قلوب'' کی خاطر کی تھی۔ ۱

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور فسق و بغاوت:

اس میں شک ہی کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اربابِ حل وعقد کے

مشورے اور انتہائی مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے اجتہاد کی بناء پر اُن سے قتال کرنا غلط تھا، جس کی وجہ سے انہیں اس معاملہ میں بالاتفاق ''مجتہد مخطی'' اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''باغی'' کہا گیا ہے، جو حقیقت نفس الامر کے اعتبار

۱ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۲۸، ۱۲۹)

سے اگرچہ گناہ کبیرہ اور فسق کے زُمرے میں آتا ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اُن سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا، لیکن چوں کہ اُن کا یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی عداوت یا بغض یا کسی سیاسی اور دُنیوی غرض کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا، اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر ہی مبنی سہی، لیکن تھے دیانت دارانہ، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے اُن کا یہ عمل اجتہادی غلطی کے زُمرے میں آتا ہے جس پر عنداللہ وہ ماجور ہیں اور اُن پر فسق کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ خطائے اجتہادی کی بناء پر نہ تو کسی پر فسق کا حکم لگایا جاسکتا ہے اور نہ ہی اُس پر کسی قسم کا لعن طعن کیا جاسکتا ہے۔

باقی رہی بات اُن اہل سنت کی کہ جو آپؓ پر ''باغی'' ہونے کا اطلاق نہیں کرتے تو اگر اس نفی سے اُن کی مراد عرفی بغاوت کی نفی ہے، جو ہوسِ اقتدار، لوٹ مار، اور ظلم وستم پر مبنی ہوتی ہے تو پھر تو صحیح ہے۔ اور اگر اِس سے فقہی احکام کے اعتبار سے بغاوت کی نفی مراد ہے تو پھر غلط ہے، اس لئے کہ اِس صورت میں ایک تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''مجتہد مصیب'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ''مجتہد مخطی'' ہونا لازم آتا ہے، جو اہل سنت کے اجماع کے خلاف ہے، اور دوسرے یہ کہ اِس سے حدیث عمار رضی اللہ عنہ ﴿ **تقتلك ألفئة الباغية** ﴾ کا بے محل اور بے کار ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اہل شام کو باغی سمجھتے تھے، لیکن اُنہوں نے محض دفعِ شر اور تالیف قلوب کی خاطر تحکیم قبول کی تھی اور قتال روک لیا تھا۔

حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے بموجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دُنیوی احکام کے اعتبار سے باغی تھے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (ملا علی قاریؒ) اپنی ایک دوسری کتاب میں ''حدیث عمار رضی اللہ عنہ''

کی

شرح میں لکھتے ہیں کہ:

'' اعلم أن عماراً قتله معاوية وفئته ، فکانوا طاغين ، باغين

بھٰذا

الحدیث .''

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کے گروہ نے قتل

کیا، تو

وہ اس حدیث کی رُو سے طاغی (سرکش) باغی ہو گئے۔ [1]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۲۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی ہونے سے عرفی نہیں بلکہ فقہی اصطلاح مراد ہے!:

لفظ ''طاغی'' اور ''باغی'' الفاظِ مترادفہ میں سے ہیں، جن کا مفہوم عربی اصطلاح کے اعتبار سے ''امام برحق کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے'' سے زیادہ کچھ نہیں۔ اِس لئے کہ ہر زبان کے الفاظ و محاورات کو اسی زبان کی اصطلاح کے آئینہ میں دیکھا جاتا ہے، تب اُس کا صحیح اور اصل مفہوم سامنے آتا ہے۔ چناں چہ ایک زبان کے الفاظ و محاورات کو دوسری زبان کی اصطلاح کے آئینہ میں دیکھنے سے نہ صرف یہ کہ پہلی زبان کے صحیح اور اصل مفہوم میں خلل واقع ہوتا ہے بلکہ بعض مرتبہ اُس سے شدید غلط فہمیاں پیدا ہونے لگتی ہیں جن سے انسان کی فکری و نظریاتی سوچ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر جیسے لفظ ''حرامی'' ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور عربی زبان کی اصطلاح میں اس کا معنیٰ ''ولد الحرام'' کا آتا ہے جو انسان کے نسب پر ایک بدنما داغ ہے۔ جب کہ یہی لفظ اردو یا پنجابی زبان کی اصطلاح میں شریر، بدذات اور گھناؤنے قسم کے جرائم کا ارتکاب کرنے والے شخص کے معنی میں آتا ہے۔ پس اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ نے عربی زبان کی اصطلاح کے اعتبار سے ''طاغی'' اور ''باغی'' باہم دو

مترادف الفاظ استعمال کیے ہیں اور اُن دونوں سے حسبِ تصریح سابق خلیفہ برحق کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے کا معنی مراد لیا ہے، لیکن افسوس کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ملا علی قاری رحمہ اللہ کے بغض ونفرت میں لفظ ''طاغی'' کو عربی زبان کے اصطلاحی معنی کے بجائے اُس کو فارسی زبان کے اصطلاحی معنی ''سرکشی'' میں مراد لیا ہے جو فارسی اور اردو وغیرہ زبانوں کی اصطلاح میں عموماً زیادہ تنگ کرنے والے جنات وشیاطین یا کسی بڑی قسم کی نافرمانی کرنے والے انسانوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

بہرحال ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو ''باغی'' اور ''طاغی'' جیسے باہم دو مترادف الفاظ استعمال کیے ہیں تو وہ کسی دوسری زبان کے اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ عربی زبان کے اصطلاحی معنی میں استعمال کیے ہیں جن کا مفہوم عربی زبان کے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ''امام برحق کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے'' سے زیادہ کچھ نہیں بنتا۔ لہٰذا عرفی واصطلاحی معنی ومفہوم کو پس پشت ڈالتے ہوئے خواہ مخواہ کھینچ تان کر مذکورہ عربی زبان کے لفظ کے فارسی زبان کے لغوی معنی کو بنیاد بنا کر ملا علی قاری رحمہ اللہ کو حضرت معاویہ رحمہ اللہ کا ناقد و گستاخ باور کرانا علمی دیانت داری اور معاشرتی خوش خلقی کے بالکل خلاف ہے۔

اصل عربی زبان کے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے تو اگر چہ ان دونوں الفاظِ مترادفہ کا ایک ہی معنی بنتا ہے یعنی خلفہ برحق کے خلاف خروج اور نافرمانی کرنا، لیکن اگر ان دونوں الفاظ کا علیحہ علیحدہ معنی بھی مراد لیا جائے تب بھی اِس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کسی طرح گستاخی ثابت نہیں ہوتی۔ چناں چہ اگر غور کیا جائے تو اصل عربی اصطلاح کے معنی کے اعتبار سے لفظ ''باغی'' کا اصل مفہوم یہ بنتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث عمارؓ: ﴿ **تقتلک ألفئة الباغية** ﴾ کی رُو سے دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''باغی'' تھے۔ اور ''طاغی'' کا مطلب یہ بنتا ہے کہ آپؓ اس معاملہ میں اپنی بعض شرعی مجبوریوں کی بناء پر خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے گریزاں تھے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت سے ہاشمی صاحب کا غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''جن حضرات نے لفظ ''باغی'' کی تاویل طالب دم عثمان رضی اللہ عنہ سے کی ہے انہیں جواب دیتے ہوئے موصوف (ملا علی قاریؒ) فرماتے ہیں کہ:

" قلت فاذا كان الواجب عليه أن يرجع عن بغيه باطاعته الخليفة و يترك المخالفة وطلب الخلافة المنفية فتبين بهٰذا أنه كان في الباطن باغيا وفي الظاهر مستترا بدم عثمان مراعيا مرائيا فجاء هذا الحديث عليه ناعيا وعن عمله ناهيا لكن كان ذلك في الكتاب مسطورا فصار عنده كل من القرآن والحديث مهجورا فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف وتولي الاقتصاد في الاعتقاد لئلا يقع في جانبي سبيل الرشاد من الرفض والنصب بأن يحب جميع الآل والصحب ."[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کر کے اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے رجوع کرتا اور خلیفہ کی مخالفت اور منفی خلافت کی طلب وخواہش ترک کر دیتا (مگر اُس نے یہ کام نہیں کیا) تو ظاہر ہوگیا کہ وہ باطن (حقیقت) میں باغی تھا اور ظاہری طور پر اس نے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کا لبادہ اپنی حفاظت کے لئے ریاکارانہ طور پر اُوڑھ

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۱۱/ ۷۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۲۹)

رکھا تھا۔ سو یہ حدیث اُس کے گناہ کو ظاہر کرنے اور اس کے عیب کا اعلان کرنے اور اس کے عمل بغاوت سے روکنے کے لئے آ گئی، لیکن یہ سب کچھ مقدر ہو چکا تھا۔ (ترجمہ ختم)

پس قرآن وحدیث دونوں معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک متروک ہو گئے۔ سو اللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے تعصب نہ کیا اور نہ ہی ظلم کیا اور اعتقاد میں میانہ روی اختیار کی، تا کہ صراطِ مستقیم سے ہٹ کر رافضیت اور ناصبیت میں نہ جا پڑے اور تمام آل واصحاب سے محبت رکھے۔ (ترجمہ ختم)

ملا علی قاریؒ کی مذکورہ تشریح سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

۱- معاویہ رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ بغاوت سے رجوع کرتا۔

۲- معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔

۳- معاویہ رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کر دیتا۔

۴- معاویہ رضی اللہ عنہ باطن (حقیقت) میں باغی تھے۔

۵- معاویہ رضی اللہ عنہ نے دکھلاوے اور ریاکارانہ طور پر دم عثمان کی آڑ لے رکھی تھی۔

۶- حدیث عمار رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

۷- معاویہ رضی اللہ عنہ نے قرآن وحدیث کے واضح احکام کی خلاف ورزی کی۔

۸- انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا امور کا مرتکب سمجھا جائے۔"[1]

دریں چہ شک؟:

اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ برحق

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور شام میں اپنی غیر آئینی خلافت کے قیام کو ترک کر کے بغاوت سے رجوع کرتے اور خلیفہ برحق کی اطاعت کرتے؟ لیکن چوں کہ اُنہوں نے یہ سب کچھ نہیں کیا، اِس لئے دُنیوی احکام کے اعتبار سے وہ ''باغی'' کہلائے۔

ا (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۲۹)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کج فہمی:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت کا جو یہ مطلب مراد لیا ہے کہ:

''۴- معاویہ رضی اللہ عنہ باطن (حقیقت) میں باغی تھے۔

۵- معاویہ رضی اللہ عنہ نے دکھلاوے اور ریاکارانہ طور پر دم عثمان رضی اللہ عنہ کی آڑ لے رکھی تھی۔''

وہ انتہائی غلط اور خلافِ تحقیق ہے، اس لئے کہ اگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق وسباق کو سامنے رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مطلب:

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قصاصِ دم عثمان رضی اللہ عنہ کی بناء پر لڑائی کر رہے تھے تو اُس وقت تک بہت سے لوگوں کو کسی کے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون غلطی پر؟ لیکن جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو یہ بات خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آ گئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو بہ ظاہر ایک معقول تاویل کے سائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کر رہے ہیں باطن (حقیقت) میں وہی باغی ہیں اور غلطی پر ہیں۔''

چنانچہ اگر آپ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر دوبارہ غور کریں کہ:

" فتبين بهٰذا أنه كان في الباطن باغيا وفي الظاهر مستترا بدم عثمان ."

ترجمہ: پس اس (حدیث عمار رضی اللہ عنہ) سے ظاہر ہو گیا کہ وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) باطن (حقیقت) میں باغی تھے اور بظاہر دم عثمان رضی اللہ عنہ میں چھپے ہوئے تھے۔ (ترجمہ ختم)

تو آپ کے سامنے یہ حقیقت خوب اچھی طرح آشکارا ہو جائے گی۔

باقی اس میں شک ہی کیا ہے کہ حدیث عمارؓ: ﴿ تقتلك ألفئة الباغية ﴾ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''باغی'' ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے؟

باقی رہی ملا علی قاری رحمہ اللہ کی یہ بات کہ اِس معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی کی صورت میں جو تاویل میں شبہ اور غلطی واقع ہو کر کسی طرح قرآن و حدیث دونوں مہجور ہو گئے تو واقعی ملا علی قاری رحمہ اللہ کی یہ عبارت تھوڑی بہت سخت ضرور ہے، لیکن اگر ملا علی قاری رحمہ اللہ کے علمی مقام و مرتبہ اور اُن کی دینی و علمی بالخصوص علم حدیث و فن عقائد کی گراں قدر خدمات کو سامنے رکھا جائے تو اُس صورت میں موصوف کی عبارت کا مطلب یہ ہو گا کہ چوں کہ اُس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اِس معاملے میں شرعی احکام کے استنباط میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل کسی وجہ سے مستحضر نہیں تھے، اِس لئے اِس معاملے میں شرعی احکام کے استنباط میں آپؓ سے ''خطائے اجتہادی'' صادر ہو گئی تھی، جو نہ شرعاً مذموم ہے اور نہ ہی عقلاً، بلکہ اخروی احکام کے اعتبار سے اِس پر بھی ایک اجر کا وعدہ بھی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مغفور ہیں معصوم نہیں!۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہ تو فسق کا حکم لگایا ہے اور نہ ہی فجور کا، بلکہ ایک طرح سے اُن کا دفاع کیا ہے، اور اس سارے معاملے کو تقدیر قرار دیا ہے جو کسی بھی طرح سے ٹل نہیں سکتی تھی۔

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ:

''۸- انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہؓ کو مذکورہ بالا اُمور کا مرتکب سمجھا جائے۔''

اپنی جگہ بالکل صحیح اور درُست ہے، اور اس میں کسی بھی قسم کا کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری عبارت سے ہاشمی صاحب کا غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محاربین اہل بیت کی مذمت کرنا امت کا (اجماعی) مسئلہ ہے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر اس ''اجماعی عقیدے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

'' ففضل أهل البيت وذم من حاربهم أمر مجمع عليه عند العلماء

السنة وأكابر أئمة الأمة .''[1]

ترجمہ: پس اہل بیت رضی اللہ عنہم کی فضیلت بیان کرنا اور جن حضرات نے ان کے ساتھ

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح : ۱۰/۵۳۴ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۳۰)

جنگ کی ہے ان کی مذمت بیان کرنا ایسا مسئلہ ہے جس پر اہل سنت کے علماء اور امت کے
اماموں کا اجماع ہے۔ (ترجمہ ختم)

سخت حیرت ہے کہ ملا علی قاریؒ ''محاربین اہل بیت'' کے تخطیہ ہی کو نہیں بلکہ ان کی مذمت کو اُمت کا اجماعی مسئلہ قرار دے رہے ہیں۔ حالاں کہ محدثین کرام کے نزدیک ایسا
رجحان تشیّع کے زُمرے میں آتا ہے۔

**'' فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليٍّ عليٰ عثمان و ان عليّاً كان مصيباً في حروبه ، وأن مخالفه مخطئٌ مع تقديم الشيخين
وتفضيلهما .''[1]**

ترجمہ: متقدمین کی اصطلاح میں تشیّع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جنگوں میں حق بجانب اور
ان کے مخالف خطاء پر تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ تفضیل شیخین کا بھی قائل ہو۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت امیر (یعنی علی رضی اللہ عنہ) تمام اجتہادی و اختلافی امور
میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطاء پر۔'' [2]

محاربین اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں ''محاربین'' کا لفظ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق نقل کیا ہے، جس سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بلا قرینہ وقیاس صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی ذات کو مراد لیا ہے، اور خواہ مخواہ کھینچ تان کر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرا دیا ہے، حالاں کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کا نظریہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ہے:

" وأما معاوية رضي الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار ."(

مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للقاري : ۱۱/۲۷۲)

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں محاربین اہل بیت سے جنگ جمل وصفّین میں حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں برسر پیکار لڑنے والے حضرات (حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) مراد نہیں کہ اُنہیں تو حضرات

۱ (تهذيب التهذيب : ۱/۹٤) و (فتح الملهم شرح صحيح المسلم : ۱/٦٥ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۳۱)

۲ (مکتوبات: جلد دوم ص ۵۵ مکتوب نمبر ۲۶)، بحوالہ سیدنا معاویہ کے ناقدین: ص ۱۳۱)

اہل بیت رضی اللہ عنہم سے کسی قسم کی ذاتی دُشمنی وعداوت، بغض وعناد اور دُنیوی حرص ولالچ یا کوئی سیاسی غرض نہ تھی، بلکہ اس سے بعد کے دور میں اہل بیت رضی اللہ عنہم پر زیادتیاں کرنے والے لوگ مراد ہیں، جیسے یزید، ابن زیاد، اور شمر وغیرہ۔ گویا اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ساتھ دُشمنی وعداوت، بغض وکینہ اور دُنیوی حرص ولالچ اور سیاسی اغراض ومقاصد رکھتا ہو، اور اُن کے ساتھ لڑتا بھڑتا ہو۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں معتدل نظریہ وعقیدہ رکھنے والے شخص کو دُعاء دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف وتولي الاقتصاد في الاعتقاد لئلا يقع في جانبي سبيل الرشاد من الرفض والنصب بأن يحب جميع الآل والصحب ." [۱]

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر کہ جس نے انصاف سے کام لیا ہو اور تعصب وتعسف کا شکار نہ ہوا ہو اور اس نے عقیدہ میں میانہ روی اختیار کی ہو، تاکہ راہِ ہدایت کی دونوں اطراف (یعنی) رفض وناصبیت میں نہ پڑے اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے۔ (ترجمہ ختم)

پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مناسب اور معتدل نظریہ وعقیدہ رکھنے والے دوسرے لوگوں کے حق میں تو اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحم ومہربانی کی دُعاء کرے اور دوسری طرف حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کی مذمت کرنے پر علماء کا اتفاق نقل کرے؟

اصل بات یہ ہے ۔

ہنر بہ چشم عداوت بزرگ تر عیب است
گل است سعدی و در چشم دُشمناں خار
است

[۱] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري : ۳۷۸٦/۹ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

﴿۱۰﴾

حضرت شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

(المتوفی ۱۰۵۲ھ بمطابق ۱۶۴۲ء)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالحق، کنیت: ابوالمجد، تخلص: حقی، محدث دہلوی: عرف، والد کا نام: سیف الدین اور دادا کا نام: سعداللہ ہے۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

''عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ بن فیروز بن ملک موسیٰ بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک بخاری......الخ۔'' [۱]

خاندان:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سر برآوردہ اور ذی وجاہت خاندان کے فرد تھے، وہ نسلاً ترک تھے، اُن کے آباؤ اجداد کا تعلق **''ماوراء النہر''** سے تھا، سب سے پہلے اِس خاندان کے آغا محمد ترک بخاری' سلطان علاء الدین خلجیؒ کے زمانہ میں بخارا سے ''دہلی'' آئے، وہ اپنے خاندان کے سردار اور سربراہ تھے، اس لئے اُن کے ہم راہ بہت سے ترک بھی اپنا اصل وطن چھوڑ کر ''دہلی'' چلے آئے، جن میں اِن کے اعزہ واقرباء کے علاوہ مریدین ومتوسلین اور خدام بھی تھے۔ [۲]

[۱] (اخبارالاخیار: ص ۲۷۹، ۲۸۰، ناشر: مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)
[۲] (اخبارالاخیار: ص ۲۷۹، ۲۸۰، ناشر: مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

ولادت باسعادت:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی ذی حیثیت اور ممتاز گھرانے کے فرد تھے۔
آپؒ مؤرخہ محرم الحرام
۹۵۸ھ بمطابق ۱۵۵۱ءکو''دہلی'' میں پیدا ہوئے۔''شیخ اولیاء'' سے آپؒ کی تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔

ابتدائی تعلیم:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم اُن کے والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں ہوئی، بڑھاپے میں آپؒ کے والد ماجد کی ساری توجہ آپؒ ہی کی جانب مرکوز ہوگئی تھی اور ہر وقت آپؒ کو اپنے ساتھ رکھ کر آپؒ کی تعلیم تربیت میں مشغول رہتے۔آپؒ نے بارہ تیرہ برس کی عمر میں ''شرح شمسیہ'' اور ''شرح عقائد'' پڑھیں اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں آپؒ ''مطول'' اور ''مختصر المعانی'' ختم فرما چکے تھے۔ پھر ایک دو برس کے اندر علوم عقلیہ سے آپؒ نے فراغت حاصل کی،اس کے بعد آپؒ قرآنِ مجید کے حفظ کرنے میں مشغول ہوگئے،اور تقریباً سال،سوا سال میں آپؒ نے پورا قرآن مجید حفظ کرلیا[1] اس طرح تعلیم اور حفظ قرآن مکمل کر لینے کے وقت آپؒ کی عمر لگ بھگ انیس
بیس برس کے قریب ہوگی،جیسا کہ عبدالحمید لاہوریؒ نے بھی لکھا ہے۔[2]

مطالعہ سے شغف:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں علم کا شوق اور مطالعہ کا ذوق اس قدر زیادہ تھا کہ وہ بچپن ہی سے
راحت وآرام،کھیل کود اور سیر وتفریح کی لذتوں سے ناآشنا رہے۔
چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:

''زمانۂ طفولیت ہی سے مجھے پتہ نہیں کہ کھیل کود کیا چیز ہے؟ نیند کیسی ہوتی ہے؟

مصاحبت اور لطف کس کو کہتے ہیں؟ آرام و آسائش کیا ہے؟ اور سیر و تفریح کیا ہوتی ہے؟:

شب خواب چہ سکون کدام است

خود خواب بعاشقاں حرام است

روزانہ سخت ٹھنڈی ہوا اور گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں دو بار دہلی کے مدرسہ میں

۱؎ (اخبار الاخیار: ص۲۹۱، ناشر: مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

۲؎ (بادشاہ نامہ: ۱/۳۴۱)

جاتا تھا، جو غالباً میرے گھر سے دو میل کے فاصلہ پر تھا، دوپہر کو گھر میں بس چند لقمے کھانے کے لئے رُکتا، تاکہ جسم و جان میں حرکت و قوت باقی رہے، اِس سے زیادہ اِس وقت گھر پر نہ رہتا، ایک مدت تک صبح ہونے سے پہلے ہی مدرسہ پہنچ جاتا اور چراغ کی رُوشنی میں ایک جزء لکھ لیتا، اس سے بھی عجیب بات یہ تھی کہ گو سارا وقت مطالعہ اور پڑھی ہوئی کتابوں کی بحث و تکرار میں گھرا رہتا تھا مگر اس کے باوجود ان شروح و حواشی کو جو نظر و مطالعہ سے گزرتے تھے لکھ لینا بھی ضروری سمجھتا تھا، رات کا زیادہ حصہ اور دن کا کچھ حصہ مطالعہ میں صرف ہوتا تھا اور

رات کا تھوڑا اور دن کا بڑا حصہ لکھنے میں گزرتا تھا۔'' ۱؎

اساتذہ و شیوخ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے '' **زاد المتقین** ''، '' **اجازات الحديث في القديم والحديث** '' اور '' **أسماء الأستاذين** '' کے نام سے جو کتابیں لکھی تھیں اُن میں آپؒ کے اساتذہ کا ذکر موجود ہے۔ غالباً آپؒ کے تذکرہ نگاروں نے آپؒ کے اساتذہ کا اسی لئے کوئی ذکر نہیں کیا کہ خود آپؒ اُن کے بارے میں مستقل رسالے لکھ چکے ہیں،

مگر آپؒ کے یہ رسالے اب دست یاب نہیں، اس لئے آپؒ کے عام اساتذہ کا نام معلوم نہیں
ہوسکا، تاہم تفحص وتلاش سے آپؒ کے جن اساتذہ کے نام معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:
(۱) شیخ سیف الدین (۲) محمد مقیم (۳) شیخ عبدالوہاب متقیؒ (۴) قاضی علی بن جار
اللہ بن ظہیرہ قرشی
مخزومی مکیؒ (۵) شیخ احمد بن محمد بن محمد ابی الحزم مدنیؒ (۶) شیخ حمیدالدین بن عبداللہ سندھی مہاجرؒ۔
۲

درس وتدریس کا آغاز:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۸۵ھ کے بعداورحجاز کوروانگی سے
پہلے درس وتدریس کا
کام بھی سرانجام دیا، گوآپؒ کے عام سوانح نگاروں نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، مگرعبدالحمید
لاہوریؒ لکھتے ہیں:

''وچوں سنین عمرش بہ عشرین رسیداز پایۂ تحصیل بدرجہ تدریس وچندے
ہنگامہ
افادہ گرم داشتہ بہ پائے طلب بادیہ پیمائی سفرحجاز گردید۔'' ۳

۱ (اخبارالاخیار: ص۲۹۲، ناشر: مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)
۲ (تذکرۃ المحدثین: ۲/ ۴۳۱، ۴۳۲) ۳ (بادشاہ نامہ: ۱/ ۳۴۱)

ترجمہ: جب آپؒ کی عمر بیس برس کی ہوئی اور آپ تحصیل علم سے فارغ
ہوگئے تو منصب تدریس پر فائز ہوئے اور کچھ دنوں یہ شغل اختیار کرنے کے بعد حجازِ
مقدس روانہ
ہوگئے۔ (ترجمہ ختم)

لیکن جیسا کہ آپؒ نے خود اپنی کتاب ''اخبارالاخیار'' میں لکھا ہے کہ: ''تکمیل علوم کے
بعد میں سات آٹھ برس سے زیادہ عرصہ تک دانش ورانِ ماراءالنہر سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔''

اس لئے بیس برس ہی کی عمر میں منصب درس وتدریس پر فائز ہو جانے کی بات محلِ نظر ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ علمائے ماوراء النہر سے استفادہ کے بعد ۹۸۶ھ میں آپؒ درس وتدریس کی مسند پر متمکن ہوئے ہوں۔ بہر حال اس تفصیل سے اتنا معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سفر حجاز کو جانے سے پہلے بھی درس وتدریس کی خدمت سرانجام دی ہے۔[1]

سفر حج وزیارت مدینہ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کے ارادے سے حجازِ مقدس کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں آپؒ نے بڑے علمی ورُوحانی مراتب طے کئے، اور ہر سال حج وزیارت کعبہ سے مشرف ہو کر بیش از بیش رُوحانی برکتیں اور سعادتیں حاصل کیں، اور دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر مدینہ منورہ کے انوار و برکات بھی بھرپور طرح سے سمیٹے۔

کہا جاتا ہے کہ ۹۹۶ھ میں آپؒ مکہ معظّمہ پہنچے اور فریضۂ حج ادا کیا، پھر اس کے دس ماہ بعد مؤرخہ ۲۳ ربیع الثانی ۹۹۷ھ کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے، اور رجب ۹۹۸ھ کے اخیر تک وہیں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد دوبارہ مکہ معظّمہ تشریف لائے اور دوسرا حج کیا۔ پھر اس کے بعد شعبان ۹۹۹ھ کے آخری ایام میں ''طائف'' تشریف لے گئے اور پھر مکہ معظّمہ واپس آکر تھوڑی مدت تک قیام کرنے کے بعد اسی سال ہندوستان کے لئے واپس روانہ ہو گئے۔[2]

تصانیف:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف کا بڑا اچھا ذوق عطاء فرما رکھا تھا، جس کی مقبولیت اور حسن قبول کا بعد کے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

[1] (تذكرة المحدثين (بحذف و تغير): ۲/۴۳۴، ۴۳۵)

[2] (نزهة الخواطر: ۵/۲۰۲، فوائد جامعة: ص ۱۴)

آپؒ کی تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾اجازة الحديث في القديم والحديث﴿۲﴾أجوبة الاثنا عشر في توجيه الصلوٰة عليٰ سيد البشر﴿۳﴾أحوال الائمة الاثنا عشر﴿۴﴾أخبار الاخيار﴿۵﴾آداب الصالحين ﴿٦﴾آداب اللباس﴿۷﴾آداب المطالقة والمناظرة﴿۸﴾أسماء الرجال والرواة المذكورين في كتاب المشكوٰة﴿۹﴾استيناس انوار القبس في شرح دعاء انس﴿۱۰﴾أفكار الصافية في ترجمة كتاب الكافية﴿۱۱﴾ألتعليق الحاوي عليٰ تفسير البيضاوي﴿۱۲﴾ألجواهر المضية في شرح الدرر البهية ﴿۱۳﴾ألفوائد في الفقه والعقائد﴿۱۴﴾انتخاب المثنوي المولوي المعنوي﴿۱۵﴾ألأنوار الجلية في أحوال المشائخ الشاذلية﴿۱٦﴾ايراد العبارات لبيان أهل الاشارات﴿۱۷﴾ألبناء المرفوع في ترصيص مباحث الموضوع ﴿۱۸﴾ تاليف القلب الأليف بذكر فهرس التواليف ﴿۱۹﴾ تجلية القلوب القدس الملكوت بشرح دعاء التضوت﴿۲۰﴾تحصيل البركات والطيبات ببيان معني التحيات ﴿۲۱﴾ تحصيل التعريف في معرفة الفقه والتصوف ﴿۲۲﴾ تحصيل الغنائم والبركات بتفسير سورة والعاديات﴿۲۳﴾ تحقيق الاشارة اليٰ تعميم البشارة﴿۲۴﴾ترجمة غنية الطالبين (في الفارسية وهو بادر معدوم)﴿۲۵﴾ ترجمة مكتوب النبي الأمي في تعزية ولد معاذ بن جبل ﴿۲٦﴾ترجمة منهج السالك اليٰ أشرف المسالك﴿۲۷﴾ترغيب أهل السعادات عليٰ تكثير الصلوٰة عليٰ سيد الكائنات﴿۲۸﴾ تسلية المصاب لنيل الأجر والصواب (في الصبر) ﴿۲۹﴾ تكميل الايمان وتقوية الايمان ﴿۳۰﴾ تنبيه العارف بما وقع في العوارف﴿۳۱﴾ توصيل المريد اليٰ المراد ببيان أحكام الأحزاب والأوراد ﴿۳۲﴾ جامع البركات ﴿۳۳﴾ جذب القلوب اليٰ ديار المحبوب﴿۳۴﴾جواب بعض كلمات شيخ أحمدسرهندي﴿۳۵﴾حاشية

الفوائدالضيائية ﴿۳۶﴾ألدرة البهية في اختصار الرسالة الشمسية ﴿۳۷﴾ ألدرة الفريد في بيان قواعد التجويد ﴿۳۸﴾ دفاتر ﴿۳۹﴾ ذكر سلوك ﴿۴۰﴾ رسالة اثبات توقيت ﴿۴۱﴾ رسالة أقسام الحديث ﴿۴۲﴾ رسالة تنبيه أهل الفكر برعاية آداب الذكر ﴿۴۳﴾ رسالة ذكر الأحوال والأقوال بهته عليٰ رعاية طريق الاستقامة والاعتدال ﴿۴۴﴾ رسالة شب برأت ﴿۴۵﴾ رسالة عقد الأنامل ﴿۴۶﴾ رسالة في أسرار الصلوٰة ﴿۴۷﴾ رسالة نورية سلطانية ﴿۴۸﴾رسالة وجودية ﴿۴۹﴾زاد المتقين ﴿۵۰﴾ زبدة الآثارمنتخب بهجة الأسرار ﴿۵۱﴾شرح أسماء الرجال للبخاري ﴿۵۲﴾شرح سفر السعادة ﴿۵۳﴾شرح الشمسية ﴿۵۴﴾شرح الصدوربتفسير آية النور ﴿۵۵﴾شرح فتوح الغيب ﴿۵۶﴾شرح القصيدة الجزرية ﴿۵۷﴾صحيفة المودة ﴿۵۸﴾فصول الخطب لنيل أعالي الرتب ﴿۵۹﴾ كتاب الفوائد والصلوٰة ﴿۶۰﴾ماثبت بالسنة في أحكام السنة ﴿۶۱﴾مدارج النبوة ﴿۶۲﴾مرج البحرين ﴿۶۳﴾ مكتوبات و رسائل ﴿۶۴﴾نكات الحق والحقيقة من معارف الطريقة ﴿۶۵﴾نكات العشق والمحبة في تطيب قلوب الأحبة ﴿۶۶﴾وصيت نامه ﴿۶۷﴾هداية الناسک اليٰ طريق المناسک ﴿۶۸﴾اشعة اللمعات شرح مشكوٰة (في الفارسية) ﴿۶۹﴾لمعات التنقيح عليٰ مشكوٰة المصابيح .[1]

وفات حسرت آیات:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات مؤرخہ ۲۲ ربیع الاوّل ۱۰۵۲ھ بروزِ دو شنبہ (پیر کے دن) کو دار السلطنت دہلی میں ہوئی، اُس وقت آپؒ کی عمر مبارک چورانوے (۹۴) برس تھی۔ آپؒ کی وصیت کے مطابق آپؒ کا نمازِ جنازہ آپؒ کے فرزند ارجمند شیخ نورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور ''حوضِ شمسی'' کے قریب ایک

قبرستان میں دفن کیے گئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قبر پر ایک لوح لگانے کی بھی وصیت فرمائی تھی جو اُن کے صاحب زادے شیخ نورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لگائی اور اُس پر تاریخ وفات اور مختصر حالات بھی جامعیت
کے ساتھ تحریر فرمائے۔آپؒ کی قبر مبارک آج بھی زیارت گاہِ خلائق ہے۔ ۲ے

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاندین و حاسدین کے عناد وحسد اور اُن کے کینہ وبغض سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے۔

۱ے (تذكرة المحدثين (باختصار) : ۲/۵۲۸......۵٦۱)

۲ے (تذكرة المحدثين (باختصار) : ۲/۵۲٤ ، ۵۲۵)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب آپ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''نقد'' کے حوالے سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا کردار زیر بحث ہے۔موصوف نے ''شرح سفر السعادة '' میں اس بات کی تائید کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی ۔علامہ عبدالعزیز فرہاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

" ولم ينصف الشيخ عبد الحق الدهلوي في شرح سفر السعادة

فانه أقر كلام المصنف ولم يتعقب كتعقبه عليٰ سائر تعصباته ." ۱ے

۱ے (ألناهية عن طعن معاوية : ص ۳٤ بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۳۴)

ترجمہ:اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''شرح سفر السعادة '' میں انصاف نہیں کیا۔کیوں کہ انہوں نے مصنف کے اس فقرہ پر تعقب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے
تعصّبات پر تعقب کیا ہے۔(ترجمہ ختم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ''عدم صحت روایت'' سے کیا مراد ہے؟

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب سرآنکھوں پر تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کتابوں میں جو یہ منقول ہے کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے تو یہ قول صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ دوسرے بھی کئی اہل علم کا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب لکھ کر فارغ ہوئے تو چاہا کہ جامع دمشق میں لوگوں کے سامنے اس کتاب کو بیان کردیں، تاکہ وہاں کے لوگ جو بنی اُمیہ کی مدت مدید تک شام میں سلطنت کے باعث نواصب کے مذہب کی طرف مائل ہو گئے ہیں، ہدایت یافتہ ہو جائیں۔ (ابھی آپ نے) اس کتاب کا تھوڑا ہی حصہ بیان کیا تھا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ: ''امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی آپؒ نے تحریر کچھ کیا ہے؟۔'' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ انہیں سر بسر نجات مل جائے، اُن کے فضائل ہی کہاں ہیں؟۔'' بعض کہتے ہیں کہ: ''آپؒ نے یہ بات بھی فرمائی تھی کہ: ''میرے نزدیک اُن کے مناقب میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں، سوائے ''**لا أشبع الله بطنه**'' کے۔'' (یہیں سے) عوام الناس نے اُن پر تشیّع کا الزام جڑ دیا اور چند ضربیں اُن کے خصیتین میں لگیں جن کی وجہ سے وہ نیم جاں ہو گئے۔ [1]

لہٰذا اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث سرے سے ثابت ہی نہیں ہے تو یہ قول بالکل درُست نہیں، اس لئے کہ متعدد روایات جو ''حسن'' درجہ کی ہیں وہ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں، اگرچہ اُن کا درجہ اصطلاحی صحت کے درجہ سے کم ہے۔ اور جو روایات حسن درجہ کی ہوں وہ محدثین عظام کے نزدیک مقبول ہوتی ہیں اور اُن سے احکام شرعیہ بھی ثابت ہوتے ہیں اور یہ اُصول علمائے کرام کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان احادیث کا پایا جانا جو حسن درجہ کی ہوں عدم

صحت

روایت کے قول کے جواب میں کافی ووافی ہیں۔

محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں:

”اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیوں کہ متعدد روایات جو درجۂ حسن میں ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں اگر چہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجے سے کم ہے۔اور جو روایات درجۂ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔یہ قاعدہ عندالعلماء تسلیم شدہ ہے۔ فلہٰذا احسان روایات کا حضرت

امیر معاویہھص کے حق میں پایا جانا عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ہے۔“

چنانچہ مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

” فان أريد بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لمامر بين المحدثين فلا ضير ، فان فسحتها ضيقة وعامة الأحكام والفضائل انما تثبت بالأحاديث الحسان لعزة الصحاح ولاينحط ما في المسند والسنن

عن درجة الحسن .“[1]

[1] (بستان المحدثين للدهلوي : ص ١١١) [2] (ألناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية : ١/ ٦٨ ،ألناشر : غراس

للنشر والتوزيع ، ألكويت ، **بحوالہ: سیرت حضرت امیر معاویہ** رضی اللہ عنہ:۲/۶۶۳،۶۶۴،ناشر: **دار الکتاب**،اردو بازار، لاہور)

ترجمہ: پس اگر عدم صحت سے مراد عدم ثبوت ہے تو یہ قول مردود ہے۔ اور اگر صحت سے " صحة مصطلحة عند المحدثين " مراد ہے تو پھر کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اس کا دائرہ تنگ ہے۔ اور عام احکام اور فضائل جو ہیں وہ بھی احادیث صحیحہ کی قلت کی وجہ سے احادیث حسان ہی سے ثابت ہیں۔ اور مسند اور سنن کی احادیث درجۂ حسن سے کم تر نہیں
ہوتیں۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یا بعض دوسرے علماء نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ: " ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ " تو اس سے وہ صحیح مراد نہیں جس کی ضد " غلط " آتی ہے اور جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی قابل اعتماد حدیث مروی نہیں بلکہ موضوع اور من گھڑت احادیث مروی ہیں۔ بلکہ اس " صحیح " سے مراد محدثین عظام کا اصطلاحی " صحیح " مراد ہے جس کا درجہ حسن سے اُوپر کا ہوتا ہے۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں:

''اکابر علمائے کرام نے محدثین کی مصطلحات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو محدثین کا قول: '' **لا یصح و لا ثبت هذا الحدیث** '' کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے، حالاں کہ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ روایت '' موضوع'' ہے یا ''ضعیف'' ہے بلکہ ان لوگوں سے یہ قول محدثین کی مصطلحات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بناء پر صادر ہوا ہے۔''

ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

'' کثیراً ما یقولون ما لایصح و لایثبت هذا الحدیث . ویظن منه من لا علم له أنه موضوع أو ضعیف وهو مبني عليٰ جهله بمصطلحاتهم وعدم وقوفه عليٰ مصرحاتهم .'' [1]

[1] (ألرفع والتكميل في الجرح والتعديل للكنوي : ص ٨٦ ، **بحوالہ**: **سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ٢/ ٦٦٨، ناشر: دارالکتاب اردو بازار، لاہور**)

ترجمہ: بہت سی دفعہ علماء جو یہ کہتے ہیں کہ ''**لایصح و لا ثبت هذا الحدیث**'' تو اس سے کم علم لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حدیث ''موضوع'' ہے یا ''ضعیف'' ہے، اور یہ چیز مصلحاتِ حدیث سے جاہل اور محدثین عظام کی تصریحات سے ناواقف ہونے پر مبنی ہوتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

مسئلہ ہذا پر چند تمثیلات:

چنانچہ اہل علم کی خاطر کے باعث اس کی چند ایک تمثیلات یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

١ – قال الحافظ ابن حجر في تخريج أحاديث الأذكار المسمّيٰ

بنتائج الأفكار : ثبت عن أحمد بن حنبل أنه قال : لاأعلم في التسمية أي في الوضوء حديثاً ثابتاً – قلت : لايلزم من نفي العلم ثبوت العدم . وعليٰ التنزل : لايلزم من نفي الثبوت ثبوت الضعف ، لاحتمال أن يراد بالثبوت الصحة فلا ينتفي الحسن .“[1]

ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ” نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار “ میں فرماتے ہیں کہ: ”امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: ”وضوء میں تسمیہ کے متعلق کوئی ثابت حدیث مجھے معلوم نہیں۔“ میں کہتا ہوں کہ: ”علم کی نفی سے نہ ہونے کا ثبوت لازم نہیں آتا۔اور بر سبیل تنزل نفی کے ثبوت سے ضعف کا ثبوت لازم نہیں آتا کیوں کہ اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ ”ثبوت“ سے ”صحت“ مراد ہو، لہٰذا حسن منتفی نہیں ہوتا۔(ترجمہ ختم)

۲– وقول الامام أحمد:”لايصح “ لايلزم منه أن يكون باطلاً كما فهمه ابن القيم . فقد يكون الحديث غير صحيح ، وهو صالح للاحتجاج به بأن يكون حسناً . والله تعاليٰ أعلم .“[2]

ترجمہ: اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول: ” لايصح “ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باطل ہو جیسا کہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھ رکھا ہے، اس لئے کہ کبھی ایک حدیث ”صحیح“ نہیں ہوتی، لیکن ”حسن“ ہونے کی

[1] (ألرفع والتكميل في الجرح والتعديل : ١/ ١٩٤ ، ألناشر : مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب)

[2] (تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة للكناني : ٢/ ١٥٨، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت) و (ألأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة

لملا علي ألقاري : ١/ ٤٧٤ ألناشر : دار الأمانة / مؤسسة الرسالة ، بيروت)
وجہ سے وہ حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔(ترجمہ ختم)

٣ – وقال نور الدين السمهودي في جواهر العقدين في فضل الشرفين ، قلت : لايلزم من قول أحمد في حديث التوسعة عليٰ العيال يوم عاشورآء لايصح أن يكون باطلاًفقديكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به اذا الحسن رتبته بين الصحيح والضعيف . انتهيٰ .'' [۱]

ترجمہ: علامہ نورالدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے'' **جواهر العقدين في فضل الشرفين**''میں لکھا ہے کہ:''میں کہتا ہوں کہ عاشورہ کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنے کی حدیث کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کہ:''یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث باطل ہے،اس لئے کہ بعض دفعہ ایک حدیث صحیح نہیں ہوتی ، حالاں کہ وہ حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے(بایں طور کہ وہ حسن ہو) کیوں کہ''حدیث حسن'' کا مرتبہ صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان ہوتا ہے۔انتھیٰ.''(ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ ''**لايصح**''کے مفہوم کو کبار علمائے حدیث حافظ ابن حجرؒ،ابن عراقؒ، علامہ نورالدین ہیثمیؒ مولانا عبدالحی لکھنویؒ وغیرہم نے واضح کردیا ہے،جس میں اشتباہ باقی نہیں رہا۔یعنی اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی روایت کے متعلق''عدم صحت'' کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں،اس سے واقع میں کوئی مقبول روایت کی نفی نہیں ہوسکتی۔یعنی عدم صحت کا قول عدم کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اثبات فضیلت ہذا میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں اور قابل احتجاج ہیں۔ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرف اور فضیلت بہتر طریق سے ثابت ہے اور
جمہور علمائے امت اس کو صحیح قرار دیتے ہیں اور درست تسلیم کرتے ہیں۔'' [۲]

خلاصۂ کلام:

الغرض شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ

فرمانا کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں اس سے وہ صحیح مراد نہیں کہ جس سے اس کا مفہوم مخالف لازم آتا ہے یعنی اگر کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تو پھر موضوع اور من گھڑت احادیث موجود ہوں گی یہ مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محدثین عظام کی اصطلاح کے مطابق اس سے وہ ''حسن احادیث'' مراد ہیں جو ضعیف سے اوپر کی درجہ کی ہوتی اور صحیح سے نیچے

۱؎ (ألرفع والتكميل في الجرح والتعديل للكنوي : ١/١٩٥ ، ألناشر : مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب)

۲؎ (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۲/ ۶۶۷......۶۶۹، ناشر: دارالکتاب، اردو بازار، لاہور)

درجہ کی ہوتی ہیں۔ لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے
فضائل میں کوئی صحیح درجہ کی حدیث موجود نہیں ہے، البتہ حسن درجہ کی احادیث ضرور موجود ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن صحابہ رضی اللہ عنہم کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے ایک مضمون زیرِعنوان ''فضائل مدينةالنبيّ''
میں فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبلؒ صحیح حدیث میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''فتنہ پرداز سرداروں میں سے ایک سردار مدینہ میں آیا۔ جابر رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں تھے اور آپؓ کی بینائی کبرسنی کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ ان سے کہا کہ: '' مصلحت وقت اسی میں ہے کہ اس ظالم کے مقابلے سے تھوڑے دنوں کے لئے کنارہ کشی اختیار کی جائے، تاکہ اس فتنہ کی آفت اور اس میں ابتلاء کے خوف سے محفوظ رہیں۔'' چنانچہ آپؓ اپنے دونوں صاحب زادوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدینہ منورہ سے باہر جارہے تھے۔ ضعف پیری اور بینائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یکا یک زمین پر گر پڑے۔ اس وقت آپؓ نے کہا: ''ہلاکت ہو اس شخص کی جس نے رسولِ خدا ﷺ کو ڈرایا۔'' آپؓ کے ایک لڑکے نے دریافت کیا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کا ڈرانا کس طرح ہے؟ حالاں کہ حضور ﷺ اس دارِفانی سے دارِبقاء کو تشریف لے جاچکے ہیں۔'' اس پر جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: ''پیغمبر خدا ﷺ سے میں نے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: ''جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا، بے شک گویا اس نے مجھ کو ڈرایا۔'' نسائی کی روایتوں میں آیا ہے: ''جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے اس کو اللہ ظلماً ڈراتا ہے اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: ''اس کا کوئی عمل فرض یا نفل قبول نہیں ہے۔'' نیز اس باب میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ سیدؒ فرماتے ہیں کہ: ''بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر مشارٌ الیہ جس سے جابر بھاگے تھے بُسر بن ارطاۃ تھا۔ اس لئے کہ قرطبیؒ ابن عبد البرؒ سے

روایت لاتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو حکموں کے فیصلہ کرنے کے بعد بُسر بن ارطاۃ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا، تا کہ اس شہر کے باشندوں سے ان کی خلافت پر عہد بیعت لیں۔ حضرت ابوایوب انصاری اس وقت امیر المؤمنین حضرت علی کی جانب سے مدینہ میں عامل تھے۔ خوف فرار کی وجہ سے جناب ولایت مآب مرتضوی سے جا ملے۔ بسر مدینہ میں آیا اور کہا کہ اگر امیر المؤمنین کا عہد اور ان کا حکم نہ مانو گے تو اس شہر میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا اور سب کو تیغ سیاست سے ہلاک کر دوں گا۔ اس کے بعد تمام اہل مدینہ کو معاویہ کی بیعت کے لئے طلب کیا اور ایک قاصد بنی سلمہ میں بھیجا کہ اگر تم جابر بن عبداللہ کو حاضر نہ کرو گے تو میرے ذمہ اور امان میں نہیں ہو۔ جابر نے جب یہ خبر سنی تو ام سلمہ کی خدمت میں آئے اور ان سے صورت حال بیان کی اور بسر کی مجلس میں حاضر ہونے کی بابت مشورہ کیا اور کہا کہ یہ بیعت ضلالت ہے اس میں فلاح کی امید نہیں ہے، لیکن ترک بیعت میں امان بھی نہیں ہے۔ ام سلمہ نے حضرت جابر کو چار و ناچار بیعت کی اجازت دے دی۔ اکثر اہل مدینہ بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں جا چھپے۔ علماء نے فرمایا ہے یہ لعنت جو اہل مدینہ پر ظلم و فساد کا ارادہ کرنے والوں پر وارد ہوئی ہے، لعنت کفار اور اہل شرک کے مثل نہیں ہے، جس میں رحمتِ الٰہی اور نعمت غیر متناہی سے مطلقاً نا اُمیدی پائی جاتی ہے، یا جنت میں داخلہ سے محرومی کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لعنت کا مآل کار دربارِ جل جلالہ میں رحمتِ خاص حاصل کرنے سے دور رہنا ہے اور اوّل اوّل اہل قرب اور اصحاب پاکیزہ کے گروہ کے ساتھ بہشت میں داخل ہونے سے محروم رہنا ہے۔ جن کا دامنِ عصمت ظلم و فساد کی نجاست سے پاک رہا ہے۔ اس لعنت کا مقصد حقیقت میں لوگوں کو بے ادبی پر ڈرانا دھمکانا ہے کہ اس مقام پاک کا احترام کیوں نہیں کیا۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس شہر میں گناہِ صغیرہ، کبیرہ کا حکم رکھتا ہے۔ جس طرح بعض علماء حرم مکہ میں گناہ کے دوگنا ہو جانے کے قائل ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔'' [1]

[1] (ماہنامہ لولاک صفر ۱۴۳۷ھ، مطابق دسمبر ۲۰۱۵ء، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص

۱۳۴......۱۳۶)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر سے طعن صحابہ رضی اللہ عنہ کی تردید:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء ان واقعات کے ذکر کرنے سے حضرات صحابہ کرام کی ذات کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانا ہرگز مقصود نہیں، بلکہ ان واقعات کے ذکر کرنے سے محض آپ کا مقصد مدینہ منورہ کے فضائل ومناقب بیان کرنا ہے، اور چوں کہ مدینہ منورہ کے فضائل کے ساتھ ساتھ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی بعض واقعات تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں اس لئے تبعاً وہ بھی ان کے زمرے میں آ گئے، اگرچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر موضوع سے وہ متعلق نہیں ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مضمون پر:

"فضائل مدينة النبي"

کا عنوان قائم کرنا ہمارے اس دعوے پر رُوزِ رُوشن کی طرح شاہد عدل ہے۔

ہاشمی صاحب کا مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناقابل اعتماد واقعات سے غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

”پھر تصویر کا دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ حضرت بسر کے مقابلے کے لئے
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے بقول انہی
مؤرخین کے پوری بستی کو جلا ڈالا اور حامیانِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پکڑ پکڑ کر ان کی گردنیں
اڑادیں۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے تو حضرت علی
رضی اللہ عنہ کے سپہ سالار جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کی آہٹ سن کر حالت نماز میں ہی وہاں سے
بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ:

” واللہ لو أخذت أبا سنور (أباهريرة) لضربت عنقه “

ترجمہ: اللہ کی قسم! بلی والا (ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ) اگر میرے قابو میں آجاتا تو میں

اس کی

گردن ماردیتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرستادہ حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کے مظالم، قتل وغارت آگ

میں

جلانے کی سزادینا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنا، نیز پہلے اہل مدینہ کو خوف زدہ
کرنا کیا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ احایث کی وعید میں
شامل نہیں ہیں؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کو ان مظالم کے بپا کرنے پر
کوئی سزادی؟۔“ [1]

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تاریخی روایات کا مسئلہ:

یہ اور اس جیسے دوسرے مذکورہ بالا مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق واقعات چوں کہ
ناقابل اعتماد اور غیر ثابت شدہ تاریخی روایات پر مبنی ہیں، اس لئے ہم بسر بن ارطاۃ کے مظالم
سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صرف نظر کرنے اور حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کے مظالم سے
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صرف نظر کرنے سے ان دونوں حضرات کو معذور اور بری سمجھتے ہیں، کیوں کہ
یہ ایک ایسے ابتلائی دور کے ناقابل اعتماد اور غیر ثابت شدہ واقعات ہیں کہ جن کے بارے کوئی
بھی حتمی رائے قائم کرنا ازبس دشوار ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

''ہم ان زیادتیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو بری سمجھتے ہیں اور نا قابل اعتماد تاریخی روایات کی بناء پر ان حضرات میں سے کسی کو موردِ الزام قرار دینا جائز نہیں سمجھتے، کیوں کہ ان روایات کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔'' [۱]

پس ثابت ہوا کہ ان مشکوک اور نا قابل اعتماد تاریخی روایات و واقعات کی بناء پر کوئی بھی صحابی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں ہرگز شامل نہیں ہے۔

''بسر بن ارطاۃ'' کی ''صحابیت'' اور ''عدم صحابیت'' کے متعلق بحث:

حضرت بسر بن ارطاۃ صحابی تھے یا تابعی؟ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ صحابی تھے۔ چنانچہ

وہ لکھتے ہیں:

''یہ ملحوظ رہے کہ حافظ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے حضرت بُسر بن ارطاۃ کو

صحابہ

کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

[۱] (تاریخ طبریؒ: ۲/۸۱ تحت ۴۰ھ، البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۷/۳۲۲ تحت ۴۰ھ بحوالہ: (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۳۶)

[۱] (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ص ۶۷، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) نے بھی حضرت بُسر بن ارطات کا
ذکر" **ألقسم الأوّل** " کے تحت کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

" وقال الدار قطني : له صحبة . وقال ابن يونس: كان من أصحاب رسول الله......وقال ابن حبان......:وله أخبار شهيرة في الفتن لاينبغي التشاغل بها ." ؎۱

ترجمہ: امام دار قطنیؒ نے کہا کہ: ''بسر بن ارطاۃ کو نبی کریم ﷺ کی صحبت حاصل ہے۔'' اور ابن یونسؒ نے کہا کہ: ''وہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہ میں شامل ہیں۔'' اور ابن حبانؒ نے کہا کہ: ''ان دورِ فتن کے کچھ واقعات مشہور ہیں ان میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔'' ؎۲

بسر بن ارطاۃ کی صحابیت وعدم صحابیت کے متعلق علماء کا مسلک:

جہاں تک بسر بن ارطاۃ کے صحابی اور عدم صحابی ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں شامل کیا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے ان سے صحابیت کی نفی کی ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی طوطا چشمی:

لیکن اس موقع پر آپ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی طوطا چشمی اوران کی علمی خیانت تو ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں جہاں اُنہیں بسر بن ارطاۃ کے صحابی ہونے کا قول نظر آیا وہ تو اُنہوں نے قطعی اور یقینی سمجھ کر نقل کر ڈالا اور جہاں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی عبارت میں ان کے صحابی نہ ہونے کا قول نظر آیا تو وہاں پر اُنہوں نے طوطا چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف نظر سے کام لیا اور حافظ ابن حجر

عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول نقل نہیں کیا۔

چنانچہ ذیل میں پہلے ہم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع سیاق وسباق کے ذکر

۱؎ (ألاصابة في تمييز الصحابة مع الاستيعاب : ص ١٤٨ ...... ١٥٤ (تحت حرف الباء ـ ألقسم الأوّل) طبع بيروت لبنان ١٣٢٨ هجرية ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۳۶، ۱۳۷)

۲؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۳۷)

کرتے ہیں کہ جس سے ہاشمی صاحب نے صرف نظر سے کام لیا اور پھر بسر بن ارطاۃ کی صحابیت و عدم صحابیت کے متعلق کبار علمائے فن اسماء الرجال کی مختلف عبارات پیش کرتے ہیں جنہیں ملاحظہ فرما کر آپ خود ہی بسر بن ارطاۃ کے

کے متعلق اُن کے صحابی یا غیر صحابی ہونے کے متعلق فیصلہ فرما سکتے ہیں:

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" بسر بن أرطاة ويقال : بن أبي أرطاة واسمه عمير بن عويمر بن عمران بن الحليس بن سيار بن نزار بن معيص بن عامر بن لؤي القرشي العامري الشامي أبو عبد الرحمان مختلف في صحبته رويٰ عن النبيّ صلي الله عليه وسلم حديثين أحدهما : " لاتقطع الأيدي في السفر." والآخر : " أللهم أحسن عاقبتنا في الأمور كلها ." الحديث . وعنه جنادة بن أبي أمية وأيوب بن ميسرة بن حلبس وغيرهما ...... وقال بن سعد عن الواقدي : قبض النبي و بسر صغير ولم يسمع من النبي شيئاً . وقال بن يونس : بسر من أصحاب رسول الله ...... وقال بن عدي مشكوك في صحبته ...... وقال الدارقطني له صحبة ...... وقال الدوري عن بن معين أهل المدينة ينكرون أن يكون بسر سمع من النبي وأهل الشام يروون عنه عن النبي ...... وقال ابن حبان في الصحابة من قال بن أرطأة فقد وهم ."[1]

ترجمہ: بسر بن ارطاۃ۔ ان کو "بن ابی ارطاۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نام عمیر بن عویمر بن عمران بن الحلیس بن سیار بن نزار بن معیص بن عامر بن لؤی قرشی عامری شامی ابوعبدالرحمٰن ہے۔ ان کی صحابیت مختلف فیہ ہے، نبی کریم ﷺ سے انہوں نے دو حدیثیں روایتیں کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے: "سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔" اور دوسری: "اے اللہ تمام اُمور میں ہماری عاقبت اچھی کردے۔" الحدیث۔ ان سے جنادہ بن ابی امیہ اور ایوب بن میسرہ بن حلبس وغیرہما نے روایت لی ہے......ابن سعد واقدی سے نقل کرتے ہیں کہ:

[1] (تهذيب التهذيب لابن حجر (بحذف) : ١/٤٣٥ ، ٤٣٦ ، ألناشر : مكتبة دائرة المعارف النظامية ، ألهند)

''نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت بسر چھوٹے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔'' ابن یونس کہتے ہیں: ''بسر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں......'' ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ: ''ان کی صحابیت مشکوک ہے۔'' ......دار قطنیؒ کہتے ہیں: ''ان کی صحابیت ثابت ہے۔'' دوریؒ ابن معینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''اہل مدینہ بسر کے سماع کی نبی اکرم ﷺ سے نفی کرتے ہیں۔ اور اہل شام نبی اکرم ﷺ سے ان کا سماع نقل کرتے ہیں۔'' ابن حبان
ؒ کہتے ہیں کہ: ''جو شخص بسر بن ارطاۃ کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کرے تو یہ اُس کا وہم ہے۔
(ترجمہ
ختم)

موصوف ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" قيل له صحبة قال ابن معين رجل سوء أهل المدينة ينكرون صحبته ." [۱]

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ یہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔
اہل مدینہ ان کے صحابی
ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

" مختلف في صحبته ." [۲]

ترجمہ: بسر کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔

علامہ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

" وقال أحمد و ابن معين : لا صحبة له ." [۳]

ترجمہ: امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ ان کی صحابیت ثابت نہیں ہے۔

علمائے فن اسماء الرجال کی محولہ بالا مختلف عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت بسر بن ارطاۃ کا صحابی ہونا یا صحابی نہ ہونا علمائے فن کے نزدیک مختلف فیہ ہے، اس لئے کوئی شخص اُنہیں قطعی اور یقینی طور پر صحابی کہنے کا دعویٰ نہیں

کرسکتا۔

۱؎ (لسان الميزان لابن حجر ألعسقلاني : ١٨٣/٧، ألناشر : مؤسسة الأعلمي للمطبوعات ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (تهذيب الكمال في أسماءِ الرجال للمزي : ٤/ ٦٠ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت)

۳؎ (خلاصة تهذيب تهذيب الكمال : ٤٧/١ ، ألناشر : مكتب المطبوعات الاسلامية / دار البشار ، حلب / بيروت)

''استلحاقِ زیاد'' کے متعلق شیخ دہلویؒ پر ہاشمی صاحب کا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

اس کے علاوہ حضرت شاہ عبدالحق دہلویؒ کی دوسری کتاب " **ماثبت بالسنة في**
أيام السنة"، مع ترجمہ "مؤمن کے ماہ وسال" مطبوعہ دارالاشاعت کراچی راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس میں سے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں: "حضرت شیخ
زیرعنوان:

" **استطراد بذكر مصالحة امام المسلمين حسن بن علي ومعاوية بن أبي سفيان**". (یعنی امام المسلمین حضرت حسنؓ بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی
سفیان رضی اللہ عنہ کی مکروفریب سے بالکل علیحدگی اور باہمی میل ملاپ) لکھتے ہیں کہ:

"اسی سال ۴۳ھ میں امیر معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو اپنا نائب بنایا اور (اسلام) میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی (تبدیلی) کی گئی
(ثعالبی وغیرہ)

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کاتب اور مترجم مولانا محمد الدین احمد دونوں سے "سہو" ہوا ہے کہ انہوں نے " **استلحق** "کی بجائے " **استخلف** "، لکھ دیا۔ اصل میں یہ عبارت اس
طرح ہے:

"**استلحق معاوية زياد بن سميه وهو اوّل قضية غير فيها حكم النبي**
في الاسلام ذكر الثعلبي وغيره ." (ازمؤلف کتاب ہذا) [1]

"استلحاقِ زیاد" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی!:

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۳۸)

اِس مسئلے کا پس منظر یہ ہے کہ ۴۴ھ میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کا استلحاق کرلیا تو اُس وقت بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپؓ کا یہ استلحاق دُرست معلوم نہیں ہوا، اِس لئے اُنہوں نے یہ اعتراض کر دیا کہ زیاد کا استلحاق مشہور شرعی قاعدے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''**ألولد للفراش وللعاهر الحجر .**''[۱] (یعنی بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور بغیر نکاح والے کے لئے پتھر ہیں) کے خلاف ہے۔ اور زیاد چوں کہ عبید مولیٰ ثقیف کے بستر پر پیدا ہوا ہے لہٰذا اُس کا نسب عبید ہی سے ثابت ہوتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اُس کا استلحاق کرنا اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے اس کا نسب ثابت کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

اُدھر دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہادی مؤقف اس مسئلہ میں یہ تھا کہ مذکورہ بالا شرعی قاعدہ کا محمل اُس وقت دُرست ہے جب کہ صاحب فراش کی طرف سے دعویٰ نہ پایا گیا ہو، اور اُس کے مقابلہ میں دوسرے شخص نے اولاد کا اقرار کر رکھا ہو تو اُس صورت میں یہ استلحاق جائز ہے، خصوصاً اُس وقت جب کہ یہ اقرار زمانۂ جاہلیت میں کیا گیا ہو۔

چنانچہ ایک مرتبہ اسی نوعیت کا ایک جھگڑا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا، جس میں ایک شخص نصر بن حجاج بن علاط سلمی نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق دعویٰ دائر کیا کہ: ''یہ میرا بھائی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اِس کے متعلق وصیت کی تھی۔'' اس مسئلہ میں دوسرا فریق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھے، اُنہوں نے بیان کیا کہ: ''یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔'' جب فریقین کے اس تنازع نے طول پکڑا تو حضر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''**ألولد للفراش وللعاهر الحجر .**''[۲]

ترجمہ: بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر نصر بن حجاج نے اعتراض کیا کہ: ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! زیاد کے حق میں آپ رضی اللہ عنہ نے کیسے فیصلہ کیا تھا؟ وہ فیصلہ تو اس کے برخلاف تھا۔'' تو حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کا

۱ (صحيح البخاري : ۱۵۳/۸ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

۲ (صحيح البخاري : ۱۵۳/۸ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بہتر اور برحق ہے۔ ۱

۱ ففي مسند أبي يعلي : فطالت خصومتهم فدخلوا معه علي معاوية وفهو تحت رأسه فادعيا فقال : معاوية سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : ألولد للفراش وللعاهر الحجر قال نصر : فأين قضائک هذا ؟ يا معاوية في زياد ؟ فقال معاوية : قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية .'' مسند أبي يعلي الموصلي : ۴۴۷/۶)

قال ابن حجر وفي حديث معاوية قصة أخري له مع نصر بن حجاج و عبد الرحمان بن خالد بن وليد فقال له نصر : فأين قضائک في زياد ؟ فقال : قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية .'' (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر : ۳۲/۱۲)

اس طرح جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اجتہادی رائے کے خطاء ہونے پر نادم ہوئے تو بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے سابقہ اجتہادی مؤقف کو ترک کر کے اُس سے رجوع فرلیا تھا۔

چنانچہ محدث ناقد شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" و عن محمد بن اسحاق قال : ادعيٰ نصر بن الحجاج بن علاط السهمي عبد الله بن رباح موليٰ خالد بن الوليد : مولاي ولد عليٰ فراش مولاي . وقال نصر : أخي أوصاني (أني) بمنزله . قال : فطالت خصومتهم فدخلوا معه علي معاوية وفهر تحت رأسه فدعيا فقال معاوية : سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : ألولد للفراش وللعاهر الحجر " قال نصر : فأين قضائك هذا يا معاوية في زياد ؟ فقال معاوية : قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية . ألحديث . رواه أبو يعليٰ واسناده منقطع ورجاله ثقات (مجمع الزوائد : ١٤/٥) قوله عن محمد بن اسحاق الخ . قلت : انما ذكرته كيلا يحتج أحد ممن لا خبرة له بالحديث والفقه ولا المام له بالعلم بقصة استلحاق معاوية زيادا بأبي سفيان عليٰ جواز استلحاق الأخ . فان الأمة أنكرت ذلک من معاوية ولم يرض به أحد من أئمة الفقه والحديث . قال السيوطي في تاريخ الخلفاء : وفيها أي في عام الجماعة استلحق معاوية زياد بن أبيه . وهي أوّل قضية غير فيها حكم النبي صلي اله عليه وسلم . الخ ص ٧٥)قلت : ولكن أثر بن عباس هذا يدل عليٰ رجوع معاوية من قضائه اليٰ قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم صريحا وهو وان كان منقطعا فاحسان الظن بالصحابي وجب عليٰ كل حال لا سيما اذا كان له وجه منقول ولو مرسلا أو منقطعا ، فافهم .فان قيل : هذا الأثر لايفيد حسن الظن به فانه لولاه لحملنا فعله عليٰ أنه فعل ذلک لعدم علمه

يدل عليٰ أن معاوية تعمد تغيير حكم النبي صلي الله عليه وسلم بعد ما علمه وسمعه . قلت : لا يصح القول بأن معاوية لم يكن يعلم قضاء النبي صلي الله عليه وسلم في مثل ذلک لكون هذا الحكم متواترا قد جاء عن بضعة وعشرين من الصحابة . قاله المناوي كما في العزيزي (٣/٩١٤) وثبت انكار الصحابة عليٰ معاوية استلحاقه زيادا كما ذكره أصحاب السير قاطبة وأما أنه تعمد تغيير حكم النبي صلي اله عليه وسلم بعد ما علمه فحاشاه من ذلک بل الظاهر أنه حمل قول النبي صلي الله عليه وسلم ﴿ ألولد للفراش وللعاهر الحجر ﴾ علي ما اذا ادعاه صاحب الفراش كما اذا ادعا عبد بن زمعة ابن وليدة أبيه في مورد الحديث وأما اذا لم يدعه وأقر آخر بأنه ابنه فكان عند معاوية الحاقه بالمقر لاسيما اذا ثبت أنه أقر به في الجاهلية قبل الاسلام وزياد بن أبيه كانت أمه مولاة صفية بنت عبيد بن أسد الثقفي وكانت من البغايا بالطائف ولد زياد علي فراش عبيد مولي ثقيف وكان عبدا فاشتراه زياد بألف درهم وأعتقه واكن يقال له قبل استلحاق معاوية اياه زياد بن أبيه كما رواه محمد بن عثمان بن أبي شيبة في تاريخه باسناد صحيح عن بن سيرين وفيه دلالة علي أن صاحب الفراش لم يكن ادعاه ولا أقر به وقد تقدم عمل أهل الجاهلية في أولاد البغايا والحاقهم بمن ادعاهم بقول القافة مرة وبقول البغايا الأخري ويقول المستلحق تارة وقد أقرهم الاسلام علي ذلک ولم ينف أحدا عمن ألحقه أهل الجاهلية به قبل الاسلام وأبطل ذلک فيما يستقل به من الأمور وشهد عند معاوية زياد بن أسماء الحرمازي ومالک بن ربيعة السلولي والمنذر بن الزبير فيما ذكر المدائني بأسانيده وزادفي الشهود جويرية بن أبي سفيان والمستورد بن قدامة الباهلي

وابن أبي نصر الثقفي وزيدبن نفيل الأزدي وشعبة بن العلقلم المازني ورجل من حي عمربن شيبان ورجل من بني المصطلق شهدوا كلهم علىٰ أبي سفيان أن زيادا ابنه الا ابن المنذر فشهد أنه سمع عليا يقول : أشهد أن أبا سفيان قال ذلک (أي في الجاهلية قبل اسلامه)فخطب معاوية فاستلحقه (ألاصابة: ٣/٤٣) فتكلم زياد فقال : ان كان ماشهد الشهود به حقا فالحمد لله وان يكن باطلا جعلتهم بيني وبين الله الخ فكان استلحاق معاوية اياه بناء علىٰ ما ثبت عنده عن أبيه أنه ألحقه به في الجاهلية وأن الاسلام أقرهم علىٰ ماسلف منهم ثم رجع عن ذلک الىٰ الحق ، وتبين له خطأ اجتهاده في ذلک وعلم أنه لم يكن له الحاق من لم يشتهر نسبته الىٰ أبي سفيان ، ولا اقراره به في الجاهلية بشاهدة قامت عنده بذلک في الاسلام وعرف أن الولد للفراش ولو لم يدعه صاحب الفراش بشرط أن لا ينفيه ولا يجوز الحاقه بعاهر أبداً فقال : قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية فافهم والله تعالي أعلم .'' ؎

ترجمہ: محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نصر بن حجاج بن علاط سہمی رحمہ اللہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق یہ دعویٰ دائر کردیا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور نصر بن حجاج نے کہا کہ میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کا جھگڑا طول پکڑ گیا اور یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے...... تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''بچہ اُسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔'' پس نصر نے کہا کہ: ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! زیاد کے حق میں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کہاں گیا؟۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بہتر ہے۔''

لے (اعلاء السنن لظفر أحمد العثماني : ١٥/ ٤٩٩ ......٥٠١ ، ألناشر : ادارة القرآن والعلوم الاسلامية ، كراتشي ، ألباكستان)

اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند منقطع ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔
(مجمع الزوائد: ۱۴/۵) قولہ عن محمد بن اسحاق ......الخ میں کہتا ہوں کہ میں محمد بن اسحاقؒ کا
اثر اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ جس شخص کو حدیث اور فقہ سے واقفیت نہ ہو اور حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیاد کے استلحاق اور اُس کا حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے نسب ثابت
کرنے کے واقعہ کا علم نہ ہو، کہیں وہ اس واقعہ سے بھائی کے استلحاق کے جواز پر حجت
نہ قائم کرلے، اس لئے کہ اُمت نے استلحاقِ زیاد کے واقعہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے
انکار کیا ہے، اور ائمۂ فقہ وحدیث کے علماء اس واقعہ کو ماننے کے لئے کسی بھی طرح تیار
نہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھا ہے کہ: ''اسی سال (عام الجماعۃ
میں) زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور یہ پہلا معاملہ ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بدلا
گیا ہے۔'' (ص ۷) میں کہتا ہوں: ''لیکن محمد بن اسحاقؒ کا یہ اثر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا
اپنے فیصلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی طرف رجوع کرنے پر صراحت کے ساتھ
دلالت کر رہا ہے، اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا یہ اثر اگرچہ منقطع ہے، لیکن صحابیٔ رسول
کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر بہرحال اس کو ماننا واجب ہے، بالخصوص جب کہ وہ ایک
طرح سے منقول بھی ہے اگرچہ مرسل یا منقطع ہے، سمجھا کریں نا! تاہم اگر کوئی یہ
اعتراض کر بیٹھے کہ یہ اثر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن ظن رکھنے میں مفید نہیں، کیوں
کہ اگر ہم اس اثر کو موجود نہ مانیں تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فعل (استلحاقِ زیاد) اس وجہ سے کیا کہ اُنہیں ان جیسے معاملات میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بارے میں علم نہیں تھا، اور اگر ہم اس اثر کو موجود مانیں تو
اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سننے اور جاننے کا باوجود
رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بدلنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے
کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان جیسے معاملات میں رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کا علم نہیں تھا، اس
لئے کہ یہ حکم تواتر کے ساتھ بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ یہ قول مناوی کا ہے اور
عزیزی میں ایسا ہی ہے۔ (۴۱۹/۳)

پر انکار ثابت ہے، جیسا کہ تمام اصحاب سیر نے ذکر کیا ہے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو بدلنے کا ارادہ کیا ہے تو یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان سے بہت بعید ہے، بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ: ''بچہ اُسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا ہو اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔'' اس معنی پر محمول کیا ہے کہ جب صاحب فراش بچے کا دعویٰ کر دے (تو اُس صورت میں بچہ صاحب فراش کے لئے ہوتا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہوتے ہیں) جیسا کہ عبد بن زمعہ الولیدۃ ابیہ نے مورد حدیث میں دعویٰ کیا ہے۔ اور جب صاحب فراش بچے کا دعویٰ نہ کرے اور دوسرا اس بات کا اقرار کرے کہ بچہ میرا ہے تو اُس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اقرار کرنے والے کے ساتھ بچہ کا استلحاق کر دیا جائے گا، خصوصاً اُس وقت جب کہ اُس نے اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں بچہ کے نسب کا اقرار کیا ہو۔ زیاد بن ابیہ کی والدہ صفیہ بنت عبید بن اسد ثقفی کی لونڈی تھی اور طائف کی طوائف میں سے تھی، زیاد کا تولد عبید مولیٰ ثقیف کے بستر پر ہوا تھا، عبید غلام تھا جسے زیاد نے ہزار درہم کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس استلحاق سے پہلے اِس کو زیاد بن ابیہ کہا جاتا تھا، جیسا کہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں صحیح سند سے ابن سیرین سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فراش (عبید مولیٰ ثقیف) نے نہ زیاد کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنے سے اُس کے نسب کے ثابت ہونے کا اقرار کیا۔ اور پیچھے طوائف کی اولاد اور اُن کے الحاق کے بارے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا یہ عمل گزر چکا ہے کہ وہ کبھی قیافہ شناش لوگوں کی باتوں سے، کبھی طوائف کی باتوں سے اور کبھی اُس شخص کی باتوں سے کہ جس کا استلحاق کیا ہے ثبوت نسب کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود اسلام نے اُن کو اس دعوے پر ثابت رکھا اور جن لوگوں نے اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں اپنے ساتھ کسی کا استلحاق کیا تھا اُن میں سے کسی کے دعوے کی نفی نہیں کی، لیکن آئندہ پیش آنے والے معاملات میں اِس طرح کے

بن ربیعہ سلولی، منذر بن زبیر، (یہ نام مدائنی نے اپنی اسانید کے ساتھ ذکر کیے ہیں اور اِن کے ساتھ مزید یہ نام بھی بڑھائے ہیں) جویریہ بنت ابی سفیان، مستورد بن قدامہ الباہلی، ابن ابی نصر ثقفی، زید بن نفیل ازدی، شعبہ بن علقم مازنی، عمر بن شیبان کے قبیلے کے ایک آدمی، اور بنوالمصطلق میں سے ایک آدمی وغیرہ سوائے ابن منذر کے باقی تمام لوگوں نے اس بات کی گواہی دی کہ زیاد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے۔ ابن منذر نے یہ گواہی دی کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں زیاد کے نسب کا دعویٰ کا تھا۔'' اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور زیاد کا استلحاق کر لیا۔ (الاصابہ: ۳/۶۴۳) زیاد نے جب یہ سنا تو اُس نے کہا کہ: ''اگر تو جو کچھ گواہوں نے گواہی دی ہے حق (اور واقعہ کے مطابق) ہے پھر تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اور اگر باطل (اور خلاف واقعہ) ہے تو پھر میں ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس لئے زیاد کا استلحاق کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ ان کے والد نے زمانۂ جاہلیت میں زیاد کو اپنے ساتھ ملحق کر لیا تھا اور یہ کہ اسلام زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو جس پر وہ تھے اسلام لانے کے بعد بھی اُس پر ثابت رکھتا ہے، لیکن پھر آپ نے بعد میں اپنے اس غلط مؤقف سے حق بات کی طرف رجوع کر لی تھی، اور آپؓ کے سامنے آپؓ کی اجتہادی غلطی واضح ہوگئی تھی، اور آپؓ کو معلوم ہوگیا تھا کہ جس شخص کی نسبت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف مشہور نہیں ہے اُسے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لاحق کرنا اور زمانۂ جاہلیت میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اُس کے نسب کا اقرار کرنا جس کی گواہی زمانۂ اسلام میں لوگوں نے میرے سامنے پیش کی ہے میرے لئے جائز نہیں ہے۔ اور آپؓ نے جان لیا کہ بچہ صاحب فراش ہی کا ہوتا ہے اگرچہ صاحب فراش بچہ کا دعویٰ نہ کرے، بشرطے کہ اس کے نسب کی نفی بھی نہ کرے۔ اور جائز نہیں ہے اُس کو کبھی بھی زانی کے ساتھ ملحق کرنا، پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پکار اُٹھے کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بہتر ہے۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''استلحاقِ زیاد'' کا صدور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی کے نتیجے میں ہوا تھا، کسی ذاتی خواہش یا کسی سیاسی غرض کی وجہ سے نہیں ہوا تھا، نیز اس خطائے اجتہادی سے بعد میں آپ نے کھلے دل سے رجوع بھی فرمالیا تھا اور اس بات کا ببانگ دہل اعلان کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے فیصلہ سے بہتر ہے۔

اب اس تناظر میں اگر دیکھا جائے کہ تو معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اسی اجتہادی غلطی کا ذکر کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان: ﴿ ألولد للفراش وللعاهر الحجر ﴾ کے معارض ہے، لیکن اس کے باوجود شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ پر یہ اعتراض بہ دستور قائم رہتا ہے کہ پھر اُنہوں نے اس مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رجوع کیوں نقل نہیں کیا، تاکہ اُن کی ذات سے اس دھبہ کا نشان مٹ جاتا؟ تو اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی نظر سے محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا وہ اثر نہ گزرا ہو جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''استلحاقِ زیاد'' سے رجوع ثابت ہے۔

لوگوں میں فتنہ وفساد پھیلانے والے دو آدمی:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''موصوف (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) بحوالہ حسن بصریؒ لکھتے ہیں کہ:''
لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے صرف دو آدمی ہیں، جن میں سے ایک عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نیزوں پر قرآن کریم اُٹھانے کا مشورہ دیا......اور دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کوفہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر تھے جن کے نام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان پہنچا کہ اس حکم نامہ کی وصول یابی اور خواندگی کے بعد تم خود کو معزول سمجھو اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضری دو۔ لیکن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے تعمیل حکم میں تعویق کی اور بہ تعویق دربار میں پہنچنے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعویق کا سبب پوچھا، تو جواب دیا کہ: ''ایک معاملہ پیش تھا جسے سلجھانے اور مفید مطلب بنانے کی وجہ سے دیر ہوگئی۔'' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا معاملہ تھا بتاؤ!؟۔'' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''آپ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کی بیعت لینے کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔'' دریافت کیا: ''آیا تم نے یہ پورا کرلیا؟۔'' جواب دیا: ''جی ہاں۔'' یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ اور حسبِ سابق اپنے فرائض انجام دو!۔'' یہاں سے لوٹ کر مغیرہ رضی اللہ عنہ جب اپنے احباب کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا: ''بتاؤ کیسی رہی؟۔'' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں اس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیے ہیں، جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے۔ [1]

[1] (مؤمن کے ماہ وسال: ص۳۰،۳۲ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۳۷،۱۳۸)

[2] (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ۲۷۲/۵ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

بہر حال حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت صحیح ہے یا نہیں ؟ تو آیئے! ذیل کی سطور میں اِس حقیقت کا سراغ لگاتے ہیں اور اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کا علمی و تحقیقی جائزہ:

سب سے پہلے تو ہم اُن علمائے کرام کی کتابوں کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا قول ﴿أفسد الناس اثنان المغيرة وعمرو بن العاص﴾ کی نسبت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے اور پھر اُس کے بعد اس قول کا جائزہ لیتے ہیں:

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي أنا أحمد بن محمد بن النقور قالا: أنبأ عيسيٰ بن علي بن عيسي نا أبو عبيد علي بن الحسين بن حرب نا أبو السكين زكريا بن يحيي حدثني عم أبي زحر بن حصن عن جده حميد بن منهب قال : زرت الحسن بن أبي الحسن ، فخلوت به ، فقلت له : يا أبا سعيد ! أما تريٰ ما الناس فيه من الاختلاف ؟ فقال لي : يا أبا يحيي ! أصلح أمر الناس أربعة وأفسده اثنان فعمر بن الخطاب يوم سقيفة بنو ساعدة حيث قالت قريش : منا أمير . وقالت الأنصار : منا أمير . فقال لهم عمر : ألستم تعلمون أن رسول الله صلي الله عليه وسلم قال : ألأئمة من قريش ؟ قالوا : بليٰ ! قال : أو لستم تعلمون أنه أمر أبابكر يصلي بالناس ؟ قالوا بليٰ ، قال : فأيكم يتقدم أبا بكر ؟ قالوا لا أحد فسلمت لهم الأنصار ، ولولا ما احتج به عمر من ذلک لتنازع الناس هذه الخلافة اليٰ يوم القيامة . وأبوبكرالصديق حيث ارتدت العرب فشاور فيهم الناس فكلهم أشار عليه بأن يقبل منهم الصلاة ويدع لهم الزكاة ، فقال : والله لو منعوني عقالاً مما كانوا يعطونه رسول الله صلي الله عليه وسلم لجاهدتهم ، ولولا ما فعل أبوبكر من ذلک لألحد الناس في الزكاة اليٰ يوم القيامة . وعثمان بن عفان حيث جمع الناس عليٰ هذه القرائة ، وقد كانوا يقرئونه عليٰ سبعة أحرف ، فكان هؤلاء يلقون هؤلاء ، فيقولون قرائتنا أفضل من قرائتكم حتي كاد بعضهم أن يكفر بعضاً ، فجمعهم عثمان عليٰ هذا الحرف ، ولولا ما فعل عثمان من ذلک لألحد الناس في القرآن اليٰ يوم القيامة.وعلي بن أبي طالب حيث قاتل أهل البصرة

فلما فرغ منهم قسم بين أصحابه ما حوي عسكرهم فقالوا له : يا أمير المؤمنين ! ألا تقسم بيننا امائهم ونسائهم ؟ فقال : أيكم يأخذ عائشة في سهمه ؟ قالوا ومن يأخذ أم المؤمنين في سهمه ؟ قال : أفرئيتم هؤلاء اللواتي قتل عنهن أزواجهن يعتددن اربعة أشهر وعشرا ويورثن الربع والثمن قالوا : نعم ! قال : فما أراهن اماءً ، ولو كن اماءً لم يعتددن ولم يورثن ولولا ما فعل علي من ذلک لم يعلم الناس كيف يقاتل أهل القبلة. وأما اللذان أفسدا أمر الناس فعمرو بن العاص يوم أشار علي معاوية برفع المصاحف فحكمت الخوارج ، فلا يزال هذا التحكيم اليٰ يوم القيامة والمغيرة بن شعبة فانه كان عامل معاوية علي الكوفة ، فكتب اليه معاوية : اذا قرأت كتابي هذا ، فأقبل معزولا فأبطأ في مسيره فلما ورد عليه قال له يا مغيرة ! ما ألذي أبطأ بک ؟ قال:أمر والله كنت أوطئه وأهيئه قال:وما هو؟ قال:ألبيعة ليزيد من بعدک قال : أو فعلت ؟ قال : نعم ! قال ارجع الي عملک فأنت عليه فلما خرج من عند معاوية قال له أصحابه : ما ورائک يا مغيرة ؟ قال : ورائي والله أني قد وضعت رجل معاوية في غرز غيٍّ لايزال فيه الي يوم القيامة . قال الحسن : فمن أجل ذلک بايع هؤلاء لأبنائهم . ولولا ذلک لكانت شوريٰ الي يوم القيامة .''[1]

ترجمہ: زحر بن حصنؒ اپنے دادا حمید بن منہبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما کی زیارت کی اور اُن کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی، پس میں نے کہا اے ابوسعید! آپ کا کیا خیال ہے کہ لوگ کس اختلاف میں مبتلا ہیں؟ تو اُنہوں نے مجھ سے فرمایا اے ابویحییٰ! لوگوں میں صلح وصفائی کا دیا رُوشن کرنے والے چار شخص ہیں اور اُن میں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے دو شخص ہیں۔ (صلح وصفائی

[1] (تاریخ دمشق لابن عساکر : ۲۸۷/۳۰ ، ألناشر : دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع)

کرانے والے ایک شخص) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ سقیفہ بنو ساعدہ کے دن جس وقت قریش کہنے لگے کہ امیر ہم میں سے ہو گا اور انصار کہنے لگے کہ امیر ہم میں سے ہو گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام قریش میں سے ہوں گے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؟۔ لوگوں نے کہا کیوں نہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم میں سے کون حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا کوئی بھی نہیں!۔ پس انصار نے قریش کی امارت کو تسلیم کر لیا۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان چیزوں کو بطورِ حجت و دلیل کے پیش نہ فرماتے تو قیامت تک لوگ خلافت کے معاملہ میں لڑتے رہتے۔ (لوگوں میں صلح وصفائی کرانے والے دوسرے شخص) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جس وقت عرب مرتد ہو گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا، تو سب نے یہ رائے دی کہ اُن سے نماز قبول کر لی جائے اور زکوٰۃ کو چھوڑ دیا جائے۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے سالانہ زکوٰۃ لینے سے روکیں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ نہ کرتے تو لوگ قیامت کے دن تک زکوٰۃ کے معاملہ میں الحاد کا شکار ہو جاتے۔ (لوگوں میں صلح وصفائی کرانے والے تیسرے شخص) حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جس وقت کہ اُنہوں نے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کیا۔ حالاں کہ لوگ قرآنِ پاک کو سات قرأتوں میں پڑھتے تھے۔ پس ایک قرأت والے لوگ دوسری قرأت والے لوگوں سے ملتے تو ایک دوسرے سے کہتے کہ ہماری قرأت تمہاری قرأت سے افضل ہے! یہاں تک کہ قریب تھا کہ دونوں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگ جاتے۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُنہیں ایک قرأت پر جمع کیا۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ کام نہ کرتے تو لوگ قیامت کے دن تک قرآنِ مجید کے معاملہ میں الحاد کا شکار ہو جاتے۔ (لوگوں میں صلح وصفائی کرانے والے چوتھے شخص) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جس وقت اُنہوں نے اہل بصرہ کے ساتھ لڑائی کی۔ پس

جب وہ اُن سے لڑائی کر کے فارغ ہوئے تو اُنہوں نے اپنے ساتھیوں کے درمیان وہ مال تقسیم کرنا شروع کیا جو اُن کے لشکر نے جمع کیا تھا۔ تو لوگوں نے اُن سے عرض کیا کہ کیا آپ مخالفین کی بیویاں اور اُن کی باندیاں ہمارے درمیان تقسیم نہیں کریں گے؟۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حصے میں کون لے گا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حصے میں کون لے سکتا ہے؟۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ جن عورتوں کے شوہر قتل کئے گئے ہیں وہ چار مہینے اور دس دن اپنی عدت پوری کریں گی اور اپنے شوہر کے مال میں سے) چوتھے اور آٹھویں حصے کی وارث ٹھہریں گی؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو اُنہیں باندیاں نہیں سمجھتا ہوں، کیوں کہ اگر وہ باندیاں ہوتیں تو وہ نہ اپنے شوہروں کی عدت گزارتیں اور نہ ہی (اُن کے مال کی) وارث ہوتیں۔ اگر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ یہ کام نہ کرتے تو قیامت کے دن تک لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوسکتا کہ اہل قبلہ کے ساتھ قتال کس طرح کی جاتی ہے؟۔ بہرحال وہ دو شخص کہ جنہوں نے لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ سلگائی ہے: ایک حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں کہ جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نیزوں پر قرآنِ مجید اُٹھانے کا مشورہ دیا اور قرآنِ مجید نیزوں پر اُٹھائے گئے۔

اور خارجیوں کو ثالث بنایا گیا۔ پس یہ قیامت تک ثالث رہیں گے۔ اور (دوسرے) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کوفہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن کی طرف لکھا کہ جب تم میرا یہ خط پڑھ لو تو اپنا معزول ہونا قبول کر لینا (اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جانا!) لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے آنے میں تاخیر کر دی۔ پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آنے میں کس وجہ سے تاخیر ہوئی؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک معاملہ درپیش تھا اللہ کی قسم! اُسے سلجھا اور مفید مطلب بنا رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا معاملہ تھا؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کے بعد یزید کی بیعت کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم نے یہ پورا کر لیا؟ حضرت مغیرہ

رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں!۔(یہ سن کر) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا! اپنی گورنری پر واپس چلے جاؤ! اور حسبِ سابق اپنے فرائض سرانجام دیتے رہو!۔پس جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے پاس سے اُٹھے تو ساتھیوں نے پوچھا مغیرہ بتاؤ کیسا رہا؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیئے ہیں جس سے وہ قیامت نہیں نکل سکیں گے۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان خلفاء نے اپنے بیٹوں کی بیعت لی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو قیامت تک شورائی نظام چلتا۔(ترجمہ ختم)

علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا حوالہ:

چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"وروي زحر بن حصن ، عن جده حميد بن منهب ، قال : زرت الحسن بن أبي الحسن فخلوت به فقلت : يا أبا سعيد ! ما تري ماالناس فيه ؟ فقال لي : أفسد أمر الناس اثنان: عمرو بن العاص يوم أشار علي معاوية برفع المصاحف ، فحملت ، وقال ابن الفراء : فحكم الخوارج ، فلا يزال هذا التحكيم الي يوم القيامة ، والمغيرة بن شعبة فانه كان عامل معاوية علي الكوفة فكتب اليه معاوية اذا قرأت كتابي هذا فأقبل معزولا فأبطأ عنه فلما ورد عليه قال : أمر كنت أوطئه وأهيئه قال : وما هو؟ قال : البيعة ليزيد من بعدک ، قال: أو فعلت ؟ قال : نعم قال ارجع الي عملک ، فلما خرج قال له أصحابه : ما ورائک قال : وضعت رجل معاوية في غرز غيٍّ لايزال فيه الي يوم القيامة . قال الحسن: فمن أجل ذلک بايع هؤلاء لأبنائهم ولولا ذلک لكانت شوريٰ الي يوم القيامة ." [1]

[1] (تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ٢٧٢/٥ ، ألناشر : دار

الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

ترجمہ: زحر بن حصنؒ اپنے دادا حمید بن منہبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما کی زیارت کی اور اُن کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی، پس میں نے کہا اے ابوسعید! آپ کا کیا خیال ہے کہ لوگ کس اختلاف میں مبتلا ہیں؟ تو اُنہوں نے مجھ سے فرمایا کہ لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے دو شخص ہیں :ایک حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہ جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نیزوں پر قرآنِ مجید اُٹھانے کا مشورہ دیا اور قرآنِ مجید نیزوں پر اُٹھائے گئے۔ اور امام ابن فراء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خارجیوں کو اُنہوں نے ہی ثالث بنایا تھا۔ اور یہ وہ ثالث تھے جن کا چرچا قیامت تک رہے گا۔ اور (فسادیوں میں سے دوسرے شخص) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کوفہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن کی طرف لکھا کہ جب تم میرا یہ خط پڑھ لو تو اپنا معزول ہونا قبول کر لینا (اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جانا!) لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے آنے میں تاخیر کر دی۔ پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے (تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تاخیر سے آنے کا سبب پوچھا) تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک معاملہ درپیش تھا جسے سلجھانے اور مفید مطلب بنا رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا معاملہ تھا؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ کے بعد یزید کی بیعت کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم نے یہ پورا کر لیا؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جی ہاں!۔ یہ سن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا! اپنی گورنری پر واپس چلے جاؤ! (اور حسبِ سابق اپنے فرائض سرانجام دیتے رہو!) یہاں سے اُٹھ کر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ جب اپنے احباب کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے پوچھا بتاؤ کیسی رہی؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیئے ہیں جس سے وہ قیامت تک نہیں نکل سکیں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان خلفاء نے اپنے بیٹوں کی بیعت لی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو قیامت تک شورائی نظام چلتا۔ (ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا حوالہ:

اسی طرح علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب " **سير أعلام النبلاء** " میں بھی اختصار کے ساتھ تقریباً یہی عبارت نقل کی ہے لیکن اس میں ﴿**أفسد أمر الناس اثنان : عمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة ...... ألخ** ﴾ وغیرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے!:

" **وعن الحسن : أن المغيرة بن شعبة أشار علي معاوية ببيعة ابنه ففعل فقيل له:ما ورائک؟ قال وضعت رجل معاوية في غرز غيّ......ألخ.** "[1]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے کی بیعت لینے کا کہا تو اُنہوں نے بیعت لے لی۔ پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا بنا؟ تو اُنہوں نے کہا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیئے ہیں کہ......الخ۔ (ترجمہ ختم)

علامہ عبدالملک بن حسین عصامی مکی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ عبدالملک بن حسین عصامی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے بھی علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مذکورہ بالا عبارت اپنی کتاب " **سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي** " میں نقل کی ہے۔[2]

مؤرخ شہیر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" وقال الحسن بن أبي الحسن ما أفسد أمر الناس الا اثنان عمرو
بن العاص يوم أشار عليٰ معاوية ...... ألخ ." ٣

ترجمہ: لوگوں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے دو ہی آدمی ہیں: ایک حضرت عمرو

١ (سير أعلام النبلآء للذهبي : ٧/٥ ، ألناشر : دار الحديث ، ألقاهرة)

٢ ملاحظہ ہو:(سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي للعصامي : ٣/٢٠٦، ألناشر : دارالكتب العلمية ، بيروت)

٣ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ١١/٦٤٩ ، ألناشر : دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع والاعلام)

بن العاص رضی اللہ عنہ کہ جس دن اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا......الخ ۔(ترجمہ ختم)

حوالہ:

اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٩١١ھ) فرماتے ہیں:

" قال الحسن البصري: أفسد أمر الناس اثنان عمروبن العاص يوم
أشار علي معاوية برفع المصاحف ، فحملت ...... الخ ." ١

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے دو شخص ہیں: ایک حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہ جس دن اُنہوں نے حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآنِ مجید اُٹھانے کا اشارہ کیا اور قرآنِ مجید اُٹھائے گئے......الخ ۔
(ترجمہ ختم)

علامہ محمد رشید بن علی رضا قلمونی حسینی کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمد رشید بن علی رضا قلمونی حسینی (المتوفی ۱۳۵۴ھ) نے بھی امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے "**تاریخ الخلفاء**" کی مذکورہ بالا عبارت اختصار کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ [۲]

زحر بن حصن میزانِ جرح وتعدیل میں:

[۱] (تاریخ الخلفاء للسیوطي : ۱/۱۵٦ ، ألناشر : مكتبة نزار مصطفيٰ ألباز)

[۲] ملاحظہ ہو (كتاب الخلافة للقلموني : ۱/۵۳ ، ألناشر : ألزهراء للأعلام العربي ، مصر ، ألقاهرة)

یہ روایت نہایت مشکوک ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں یہ پہلی بار دو اسناد سے تاریخ دِمَشق میں ملتی ہے (اور اُصولی طور پر یہ روایت صرف امام ابن عساکر رحمہ اللہ ہی سے منقول ہے، باقی سب اس کے ناقل ہیں۔ رقیع) چنانچہ شروع کی پانچ صدیوں کے علمی ذخائر میں یہ کسی سے منقول نہیں پائی گئی۔

اِس کی پہلی سند میں ایک راوی احمد بن علی بن محمد ابو سعود (۴۵۳ھ تا ۵۲۵ھ) حدیث سے ناواقف شمار ہوتے ہیں۔

(لم يكن يعرف شيئاً من الحديث وكان يعظ ويذكر۔" تاریخ الاسلام للذهبي تدمري:۳٦/۱۲۸، بشار:۱۱/۴۲٦)

ایک راوی ابو علی محمد محمد بن وشاح الرسی (المتوفی ۴۶۳ھ) رافضی اور معتزلی تھا۔

"فیہ رفض میزان الاعتدال:۴/۵۸) (اسے "الرسي" لکھنا غالباً سہو کاتب ہے۔ صحیح لفظ "ألزينبي" ہے۔ اگر "ألرسي" کو صحیح مانا جائے تو اِس شخصیت کو مجہول ماننا پڑے گا۔ (حاشیہ تاریخ امت:ص ۹۳۸)

ایک راوی عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ (المتوفی ۳۰۲ھ تا ۳۹۱ھ) کو خطیب بغدادی نے "صحیح الکتاب" اور "ثبتہ السماع" کہا ہے۔ مگر دیگر حضرات نے فلسفیانہ علوم میں اِنہماک کے باعث

اِن پر جرح کی ہے۔(حافظ ذہبی رحمہ اللہ علیہ کے یہ قول:''لقد شانتہ ھذہ العلوم و مازانتہ''(سیر أعلام النبلآء للذھبي:۵۵۰/۱۶،ألناشر مؤسستہ الرسالتہ) یہ طائع للہ کے درباری تھے۔
(ألاعلام للزرکلي:۱۰۶/۵) جوخود اثناعشری شیعہ خاندانِ بنی بویہ کے ماتحت حکومت کرتا تھا۔
ایک راوی ابوالسکین زکریا بن یحییٰ (المتوفی ۲۵۱ھ) کوابن حبان اور خطیب بغدادی نے ثقہ قرار دیا ہے۔(میزان الاعتدال:۷۹/۲))مگر دارقطنی اسے متروک کہتے ہیں۔(لیس بالقوي متروک) اکمال تھذیب الکمال:۷۳/۵)

پھر جس سند کے ساتھ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے اُس کا بنیادی راوی زحر بن حصن ہے جس کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ غیر معروف یعنی مجہول راوی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" زحر بن حصن عن جده وعنه أبو السكين الطائي لايعرف ." [1]

ترجمہ: زحر بن حصن اپنے دادا سے روایت کرتا ہے اور اِس سے ابوالسیکین طائی روایت کرتا ہے۔ یہ مجہول الحال یعنی غیر معروف راوی ہے۔(حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:''لایعرف(میزان الاعتدال:۶۹/۲)

اورامام ابوعبداللہ محمد بن احمد **المصنعي العنسي** دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

" زحر بن حصن ويقال حصين لايعرف قاله الذهبي ." [2]

ترجمہ: زحر بن حصن کو زحر بن حصین بھی کہا جاتا ہے۔علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ غیر معروف راوی ہے۔

اسی طرح **" تهذيب الكمال في أسمآء الرجال"** کے محقق الدکتور بشار عواد معروف لکھتے ہیں:

" قلت : وزحر هذا مجهول ." [3]

ترجمہ:اور یہ زحر مجہول (راوی) ہے۔

دوسری سند میں ایک راوی ابوبکر المؤدب کے حالات نامعلوم ہیں۔ابن عساکر نے اپنی معجم میں صرف اِن کا نام دیا ہے اور چند اشعار نقل کیے ہیں جرح یا تعدیل نہیں کی۔(معجم ابن عساکر: ترجمہ نمبر:۱۳۸۲)

ایک راوی ابوعمرو بن یوہ بالکل مجہول ہیں۔ایک راوی سری بن اسماعیل (المتوفی ۱۹۶ھ) متروک ہیں(تقریب التھذیب: ترجمہ۲۲۲۱)

پھر یہ روایت آخر میں ایک مجہول راوی پر ختم ہوتی ہے جسے ''بعض من سمع المغیرۃ'' کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔

غرض اِس روایت کی دونوں اسناد نہایت کمزور ہیں۔ایسی ساقط الاعتبار روایتوں کو لے کر نہ تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اُن کی نیتوں میں فتور تھا اور اُنہوں نے محض اِس وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے تحکیم کی تجویز پیش کی تھی تاکہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے،اُن کی خلافت راشدہ کا خاتمہ ہوجائے اور اِس بہانے سے کسی طرح ہمارا کام نکل آئے اور خلافت ہمارے قبضہ میں آجائے۔اور نہ ہی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کے بارے میں گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اُمت کو تا قیامت گم راہی کے گڑھے میں ڈال گئے ہوں اور اس پر فخر کا اظہار بھی کرتے ہوں۔نہ حسن بصری سے یہ توقع ہے کہ وہ اِس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے معائب بیان کرتے ہوں گے۔(تاریخ اُمت مسلمہ بحذف واضافۃ:ص۹۳۸،۹۳۹)

مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ قدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل زیر بحث مذکورہ بالا روایت نہ تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ ہی اس کی نسبت معروف اور ہر دل عزیز مشہور تابعی حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف صحیح معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ روایت مجہول، ناقابل اعتبار اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ل (میزان الاعتدال في نقد أسمآء الرجال للذهبي : ٢/٦٩ ، ألناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

٢ (مصباح الأريب في تقريب الرواة الذين ليسوا في تقريب التهذيب للعنسي : ٤٦١/١ ، ألناشر : مكتبة صنعاء الأثرية

أليمن ، وألفاروق الحديثة للطباعة والنشر ، مصر)

٣ حاشية تهذيب الكمال في أسمآء الرجال للبشار ألعواد : ٣٨٤/٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت)

اصل ماخذ کو چھوڑ کر ثانوی ماخذ پر اعتراض کرنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اوپر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی (بحوالہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ) جو عبارت نقل کی ہے یہ عبارت اصل میں شیخ دہلویؒ کی اپنی ذاتی نہیں ہے بلکہ انہوں نے یہ عبارت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **"تاریخ الخلفاء"** سے نقل کی ہے۔

لہٰذا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ سے پہلے ان علماء (علامہ ذہبیؒ اور امام سیوطیؒ) کو ہدف تنقید بناتے کہ جنہوں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ عبارت اپنی اپنی کتابوں میں لکھی ہے اور ان کی کتابیں اس عبارت کے لئے اصل ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں، اس کے بعد کہیں جا کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ذات پر اُترتے کہ جنہوں نے یہ عبارت محض نقل کر کے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔

بہرحال شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جنگ صفّین میں جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کر لیا کہ دونوں طرف کی فوجوں کے بہت سارے آدمی شہید ہو گئے ہیں اور حالات کسی طرح سے قابو میں نہیں آ رہے ہیں تو اُس وقت اُنہوں نے ضروری سمجھا کہ اِس مسئلے کو مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے اور فیصلے کا مدار شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھا جائے۔ چوں کہ شریعت کی اساس قرآنِ مجید ہے، اسی لئے اسے ''کتاب اللہ'' کی طرف دعوت کا عنوان دیا گیا، تاکہ دونوں طرف کے مسلمان قرآنِ کریم سے ایمانی وجذباتی وابستگی کے باعث جنگ بندی پر آسانی سے تیار ہو جائیں۔ (چناں چہ) آپؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتے

ہوئے کہا کہ: ’’قرانِ مجید کا نسخہ حضرت علی رضی اللہ کے پاس بھیج کر اُنہیں کتاب اللہ کی طرف دعوت دیں، وہ اِس پیش کش کو مسترد نہیں کریں گے۔‘‘ (چناں چہ) ایک صاحب یہ پیش کش لے کر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: ’’ہمارے اور آپ کے درمیان یہ اللہ کی کتاب (مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے) موجود ہے۔‘‘ پھر اُن صاحب نے یہ آیت پڑھی: ﴿ **ألم تر الي الذين أوتوا نصيبا من الكتاب يدعون الي كتاب الله ليحكم بينهم ثم يتولي فريق منهم وهم معرضون** ﴾ (بھلا تو نے دیکھا اُن لوگوں کو جنہیں کتاب کا ایک حصہ عطاء کیا گیا، اُنہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے، پھر بھی اُن میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے اور توجہ نہیں دیتا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مثبت جواب دیتے ہوئے فرمایا: ’’ہاں ہاں! میں تو اِس پیش کش کو سب سے پہلے قبول کرنے والا ہوں۔ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب ہے!‘‘ (تاریخ اُمت مسلمہ: ۲/ ۲۳۸، بحوالہ: مصنف ابن ابی شیبہ، ح: ۳۷۹۱۴، طبع: الرشد) و (مسند احمد، ح: ۱۵۹۷۵) و (تفسیر النسائی: ۲/ ۳۰۶، باسناد صحیح) لیکن جوں ہی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ بندی پر اتفاق ہوا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل بنوتمیم کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور اچانک بہت سے افراد نے مخالفت کا طوفان کھڑا کر دیا، اور قرآن کریم کی آیت مبارکہ ﴿ **ان الحكم الا لله** ﴾ سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ حکم دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور انسانوں میں سے کسی کو حکم اور ثالث مقرر کرنا کفر ہے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کر کے ان کے نزدیک کفر کا ارتکاب کیا ہے، لہٰذا وہ اس کفر سے توبہ کریں ورنہ ہم ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کا یہ بے جا مؤقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جس پر ان کے لشکر سے چھ ہزار افراد الگ ہو گئے، جن میں سے زیادہ تر افراد کا تعلق بنوتمیم سے تھا۔ اور اِس طرح تحکیم کی اِس پر خلوص پیش کش سے قدرتی طور پر ’’خوارج‘‘ کیا ایک نیا فرقہ (جو پہلے کسی حد تک دبا ہوا تھا کھل کر) سامنے آ گیا۔

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بے شک یزید کو نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھتے ہوئے ولی عہد

بنا دیا تھا، لیکن آپؓ کا یہ عمل بعد کے لوگوں کے لئے ایک ایسی مثال بن گیا کہ اُنہوں نے اِس کی آڑ لے کر بعد میں اِس سے نہایت ہی غلط اور نا جائز فائدہ اُٹھایا اور خلافت کے نظام شورائیت کو پس پشت ڈال کر اُس کو موروثیت میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔

چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ارقام فرماتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بے شک اپنے بیٹے کو نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا، لیکن اُن کا عمل ایک ایسی نظیر بن گیا، جس سے بعد کے لوگوں نے نہایت ہی ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ اُنہوں نے اِس کی آڑ لے کر خلافت کے مطلوبہ نظام شوریٰ کو درہم برہم کر ڈالا اور مسلمانوں کی خلافت بھی شاہی خانوادے میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔'' (حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ص۱۴۴، ناشر، ادارہ معارف القرآن کراچی)

کیا واقعۂ حرہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یزید کے برابر کے شریک ہیں؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی) ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں

کہ:

''ابن ابی حیثمہؒ صحیح روایت بیان کرتے ہیں کہ: ''مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جان کنی کے وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ: ''مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک سخت دن پیش آئے گا۔ تجھے چاہیے اس کی تدبیر مسلم ابن عقبہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے کرنا۔ اس لئے کہ میں اپنی رائے میں کسی شخص کو اس سے زیادہ مدبّر نہیں دیکھتا ہوں۔'' جب باپ کے بعد یزید پلید تخت امارت پر بیٹھا، جب اہل مدینہ سے جنگ کا موقع پیش آیا تو اس وقت اس نے باپ کی وصیت ہی پر عمل کر کے اہل مدینہ کی

لڑائی کو اختتام پر پہنچایا......

واقدیؒ کتاب اطرہ میں نقل کرتے ہیں کہ یزید پلید مسرف (مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا۔ اس کو دیکھا کہ فالج کے مرض میں گرفتار بستر ہلاکت پر پڑا ہوا ہے۔ یزید نے کہا کہ: ''اگر تجھ میں یہ ضعف اور مرض نہ ہوتا تو اس لڑائی کا حاکم اور والی تجھ کو بناتا۔ اس لئے کہ میں تجھ سے بڑھ کر مخلص اور ناصح دوسرا آدمی نہیں پاتا ہوں۔ امیر المؤمنین یعنی میرے والد بزرگ وار معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے مجھ کو اپنے مرض موت میں یہ وصیت کی تھی کہ: ''اگر تجھے اہل حجاز کی طرف سے کوئی لڑائی پیش آئے تو اس کی تدبیر مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے کرنا۔''

مسرف اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ: ''اے امیر المؤمنین! تجھے خدا کی قسم! اگر تو میرے سوا کسی کو متولی بنائے، کیوں کہ اس کام میں اہل مدینہ کا دُشمن میرے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ میں نے اس بارے میں ایک خواب دیکھا ہے۔ ایک درخت کو درختانِ غرقد سے دیکھتا ہوں جو اپنی شاخون کے ساتھ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے انتقام کے متعلق فریاد کر رہا ہے۔ آگے گیا تو سنتا ہوں وہی درخت کہتا ہے کہ اس کا انجام مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہوگا۔ اس دن سے میں نے اہل مدینہ سے جنگ کی فال لی ہے اور اپنے دل کو قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کی تسلی دی ہے۔

یزید پلید نے جب اس کام کے اجراء میں اس کا پختہ ارادہ پایا تو کہا کہ: ''ہوشیار رہ اور بہ برکت خدا اہل مدینہ کی طرف متوجہ ہو! تو جن لوگوں کا حریف ہوگا اگر وہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے کو میری بیعت اور اطاعت قبول کرنے میں تیرے سد راہ ہوں تو تیغ بے تیغ قہر و سیاست سے کام لینا اور ان کے چھوٹے بڑوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔ تین دن تک لوٹ اور غارت کی داد دینا اور اگر یہ لوگ تجھ سے جنگ نہ کریں تو ان سے تم بھی تعرض نہ کرنا۔ ہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مہم پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو جانا۔'' [۱]

۱؎ (راحت القلوب: ص ۴۰، ۴۱۔ اُردو ترجمہ: "جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب" بحوالہ: سیدنا معاویہ کے ناقدین رضی اللہ عنہ : ص ۱۳۹)

تھوڑا آگے چل پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: یزید نے واقعہ "حرّہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا۔ ظاہر ہے اس واقعہ میں قتل وغارت، لوٹ مار اور "عصمت دری" کے جو سانحات رونما ہوئے تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ ہے۔ اس روایت میں بھی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہی کی طرح ایک اور کذاب (عند المحدثین)

جناب واقدیؒ تشریف فرما ہیں۔

قال أحمد بن حنبل : هو كذاب يقلب الأحاديث . قال ابن معين: ليس بثقة .وقال مرة: لايكتب حديثه . قال بخاري : متروك . قال أبو حاتم

والنسائي : يضع الحديث ." ۱؎

ترجمہ: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: "واقدیؒ بہت بڑا جھوٹا راوی ہے۔ احادیث کو ادل بدل کر دیا کرتا تھا۔" ابن معینؒ نے کہا: "یہ ثقہ نہیں ہے۔" اور ایک مرتبہ کہا کہ: "اس کی بیان کردہ حدیث کتابت کے قابل نہیں ہے۔" امام بخاریؒ نے کہا: " واقدیؒ متروک الحدیث ہے۔" جب کہ ابو حاتمؒ اور نسائیؒ نے اسے احادیث وضع کرنے والا بتایا ہے۔

واقعۂ حرہ میں رُونما ہونے والے سانحات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن پاک ہے!:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "یزید نے واقعہ "حرّہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا، جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ

میں قتل وغارت، لوٹ مار اور عصمت دری کے جو سانحات رُونما ہوئے ہیں
ان میں حضرت معاویہ کا بھی برابر کا حصہ ہے۔تو:

اوّلاً تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت ان کے اپنے تجربہ، ذاتی مشاہدہ، اور ایک حسن تدبیر کی بنیاد پر تھی جس کے مستقبل میں رُونما ہونے والے المناک اور دردناک نتائج سے قطعی اور یقینی طور پر وہ لاعلم اور

۱ (میزان الاعتدال : ۳/ ۱۱۰) و (تهذيب التهذيب : ۹ / ۳٦٤ بحوالہ: سیدنا معاویہ کے ناقدین رضی اللہ عنہ :ص ۱۴۱)

بے خبر تھے۔ بلکہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اس وقعہ میں رُونما ہونے والے تمام تر سانحات کے تانے بانے بھی مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دورِ ابتلاء سے ہی جا کر ملتے ہیں۔ اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دورِ ابتلاء میں حضرات صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم سے اس طرح کے واقعات کا رُونما ہونا ایک فطرتی امر ہے۔ **كما مر آنفاً من غير مرة .**

اور ثانیاً اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت نعوذ باللہ! ایک غلط کام کے پورا کرنے کی تھی تو سوال یہ ہے کہ یزید کو اتنا تو علم تھا کہ کسی گناہ کے کام کی وصیت کو پورا کرنا بجائے خود ایک بڑا گناہ ہے پھر اس نے اس وصیت پر عمل کیوں کیا؟ بلکہ یہ تو اس کا اپنا ایک فعل تھا جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر کا شریک اور حصہ دار بنانا بجائے خود ایک ظلم ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ایک عظیم اور جلیل القدر کاتب وحی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جملہ خطائیں اور لغزشیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں، اس لئے اس واقعہ ''حرّہ'' میں قتل و غارت، لوٹ مار اور عصمت دری کے جو جو سانحات رُونما ہوئے ہیں ان تمام تر سانحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر کا
شریک اور حصہ دار ٹھہرانا کسی طرح بھی قرین انصاف اور دانش مندی نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اس واقعہ کے نقل کرنے میں کہ: ''یزید نے واقعہ ''حرّہ'' میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے

مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا۔'' کسی طرح کا کوئی اعتراض وارد نہیں
ہوسکتا۔

فن حدیث وسیر و مغازی میں امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

باقی جہاں تک بات ہے اس روایت کے راوی امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے محدثین
کے نزدیک ضعیف
ہونے کی تو اس بارے میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق ایک مختلف فیہ
راوی ہیں جن پر جرح کرنے والے بھی بہت سارے علماء ہیں اور ان کی تعدیل کرنے والے بھی
بہت سارے علماء ہیں تاہم حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت،
تاریخ، مغازی اور واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر کہا یا مانا جائے۔ بلکہ وہ تاریخ، غزوات اور
اسلامی واقعات میں بلاشبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں۔

چنانچہ ادیب وقت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

''واقدی تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلاشبہ امام اور کسی
اختلاف کے
بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہے۔ البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف
فیہ راوی ہیں، ان پر جرح کرنے والے بھی ہیں اور ان کی تعدیل کرنے والے بھی۔
لیکن حدیث میں مکتلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور
(اسلامی) واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر کہا یا سمجھا جائے۔''[1]

[1] (التجائے مسافر: ص۱۳۳، ۱۳۴، ناشر: مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ شاہ فیصل کالونی، کراچی)

باقی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو یہ لکھا ہے
کہ:

''امام واقدیؒ بلاتفریق عندالمحدثین کذاب راوی ہیں۔امام احمد بن حنبلؒ نے انہیں بڑا جھوٹا اوراحادیث کوادل بدل کردینے والا راوی کہا ہے۔ابن معینؒ نے انہیں غیر ثقہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ: ''ان کی بیان کردہ حدیث کتابت کے قابل نہیں۔''امام بخاریؒ نے انہیں ''متروک الحدیث'' کہا ہے۔اسی طرح امام ابوحاتمؒ اور امام نسائیؒ نے انہیں ''واضع الحدیث'' کہا ہے۔''

تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ اپنی بغض وتعصب سے لبریز نیم علمی تحقیق ہے جس کا فن جرح وتعدیل سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ میزانِ جرح وتعدیل میں:

اصل بات یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل روایت حدیث میں امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تین طبقوں میں تقسیم ہیں۔ایک بڑے طبقے نے ان پر جرح کی ہے،دوسرے طبقے نے ان کی تعدیل کی ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس سے جرح وتعدیل دونوں منقول ہیں۔

پہلا طبقہ جس نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کی ہے:

۱-جن حضرات نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کی ہے،ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی حیثیت سے بھی وہ بلند ہیں۔ان میں:امام بخاریؒ(۱)امام مسلمؒ(۲)امام ابو داؤدؒ(۳)امام نسائیؒ(۴)امام احمدؒ(۵)امام شافعیؒ(۶)یحییٰ بن معینؒ(۷)دار قطنیؒ(۸)علی بن المدینیؒ(۹)اسحاق بن راہویہؒ(۱۰)ابوحاتم رازیؒ(۱۱)امام ابوزرعہ الدمشقیؒ(۱۲)امام حاکمؒ(۱۳)وکیع بن جراحؒ(۱۴)ابن نمیرؒ(۱۵)علامہ ہیثمیؒ(۱۶)امام عقیلیؒ(۱۷)ابن عدیؒ(۱۸) علامہ ابن الاثیر الجزریؒ(۱۹)وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

ان میں سے بعض حضرات کے الفاظِ جرح سخت اور بعض کے الفاظ ذرا نرم ہیں،لیکن مجموعی طور پر ان تمام

حضرات نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کو''ضعیف في الحدیث''قرار دیا ہے۔

دوسرا طبقہ جنہوں نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل کی ہے:

۲-ائمہ جرح وتعدیل کے ایک دوسرے طبقے نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل

کی ہے۔ان میں: دراوردیؒ (۲۰) ابوعبید قاسم بن سلامؒ (۲۱) مصعب زبیریؒ (۲۲) محمد بن سلام جمحیؒ (۲۳) ابراہیم حربیؒ (۲۴) معن بن عیسیٰؒ (۲۵) یزید بن ہارونؒ (۲۶) مجاہد بن موسیٰؒ (۲۷) سلیمان شاذ کولیؒ (۲۸) ابن سعدؒ (۲۹) محمد بن اسحاق صنعانیؒ (۳۰) رمادیؒ (۳۱) عبداللہ بن سلیمانؒ (۳۲) ابویحییٰ الازہریؒ (۳۳) اور مسیبیؒ (۳۴) وغیرہم
حضرات شامل ہیں۔

ان میں سے بعض کے الفاظِ تعدیل ہلکے ہیں اور بعض کے الفاظ انتہائی عقیدت کے ہیں۔ بلکہ دراوردیؒ
نے تو انہیں "**أمیر المؤمنین فی الحدیث**" کہا ہے۔

تیسرا طبقہ جنہوں نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح وتعدیل دونوں کی ہیں:

۳- تیسرے طبقے میں وہ ائمہ ہیں جن سے جرح وتعدیل دونوں منقول ہیں۔

چنانچہ امام مالکؒ سے تعدیل بھی منقول ہے (۳۵) اور جرح بھی۔ (۳۶) اسی طرح عبداللہ بن مبارکؒ
سے بھی جرح وتعدیل دونوں منقول ہیں۔ (۳۷)

اصحاب صحاحِ ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہؒ نے ایک حدیث واقدیؒ کے طریق سے نقل کی ہے، اس
میں بھی نام کے بجائے "**شیخ لنا**" کے الفاظ ہیں۔ (۳۸)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقدیؒ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے امام ابن ماجہؒ نے ان کا نام لینے کی جسارت نہیں کی۔ (۳۹) لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا کہ یہ تصرف ابن ماجہؒ نے نہیں کیا ہے، بلکہ یہ ان کے شیخ ابن ابی شیبہؒ کا تصرف ہے۔ (۴۰)

حافظ مغلطائیؒ نے واقدیؒ کی حمایت اور ان کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان کی حمایت پر تبصرہ کرتے
ہوئے لکھتے ہیں:

''واقدیؒ کی حمایت میں مغلطائیؒ نے تعصب سے کام لیا ہے، چنانچہ ان کو ثقہ قرار دینے والوں کا کلام تو ذکر کیا ہے، لیکن جنھوں نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے ان کے کلام سے خاموشی اختیار کر لی، حالاں کہ یہ عدد کے اعتبار سے بہت، حفظ واتقان کے حوالے سے پختہ
اور واقدیؒ کو ان سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔''(۴۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس تبصرہ کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" ما للواقدي ؟ وقد رويٰ عنه الشافعي ، وأبوبكر بن أبي شيبة ، و أبو عبيد ، وأبوخيثمة . وعن مصعب الزبيري : ثقة ، مأمون ، وكذا قال المسيبي وقال أبوعبيد : ثقة . وعن الدراوردي : ألواقدي أمير المؤمنين في
الحديث ." (٤٢)

ترجمہ: واقدیؒ کو کیا ہے؟ جب کہ امام شافعیؒ، ابوبکر بن ابی شیبہؒ، ابوعبیدؒ اور ابو خیثمہؒ جیسے لوگ ان سے روایت کرتے ہیں۔ مصعب زبیریؒ سے ان کے متعلق " ثقة ، مأمون" کے الفاظ منقول ہیں۔ مسیبیؒ نے بھی ان کے متعلق یہی الفاظ کہے۔ ابوعبیدؒ نے انہیں " ثقة "
کہا۔ اور دراوردیؒ سے منقول ہے کہ: ''واقدیؒ" أمير المؤمنين فی الحديث "
ہیں۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جرح کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی رتبے کے لحاظ سے بھی وہ
بلند ہیں۔ اس لئے فن حدیث میں واقدیؒ کے متعلق جرح کرنے والوں کا پلڑا بہرحال بھاری ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے " سير أعلام النبلاء'' میں ان کے تذکرے کے

شروع میں لکھا:

" ومع هذا فلا يستغني عنه في المغازي وأيام الصحابة وأخبارهم ."(٤٢)

ترجمہ: یعنی ضعیف ہونے کے باوجود مغازی، عہد صحابہ رضی اللہ عنہم اوران کے واقعات میں واقدیؒ سے بے
نیازی نہیں برتی جاسکتی۔

اوران کے تذکرہ کے آخر میں لکھا:

" مع أن وزنه عندي أنه مع ضعفه يكتب حديثه ، ويروي لأني لا
اتهمه بالوضع ." (٤٣)

ترجمہ: اس کے ساتھ ساتھ میرے نزدیک ضعیف ہونے کے باوجود واقدیؒ کا رُتبہ یہ ہے کہ ان کی حدیث لکھی اوراس کی روایت کی جاسکتی ہے اس لئے کہ میں اس پر حدیث
وضع کرنے کی تہمت نہیں لگاتا۔(ترجمہ ختم)

حاصل یہ ہے کہ واقدیؒ مغازی اورتاریخ میں تو بلاشبہ امام ہیں اورحدیث میں ضعیف ہیں، لیکن اس قدر بھی
ضعیف نہیں کہ ان کی روایت کو لینا دُرست ہی نہ ہو بلکہ ان کی روایت کردہ حدیث لکھی اور بیان کی جاسکتی ہے۔"(٤٤)

پس ثابت ہوا کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ سیرت، تاریخ، غزوات اوراسلامی واقعات میں بلاشک وشبہ امام اورکسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں، البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں لیکن حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اوراسلامی واقعات میں بھی
انہیں غیر معتبر کہا یا سمجھا جائے۔

۞......۞......۞

﴿......حواشی وحوالہ جات......﴾

(١) ألتاريخ الصغير للبخاري : ص ٢٢١ ، ألناشر : ادارة احياء السنة ، گوجرانواله ، ألباكستان ـ

(٢) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٨٨/٢٦، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٣) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٣٦٧/٩ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن
ألهند ـ

(٤) ألضعفاء والمتروكين للنسائي : ص ٣٠٣ ، ادارة احياء السنة گوجرانواله ، ألباكستان ـ

(٥) موسوعة أقوال الامام أحمد بن حنبل ، للسيد أبي المعالي ورفقائه : ٢٩٧/٣ ، ألناشر : عالم الكتب بيروت ـ و شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن العماد الحنبلي : ١٨/٢، ألناشر :دارالآفاق
الجديد بيروت ـ

(٦) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٦٦/٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٧) ألضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٨/٤ ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(٨) ألضعفاء والمتروكين للدارقطني : ص ١٣٦ ، ألناشر : سانگله هل ، شيخوپوره ـ

(٩) ألجرح و التعديل لابن أبي حاتم : ٢١/٤، ألناشر: دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، دكن

ألهند ـ

(١٠) موسوعة أقوال الامام أحمد بن حنبل للسيد أبي المعالي ورفقائه : ٢٩٨/٣ ، ألناشر : عالم

الكتب ، بيروت ، لبنان ـ

(١١) ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٦٦٣/٣ ، ألناشر : دار احياء الكتب العربية

مصر ـ

(١٢) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١٥/٣ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان ـ

(١٣) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٨٨/٢٦ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(١٤) ألضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٧/٤ ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(١٥) ألضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٧/٤ ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(١٦) كشف الأستار عن زوائد البزار للهيثمي : ١٨١/١، ألناشر :مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ و

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي : ١٦٨/٣ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ـ

(١٧) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٣٦٧/٩ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن

ألهند ـ

(١٨) ألكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ١٤٣/٦ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ـ

(١٩) ألكامل في التاريخ لابن أثير الجزري : ٢٠٦/٥ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ـ

(٢٠) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٣٦٥/٩ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن

ألهند ـ

(٢١) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٩٠/٢٦ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٢٢) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٥٨/٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٢٣) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٥/٣ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان ـ

(٢٤) معجم الأدباء لياقوت الحموي : ٢٨٧/١٨ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ـ

(٢٥) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١١/٣ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان ـ

(٢٦) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٦١/٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٢٧) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٥٩/٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٢٨) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٤٦٥/٩ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن

ألهند ـ

(٢٩) ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٦٦٥/٣ ، ألناشر : دار احياء الكتب العربية

مصر ـ

(٣٠) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٣٦٥/٩ ، ألناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن

ألهند ـ

(٣١) موسوعة أقوال الامام أحمد بن حنبل للسيد أبي المعالي ورفقائه : ٣٠٠/٣ ، ألناشر : عالم

الكتب ، بيروت ، لبنان ـ

(٣٢) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١٤/٣ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان ـ

(٣٣) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١١/٣ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان ـ

(٣٤) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٩٢/٢٦ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٣٥) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٨/٣ ، ألناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان ـ

(٣٦) ألضعفاء الصغير للبخاري : ص ٢٧٥ ـ

(٣٧) أنظر للجرح : ألضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٩/٣ ، ألناشر : ألمكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

وللتعديل : تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٨٩/٢٦ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٣٨) أنظر سنن ابن ماجة ، كتاب الصلاة ، باب " ماجاء في الزينة يوم الجمعة " : ص ١٠٩٥ ـ

(٣٩) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٦٤/٩ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٤٠) حاشية الكاشف لسبط ابن العجمي : ٢٠٥/٢ ، مؤسسة علوم القرآن ، جدة ۔

(٤١) فتح الباري شرح البخاري لابن حجر ، كتاب النكاح ، باب كثرة النساء : ١٤١/٩ ، قديمي

كتب خانه كراتشي ۔

(٤٢) عمدة القاري شرح البخاري للعيني ، كتاب النكاح باب كثرة النساء : ٦٩/٢٠ ، ٧٠ ، ادارة

الطباعة المنيرية ۔

(٤٤) **التجاۓ مسافر: ص ۱۳۳......۱۴۲، ناشر: مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ شاہ فیصل کالونی، کراچی۔**

﴿١١﴾

علامہ احمد بن شیخ ابوسعید ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۱۳۰ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: احمد، لقب: ملا جیون، والد کا نام: ابوسعید، اور دادا کا نام: عبداللہ ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''احمد بن شیخ ابوسعید بن عبداللہ بن شیخ عبدالرزاق بن شاہ مخدوم......الخ۔''

آخر میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

پیدائش اور سکونت:

آپؒ کے دادا عبداللہ کے جد امجد مخدوم خاصہ جو شیخ صلاح الدین دہلوی کی اولاد سے ہیں قصبہ ''امیٹھی'' کے مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ دہلی سے منتقل ہو کر قصبہ ''امیٹھی'' میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ ملا جیو اسی قصبہ ''امیٹھی'' میں ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے سات سال کی عمر قرآن پاک حفظ کیا، پھر تحصیل علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوئے اور یورپ کے متفرق قصبات میں رہ کر فضلائے عصر سے استفادۂ علوم

کیا۔ درسیات میں سے اکثر کتب شیخ محمد صادق ترکھی سے پڑھیں، آخر میں ملا لطف اللہ کوردی جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے سند فراغت حاصل کی۔ آپؒ کے تبحر علمی
کے متعلق مولانا آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:
''حاصل کلام الٰہی و در دانش عقلی و نقلی بحر لا متناہی۔''
ترجمہ: یعنی کلام الٰہی کے حاصل کرنے اور عقلی و نقلی دانش میں بحر بے کراں ہیں۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند صدارت تدریس کو زینت بخشی، اور اپنے وطن میں درس دیتے رہے۔

قوت حافظہ وسادگی مزاج:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نہایت سادہ وضع، غریب الطبع، منکسر المزاج، ملن سار، اور رسمی تکلفات سے قطعاً بے گانہ اور قوت حافظہ میں یگانہ تھے، درسی کتابوں کی عبارتوں کے پورے پورے اوراق وصفحات حفظ اور بڑے بڑے
قصیدے ایک مرتبہ سننے سے یاد کر لیتے تھے۔

شاہ عالم گیر ملا صاحب کے سامنے:

چالیس سال کی عمر میں اجمیر شریف سے ہوکر دہلی پہنچے اور یہاں کافی مدت تک اقامت کی اور درس وافادہ کا مشغلہ جاری رہا۔ کشش طالع نے آپؒ کو شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ تک پہنچایا، شاہ جہاں نے آپ کو اورنگ زیب عالم گیر کی تعلیم کے لئے مقرر کیا، اور عالم گیر نے آپؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور پھر عمر بھر حد سے زیادہ اعزاز واحترام کرتا رہا۔ اسی طرح شاہ عالم خلف عالم گیر آپؒ کے سامنے لوازم تکریم بجالاتا اور شاہ فرخ سیر بھی آپؒ کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔

زیارت حرمین شریفین:

پچپن (۵۵) سال کی عمر میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، یہاں بھی ایک مدت تک اقامت کی اور ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ چار پانچ سال کے بعد واپس ہوکر ''بلادِ دکن'' میں سلطان عالم گیر کے ساتھ

چھ(٦) سال گزارے۔

حرمین شریفین کی دوبارہ حاضری:

۱۱۱۲ھ میں پھر حرمین شریفین حاضری دی، ایک سال اپنے والد ماجد کی طرف سے، اور دوسرے سال اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے مناسک حج اداء کیئے، اور صحیحین کا درس نہایت تحقیق واتقان کے ساتھ مراجعت کتب وشروح
کے بغیر دیا۔

تصوف وسلوک:

۱۱۱۶ھ میں ہندوستان واپس آکر اپنے وطن میں دوسال قیام کیا، اس زمانہ میں طریق سلوک وتصوف کی طرف زیادہ توجہ فرمائی، اور شیخ یاسین بن عبدالرزاق قادریؒ سے ''خرقۂ خلافت'' حاصل کیا، پھر اپنے احباب ومریدین
کے ساتھ دہلی تشریف لائے اور درس وافادہ میں مشغول ہوئے۔

ایک عجیب وغریب خواب:

صاحب آئینۂ اُودھ شاہ سید محمد ابوالحسن مانک پوری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے خواب دیکھا کہ میں اپنے دونوں بیٹوں (ملاجیون اور اُن کے برادرِ حقیق ملابوڈھن) کی اُنگلی پکڑے ہوئے چلا جارہا ہوں کہ اچانک ایک طرف سے ''سور'' دوڑا ہوا قریب میں آیا، میں نے ملابوڈھن کو گود میں اُٹھالیا اور وہ ملاجیون کا دامن چھوکر چلا گیا، جب بیدار ہوئے تو بہت متاسف ہوئے اور فرمایا کہ: ''سور'' کے چھونے کا مطلب
دُنیا میں ملوث ہونا ہے، ملابوڈھن اِس سے بچ گیا۔''

ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تاحیات سوائے اپنے کھانے اور کپڑے کے اور کسی طرح بادشاہ سے متمتع نہیں ہوئے اور نہ اپنے لئے کوئی ''علوفہ'' مقرر کرایا، جب کہ بادشاہ خود اس کا متمنی رہتا تھا، لیکن بایں ہمہ احتیاط آپؒ کے والد نے
اِس قدر ملوث ہوجانے کی نسبت پہلے ہی فرمادیا کہ: ''اِس کو دُنیا نے چھولیا۔''

تصانیف:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی چند اہم اور مشہور تصانیف یہ ہیں:

﴿ ۱ ﴾ ألتفسيرات الأحمدية في بيان الآيات الشرعية (مع تاليفات المسائل الفقهية)

﴿ ۲ ﴾ نور الأنوار في شرح المنار ﴿ ۳ ﴾ ألسوانح ﴿ ۴ ﴾ مناقب الأولياء ﴿ ۵ ﴾ آداب أحمدي .

وفات حسرت آیات:

آپ نے ۱۱۳۰ھ میں بزبان اقبال یہ کہتے ہوئے:

آہ! اس آباد ویرانے سے گھبراتا ہوں میں

رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں

میں

کاشانۂ فردوس کو نشیمن بنایا۔ اور پچاس دن کے بعد نعش مبارک دہلی سے امیٹھی لے جا کر اپنے مدرسہ میں دفن کی گئی۔ [۱]

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپ رحمۃ اللہ علیہ کسی بھی طرح حاسدین ومعاندین کے حسد وعناد سے بچ نہ سکے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''ملاجیون نے ''نور الانوار'' کے نام سے امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۱۰ ھ) کی کتاب ''ألمنار'' کی شرح تحریر فرمائی ہے جو درسِ نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔اس میں
موصوف فرماتے ہیں کہ:

''جب ہم اُمور ''معترضة سماوية'' کے بیان سے فارغ ہو گئے ہیں تو اب ہم اُمور ''معترضة مكتسبة''یعنی ایسے اُمور کہ جن کے حصول میں بندوں کا بھی اختیار ہوتا ہے' کو شروع کریں گے اور ایسے اُمور کی بہت سی اقسام ہیں۔پھر جہالت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں،ان میں سے ایک قسم '' جهل باطل '' ہے،جو آخرت میں عذر کی صلاحیت نہیں رکھتا،جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد ایک کافر کی جہالت اور خواہشات کے پیروکار کی جہالت،اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے احکام میں جیسے ''معتزلہ'' کی جہالت کہ انہوں نے صفات الٰہی،عذابِ قبر،رؤیت باری تعالیٰ اور شفاعت کا انکار کیا۔ اور ''باغی'' کی جہالت،امام حق کی اطاعت سے دلیل فاسد سے استدلال کرتے ہوئے انکار کرنے والا......اور اس شخص کی جہالت جو کتاب اللہ کی مخالفت کرے......اور اس شخص کی جہالت جو سنت مشہورہ کی مخالفت کرے۔''**والجهل في نحوه كجهل الشافعي في جواز القضاء بشاهد ويمين ، فانه مخالف للحديث المشهور وهوقوله (صلي الله عليه وسلم)''ألبينة عليٰ المدعي واليمين عليٰ من أنكر.'' واوّل من قضيٰ به معاوية ، وقد نقلنا كل هذا عليٰ نحو ما قال**

ﻟ (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين (باختصار) : ٢١٧ ...... ٢١٩ ، ألناشر : مير محمد كتب خانه ، كراتشي)

اور سنت کی مخالفت کے شکل میں جہالت کی مثال جیسے امام شافعیؒ کی جہالت

ہے: ''ایک گواہ اور قسم سے فیصلے کے جواز میں ۶۶ کیوں کہ یہ حدیث مشہور کے مخالف ہے

اور آپ

ﷺ کا فرمان ہے:

'' ألبينة عليٰ المدعي و اليمين عليٰ من أنكر .''

ترجمہ: گواہی دعویٰ کرنے والے پر ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔

اور سب سے پہلے مدعی کی قسم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔ اور یہ سب کچھ ہم نے اس طرح نقل کیا ہے جس طرح اسلاف نے نقل کیا ہے۔ اگر چہ ہم اس پر جرأت نہیں

کرتے۔

مذکورہ بحث میں ''جہل باطل'' کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ''جہل باطل'' کا حکم یہ ہے کہ یہ آخرت میں ''عذر'' کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جس طرح ایک کافر کے لئے توحید و رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد اس کی جہالت آخرت میں عذر نہیں بن سکتی۔ البتہ

''ذمی کافر'' کے لئے دُنیا میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

جہل باطل کے تحت ایک قسم '' **جهل الباغي باطاعة الامام الحق متمسكا بدليل فاسد** '' بھی بیان کی گئی ہے۔ اگر چہ ناقدین و معاندین معاویہ رضی اللہ عنہ اس قسم کا بھی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اطلاق کرتے ہیں لیکن اسے عمومی حیثیت میں بیان کیا گیا ہے۔

''جہل باطل'' کی بحث میں آگے ملاجیون نے '' **والجهل في نحوه** '' میں سنت کی مخالفت کی مثال میں بے موقع و بے محل اور بالکل غیر ضروری طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''جہل باطل'' کی مثال پیش فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سنت کی مخالفت

کی ہے جس کے متعلق آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

'' **ألبينة عليٰ المدعي و اليمين عليٰ من أنكر** ''

ل (نور الأنوار في شرح المنار : ص ٢٩٩ ، ٣٠٠ ، **بحوالہ:سیدنا معاویہ** رضی اللہ عنہ **کے ناقدین:ص۱۴۲،۱۴۳**)

کرتے ہوئے مدعی کی قسم پر فیصلہ صادر کیا۔

ملا جیونؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جہالت کی نسبت اور انہیں مخالف سنت

ثابت کر کے یہ سارا بوجھ اپنے اسلاف پر ڈال دیا ہے اور کہا ہے کہ:

" وقد نقلنا كل هذا عليٰ نحو ما قال أسلافنا وان كنا لم نجترئ عليه ."

لیکن یہ مثالیں "**ممثّل لها**" کے مطابق نہیں ہیں، کیوں کہ ایسا اجتہاد جو نص قطعی کے مخالف ہو اور وہ نص تاویل کو قبول نہ کرتی ہو تو ایسا اجتہاد قطعی طور پر "جہل باطل" ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعیؒ کی جو مثالیں ملا جیونؒ نے پیش کی ہیں وہ "جہل باطل" میں ہرگز نہیں آتیں۔

یہی وجہ ہے کہ ملا جیونؒ نے آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ:

"یہ سب کچھ ہم نے اسلاف سے نقل کیا ہے اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔"

حالاں کہ کتاب "**ألمنار**" (جس کی شرح ملا جیونؒ نے "نور الانوار" کے نام سے تحریر فرمائی ہے) میں یہ مثالیں موجود نہیں ہیں۔ ملا جیونؒ نے خود ہی انہیں "**والجهل في نحوه**" کے تحت لا کر "جہل باطل" میں شامل کر دیا۔

سخت حیرت ہے کہ موصوف اسے ایک صحابی کی شان میں بے ادبی بھی سمجھتے ہیں اور اسے اپنے اسلاف سے صحیح سمجھ کر نقل بھی فرما رہے ہیں۔

نور الانوار کے فاضل محشی علامہ محمد عبدالحلیم (المتوفی ۱۲۸۵ھ) اپنے حاشیہ "قمر الاقمار" میں "**لم نجترئ عليه**" کے تحت فرماتے ہیں کہ:

" لأن في هذا البيان سوء الأدب ."

ترجمہ: کیوں کہ اس بیان میں سوئے ادب پایا جاتا ہے۔

اس مثال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف "جہل باطل" کی

نسبت بالکل خلاف واقع اور نہایت ہی ناروا جسارت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ زیادہ سے زیادہ ''اجتہادی اختلاف'' کے زمرے میں آتا ہے۔'' [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہا مسئلہ ''جہل باطل'' یا ''بدعت مذمومہ'' کے زُمرے میں نہیں آتا!:

سب سے پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہا مسئلہ کسی بھی طرح ''جہل باطل'' یا ''بدعت مذمومہ'' کے زُمرے میں نہیں آتا!: ''جہل باطل'' کے زُمرے میں تو اِس لئے نہیں آتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد کسی ایسی نص قطعی کے مخالف ہر گز نہیں ہوتا جو تاویل کو قبول نہ کرتی ہو بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر اجتہاد نص قطعی کے موافق ہوتا ہے اور تاویل کو قبول کرتا ہے، اِس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کی نسبت کسی بھی طرح ''جہل باطل'' کی طرف نہیں کی جا سکتی۔ اور ''بدعت مذمومہ'' کے زُمرے میں اِس لئے نہیں آتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی دین وشریعت ہے اور جو چیز خود دین وشریعت ہو تو وہ کیوں کر ''بدعت مذمومہ'' کے زُمرے میں آ سکتی ہے؟

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی دین و شریعت ہے تو پھر اُن میں سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعض مخصوص افعال پر علمائے اہل سنت نے لفظ ''بدعت'' کا اطلاق کیوں کیا ہے؟ جیسے یہی زیر بحث '' **ألقضاء بشاهد ويمين** '' والا مسئلہ ہے جو عہد صحابہ سے لے کر آج تک مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ جس میں فقہائے صحابہ، جمہور احناف، امام ثوری، امام اوزاعی، امام زہری، امام نخعی اور امام عطاء وغیرہم کا مذہب یہ ہے کہ '' ألقضاء بشاهد مع اليمين '' (یعنی ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا) جائز نہیں ہے۔ اِن حضرات کی دلیل قرآنِ مجید کی وہ آیت ہے جس میں آتا ہے:

'' واستشهدوا شهيدين من رجالكم .''

اور وہ صحیح حدیث ہے جس میں آتا ہے:

'' عن بن عباس أن النبي صلي الله عليه وسلم قال : لو يعطي الناس بدعواهم لادعي رجال دماء قوم وأموالهم لكن البينة علي المدعي واليمين علي من

أنكر .“

(ألسنن الكبري للبيهقي : ۱۰/۲۵۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو محض اُن کے دعووں کی وجہ سے دے دیا جائے تو کتنے ہی لوگ قوم کے کے خون اور اُن کے مال کا دعویٰ کر دیں، لیکن دعویٰ کرنے والے کے ذمہ گواہ ہے اور انکار کرنے والے کے ذمہ قسم ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح دیگر بھی کئی مشہور احادیث ہیں جو مدعا علیہ کے ذمہ قسم کے حصر کا فائدہ دیتی ہیں۔ (ألتعليق الممجد علي مؤطا امام محمد : ص ۳۳۰ ، ألناشر : دار الحديث ، ملتان ، ألباكستان)

اِس کے برخلاف بعض اکابر صحابہ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاویہؓ ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ” **ألقضاء بشاهد ويمين** “ (یعنی ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا) جائز ہے۔ اِن حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے، جس میں آتا ہے:

” ان رسول الله صلي الله عليه وسلم قضي بيمين و شاهد “

(ألسنن الكبري للبيهقي : ۱۰/۱۷۲،۱۷۳)

چناں چہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنے اپنے دور میں اسی حدیث کے مطابق ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا کرتے تھے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب اِن حضرات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اِسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ صادر فرمایا تو بعد کے بعض علمائے اہل سنت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اِس قسم کے فیصلوں کو چھوڑ کر صرف آپؓ کے اِس فیصلے کو ”بدعت“ کے زُمرے میں کیوں ذکر کیا ہے:

جیسے مثلاً علامہ عبید اللہ بن مسعود محبوبی حنفی (المتوفی ۷۱۹ھ) مبسوط کے حوالہ سے

لکھتے ہیں:

" وذكر في المبسوط أن القضاء بشاهد ويمين بدعة وأوّل من قضيٰ به معاوية ." ٢

ترجمہ: مبسوط میں ہے کہ ایک گواہ اور (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس طرح کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت معاویہ ﷛ نے کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح صاحب شرح وقایہ لکھتے ہیں:

"عندنا هذا بدعة وأول من قضي به معاوية."

شرح الوقاية

اسی طرح امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ذكر ابن أبي الذئب عن ابن شهاب الزهري قال : سألته عن اليمين مع الشاهد فقال : بدعة وأول من قضي بها معاوية ."

ألمؤطاء للامام محمد)

اسی طرح اِس عبارت کے حاشیہ میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" قال ابن أبي شيبة حدثنا حماد بن خالد عن أبي ذئب عن الزهري قال :۔ هي بدعة وأول من قضي بها معاوية ."

(ألتعليق المجدد علي مؤطا امام محمد :)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"وفي مصنف عبد الرزاق أخبرنا معمر عن الزهري قال : هذا شئٍ أحدثه الناس لا بن من شاهدين ."

(ألتعليق المجدد علي مؤطا امام محمد :)

اسی طرح علامہ ابوالعباس احمد بن ادریس القرافی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۸۴ھ) لکھتے ہیں:

" وقد نص علي نقضه أبو حنيفة رضي الله عنه وقال هو بدعة ." ٣

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس پر نقض کیا ہے اور اس کی مخالفت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے۔

اسی طرح علامہ محمد امین الشہیر بامیر بادشاہ رحمہ اللہ (المتوفی ۹۷۲ھ) لکھتے ہیں:

" وعن الزهري بأنه بدعة وأول من قضيٰ به معاوية ." [۴]

[۱] (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص۱۴۲......۱۴۴)

[۲] (ألتوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقة للمحبوبي : ١٥/٢ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۳] (أنوار البروق في أنواء الفروق للقرافي : ١٠٨/٤ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۴] (تيسير التحرير للأمير بادشاه : ٣٢٤/٤ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت)

ترجمہ: امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ بدعت ہے۔ اور سب سے پہلے جس نے اِس (یعنی ایک گواہ اور قسم) کے ساتھ فیصلہ دیا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح شمس الائمہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:

" أول من قضيٰ به معاوية ." [۱]

ترجمہ: سب سے پہلے جس نے اِس (یعنی ایک گواہ اور قسم) کے ساتھ فیصلہ دیا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح علامہ برہان الدین مازہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٦١٦ھ) لکھتے ہیں:

" أول من قضيٰ به معاوية ." [۲]

ترجمہ: (ایک گواہ اور قسم کے ساتھ) سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمان بن محمد شیخی زادہ داماد آفندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں:

" وأول من قضيٰ به معاوية ." [۳]

ترجمہ: اور ایک گواہ اور قسم کے ساتھ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔

اسی طرح علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۳ھ) مبسوط کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

" وذكر في المبسوط أن القضاء بشاهد ويمين بدعة وأوّل من قضيٰ به معاوية ." [۱]

ترجمہ: مبسوط میں ہے کہ ایک گواہ اور (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس طرح کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صادر فرمایا۔

تو اِس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا علمائے اہل سنت کو سنن الکبریٰ للبيهقي کی اُس روایت کا علم نہ ہو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کا ذکر موجود ہے۔

چناں چہ صاحب تلویح اپنی معلومات کے مطابق لکھتے ہیں:

" بل المراد أمر مبتدع لم يقع العمل به الي زمن معاوية لعدم الحاجة اليه ."

(توضيح تلويح : ١٦/٢ ، ١٧)

ترجمہ: بلکہ "بدعت" سے مراد "امر جدید" ہے جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک عمل نہیں کیا گیا، کیوں کہ اُس کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ سنن الکبریٰ للبيهقي کی مذکورہ روایت (جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کا ذکر موجود ہے) واقعی بعض علمائے اہل سنت کے کے پیش نظر نہیں ہوگی۔

دوسرے یہ کہ بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ سنن بیہقی کی مذکورہ روایت بعض مذکورہ علمائے اہل سنت کے پیش نظر ضرور رہی ہوگی، تو ہوسکتا ہے کہ وہ اُن کے نزدیک حجت نہ ہو، کیوں ایک تابعی مرسل ابن شہاب زہری کا اپنا متفردانہ قول ہے جس کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا۔

تیسرے یہ کہ بالفرض اگر تابعی مرسل ابن شہاب زہری کا یہ قول (جس کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا) حجت مان بھی لیا، تب بھی مضر نہیں، اِس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض علمائے اہل سنت نے جو یہ لکھا ہے کہ: "ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا"

بدعت'' ہے اور سب سے پہلے اِس کو شروع کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں'' تو اِس کے ساتھ ساتھ علمائے اہلِ سنت نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اِس بدعت سے ''بدعت شرعی'' نہیں بلکہ ''بدعت لغوی'' مراد ہے۔

چناں چہ صاحب تلویح صاحب توضیح کے مذکورہ بالا قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ليس المراد أن ذلک أمر ابتدعه معاوية في الدين ...... لأنه ورد فيه الحديث الصحيح بل المراد أمر مبتدع لم يقع العمل به الي زمن معاوية لعدم الحاجة اليه ."

(توضيح تلويح : ۲/۱۶ ، ۱۷)

یہاں بدعت سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ اپنی طرف سے دین میں گھڑ لیا...... کیوں کہ اِس کے بارے میں صحیح حدیث وارد ہے، بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسا نیا فیصلہ ہے جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک عمل درآمد نہیں ہوا، کیوں کی اُس کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح محشّیٔ شرح وقایہ صاحب شرح وقایہ کے مذکورہ بالا قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" كذا ذكر محمد في المؤطاء ناقلا عن الزهري لكن معني قوله : بدعة أمر جديد ولا أنها بدعة ملعونة ...... وقد وردت فيه الأخبار وأخذت به الأئمة الثلاثة ."(حاشية شرح الوقاية كتاب الدعوات : ص ۲۰۵)

ترجمہ: اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ نے زہری سے نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے۔لیکن ''بدعت'' سے مراد ''امر جدید'' ہے، ملعون بدعت نہیں......(کیوں کہ) اِس فیصلے کے بارے میں روایات وارد ہوئی ہیں۔اور ائمہ ثلاثہ نے بھی اسی کے مطابق اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔(ترجمہ ختم)

اِن تصریحات سے معلوم ہوا کہ بعض علمائے اہلِ سنت نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر جو ''بدعت'' کا اطلاق کیا ہے تو اُس سے حسبِ تصریح علمائے اہل سنت ''بدعت شرعی'' نہیں بلکہ ''بدعت لغوی'' بمعنی ''امر جدید'' مراد ہے۔

اور اگر کوئی زیادہ ہی اصرار کرے کہ مذکورہ بالا علمائے اہل سنت کی عبارات میں ''بدعت'' سے ''بدعت لغوی'' نہیں بلکہ ''بدعت شرعی'' ہی مراد ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ پھر اِس میں ''**قضي بشاهد مع اليمين** '' ہی کی تخصیص کیا ہے؟ پھر تو دین کے بعض ایسے اُمور پر بھی ''بدعت'' کا اطلاق کیا گیا ہے جن کا کسی بھی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جمعہ کی پہلی اذان پر ''بدعت'' کا اطلاق کیا ہے۔

اسی طرح آپؓ نے چاشت کی نماز پر اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے قنوت پڑھنے پر ''بدعت'' کا اطلاق کیا ہے۔

چناں چہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے

(مصنف ابن ابی شیبہ)

چناں چہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے

اسی طرح حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ نے نماز میں جہراً ''بسم اللہ'' پڑھنے پر ''بدعت'' کا اطلاق کیا ہے۔

چناں چہ جامع ترمذی میں ہے:

جامع الترمذي: ۱/۳۳)

اِس سے معلوم ہوا کہ علمائے اہل سنت نے جہاں کہیں بھی دین کے کسی مسلمہ امر کے بارے میں ''بدعت'' کا اطلاق کیا ہے تو اِس سے ''بدعت شرعی'' نہیں بلکہ ''بدعت لغوی'' مراد ہے، ورنہ مذکورہ بالا اُمور سے کسی شخص کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

''ہنوز بر سر مطلب آمدم'' بہر حال علمائے اہل سنت کی مذکورہ بالا عبارات سے کچھ بھی مراد ہو جب ملا جیون رحمہ اللہ نے اپنے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ:

ا؎ (ألمبسوط للسرخسي : ۱۹۶/۲۶ ، ألناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (ألمحيط البرهاني في اثبات مذهب النعماني : ۵۳۵/۸ ، ألناشر : دار احياء

التراث العربي ، بيروت)

۳ (مجمع الأنهر في شرح ملتقي الأبحر لشيخي زادة : ۳/ ۳۵۰ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

۴ (شرح التلويح عليٰ التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه للتفتازاني : ۲/ ۱۶ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

” وقد نقلنا كل هذا عليٰ نحو ما قال أسلافنا وان كنا لم نجترئ عليه .“ [۱]

ترجمہ: اور یہ سب کچھ ہم نے اُس طرح نقل کیا ہے جو ہمارے اسلاف نے فرمایا ہے اگرچہ ہم اِس پر جرأت نہیں کرتے۔ (ترجمہ ختم)

تو گویا ملاجیون رحمہ اللہ نے اپنے واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ یہ سب کچھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارے اسلاف کا نظریہ ہے، جسے ہم نے نقل کر دیا ہے، ورنہ ہماری کیا مجال تھی یا اتنی جرأت کہاں تھی کہ ہم اسے اپنے نظریئے کے طور پر پیش کرتے۔

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ناقل اپنی نقل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا ملاجیون رحمہ اللہ پر یہ الزام بہرحال عائد ہوتا ہے کہ آخر اُنہوں نے اپنے اسلاف کا یہ قول نقل کیوں کیا ہے؟ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ناقل اپنی نقل کا ذمہ دار ہوتا ہے، لیکن اِس میں اتنی بات ہے کہ ناقل اپنی نقل کا اُس وقت ذمہ دار ہوتا ہے جب وہ اپنے مؤقف اور نظریئے کے مطابق کسی کی عبارت یا اُس کا مؤقف و نظریہ نقل کرے۔ لیکن یہاں پر تو ملاجیون رحمہ اللہ نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں یہ واشگاف اعلان فرما دیا ہے کہ یہ سب کچھ ہم نے اُس طرح نقل کیا ہے جو ہمارے اسلاف نے فرمایا ہے ورنہ ہماری کیا مجال یا اتنی جرأت کہاں تھی کہ ہم اِس بارے میں اپنا کوئی مؤقف یا نظریہ پیش کرتے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ملاجیون رحمہ اللہ نے یہاں اپنے اسلاف کا مؤقف و نظریہ پیش فرمایا ہے اپنا کوئی مؤقف یا نظریہ پیش نہیں فرمایا۔

نیز ہماری مذکورہ بات کی تائید پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اُس اُصول سے بھی ہوتی ہے جو اُنہوں نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ:

''عام مؤرخین کے مقابلے میں خود صاحب معاملہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا ہی زیادہ صحیح ہے۔'' (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۳۰)

بناء بریں اِس معاملے میں بھی دوسرے لوگوں کے اقوال کی بہ نسبت پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اُصول کے مطابق ملا جیون رحمہ اللہ کے اپنے قول کو ہی ترجیح دینا زیادہ صحیح ہوگا کیوں کہ وہ خود صاحب معاملہ ہیں اور اوپر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اُن کے نزدیک عام لوگوں کے مقابلے میں خود صاحب معاملہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا ہی زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ لہٰذا اِس معاملے میں بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اُصول کے مطابق ملا جیون رحمہ اللہ کے اپنے قول کو ہی زیادہ ترجیح دی جائے گی اور اُنہیں ''نقد معاویہؓ'' کے الزام سے بریٔ الذمہ سمجھا جائے گا۔

❁……❁……❁

۱ (نور الأنوار في شرح المنار : ص ۲۹۹ ، ۳۰۰)
۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۴۴)

﴿۱۲﴾
بیہقی وقت، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۱۲۲۵ھ)

تعارف:

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی

قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپؒ کا شمار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپؒ بہترین علماء، پرہیزگار اور عمدہ ترین متقیانِ رازگار میں سے تھے۔ اور دینی و علمی حلقوں میں شیخ زماں، امام وقت، مجتہد عصر، مفسر قرآن، محدث، فقیہ، محقق و شیخ طریقت کی حیثیت سے معروف تھے۔

ابتدائی تعلیم:

آپؒ نے سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی میں کتب درسیہ کے علاوہ بھی تقریباً ایک سو پچاس کتابیں مطالعہ کیں۔

پانی پت میں کچھ عرصہ تک ''قضاء'' کے منصب پر فائز رہے، اور ایک زمانہ تک افاضۂ ظاہر و باطن، اشاعت علوم، فصل خصومات، افتاء، سوالات اور حل مشکلات میں مصروف رہے۔

بیعت و خلافت:

قاضی صاحبؒ پہلے شاہ محمد عابد سنامی قدس سرہ سے بیعت کی، پھر اُن کی وفات کے بعد مجددی سلسلہ طریقت میں اس عہد کے سب سے بڑے شیخ مرزا مظہر جانِ جاناں (شہید ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم) کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں ان کے خلیفۂ اعظم مقرر ہوئے۔

علمی مقام:

علمی قابلیت و صلاحیت کے پیش نظر آپؒ کے پیر و مرشد حضرت مولانا مرزا جانِ جاناں صاحب قدس سرہ نے آپؒ کو ''علم الہدیٰ'' کے لقب سے سرفراز فرمایا، جب کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم عصر ہونے کے باوجود آپؒ کو ''بیہقیِ وقت'' جیسے عظیم الشان لقب سے نوازا۔

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ علم تفسیر، فقہ، کلام اور تصوف میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خصوصاً علم فقہ میں ایسا مرتبہ حاصل تھا کہ اس میں کئی کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے۔ اور مشکل سوالات کے جوابات میں کئی خطوط تحریر فرمائے۔

تصانیف:

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ کوتصنیف وتالیف میں بھی حق تعالیٰ نے خصوصی ملکہ
عطا فرما رکھا تھا۔آپؒ
نے مختلف موضوعات گراں قدر اور علمی کتابیں تصنیف کیں۔جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ تفسیر مظہریؒ (عربی) کامل ضخیم سات جلدیں۔اِس کتاب کا نام آپؒ نے اپنے
پیرومرشد سے شدت
عقیدت ومحبت کی بناء پر حضرت مولانا مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رکھا
ہے۔﴿۲﴾ سیف المسلول۔ردّ شیعیت میں اِس کتاب کو "شمشیر بے نیام" کہا جاتا
ہے۔﴿۳﴾ ارشاد الطالبین ﴿۴﴾ مالا بدمنہ (فارسی) ﴿۵﴾ تذکرۃ الموتی والقبور
﴿۶﴾ تذکرۃ المعاد ﴿۷﴾ حقوق الاسلام (یہ کتاب حقیقت الاسلام کے نام سے مشہور ہے۔)
﴿۸﴾ رسالہ حرمت واباحت سرود ﴿۹﴾ رسالہ حرمت متعہ ﴿۱۰﴾ رسالہ شہاب ثاقب
وغیرہم۔

علاوہ ازیں آپؒ کی دیگر بھی کئی کتابیں اور رسالے موجود ہیں جن کی تعداد تیس سے
کچھ اوپر ہے۔

وفات حسرت آیات:

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ نے مؤرخہ یکم رجب المرجب ۱۲۲۵ھ بمطابق
۱۸۱۰ء کو اِس جہانِ رنگ و
بو کو خیر آباد کہا اور سفر آخرت کے لئے روانہ ہوگئے۔

مولوی حافظ محبّ اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ نے تاریخ وفات قرآنِ مجید کی
اِس آیت مبارکہ:

" فهم مكرمون في جنات نعيم ."

سے نکالی ہے۔[۱]

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:
لیکن بایں ہمہ فضل وکمالات حاسدین ومعاندین کے تیروترکش سے آپ کسی طرح

بھی نہ بچ سکے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے ساتھ ساتھ اہل سنت کے عقائد و نظریات کے فروغ اور تحفظ کے لئے بھی مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اہل تشیّع کے افکار و نظریات تردید میں '' ألسيف المسلول '' کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی، مگر صد افسوس! کہ بعض مقامات پر بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مطلوب اعتدال برقرار نہ رکھ سکے اور انہیں ''باطل'' پر قرار دے دیا۔

چنانچہ موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''گو انہوں (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) نے یہ صلح مسلمانوں میں خون ریزی بند کرنے کے لئے کی تھی۔ ہاں! اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دوسروں پر افضلیت ثابت نہیں، کیوں کہ ان کی خلافت' خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی طرح اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔ [۲]

موصوف آگے زیر عنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء لکھتے ہیں کہ:

''اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے اور بغاوت کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

'' **تقتلک ألفئة الباغية**.'' [۳]

[۱] (تذکرہ علمائے ہند (از: مولوی رحمان علی): ۱۴۴، ۱۴۵، ناشر: پاکستان ہسٹاری کل سوسائٹی، کراچی)

۲؎ (ألسيف المسلول : ص ۲۰۱، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، بحوالہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۴۷)

۳؎ (حوالہ مذکورہ: ص ۳۷۵)

ترجمہ: تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

حضرت موصوف کی یہ دونوں باتیں" صحیح نہیں ہیں کہ:"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔" اور "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر
تھے۔"

ہر دور کے اپنے اہل وعقد ہوتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ دو حصوں میں تقسیم تھے۔ ان میں سے کچھ حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور کچھ حضرات شام میں
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت میں تھے۔"۱؎

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل حل وعقد کے مشورہ سے قائم ہوئی؟:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اربابِ حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہونے کا اگر یہی
مطلب ہے جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے مراد لیا ہے کہ:

"حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس پیشن گوئی ۲؎ " **ان ابني هذا سيد لعل الله يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين.**" کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نہ صرف خلافت سے دست برداری اختیار کر لی، بلکہ اپنے اہل حل وعقد سمیت اِن کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔...... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور اُن کی جماعت کے
بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اُمت کا اجماع ہو گیا۔" ۳؎

تو اِس میں شک ہی کیا ہے یا اس سے کون انکار کرتا ہے؟۔

اور اگر اِس کا مطلب یہ ہے (جیسا کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے) کہ جس طرح حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہوئی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اُس طرح اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم نہیں ہوئی تھی تو پھر اِس کا جواب منفی میں ہے اور حضرت

۱ (ألسیف المسلول: ص ۲۰۱، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، بحوالہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۴۷)

۲ صحیح لفظ ''پیش گوئی'' یا ''پیشین گوئی'' ہے۔ (رفیع)

۳ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۴۸)

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق درُست ہے۔

اِس لئے کہ خلیفہ یا اہل حل وعقد کا آزادانہ مشورے سے افضل ترین فرد کو خلافت سپرد کرنا (جب کہ وہ خود اُس کا طالب نہ ہو) اور چیز ہے، اور کسی خلیفہ کا مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے خلافت کے حصول پر مصر مخالف جماعت کو خلافت سپرد کر دینا دوسری چیز ہے۔

حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا قیام پہلی صورت کے مطابق ہوا تھا کہ سب سے پہلے اہل حل وعقد یا خلیفہ نے اپنی آزادانہ رائے سے کسی ایک خلیفہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا اور پھر اُس کے بعد اُس کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں نے بیعت کی، جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قیام دوسری صورت کے مطابق ہوا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد شام میں اپنی الگ خلافت کا دعویٰ کر چکے تھے، اور وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت (جو اصل شرعی خلیفہ کی نیابت تھی) بھی اُن سے لینا چاہتے تھے۔ اہل شام اور اہل عراق میں دوبارہ جنگوں کا خطرہ تھا۔ فوجیں تیار ہو رہی تھیں۔ اِن حالات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہی صورت بتلائی کہ وہ منصب خلافت سے معزول ہو جائیں، جسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فقط مسلمانوں کی خون

ریزی کے خطرہ کے پیش نظر اسے قبول کرلیا تھا۔

ہاں! اربابِ حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے کے بغیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے سے آپ کی خلافت کا باطل ہونا ہرگز لازم نہیں آتا، اس لئے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور آپ رضی اللہ عنہ کے حوالے کردی اور تمام مسلمانوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو اُس وقت کے آپ رضی اللہ عنہ بلاشک وریب مسلمانوں کے ایک خلیفہ برحق منتخب ہوگئے تھے۔

چنانچہ اِس سلسلہ میں سب سے صاف اور بے غبار وہ روایت ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت
حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرکے اپنی جامع میں نقل کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

" حدثنا عبد الله بن محمد ، حدثنا سفيان ، عن أبي موسيٰ ، قال : سمعت الحسن ، يقول : استقبل والله الحسن بن علي معاوية بكتائب أمثال الجبال ، فقال عمرو بن العاص : اني لأريٰ كتائب لا تولي حتي تقتل أقرانها ، فقال له معاوية : وكان والله خير الرجلين أي عمرو ان قتل هؤلآء هؤلآء

وهؤلآء هؤلآء من لي بأمور الناس من لي بنسائهم من لي بضيعتهم فبعث اليه رجلين من قريش من بني عبد شمس ، عبد الرحمان بن سمرة وعبد الله بن عامر كريز ، فقال : اذهبا اليٰ هذا الرجل ، فأعرضا عليه ، وقولا له : واطلبا اليه ، فأتياه ، فدخلا عليه فتكلما، وقالا له :فطلبا اليه ، فقال لهما الحسن بن علي : انا بنو عبد المطلب ، قد أصبنا من هذا المال وان هذه الامة قد عاثت في دمائها ، قالا : فانه يعرض عليک كذا وكذا ، ويطلب اليک ويسألک قال: فمن لي بهذا؟ قالا: نحن لک به ، فما سألهما شيئا الا قالا : نحن لک به ، فصالحه ."[1]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پہاڑوں کے مانند لشکر اور جیوش باہم متقابل ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "یہ لشکر اور عساکر ایک دوسرے کو قتل کیے بغیر پسپا ہونے والے نہ تھے۔" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اللہ کی قسم ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "خير الرجلين" تھے۔" یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔ انہوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "اگر ایک فریق دوسرے فریق کو قتل کرڈالے اور دوسرا فریق پہلے فریق کو قتل کرڈالے تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان کی عورتوں، ان کے بال بچوں اور ان کے کم زور لوگوں کی نگہداشت کون کرے گا؟ یعنی اس صورت میں یہ سب لوگ ضائع اور برباد ہو جائیں۔" تو ان حالات کے پیشِ نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنی عبد الشمس کے دو افراد عبد الرحمٰن بن سمرۃ اور عبد اللہ بن عامر کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ: "حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر صلح نامہ پیش کیجئے اور انہیں صلح پر آمادہ کیجئے!" چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اس مسئلہ پر گفتگو کر کے انہیں صلح کی دعوت دی۔ اس پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ: "ہم بنو عبد المطلب ہیں (اپنے اہل

ـلـ (صحيح البخاري : ۱۸۶/۳ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

وعیال اقرباءاور خدام پر بخشش، توسع اور کرم کرنا ہماری جبلت میں داخل ہے)اور اس مال سے ہم ان سب کے حقوق ادا کرتے ہیں، اور اب اس امت میں بہت زیادہ انتشار اور فساد واقع ہو گیا ہے۔''اس پر ان حضرات نے کہا کہ:''آپ کی ضروریات اور تقاضے پورے کیے جائیں گے اور آپ کے تمام مطالبات تسلیم کیے جائیں گے۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ:''ان وعدوں کے ایفاء کا ذمہ دار کون ہوگا؟''انہوں نے کہا:''ہم ذمہ دار ہوں گے۔''اس

کے بعد مسئلہ خلافت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

(ترجمہ ختم)

صلح کے بعد باہمی گفتگو:

نیز ہمارے دعوے کی تائید اِس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ

سے صلح کر لی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

''اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجئے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے امر خلافت کو ترک کر دیا

ہے اور اسے ہمارے سپرد کر دیا ہے۔''

چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے جگہ سے اٹھے اور حمد ثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

''عقل مند شخص وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور عاجز شخص وہ ہے جو فاجر ہے۔ میں نے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے معاملہ میں جو باہم اختلاف کیا ہے، یا تو میرا حق تھا جسے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے ترک کر دیا ہے اور یا اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ میں نے تو صرف لوگوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے (صلح کی)
یہ صورت اختیار کی ہے۔''

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

" قال الشعبي : فسمعته علىٰ المنبر حمد الله و أثنىٰ عليه ثم قال : أما بعد ! فان أكيس الكيس التقي، وان أعجز العجز الفجور ، وان هذا الأمر الذي اختلفت فيه أنا ومعاوية حق كان لي فتركته لمعاوية أوحق كان لامرئٍ أحق به مني ، وانما فعلت هذا لحق دمائكم ، وان أدري لعله فتنة لكم ومتاع

الیٰ حین .''[1]

ترجمہ: عامر شعبیؒ ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی تو میں بھی اس موقع وہاں حاضر تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ''اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجئے کہ آپ نے امر خلافت کو ترک کر دیا ہے اور اسے ہمارے سپرد کر دیا ہے۔'' چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے جگہ سے اُٹھے اور حمد ثناء کے بعد ارشاد فرمایا کہ: ''عقل مندوں میں سے زیادہ عقل مند شخص وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار رہے۔ اور عاجزوں میں سے زیادہ عاجز شخص وہ ہے جو فاجر ہے۔ یہ معاملہ جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ہم نے باہم اختلاف کیا ہے' یہ یا تو میرا حق تھا جسے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے چھوڑ دیا ہے اور یا یہ اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ میں نے
لوگوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے (صلح کی) یہ صورت اختیار کی ہے۔'' (ترجمہ ختم)

اِس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے نامزدگی خود ان کے اصرار اور مطالبہ پر ہوئی تھی، جسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جنگوں کا خطرہ ختم کرنے کی خاطر مان لیا تھا، ایسا نہیں تھا اُمت کے افضل حضرات یا خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آزادانہ طور پر سوچ بچار کی ہو کہ اِس وقت اُمت میں بہتر فرد کون ہے؟ بہت سے نام سامنے ہوں اور پھر اُن ناموں میں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام چن لیا گیا ہو، بلکہ فقط دو نام تھے، ایک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اور دوسرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا، اور فیصلہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ یا میں ہی خلیفہ رہوں یا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کو خلافت سونپ دی جائے۔

اگر آزاد شورائی فیصلہ ہوتا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن
عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ وغیرہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے تو اُن میں سے کوئی خلیفہ نامزد

ہوتا۔

البتہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اُس وقت کے تمام مسلمانوں
بشمول اہل حل وعقد نے
بیعت کی تھی۔

چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت اور سپردگی خلافت کے
جس قدر بھی حوالہ جات

ا؎ (مصنف ابن أبي شيبة : ١١/١٤٢ ، تحت كتاب الامراء)

موجود ہیں اُن سب سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سپردگی خلافت کے فیصلہ کے بعد تمام مسلمانوں کو فقط فیصلہ سنانے کے لئے جمع کیا گیا تھا، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حکم ماننے کی خاطر اُن سب ہی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آپ کو خلیفہ وقت تسلیم کیا تھا۔

چنانچہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حوالہ ملاحظہ فرمائیے کہ جس میں اَن جانے میں
وہ بھی ہمارے اِس
دعوے کو تسلیم کرتے ہوئے بحوالہ علامہ ابن عبد البر لکھ گئے کہ:

''علامہ ابن عبد البر اُندلسی ٤٦٣ھ لکھتے ہیں کہ:

**" واجتمع الناس عليه حين بايع له الحسن بن علي وجماعة
ممن
معه ...... ألخ ." ا؎**

اب آپ ذرا علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ:

''جس وقت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور اُن کی جماعت کے ساتھیوں نے
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو اِس پر لوگوں کا اجتماع ہو گیا۔''

تو آپ کو ہمارے اِس دعوے کا حق اور سچ ہونا سمجھ میں آجائے گا۔

اِس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے خلافت سپرد کرنے کے بعد اُن کی خلافت پر لوگوں کا اجتماع ہوا تھا، خلافت کی بیعت ہونے سے پہلے افاضل صحابہ رضی اللہ عنہم کو آزادانہ اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اُن میں سے جس کو چاہیں خلافت کے لئے چن لیں۔

یہ تھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائم ہونے کی وہ اصلی اور حقیقی صورت جو اُس نازک اور پر آشوب دور میں قائم ہوئی تھی اور پھر اُس پر تمام مسلمانوں بشمولِ اہل حل وعقد نے بیعت کی تھی، اور آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا تھا۔[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج!:

اس سلسلے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو ہمارا کھلا چیلنج ہے کہ وہ اپنے دعوے کے مطابق ہمیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کی طرح بیعت خلافت سے پہلے اہل حل وعقد کے

[1] (ألاستيعاب مع الاصابة : ۳/۳۹۸...... ۴۰۰ ،بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۴۸)

آزادانہ مشورے سے قائم ہونا ثابت کر دیں! کیوں کہ اُن کا دعویٰ ہے کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی طرح بیعت خلافت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہوئی تھی، لہٰذا اب انہیں اپنے اس دعویٰ پر دلیل بھی پیش کرنا ضروری ہوگا۔

کیا جنگ صفّین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق پر تھے؟:

باقی رہا حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا جنگ صفّین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حق پر کہنا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر کہنا تو یہ بات واقعی صحیح نہیں ہے۔ اِس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبنی بر اجتہاد لڑائیوں میں صواب وخطاء کا تو تقابل ہوسکتا ہے لیکن حق اور باطل کا تقابل ہرگز نہیں ہوسکتا، اور یہ بات بیہقیٔ وقت، علم الہدیٰ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی

رحمہ اللہ جیسے محقق عالم ہم سے کہیں زیادہ بہتر طریقے سے جانتے ہیں، اِس لئے ہم حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے علمی مقام ومرتبہ کو سامنے رکھتے ہوئے اِس کی یہی تاویل کریں گے کہ یہاں حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے کلام میں لفظ ''باطل'' سے لفظ ''خطاء'' ہی مراد ہے۔

چناں چہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ اِس پر علمائے اہل سنت کا اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' ان أهل السنة أجمعوا عليٰ أن من خرج عليٰ عليٍّ كرم الله وجهه خارج عليٰ الامام الحق ، الا أن هذا البغي الاجتهادي معفو عنه .'' [1]

[1] (ألناهية عن طعن معاوية للفرهاروي : ص ٣٨ ، ألناشر : ألمكتبة الحقيقة ، استنبول ، تركي)

ترجمہ: (علمائے) اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جنہوں (حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا ان کا خروج ایک امام برحق کے خلاف خروج تھا، مگر یہ کہ یہ ان کی اجتہادی بغاوت تھی جو ان کے حق میں معاف ہے۔ (ترجمہ ختم)

حاصل کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ ایک تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کے قیام کی نوعیت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قیام کی نوعیت میں زمین وآسمان کا فرق تھا کہ حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت اربابِ حل وعقد کے آزادانہ مشورے سے قائم ہوئی تھی، اور خلیفہ کے تجویز کرنے میں اہل شوریٰ پوری طرح آزاد تھے کہ وہ اُمت کے بہترین افراد میں سے جس کو چاہیں خلیفہ تجویز کرلیں، جب کہ یہاں اضطراری حالت تھی، کوئی شوریٰ نہیں تھی کہ جسے کئی افاضل اُمت میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار ہوتا، بلکہ دو گروہ تھے، ایک شرعی خلیفہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا امیر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو خلیفہ کی اطاعت سے آزاد تھے۔ پہلا گروہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مصر تھا، جب کہ دوسرا گروہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مصر تھا، تاہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے گروہ کو اہل شام کو خلافت سونپ دینے پر منا لیا تھا۔

اور دوسرے یہ کہ جمہور علمائے اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جنگ صفّین میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خروج اگر چہ غلط تھا، لیکن چوں کہ مبنی بر اجتہاد تھا، اِس لئے اُس کو ''خطاء'' تو کہہ سکتے ہیں، لیکن ''باطل'' ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

چناں چہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا ہے اجتہاد پر مبنی ہے، اس کو خطاء تو کہہ سکتے ہیں لیکن باطل نہیں کہہ سکتے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان جنگوں میں (جو اجتہاد پر مبنی ہیں) خطاء وصواب کا تقابل ہے، نہ کہ حق وباطل کا۔''[1]

[1] (خارجی فتنہ: جلد اوّل ص ۲۲۷، ناشر: تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان)

﴿۱۳﴾

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۲۳۹ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالعزیز، لقب: سراج الہند، محدث دہلوی، والد کا نام: شاہ ولی اللہ اور دادا کا
نام: شاہ عبدالرحیم ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم ......الخ۔''

ولادت باسعادت:

آپؒ مؤرخہ ۲۵/ رمضانُ المبارک ۱۱۵۹ھ بمطابق ۱۱/ اکتوبر ۱۷۴۶ء بروز جمعہ کو ''دہلی'' میں پیدا ہوئے آپؒ کا تاریخی نام ''غلام حلیم'' ہے، جس کے اعداد ۱۱۵۹ ہیں، اور اِس سے آپؒ کا سن ولادت نکلتا ہے۔ آپؒ کا سلسلۂ
نسب چونتیس (۳۴) واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ [۱]

درس وتدریس:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب سترہ (۱۷) برس کے ہوئے تو آپؒ کے والد بزرگوار امام شاہ ولی اللہ محدث ہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی۔ آپؒ پچیس (۲۵) سال کی عمر ہی سے آپ متعدد موذی امراض میں

[۱] (حیات ولی از: محمد رحیم بخش: ص ۵۸۷، ناشر: مکتبہ سلفیہ، لاہور)

مبتلا رہنے لگے تھے، اور آخر عمر تک اِس میں گرفتار رہے۔ اوائل عمر ہی میں کثرتِ امراض کے باوجود آپؒ نے مدت العمر درس وتدریس کی محفل سجائی رکھی اور اپنے والد کے سچے جانشین مقرر ہوئے، اور مدت العمر اپنے والد ماجد کی مسند کو درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، شریعت وطریقت اور جہاد وعزیمت سے خوب گرمایا۔ [۱]

تصانیف:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں متعدد کتابیں تصنیف

فرمائی ہیں، آخری عمر میں جب مختلف قسم کے امراض نے آپؒ کو گھیر لیا اور آنکھوں کی بصارت زائل ہونا شروع ہوئی تو آپؒ نے بعض کتابیں املاء کروا کے بھی لکھوائی ہیں۔ [۲]

چند اہم تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) تحفۂ اثناعشریہ (فارسی) (۲) عجالہ نافعہ (فارسی) (۳) بستان المحدثین (فارسی) (۴) فتاویٰ عزیزیؒ

(فارسی) (۵) تفسیر فتح العزیز المعروف بہ تفسیر عزیزیؒ (نامکمل) (۶) سر الشہادتین۔

وفات حسرت آیات:

بالآخر اپنی حیاتِ مستعار کی مکمل آٹھ دھائیاں دیکھنے کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس عالم آب وگل کو خیر آباد کہا اور اسی (۸۰) برس کی عمر میں مؤرخہ ۹ شوال المکرّم ۱۲۳۹ھ بمطابق ۱۸۲۳ء یک شنبہ

(اتوار کے دن) اِس دارِفانی کو الوداع کہا۔

حضرت شاہ صاحب حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال دشمنوں، حاسدین و معاندین کے حسد وعناد سے آپ کسی طرح مامون نہ رہے۔

خلافت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے درمیانی دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیثیت!

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ سے متعلق ''فتاویٰ عزیزی'' اور تحفہ اثناعشریہ'' میں موجود بعض عبارات کو اگر ''الحاقی'' تسلیم نہ کیا جائے

[۱] (دیباچہ فتاویٰ عزیزیہ: ص۴، ناشر: مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۹۱ھ)

[۲] (نزہۃ الخواطر: ۷/۲۷۳)

تو ان مقامات پر ان کا قلم یقیناً ''لغزش'' کا شکار ہو گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بعض جاہل امامیہ انتہائی عناد وتعصب کی بناء پر کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام مانتے ہیں ۔'' یہ قول انتہائی بے شرمی اور شوخ چشمی پر مبنی ہے اور اس کو منہ پر جھوٹ بولنا کہتے ہیں، ورنہ معمولی پڑھا لکھا فارسی خواں جس نے اہل سنت کے مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ عقائد نامہ فارسی پڑھا یا دیکھا ہے' یقین سے جانتا ہے کہ اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائی امامت سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے معاملہ امامت حوالہ کرنے تک حق پر نہیں تھے، بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے، اس لئے کہ امام وقت کی
اطاعت چھوڑ بیٹھے تھے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب امامت سپرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے، یا ان کی حیثیت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک عام بادشاہ تھے۔ تمام اسلامی ممالک کے فرماں روا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کسی ناگزیر مصلحت کے سبب ان کی سلطنت کی
وسعت کو گوارا کر لیا تھا اور وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیے نہ کرتے تھے۔ [۱]

خلافت علی رضی اللہ عنہ و مصالحت حسین رضی اللہ عنہ کا درمیانی دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بغاوت کا کہلاتا ہے!

اِس میں شک ہی کیا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت کے لئے نامزد ہوئے اور مسلمانوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کر لی اور آپ باقاعدہ طور پر خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے اپنی ''خطائے اجتہادی'' کے سبب آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کر کے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے
بغاوت کا ارتکاب کر رکھا تھا اور خلیفہ برحق کی اطاعت چھوڑ رکھی تھی اور باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اُن کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کر لیا تھا تو وہ اِس مصلحت کی بناء پر تا کہ مسلمانوں میں باہم مزید خون ریزی نہ ہو سکے، لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

اُن کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوئے، تا آں کہ
حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں تھمائی اور تمام مسلمانوں (بشمول اہل حل وعقد) نے آپ

۱؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۱)
کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی اور آپ باقاعدہ طور پر خلیفۃ المسلمین منتخب ہوگئے، اس لئے آپ موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں، کیوں کہ خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف چار حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہی میں منحصر ہے اور حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ اُس کے مصداق نہیں ہیں۔

اسی وجہ سے بہت سے وہ علماء کہ جنہوں نے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے درمیان فرق کرنے اور انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کا لحاظ رکھا ہے، اُنہوں نے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی حکومت کو ''خلافت'' قرار دیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو ''ملوکیت'' کا نام دیا ہے چنانچہ زیر بحث عبارت میں اسی امتیازی فرق کو واضح کرنے کی خاطر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
نے آپ کی حکومت کو ''ملوکیت'' کا نام دیا ہے۔

اور جن علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو فسق وفجور اور ظلم وزیادتی سے خالی ہونے اور عدل وانصاف اور فتوحات کے عام ہونے کے پہلو کو دیکھا ہے تو اُنہوں نے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت سے مشابہت کی
بناء پر اُسے ''خلافت'' ہی قرار دیا ہے، لیکن اِس سے آپ کی مطلق خلافت مراد ہے ''خلافت راشدہ موعودہ'' مراد نہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

''جن لوگوں نے اِس فرق کا لحاظ کیا اُنہوں نے اِن (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی حکومت کو ملوکیت کا نام دے دیا، اور جن لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت) فسق و فجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا تو اُنہوں نے اسے ''خلافت'' ہی قرار دیا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا کہ:

" فلم يكن من ملوک المسلمين ملک خير من معاوية ولا كان الناس في زمان ملک من الملوک خير امنهم في زمن معاوية اذا نسب أيامه الي أيام من بعده وأما اذا نسبت الي أيام أبي بكر وعمر ظهر التفاضل ."[1]

ترجمہ: مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں ہوا۔ اور اگر اِن کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں

[1] (منهاج السنة : ۱۸۵/۳ ، بحوالہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ۱۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اتنے بہتر نہیں رہے جتنے حضرت معاویہ کے زمانے کا مقابلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔[1]

پس ثابت ہوا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائے امامت سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپردگیٔ خلافت تک امام برحق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت چھوڑنے کے سبب (اپنی اجتہادی غلطی کی بناء پر) حق پر نہیں تھے اور باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے، اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تو اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد غیر موعود اور) بادشاہ مقرر ہوئے۔''

اپنی جگہ بالکل صحیح اور دُرست ہے۔

ہاں! یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ تعبیر میں بہتری کی گنجائش کچھ نہ کچھ ضرور نکلتی ہے مگر معنی کے لحاظ سے حضرت شاہ صاحب کا مؤقف وہی ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بعض موہم عبارات اور اُن کے جوابات:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات واقعی ایسی ضرور موجود ہیں کہ جن کے مطالعہ سے ایک منصف مزاج اور معتدل نظریات کا حامل شخص شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عبارات حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی ہیں؟ حالاں کہ اگر اُن کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر سینہ تان کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں، یا پھر یہ کہ یہ عبارات اُن کی تصانیف میں الحاقی ہیں اور اُن سے حضرت شاہ صاحبؒ کا دامن بالکل پاک اور صاف ہے؟۔ ذیل میں اسی حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے اس کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے:

ایک جگہ لکھا ہے:

﴿۱﴾...... **ولیس هذا بأول قارورة كسرت في الاسلام .**‘‘

ترجمہ: اور یہ پہلا کانچ کا برتن نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا۔

۱؎ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ۱۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

﴿۲﴾...... محققین اہل سنت از اطلاق لفظ ’’خلیفہ‘‘ ہم تحاشی می کردند، چناں کہ در حدیث صحیح: ﴿ **ألخلافة بعدي ثلاثون سنة** ﴾...... و بالجملہ نزد اہل سنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلاشبہ تا سی سال امتداد یافت و بہ صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کہ پانزدہم ماہِ جمادی الاولیٰ در سنہ چہل و یک بوقوع آمد انقطاع پذیر رفت۔‘‘

ترجمہ: محققین اہل سنت تو اس معاملہ میں زیادہ محتاط تھے، وہ ان حضرات کے لئے ’’خلیفہ‘‘ کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے: ’’میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال تک باقی رہے گی۔‘‘...... خلاصۂ کلام یہ کہ اہل سنت کے نزدیک یہ بات طے شدہ

ہے کہ: ''خلافت حقہ بلاشبہ تیس (۳۰) سال تک باقی رہے گی۔'' جو
(بالآخر مؤرخہ) ۱۵ جمادی الاوّل ۴۱ھ کو امام حسن رضی اللہ عنہ کی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ) صلح
پر ختم ہوگئی۔

﴿۳﴾......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لئے اپنے نسب
میں شامل کرکے
شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ [1]

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''ناقدین' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ:''
اُنہوں نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لئے اپنے نسب میں شامل کرکے شریعت
کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ حیرت انگیز طور پر شاہ صاحب نے بھی
اس اعتراض کا
جواب دینے کے بجائے خود ہی اسے درُست سمجھ کر نقل کردیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے
ہیں کہ: ''یہ مردودِ زمانہ جس کی اصل بھی قابل اعتراض رہی' زیاد بن سمیہ (عرف
زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) تھا۔ وہ اتنا بے حیاء تھا کہ اپنی بے نسبی پر فخر کرتا اور علی الاعلان
اپنی والدہ پر جو ایک لونڈی تھی زنا کی گواہی دیتا تھا......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو فارس کا
حاکم بنایا تو نظم مملکت قائم کرنے، ان شہروں کی حالت درست کرنے اور فتنہ وفساد پر قابو
پانے میں اس کی کارکردگی بڑی شان دار رہی اور اس کی تدابیر وتجاویز کے اچھے نتائج بر
آمد ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے خفیہ رابطہ قائم کیا تاکہ وہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ان سے آملے اور اسے لالچ دیا کہ اگر وہ اس کے لئے تیار ہو کہ
اسے ''شریک نسب'' بھی کرلیا جائے گا۔

[1] (تحفہ اثناعشریہ (اردو): ص ۵۹۴، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۳)

کیوں کہ ایسا خوش تدبیر اور لائق فائق اور کام کا آدمی اگر حریف سے کٹ کر اپنے سے آ ملے تو یہ بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ آپ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے اس کو لکھا کہ: ''اگر تو میرے پاس آ گیا تو میں تجھے اپنا بھائی کہوں گا، اولادِ ابوسفیان رضی اللہ عنہ میں تجھے شامل قرار دوں گا، کیوں کہ تو آخر ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہی کا نطفہ ہے اور تیری دانائی، شرافت، سوجھ بوجھ' تیرے دعویٰ کی صداقت کے منہ بولتے گواہ ہیں۔ جب اس پخت و پز کی اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا: ''مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے تجھے خط لکھا ہے۔ وہ تجھے بے وقوف بنا کر تیری تیزی کو ماند کرنا چاہتا ہے، تم اس سے ڈرتے رہو۔ وہ (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ) اس شیطان کی مانند ہے جو آدمی کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے ہر طرف سے گھیرنے کی فکر میں رہتا ہے، تا کہ جب اسے غافل یا بے فکر پائے تو قابو پا کر تباہ کر دے۔ تم اس سے ہوشیار رہو ......مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک (زیاد) آپ کا رفیق رہا، ساتھ نہ چھوڑا اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت و سیادت کا معاملہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور اُدھر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ساتھ ملانے کی حد سے زیادہ کوشش کی اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسی قول کو دلیل بنا کر جو جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روبرو کہا تھا، اس کو اپنا بھائی قرار دیا اور ۴۴ھ میں ''زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ'' اس کا لقب تجویز کر کے تمام قلم رو میں اعلان کرا دیا کہ آئندہ اسے ''زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ'' کہا جایا کرے۔...... بہر حال جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سیاسی تدبیر میں کامیاب ہوئے اور وہ آپ کا رفیق و معاون بن گیا۔''[1]

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اقتدار کے عروج میں تمام مصلحتوں اور پروپیگنڈوں کی پرواہ کیے بغیر محض احترام شریعت میں اس استلحاق کے متعلق واشگاف الفاظ میں یہ اعلان فرمایا تھا:

''اللہ کی قسم! سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب سے زیادہ

عزت

۱ (تحفہ اثنا عشریہ (اردو): ص۵۹۴، ۵۹۵، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۵۳، ۱۵۴)

والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا، لہٰذا نہ تو یہ بات ہے کہ میں نے زیاد کے ذریعے اپنی قلت کو کثرت میں تبدیل کیا ہو اور نہ میں کبھی کم زور تھا کہ زیاد کی وجہ سے مجھے قوت و عزت مل گئی ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کا حق پہچان لیا اور اس کے حق دار
تک پہنچا دیا۔'' ۱

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد جن چند حضرات نے اس استلحاق کی مخالفت کی تھی انہوں نے حضرت معاویہ سے اپنے طرزِ عمل پر معذرت و معافی طلب کرتے
ہوئے رجوع کر لیا تھا۔ ۲

صحیح بخاری میں ہے کہ:

"ان زیاد بن أبي سفیان کتب الیٰ عائشة ......'' ۳

بخاری کے علاوہ مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور طحاوی وغیرہ کتب میں زیاد بن
ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہی لکھا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہی لکھتی
اور کہتی رہیں:

"عن عائشة الیٰ أم المؤمنین الیٰ زیاد بن أبي سفیان ......''

معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کو ایک طے شدہ بات کو پھر سے متنازعہ بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ پھر وہ بھی ایسے انداز سے جس سے ناقدین معاویہ کے مؤقف کو
تقویت ملتی ہے۔'' ۴

﴿۴﴾......بعض جانب دارانِ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایں لفظ را تاویل می کندو گویند مرادش ایں بود کہ چرا با حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ درشتی درکلام نمی کندو نمے فہمانی کہ دست از حمایت قاتلانِ عثمان بردارد۔''

ترجمہ: بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی

۱؎ (تاریخ طبری: ۴/۱۶۳، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۵۳، ۱۵۴)

۲؎ (ألاستیعاب مع الاصابة : ۱/۵۵۱ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۵۳، ۱۵۴)

۳؎ (صحیح البخاري : ۱/۲۳۰ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۵۳، ۱۵۴)

۴؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۵۳، ۱۵۴)

مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ صحیح مسلم کی حدیث...... :
مامنعک أن تسب أبا تراب کے تحت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں اور ان پر قصاص
جاری کرنے کے لئے ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔''
لیکن اس توجیہ میں دو خدشے ہوتے ہیں...... (لہٰذا یہ صحیح نہیں) بلکہ بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہری معنی سمجھا جائے (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ: ''وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب یا حکم سب کریں۔'')
غایۃ الامر اس کا یہی ہوگا کہ ارتکاب اس فعل قبیح یعنی ''سب'' یا ''حکم سب'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صادر ہونا لازم آئے گا تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے اس لئے کہ ''درجۂ سب'' قتل و قتال سے بہت کم ہے...... جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے اس سے چارہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے، لیکن زبان طعن و لعن بند رکھنا چاہیے۔ اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جن سے زنا اور شراب خمر صادر ہوا رضی
اللہ عنہم اجمعین۔ اور ہر جگہ ''خطائے اجتہادی'' کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں۔''[۱]
یہ ملحوظ رہے کہ موصوف کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے
مابین یہ گفتگو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے بعد دورِ خلافت

[۱] (فتاویٰ عزیزی: ص ۲۳۸، ۲۳۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۸ھ)

معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی۔

سخت تعجب ہے کہ جب صاحب معاملہ کے ساتھ جنگ صفّین کے بعد باقاعدہ صلح ہوگئی، بعدازاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی بے مثال ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُمورِ خلافت تفویض کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء سمیت بیعت بھی کرلی، اس کے باوجود ایک جلیل القدر صحابی اپنے اس عظیم محسن کے ساتھ اس ''سلوک'' کا مظاہرہ کرتا ہے۔اگر یہ احسانات نہ بھی ہوتے تو پھر بھی '' **أذكروا موتاكم بالخير.** '' کے نبوی فرمان کی رُوشنی میں کسی صحابی تو درکنار کسی ''مسلمان'' سے بھی اس ''سلوک'' کی توقع نہیں ہوسکتی۔......اس پر مستزاد یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ اسے ''خطائے اجتہادی'' تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہیں اور بحوالہ ''**سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر**'' اسے کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں۔[1]

﴾۵﴿......این حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نہ بود، وخالی از تہمت تعصب امویہ و قریشیہ کہ بہ جانب عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ داشت نہ بودہ است۔''

ترجمہ: یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے، اور اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں جو تعصب امویہ اور قریشیہ میں تھا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحبؒ اس سوال کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟۔'' کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنت۔ اور محبت اہل بیت رضی اللہ عنہم سے ہے کہ مروان ''**عليه اللعنة**'' کو برا کہنا چاہیے اور اس سے دل سے بیزار رہنا چاہیے۔علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا، اس خیال سے اس ''شیطان'' سے نہایت بیزار رہنا چاہیے۔

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۵۴،۱۵۵)

لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور جناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد ہیں۔ آں جناب کے بارے میں علمائے اہل سنت میں اختلاف ہے۔ علمائے ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حرکات جنگ وجدال جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف ''خطائے اجتہادی'' کی بناء پر تھیں۔'' محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے، اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں جو تعصب اُمویہ اور قریشیہ میں تھا۔ اسی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے وقوع میں آئے، جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور ''باغی'' قرار دیے جائیں: ﴿والفاسق لیس بأهل اللعن ﴾ یعنی فاسق قابل لعن نہیں۔ تو اگر مراد برا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا اور برا سمجھنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے اور اگر برا کہنے سے مراد لعن وشتم ہے تو معاذ اللہ! کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد جائے، اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ ''فاسق'' اور ''مرتکب کبیرہ'' کے حق میں استغفار کرنا چاہیے تو لعن کرنا ہے۔ علی الخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں، آپ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی زیادہ اُمید ہے اور یہ بھی زیادہ متوقع ہے کہ صاحب حق یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنا حق معاف فرمادیں گے۔''[1]

حضرت موصوف نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں' علمائے ماوراء النہر، مفسرین اور فقہاء کے قول کو ردّ کرتے ہوئے اسے ''اجتہادی اختلاف'' کی بجائے ''نفسانیت'' اور ''قبائلی وخاندانی تعصب'' پر مبنی قرار دیا جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

''وماوقع من المخالفات والمحاربات (بين علي و معاوية) لم يكن من نزاع في خلافته بل عن خطاء في الاجتهاد .''[2]

۱؎ (فتاویٰ عزیزی (کامل): ص۴۱۳،۴۱۴، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۵۶)

۲؎ (شرح العقائد النسفية : ص ۱۰۹، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۵۷)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو لڑائی، جھگڑا ہوا' وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ''خطائے اجتہادی'' کی وجہ سے تھا۔

علامہ خفاجیؒ شرح شفاء میں لکھتے ہیں کہ:

''انها أمور وقعت باجتهادمنهم لا أغراض النفسانية ومطامع دنيوية كما يظنه الجهلة .'' ۱؎

ترجمہ: یہ اُمور ان سے اجتہاداً صادر ہوئے، ان کا منشاء کوئی اغراضِ نفسانی نہ تھیں نہ ہی ان کا مطمح نظر کوئی دنیوی امور تھے۔

امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

'' وأما معاوية فهو من العدول الفضلاء ، والصحابة النجباء ، وأما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها وكلهم عدول متأولون في حروبهم وغيرها ...... '' ۲؎

ترجمہ: اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل، اور نجیب صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیوں کہ وہ مجتہد ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؓ کے بارے میں اہل سنت کا جو نظریہ پیش فرمایا ہے وہ بھی محل نظر ہے۔ اس میں موصوف نے نہ صرف حضرت مروانؓ کو ''برا'' کہنے کی نہایت ہی فراخ دلی کے ساتھ اجازت دی ہے، بلکہ خود بھی ان کے نام کے ساتھ **''عليه اللعنة و شيطان''** لکھ کر بے زاری کا اظہار فرمایا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے

۱؎ (نسيم الرياض في شرح الشفاء للقاضي عياض : ٣/٤٦٧ ،بحوالہ:**سیدنا معاویہ** رضی اللہ عنہ **کے ناقدین**:ص۱۵۶،۱۵۷)

۲؎ (شرح مسلم للنووي : ٢/٢٧٢ ،بحوالہ:**سیدنا معاویہ** رضی اللہ عنہ **کے ناقدین**:ص۱۵۷)

فتویٰ میں واضح طور لکھا ہے کہ: ''مرتکب کبیرہ، باغی اور فاسق مستحق لعنت نہیں ہے، جب کہ حضرت مروان کو مستحق لعنت سمجھتے ہی نہیں، بلکہ خود بھی ان پر لعنت کرتے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کا شمار صحابہ و تابعین میں تو درکنار عام مسلمانوں میں بھی نہیں ہوتا...... حالاں کہ ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔ [1]

امام ابن تیمیہؒ نے انہیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔

حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں جو ''صحیح بخاری'' سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان القابات سے یاد فرمایا ہے:

" أما القاريً لكتاب الله ، الفقيه في دين الله ، الشديد في حدود الله ." [2]

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ:

" وكان يعد من في الفقهاء ."

ترجمہ: وہ فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کے نام کے ساتھ: **عليه اللعنة** اور ''شیطان'' لکھ دیا۔ **فيا أسفا !** .

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے موصوف کے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی

[1] (ألبداية والنهاية : ۲۵۷/۸ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۷، ۱۵۸)

[2] (ألبداية والنهاية : ۲۵۷/۸ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۷، ۱۵۸)

طرح سمجھ میں نہیں آتی اور ''فتاویٰ عزیزی'' کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔

اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی ''تدلیس'' اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء وفقہاء کے متروک ہے۔'' [۱]

﴿۶﴾......ایک دوسرے مقام پر محاربین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کلمات یوں ذکر کیے ہیں:

''ومحاربت با ایشاں از راہ شامت نفس وحب جاہ از راہِ تاویل باطل وشبہ فاسد فسق عملی یا فسق اعتقادی است نہ کفر......الخ۔'' [۲]

ترجمہ: اور اِن لوگوں کے ساتھ باطل تاویل اور فاسد شبہ کی بناء پر از راہ شامت نفس اور حب جاہ کے لڑائی کرنا عملی فسق یا اعتقادی فسق ہے کفر نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

[۱] (مقام صحابہ رضی اللہ عنہ: ص۷۴، ۷۵۔ بارِاوّل ۱۹۷۱ء، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۶......۱۵۸)

[۲] اس عبارت میں جو ''فسق اعتقادی'' کا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی وضاحت اور تشریح کے لئے اسی مقدمہ کے اوائل میں مصنف نے خود مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے وہ جواب کے لئے کافی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اوّل آں کہ انکار معنیٔ نص و مدلولِ آں بنا بر تاویل فاسد کفر نیست، بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آں را در عرفِ اہل سنت ''خطائے اجتہادی'' نامند۔''

ترجمہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی فاسد تاویل کی بناء پر نص کے معنی اور اس کے مدلول کا انکار کرنا کفر نہیں ہوتا بلکہ یہ فسق اعتقادی کی ایک قسم ہوتی ہے، جسے اہل سنت کی اصطلاح میں ''خطائے اجتہادی'' کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر جو فسق اعتقادی کا ذکر ہے اسی کو عرف اہل سنت میں ''خطائے اجتہادی'' سے تعبیر کرتے ہیں=

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اصحاب جمل واصحاب صفّین کے بارے میں بہ یک وقت ''خطائے اجتہادی'' کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور ''فسق اعتقادی'' کا بھی، بظاہر نظر اس میں تضاد معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت اور اس نوع کی بعض دوسری عبارتیں بنظرِ غائر پڑھنے کے بعد میں اس کا مؤقف یہ سمجھا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلا شبہ غلط تھا اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''بغاوت'' کے ذیل میں آتا تھا جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہِ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا، لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر مبنی سہی، لیکن دیانت دارانہ تھے، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل ''اجتہادی غلطی'' کے ذیل میں آتا ہے، اسی لئے ان پر طعن کرنا جائز نہیں۔''[1]

اب ذیل میں ہم ترجمان مسلک علمائے اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ

اللہ علیہ کی کتاب ''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے حوالے سے چند ایسے اُمور ذکر کرتے ہیں کہ جن کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کر لینے سے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا بعض قابلِ اعتراض اور موہم عبارات سے متعلقہ تمام تر شبہات رفع دفع ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

﴿۱﴾...... نیز حضرت شاہ عبدالعزیز (محدث دہلوی) رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات و تصنیفات کی بعض عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریضات پائے جانے کی شکایت بعض لوگوں نے خود آں جناب کو تحریر کی تھی = فلہٰذا محاربین علوی رضی اللہ عنہ کے حق میں جہاں ''فسق عملی'' یا ''فسق اعتقادی'' کا ذکر پایا جاتا ہے وہ ''خطائے اجتہادی'' ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۲۵۷۶، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

لے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ص۲۶۲، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اور بطورِ اعتراض اس چیز کو پیش کیا تھا تو اس شکایت نامہ کے جواب میں خود شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ خط جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ وہ جواب آں جناب کے مطبوعہ خطوط میں مذکور ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

’’وتعریضات درباب معاویہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نہ شدہ۔اگر در نسخہ تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود، الحاق کسے خواہد بود کہ بنابر فتنہ انگیزی وکید ومکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہِ رافضہ از قدیم برہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند ’’ فالله خير حافظاً ‘‘ وایں تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نہ خواہد شد۔‘‘ [1]

ترجمہ: اور اِس فقیر سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں (کسی بھی قسم کی) تعریضات صادر نہیں ہوئیں۔اگر تحفہ اثنا عشریہ کے نسخوں میں کوئی تعریض پائی جائے تو وہ کسی کی الحاقی ہوگی، کیوں کہ (شیعہ وروافض) کا یہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اور کید ومکر کی بناء پر یہ کام کرتے رہے ہیں، چنانچہ فقیر کے سننے میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے الحاق شروع کر رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ بہترین محافظ ہے اور معتبر نسخوں میں یہ تعریضات نہیں پائی جاتیں۔(ترجمہ ختم)

حضرت شاہ صاحبؒ موصوف کی اس تحریر سے مندرجہ بالا قابل اعتراض اور تمام موہم عبارات کا مسئلہ حل ہوگیا کہ آں جناب نے اپنی تصنیفات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص شان کی کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی اور نہ اس چیز کو صحیح اور جائز قرار دیتے تھے۔یہ بعض ناعاقبت اندیش [1] لوگوں کی طرف سے تصرفات ہیں جن کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

﴿۲﴾......حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے ایک وسیع النظر بزرگ اور متبحر عالم دین تھے۔ان کی دیانت اور وفورِ علم سے یہ چیز بعید ہے کہ وہ کسی ذی قدر اور مشہور صحابی کی تنقیص کریں اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر بیان کریں۔

اس بناء پر ان کے بعد میں آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار

[1] (مکتوبات شاہ عبدالعزیز نمبر سوم: ص ۲۶۵، ۲۶۶، مع مقدمہ محمد ایوب قادری: ۱/۱۴۱، ناشر: پاک اکیڈمی وحید آباد کراچی نمبر ۱۸)

ا؎ صحیح لفظ ''عاقبت نااندیش'' ہے۔(فیروز اللغات اردو جدید: ص ۶۷۲۔از: رفیع)

دیا ہے اور ان میں لوگوں کے عبارتی تصرفات کو واضح کردیا ہے، جیسا کہ خود شاہ صاحب موصوف نے اس چیز کو تسلیم کر کے اس کا ردّ کیا ہے۔

اس سلسلے میں درجِ ذیل اکابر اہل علم کی اس نشان دہی کو ہم ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱-امداد الفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

''اوّل تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک ہے۔'' ا؎

۲-حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی والے اپنی کتاب ''مقام صحابہ رضی اللہ عنہ'' میں لکھتے ہیں (جیسا کہ پیچھے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے حوالے سے بھی ہم نقل کر آئے ہیں) کہ:

''اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبدالعزیز (محدث) دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کسی وجہ سے ایسا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی ''تدلیس'' اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔'' ۲؎

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا بعض موہم اور قابل

اعتراض عبارات کے

۱؎ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۳۰۷، کتاب البدعات، طبع مجتبائی دہلی۔ بحوالہ سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۲/ ۶۷۱......۶۷۵)

۲؎ (مقام صحابہ رضی اللہ عنہ: ص ۷۴، ۷۵، بحوالہ سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۲/ ۶۷۱......۶۷۵)

ضمن میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے مروان کی صحابیت وعدم صحابیت کی بحث کو بھی چھیڑا ہے اور مختلف قسم کے رنگ برنگے استدلال کر کے جمہور اہل سنت کے مؤقف کے برعکس مروان کی صحابیت کو ثابت کرنے کی اپنی سی ناکام کوشش کی ہے اس لئے ذیل میں مروان کی صحابیت وعدم صحابیت پر بحث کی جاتی ہے۔

مروان کی صحابیت وعدم صحابیت کی بحث:

مروان کے بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ وہ صحابی تھا۔ جس کے دلائل یہ ہیں:

﴿۱﴾......ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔ ۱؎

﴿۲﴾......امام ابن تیمیہؒ نے انہیں حضرت عبداللہ بن زبیر کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔

﴿۳﴾......حضرت مروانؒ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں جو صحیح بخاری سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ ۲؎

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دلائل کا جائزہ:

پہلی دلیل:

جہاں تک اِس بات کا تعلق ہے کہ: ''ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔'' تو سب سے پہلے تو امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

'' وهو صحابي عند طائفة كثيرة لأنه ولد في حياة النبي صلي الله عليه وسلم.'' ۳؎

ترجمہ: مروان کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہے، کیوں کہ اُس کی ولادت نبی پاک

ﷺ کی زندگی میں ہوئی ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس عبارت سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مروان کی صحابت کے اثبات کے لئے استدلال کرنا بوجوہ درست نہیں:

۱-اوّلاً تو اس وجہ سے کہ یہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا اپنا ذاتی قول ہے، جس کے نقل کرنے میں وہ متفرد ہیں اور اِس میں اُن

۱ (ألبداية والنهاية : ۲۵۷/۸ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۵۷، ۱۵۸)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۵۷، ۱۵۸)

۳ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ۲۸۲/۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا اس لئے جمہور کے مقابلہ میں یہ قول شاذ اور نادر ہے اور" **ألنادر كالمعدوم والمعدوم ليس بشيءٍ** . لہٰذا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے اِس قول کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ قول درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

۲-ثانیاً اس وجہ سے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے طائفہ کثیرہ کی تصریح نہیں کی کہ اس سے کون سی کثیر جماعت مراد ہے؟ نیز اس جماعت میں کون کون سے علماء شامل ہیں؟۔

۳-ثالثاً اس وجہ سے کہ محض نبی پاک ﷺ کی زندگی میں کسی کا پیدا ہونا اس کی صحابیت کے لئے ناکافی ہے ورنہ تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صحابی ماننا چاہیے کہ وہ بھی آں حضرت ﷺ ہی کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے تھے۔

دوسری دلیل:

اور جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دوسری دلیل کا تعلق ہے کہ:''امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مروان کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔'' تو یہ بھی مروان کی صحابیت کے اثبات کے لئے ہرگز کافی نہیں، اس لئے کہ کسی راوی کے نام کا کسی صحابی کے طبقہ میں ذکر کیا جانا اس کے صحابی ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتا ہے، چنانچہ بعض غیر صحابہ راویوں کے نام جو طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم میں مذکور ہیں تو وہ ضمناً اور فرع کے درجہ میں وہاں ذکر کر گئے

ہیں، اصالتاً وہ مطلوب نہیں ہیں، اس لئے محض طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی راوی کے نام کے ذکر کردیئے جانے سے اس کے صحابی ہونے پر استدلال کرنا ''تارِ عنکبوت'' کی طرح انتہائی ضعیف اور کم زور استدلال ہے۔

تیسری دلیل:

اور جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تیسری دلیل کا تعلق ہے کہ: ''حضرت مروانؒ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں جو صحیح بخاری سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔'' تو یہ دلیل بھی مروان کی صحابیت کے اثبات کے لئے انتہائی کمزور ہے، اِس لئے کہ پھر اس میں مروان کی کیا تخصیص ہے بلکہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے تو مروان کے علاوہ بیسیوں تابعین نے مختلف قسم کی احادیث روایت کی ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ سارے کے سارے تابعین صحابہ بن گئے؟ ہے کوئی عقل میں آنے والی بات؟۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مروان سے اپنی صحیح میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے مروان کی عدم صحابیت کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

" عن بن شهاب قال أخبرني عروة بن الزبير : أنه سمع مروان والمسور بن مخرمة رضي الله عنهما يخبران عن أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم ...... [۱]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) اِس کی شرح میں لکھتے ہیں:

" قوله : يخبران عن أصحاب رسول الله (صلي الله عليه وسلم) ...... الخ . هكذا قال عقيل عن الزهري ...... وقد تبين برواية عقيل أنه عنهما مرسل وهو كذلک لأنهما لم يحضرا القصة ...... (أما) مروان فلا يصح له سماع من النبي صلي الله عليه ولا صحبة . وأما المسور فصح سماعه منه ، لكنه انما قدم مع أبيه وهو صغير بعد الفتح وكانت هذه القصة قبل ذلک بسنتين ." ؎۲

ترجمہ:**قوله : يخبران عن أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم ......الخ .** اسی طرح عقیلؒ نے زہریؒ سے نقل کیا ہے۔......اور عقیل کی روایت سے ظاہر ہوگیا ہے کہ یہ روایت ان دونوں (مروان اور مسور) سے مرسلاً منقول ہے۔ اور ہے بھی اسی طرح، اِس لئے کہ (اِس مذکورہ) قصہ کے وقت یہ دونوں (وہاں) موجود نہیں تھے۔ مروان تو اِس وجہ سے کہ نہ اُس کا سماع حضور ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی اُس کی صحابیت۔ اور مسور رضی اللہ عنہ اِس وجہ سے کہ اُن کا سماع تو حضور ﷺ سے ثابت ہے (لیکن) فتح مکہ کے بعد (جب) وہ بچپن میں اپنے والد کے ہم راہ آئے تھے۔ اور یہ قصہ فتح مکہ سے دو سال پہلے کا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) بھی لکھتے ہیں:

" وقد رواه البخاري في أول كتاب الشروط ...... عن مروان بن الحكم و المسور بن مخرمة عن أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم

؎۱ (صحيح البخاري : ۱۸۸/۳ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

؎۲ (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر ألعسقلاني : ۳۱۳/۵ ، ألناشر : دار المعرفة ، بيروت)

فذكر القصة . وهذا هو الأشبه ، فان مروان ومسوراً كانا صغيرين يوم الحديبية ، والظاهر أنهما أخذاه عن الصحابة رضي الله عنهم أجمعين ."[1]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت ''کتاب الشروط'' کے شروع میں روایت کی ہے...... مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول ﷺ سے نقل کرتے ہیں پھر قصہ ذکر کیا۔ اور یہی زیادہ مشابہ ہے (کہ مروان اور مسور رضی اللہ عنہ نے یہ روایت اصحاب رسول ﷺ سے نقل کی ہے) اِس لئے کہ مروان اور مسور رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے دن چھوٹے بچے تھے۔ بظاہر
یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ روایت صحابہ رضی اللہ عنہم سے لی ہے۔ (ترجمہ ختم)

ماضی قریب کے مشہور محدث ناقد شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے '' **تهذيب التهذيب** '' میں ان کو رجال بخاری اور سنن اربعہ کے رواۃ میں شمار کیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار قسم ثانی میں یعنی ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، مگر سماع ثابت نہیں۔ بہر حال ان کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر صرف رؤیت کو صحابیت کے لئے کافی سمجھا جائے اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب ان لوگوں کے اقوال پر التفات نہ کیا جائے گا جو ان میں کلام کرتے ہیں
یعنی تنقید کرتے ہیں......''[2]

کیا مروان کو نبی پاک ﷺ کی رؤیت حاصل ہے؟:

مگر موصوف کا یہ کلام محل نظر ہے۔:

۱- اولاً تو اس وجہ سے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے '' **تهذيب التهذيب** '' میں نہیں بلکہ اپنی ایک دوسری اسی کے ہم نام کتاب '' **تقريب التهذيب** '' میں مروان کا شمار قسم ثانی میں کیا ہے، لیکن اس سے پہلے یہ بھی فرمایا ہے کہ مروان کی صحابیت

ثابت نہیں۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

۱ (ألبداية والنهاية لابن كثير : ٤/١ ٢٠ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲ (برائت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ص ۱۳۱، ناشر: ادارۂ اسلامیات، لاہور)

" **لاتثبت له صحبة من الثانية .**"۱

ترجمہ: مروان کی صحابیت ثابت نہیں ہے، اِس کا شمار قسم ثانی میں ہوتا ہے۔

معلوم نہیں کہ جب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے واضح اور دوٹوک الفاظ میں مروان کی عدم صحابیت کی تصریح کر دی ہے تو اس کے باوجود علامہ ظفر احمد عثمانیؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی اس مذکورہ عبارت سے

مروان کو قسم ثانی کے صحابہ میں شمار کرنے کا استدلال کیونکر کر رہے ہیں؟۔

۲- اور ثانیاً اِس وجہ سے کہ مروان کو حضور اقدس ﷺ کی رؤیت حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" **مروان بن الحكم قال البخاري : لم يري النبي (صلي الله عليه)**

وسلم قلت هو تابعي ." ۲

ترجمہ: مروان بن حکم کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اُنہوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ تابعی ہیں۔

حافظ ذہبیؒ اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

" مروان بن الحكم الأموي أبو عبد الملك قال البخاري :
لم يري النبي صلي الله عليه وسلم ." [3]

ترجمہ: ابوعبدالملک مروان بن حکم اموی کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا۔

اسی طرح علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" ولم یر النبي صلي الله عليه وسلم ." [4]

ترجمہ: اور مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا۔

[1] (تقريب التهذيب لابن حجر ألعسقلاني : ١/٥٢٥ ، ألناشر : دار الرشيد ، سوريا)

[2] (ألمغني في الضعفاء للذهبي: ٢/٦٥١ ، ألناشر : ليس بمكتوب)

[3] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٤/٨٩ ، ألناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

[4] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير ألجزري : ٥/١٣٩، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

اسی طرح امام ابن اثیر جزری (٦٠٦ھ) اپنی ایک دوسری کتاب ''جامع الاصول'' میں لکھتے ہیں:

" ولم یر النبي صلي الله عليه وسلم لأن النبي نفيٰ أباه اليٰ الطائف فلم یزل بها حتي ولي عثمان فرده اليٰ المدينة فقدمها هو وابنه معه ." [۱]

ترجمہ: مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اُس کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا جو وہیں رہتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان کو مدینہ کی طرف بھیج دیا پس یہ اوران کے ساتھ ان کا بیٹا (مروان) مدینہ آ گئے۔

اسی طرح ماضی قریب کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ صاحب مشکوٰۃ امام خطیب تبریزی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

" وقال صاحب المشکاة في ترجمته ولد مروان عليٰ عهد رسول الله صلي الله عليه وسلم قيل سنة اثنتين من الهجرة وقيل عام الخندق وقيل غير ذلک فلم یر النبي صلي الله عليه وسلم لأن النبي صلي الله عليه وسلم نفيٰ (أباه) اليٰ الطائف فلم یزل بها حتي ولي عثمان فرده اليٰ المدينة فقدمها هو وابنه معه مات بدمشق سنة خمس و ستين ." [۲]

ترجمہ: اورصاحب مشکوٰۃ مروان کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ: مروان رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوا، بعض کہتے ہیں کہ ۲ھ میں پیدا ہوا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ

غزوۂ خندق کے سال پیدا ہوا ہے اور بعض کچھ اور کہتے ہیں۔ مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اس کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا جو وہیں رہتا رہا یہاں تک کہ جب حضرت عثمان ﷺ خلیفہ بنے تو انہوں نے اس کو مدینہ کی طرف بھیج دیا پس یہ اوراس کے ساتھ اس کا بیٹا (مروان) مدینہ آ گئے۔ مروان نے ۶۵ھ میں دمشق میں وفات

۱ (جامع الأصول في حديث الرسول لابن أثير ألجزري : ۸٤٧/١٢ ، ألناشر : مكتبة الحلواني والملاح ودار البيان)

۲ (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي للمباركفوري : ٢٥/٣ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

پائی۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح شارحِ بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" قال الذهبي ولم ير النبي (صلي الله عليه وسلم) لأنه خرج اليٰ الطائف طفلاًلايعقل لما نفيٰ النبي أباه الحكم وكان مع أبيه حتي استخلف عثمان . "۱

ترجمہ: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان نے آنخضرت ﷺ کو نہیں دیکھا، کیوں کہ یہ بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ طائف کی طرف چلا گیا تھا جب نبی پاک ﷺ نے اس کے والد "حکم" کو طائف کی طرف بھیج دیا تھا اور یہ اس وقت سن شعور کو نہیں پہنچا تھا (پھر) جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے (تو یہ اس وقت اپنے والد کے ساتھ واپس لوٹا تھا)۔

ایک دوسری جگہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" وهذا الحديث بالنسبة اليٰ مروان مرسل لأنه لاصحبة له . "۲

ترجمہ: مروان کی طرف اِس حدیث کی نسبت کرنے سے یہ مرسل ہے کیوں کہ مروان کو آنخضرت ﷺ کا شرف صحابیت حاصل نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

" قال البخاري لم يري النبي صلي الله عليه وسلم قلت هو تابعي ." ۳؎

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کو آنحضرت ﷺ کی رؤیت
حاصل نہیں ہے۔ میں کہتا
ہوں کہ مروان تابعی ہے۔ (ترجمہ ختم)

امام ابوزرعہ العراقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۲۶ھ) فرماتے ہیں:

" قال أبو زرعة لم يسمع من النبي صلي الله عليه وسلم شيئاً
كان عليٰ عهده ابن خمسين سنين أو نحوها . قال العلائي : أخرج له
البخاري

۱؎ (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ٢٤/٦ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (عمدة القاري شرح صحيح البخاري : ٦/١٤ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۳؎ (ألمغني في الضعفاء للذهبي : ٦٥١/٢ ، ألناشر : ليس بمكتوب)

حديث الحديبية بطوله وهو مرسل . وعن الامام مالک أن مروان ولد يوم أحد بمكة فيكون عمره عند موت النبي صلي الله عليه وسلم ثماني سنين . وقد ذكر ابن عبد البر أنه لا رؤية له تعتبر أيضاً وقال لأنه خرج صغيراً مع أبيه الیٰ الطائف لما نفاه النبي الله عليه وسلم انتهيٰ .
قلت : قال الترمذي : سألت محمداً يعني البخاري قلت له : مروان بن الحكم رأي النبي صلي الله
عليه وسلم ؟ قال : لا انتهيٰ ." ۱؎

ترجمہ: امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کا سماع نبی پاک ﷺ سے بالکل ثابت نہیں، وہ آپ ﷺ کے زمانہ میں تقریباً پانچ سال کا تھا۔ امام علائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیبیہ کی ایک لمبی حدیث مروان سے مرسلاً نقل کی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کی ولادت احد کے دن مکہ میں ہوئی
نبی پاک ﷺ کی وفات کی وقت اس کی عمر آٹھ سال تھی۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ (سماع کے ساتھ ساتھ) مروان کی رؤیت بھی نا قابل اعتبار ہے، اس لئے کہ جب نبی پاک ﷺ نے اس کے والد کو طائف کی طرف بھیجا تھا تو اُس وقت یہ بھی اپنے والد کے ہم راہ تھا اور وہ وقت اس کی صغرسنی کا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مروان بن حکم کی حضور اکرم ﷺ کی رؤیت ثابت ہے؟ تو انہوں نے
فرمایا کہ: ''نہیں۔'' (ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" قال الترمذي : في هذا الحديث رواية رجل من الصحابة وهو سهل بن سعد عن رجل من التابعين وهو مروان بن الحكم ولم يسمع من رسول الله صلي الله عليه وسلم فهو من التابعين . قلت : لايلزم من عدم السماع عدم الصحبة ، والأولیٰ ما قال فيه البخاري : لم ير النبي صلي الله

لے (تحفة التحصيل في ذكر رواة المراسيل لأبي زرعة ألعراقي : ۱/۲۹۸ ، ألناشر : مكتبة الرشد ، ألرياض)

عليه وسلم ." وقد ذكره ابن عبد البر في الصحابة لأنه ولد في عهد النبي صلي الله عليه وسلم قبل عام أحد وقيل عام الخندق . وثبت عن مروان أنه قال لما طلب الخلافة فذكروا له ابن عمر فقال : ليس ابن عمر بأفقه مني ولكنه أسن مني وكانت له صحبة فهذا اعتراف منه بعدم صحبته وانما لم يسمع من النبي صلي الله عليه وسلم وان كان سماعه منه ممكناً لأن النبي صلي الله عليه وسلم نفيٰ أباه اليٰ الطائف فلم يرده الا عثمان لما أستخلف وقد تقدمت روايته عن النبي صلي الله عليه وسلم في كتاب الشروط مقرونة بالمسور بن مخرمة ونبهت هناك أيضاً عليٰ أنها مرسلة والله الموفق ." ؎

ترجمہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک صحابی شخص حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جوانہوں نے ایک تابعی شخص مروان بن حکم سے روایت کی ہے اور مروان کا سماع نبی کریم سے ثابت نہیں ہے اس لئے مروان تابعی ہیں (صحابی نہیں ہیں)۔ میں کہتا ہوں کہ عدم سماع سے عدم صحابیت لازم نہیں آتی۔ مروان (کی عدم صحابیت) کے متعلق سب سے بہترین قول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ: "مروان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت حال نہیں۔" علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے مروان کو صحابہ میں رضی اللہ عنہم ذکر کیا ہے کیوں کہ وہ بعض کے قول کے مطابق احد کے سال سے پہلے اور بعض کے قول کے مطابق خندق کے سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ اور مروان سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ جب وہ خلافت طلب کرنے لگا تو لوگوں نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی کا احساس دلایا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عمر میں تو مجھ سے بڑے ہو سکتے ہیں اس لئے کہ وہ صحابی ہیں لیکن اُمورِ دینیہ میں وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار نہیں ہو سکتے۔" پس (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں) مروان کا یہ قول (کہ وہ صحابی ہیں) خود اس کی طرف سے اپنے صحابی نہ ہونے کا اعتراف ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگرچہ مروان کا

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر ألعسقلاني : ٨/ ٢٦٠ ، ألناشر : دار المعرفة ، بيروت)

نبی اکرم ﷺ سے سماع کرنا ممکن تھا، لیکن اس کے باوجود وہ سماع نہ کرسکا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مروان کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا (اور وہ وہیں رہتا رہا، یہاں تک کہ جب) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو اس وقت حضرت عثمان ﷺ نے اس کو طائف سے واپس بلایا۔ اور مروان کی نبی پاک ﷺ سے روایت جو مسور بن مخرمہ کی روایت کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ پیچھے کتاب الشروط میں گزر چکی ہے اور وہاں پر بھی میں نے متنبہ کیا تھا کہ مروان کی یہ روایت مرسل ہے۔ واللہ الموفق۔ (ترجمہ ختم)

علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کا تعاقب!

مرقومہ بالا عبارت میں حافظ ابن عبدالبرؒ کے حوالہ سے مروان کی صحابیت کے اثبات میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا تعاقب کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" وقال بعضهم : لايلزم من عدم السماع عدم الصحبة وقد ذكره ابن عبد البر في الصحابة انتهي . قلت : ولو ذكره في كتاب (الاستيعاب) في باب مروان ولكنه قال : لم ير النبي صلي الله عليه وسلم . "[1]

ترجمہ: بعض علماء (مراد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں) کہتے ہیں کہ: "عدم سماع سے عدم صحابیت لازم نہیں آتی۔ اور مروان کو علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ذکر کیا ہے۔" میں کہتا ہوں کہ اگرچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے مروان کا ذکر اپنی کتاب "الاستیعاب" میں مروان کے باب میں کیا ہے، لیکن وہاں پر اُنہوں نے (یہ نہیں فرمایا کہ مروان صحابی ہے بلکہ) یہ فرمایا ہے کہ: "مروان کو نبی اکرم ﷺ کی رؤیت حاصل نہیں ہے۔" (ترجمہ ختم)

ایک دوسری جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" لم أر من جزم بصحبته ." ۲

۱ (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ۱۸۶/۱۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲ (ألاصابة في معرفة الصحابة لابن حجر العسقلاني : ۲۰۳/٦ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

ترجمہ: میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے مروان کی صحابیت کا جزم کیا ہو۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومروان لم يسمع من النبي صلي الله عليه وسلم وهو من التابعين ." ۱

ترجمہ: اور مروان نے نبی اکرم ﷺ سے سماع نہیں کیا۔ اور وہ تابعین میں سے ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" ومن كبار التابعين مروان بن الحكم . " ۲

ترجمہ: اور مروان بن حکم کبار تابعین میں سے ہے۔

اور حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

" لم يصح له سماعة . " ۳

ترجمہ: مروان کی سماعت نبی پاک ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

" ولم يصح له سماع من النبي صلي الله عليه وسلم ." ۴

ترجمہ: مروان کی سماعت نبی پاک ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا تمام تر تفصیلات سے یہ بات خوب اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ مروان کو نہ تو رسول اللہ ﷺ

کی رؤیت حاصل ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے اُس کا سماع ثابت ہے۔ اس لئے مروان تابعی ہوا

نہ کہ صحابی۔اورتابعی
بھی کس قسم کا؟ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
" قلت : هو تابعي له تلك الأفاعيل ." ۵

۱ (جامع الترمذي : ٥/٢٤٢، ألناشر : شركة مكتبة و مطبعة مصطفي ألبابي ألحلبي ، مصر)
۲ (ألاصابة في تمييز الصحابة : ٦/١٢٢، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)
۳ (ألكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة للذهبي : ٢/٢٥٣ ، ألناشر : دار القبلة للثقافة الاسلامية ، مؤسسة علوم القرآن ، جدة ، ألسعودية العربية)
۴ (تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ٢٧/٣٨٨ ، ألناشر : مؤسسة الرساله ، بيروت)
۵ (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٤/٨٩ ، ألناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ مروان تابعی ہے اوراُس کی یہ یہ حرکات ہیں۔
ایک دوسری جگہ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:
" له أعمال موبقة نسأل الله السلامة رمي طلحة بسهم وفعل و فعل ." ۱
ترجمہ: مروان کے اعمال ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔اُس نے حضرت کوتیر مارا (جس کی وجہ سے وہ
شہید ہوئے) اوراُس نے یہ کیا اور وہ کیا۔
علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اِس کلام پر حافظ مزیؒ کی کتاب " **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**"
کے محقق بشار عواد معروف تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" كلام الذهبي صحيح فينظر في أمر توثيقه مطلقا ويدرس ." ۲؎

ترجمہ: علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا کلام صحیح ہے، لہٰذا مروان کے معاملہ میں خوب سوچ سمجھ کر توجہ سے اُس کی توثیق کرنی چاہیے! (ترجمہ ختم)

جن حضرات نے مروان کے بارے میں تعریف وتوصیف کے کلمات کہے ہیں تو وہ اُس کی شروع والی زندگی کو دیکھ کر کہے ہیں اور جنہوں نے اس کے بارے میں تھوڑ بہت سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں تو انہوں نے اس کی آخری زندگی کے اعمال وکرتوت کو سامنے رکھ کر کہے ہیں۔ باقی اِس میں شک ہی کیا ہے کہ مروان کی آخری زندگی اُس کی شروع والی زندگی کی بہ نسبت کوئی اتنی اچھی نہیں تھی۔ اور اعتبار تو خاتمہ کا ہی ہوتا ہے۔

۱؎ (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٨٩/٤ ، ألناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

۲؎ (حاشية تهذيب الكمال في أسماء الرجال للبشار : ٣٨٩/٢٧، ألناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

﴿۱۴﴾

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

﴿المتوفی ۱۲۹۷ھ﴾

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: محمد قاسم، لقب: حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، والد کا نام: اسد علی اور دادا کا نام: غلام شاہ ہے۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

''محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم......الخ۔''

سلسلۂ نسب چلتے چلتے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

آپؒ کا تاریخی نام ''خورشید حسین'' ہے۔ اگر کسی مصلحت کی غرض سے اصل نام کا اخفاء مقصود ہوتا تو فرماتے کہ: ''میرا نام ''خورشید حسین'' ہے۔''

ولادت باسعادت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ضلع سہارن پور کے مردم خیز قصبہ ''نانوتہ''[1] میں ماہِ شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے۔

[1] یہ قصبہ دیوبند سے بارہ کوس مغرب میں اور سہارن پور سے پندرہ کوس جنوب میں اور گنگوہ سے نو کوس مشرق میں اور دہلی سے ساٹھ کوس شمال میں واقع ہے۔ رفیع

تحصیل علم:

بعض خاندان والوں کی طرف سے اذیت کے پیش نظر والد نے آپؒ کو دیوبند منتقل کر دیا تھا، جہاں رہتے ہوئے آپؒ نے ابتدائی کتابیں مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے پڑھیں۔ اس کے بعد سہارن پور میں مولانا محمد نواز صاحب سہارن پوریؒ سے فارسی اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ میں دہلی روانہ ہوئے اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ سے ''کافیہ'' شروع کی اور فلسفہ اور معقول کی کتابیں ''صدرا، شمس بازغہ، میرزاہد اور قاضی وغیرہ'' کتابیں وہاں پڑھیں اور بہ معیت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے حدیث شریف حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔اور دونوں اسی زمانہ میں حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور سلوک شروع کیا۔حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو وفات پا گئے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مطبع احمدی'' میں مزدوری پر تصحیح کتب کا سلسلہ شروع کیا۔اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نے بخاری شریف کا حاشیہ لکھنا شروع کیا جو اس وقت برصغیر پاک و ہند کے تقریباً تمام ہی مطبوعہ نسخوں پر موجود ہے۔آخری پانچ،
چھ پاروں کا حاشیہ (جو سب سے زیادہ مشکل مقامات ہیں) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

ایک نیک خواب:

طالب علمی کے زمانہ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپؒ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہیں اور آپؒ سے ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعبیر
دی کہ: ''تم سے علم دین کا فیض بہ کثرت جاری ہوگا۔''

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال رمضان المبارک میں (نصف قرآن کریم ایک رمضان شریف
میں اور نصف دوسرے میں) یاد کر لیا اور جب سنایا تو ایسا صاف جیسے پرانے پختہ کار حافظ سناتے

ہیں۔

حج بیت اللہ کی سعادت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تین حج کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پہلا حج ۱۲۷۷ھ میں اور
دوسرا ۱۲۸۵ھ میں اور تیسرا ۱۲۹۴ھ میں کیا۔

فتنوں کا تعاقب اور اُن کی سرکوبی:

اس زمانہ میں ہندوستان میں دو فتنے خوب پھیلے ہوئے تھے، ایک پادریوں کا اور دوسرا پنڈت دیانند سرسوتی کا۔ یہ بزعم خویش بڑا منطقی و فلسفی تھا، مگر بفضلہ تعالیٰ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر اس کی ایسی سرکوبی کی کہ رہتی نسلوں تک اس کی ''آریہ جماعت'' کو اپنے باطل نظریات عملی دُنیا میں پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوگی
چنانچہ ''انتصار الاسلام'' اور ''قبلہ نما'' اور ترکی بہ ترکی'' وغیرہ کتابیں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

اسی طرح پادریوں کا بھی تعاقب کیا اور ۱۲۹۳ھ میں چاند پور ضلع شاہ جہان پور میں جلسۂ عام میں پادریوں کو ایسا لا جواب کیا کہ وہ عین جلسہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور بعض کتابیں افراتفری میں چھوڑ گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت اسلام کو فتح ونصرت عطا فرمائی۔ اس جلسہ میں اہل کتاب کے مقابلہ
میں یکتا مناظر حضرت مولانا منصور علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے۔

ظالم برطانیہ کے خلاف عملی جہاد میں بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور حصہ لیا اور جہادِ شاملی وغیرہ
میں شرکت اور جرأت و بہادری سے کفار کا مقابلہ کرنا ایک واضح تاریخی حقیقت ہے۔

قیام دار العلوم دیو بند:

محرم ۱۲۹۳ھ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیو بند کی بنیاد ڈالی اور اس کارِ خیر میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ اور حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے بھرپور تعاون اور شرکت کی۔ مدرس کی پندرہ روپے ماہانہ تنخواہ

مقرر ہوئی، چند ہی روز میں چندہ بڑھ گیا اور مدرس بڑھائے گئے
اور معلم فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہوئے اور کتب خانہ جمع ہوا۔

شادی اور اولاد:

ســـہ ھ میں آپؒ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو تین لڑکیاں (اکرامن بی بی، رقیہ بی بی اور عائشہ بی بی) اور دو لڑکے (مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور محمد ہاشم صاحب) جیسے نیک اور صالح فرزند عطاء فرمائے، جن سے آگے چل کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دار
العلوم دیوبند) اور حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشاہیر اہل علم نے جنم لیا۔

باقیات الصالحات:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی باقیات الصالحات میں جہاں اپنی نیک و صالح اولاد و احفاد، دسیوں شاگردوں، بیسیوں متوسلین اور سیکڑوں معتقدین کو چھوڑے ہیں تو وہیں بیش قیمت علمی اور گراں قدر تحقیقی کتابوں کا بھی
ایک عظیم ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) آبِ حیات (۲) ہدیۃ الشیعہ (۳) اجوبۂ اربعین (۴) انتباہ المؤمنین (۵) تقریر دل پذیر (۶) حجۃ اسلام (۷) مباحثۂ شاہ جہاں پور (۸) میلا خدا شناسی (۹) انتصار الاسلام
(۱۰) قبلہ نُما (۱۱) تصفیۃ العقائد (۱۲) توثیق الکلام (۱۳) دلیلِ محکم (۱۴) تحفۂ لحمیہ
(۱۵) قصائد قاسمی (۱۶) جمالِ قاسمی (۱۷) لطائف قاسمیؒ (۱۸) مناظرۂ عجیبہ
(۱۹) تحذیر الناس من انکارِ اثر ابن عباسؓ (۲۰) اسرارِ قرآنی (۲۱) ترکی بہ ترکی۔

وفات حسرت آیات:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ کو جمعرات کے روز بعد از نمازِ ظہر بعلت ''ضیق النفس'' اس جہانِ رنگ و بو کو خیر آباد کہا اور دار العلوم دیوبند کے عین متصل قبرستانِ قاسمیؒ میں رحمتِ خداوندی کی

آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محو استراحت ہو گئے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال وستودہ صفات مخالفین ومعاندین اور حاسدین کے سم آلود تیروں کے ظالمانہ
وارون سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کسی بھی طرح نہ بچ سکے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنی قلبی بھڑاس نکالتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے
حوالہ سے لکھتے ہیں:

''سیدنا الامام سیدنا الامام الکبیر جن دنوں میں دیوبند کو وطن بنا کر یہاں مقیم ہو چکے تھے، اُسی زمانہ کے اچھے اچھے ممتاز گھرانوں میں تفضیل کا اثر موجود تھا، بلکہ سوانح مخطوطہ کے
مصنف نے بجائے ''تفضیل'' کے لکھا ہے کہ: ''مادہ رفض کا غالب تھا۔'' [۱]

[۱] (سوانح قاسمیؒ: ۲/۷۲ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۶۵)

آگے چل کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب خود لکھتے ہیں:

''حضرت نانوتویؒ نے اپنے طور پر ''تفضیلیت ورفض'' کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی سعی فرمائی، لیکن صد افسوس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشاجرات کے شرعی حکم (امساک، توقف اور سکوت) پر کما حقہ گامزن نہ رہ سکے۔ اس تمہید اور پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوفؒ کے چند افکار ملاحظہ فرمائیں:

''باقی رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی، لیکن حقیقت میں وہ تمکینِ دین نہ تھی، تمکین ملک وسلطنت تھی، چنانچہ واقفانِ فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا، ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طور ملوک کا سا تھا، اس لئے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز تھا، سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے، لیکن

اس کے معنی یہ ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں دُنیا دار معلوم ہوتے تھے۔[۱]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میسر آنے والی تمکین کی حقیقت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملے: ''باقی رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی، لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک وسلطنت تھی۔'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تمکین کی بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمکین، تمکین ملک و سلطنت تھی، نہ کہ بعد میں آنے والے ملوک وسلاطین کی بہ نسبت، اس لئے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم احتیاط وتقویٰ اور احساسِ ذمہ داری کے جس معیارِ بلند پر فائز تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں وہ معیار باقی نہیں رہا تھا، کیوں کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم عزیمت پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رُخصت پر، وہ حضرات اپنی عمومی زندگی میں تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ توسعات سے کام لیتے ہوئے مباحات پر عمل کرتے تھے۔ لہٰذا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت اور تمکین

میں فرق تو بے شک تھا ہی، لیکن یہ فرق تقویٰ وطہارت اور فسق وفجور کا نہ تھا بلکہ

۱؎ (ہدیۃ الشیعہ :ص٦٦ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین :ص١٦٦)

﴿حسنات الأبرار سيآت المقربين﴾ کے بموجب تقویٰ واحتیاط اور رُخصت ومباحات کا فرق تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو صفین وغیرہ جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرگرم حامیوں میں سے تھے) سے پوچھا کہ: ''ہمارے عہد حکومت کے بارے میں تمہارا خیال ہے' وہ کیسا ہے؟۔'' حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اگر سچ کہیں تو تمہارا خوف ہے اور اگر جھوٹ کہیں تو اللہ کا۔'' حضرت معاویہ
رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تمہیں قسم دیتا ہوں سچ سچ بیان کرو!۔'' اس پر حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کہا:

" عدل زمانكم هذا جور زمان قد مضيٰ ، وجور زمانكم هذا

عدل

زمان ما يأتي ." ۱؎

ترجمہ: تمہارے زمانے کا انصاف پہلے زمانے کا ظلم تھا، اور تمہارے زمانے
کا ظلم
آئندہ زمانے کا انصاف ہوگا۔ (ترجمہ ختم)

علمائے عقائد نے بھی حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد
خلافت میں یہی فرق
بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ علم عقائد کے مشہور محقق عالم علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی)
لکھتے ہیں:

” قلت : لأهل الخير مراتب بعضها فوق بعض ، وكل مرتبة منها يكون محل قدح بالنسبة اليٰ التي فوقها ...... ولذا قيل :﴿ حسنات الأبرار سيآت المقربين﴾ ...... اليٰ أن قال ...... و اذا تقرر ذلک فنقول كان الخلفاء الراشدين لم يتوسعوا في المباحات و كان سيرتهم سيرة النبي صلي الله عليه وسلم في الصبر علي ضيق العيش والجهد......وأما معاوية فهو ان لم يرتكب منكراً لكنه توسع في المباحات ولم يكن في درجة الخلفاء الخلفاء الراشدين في اداء حقوق الخلافة لكنه عدم المساوات بهم لايوجب قدحاً فيه .“ [۱]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اہل خیر کے مراتب (آپس میں) مختلف ہوتے ہیں جن

---

۱ (تاريخ اليعقوبي : ۲/۲۳۳ ، ألناشر : دار صادر بيروت)

۲ (ألنبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي : ص ۵۱۰ ، ألناشر : ألمكتبة الحقانية ، ملتان ، ألباكستان)

میں بعض دوسرے بعض سے بلند ہوتے ہیں اوران میں سے ہر مرتبہ اپنے سے بلند مرتبے کے اعتبار سے قابل اعتراض ہوتا ہے......اسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ ''نیک لوگوں کی اچھائیاں مقرب لوگوں کی برائیاں (معلوم) ہوتی ہیں۔'' جب مذکورہ بالا بات طے ہوگئی تو ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مباحات میں توسع سے کام نہیں لیا تھا اور تنگیٔ عیش پر صبر اور جدوجہد کے معاملہ میں ان کی سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مشابہ تھی...... باقی جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات ہے تو انہوں نے اگرچہ سرعام کسی گناہ کا ارتکاب تو نہیں کیا، لیکن انہوں نے مباحات میں تسع ضرور اختیار کیا ہے، اور حقوقِ خلافت کی ادائیگی میں وہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے درجہ میں نہیں تھے، لیکن حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کا برابری نہ کرسکنا ان کے لئے کسی قدح کا موجب نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ اگر غور کیا جائے تو حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مؤخرالذکر عبارت:

''لیکن ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز تھا، سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں دُنیا دار معلوم ہوتے تھے۔[1]

ہمارے اس مؤقف پر آفتابِ نصف النہار کی طرح شاہد عدل ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام اور شبہ نہیں ہے۔

حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں فرق:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''موصوف ایک دوسری کتاب میں اہل تشیع کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اور یہ سچ ہے کہ سُنی اصحابِ اربعہ رضی اللہ عنہم یعنی چار یار کو بہ ترتیبِ معلوم جانشینِ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں اور خلیفۂ راشد اعتقاد کرتے ہیں، پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید

ل (ہدیۃ الشیعہ :ص۶۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین :ص۱۶۶)

پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفۂ راشد نہیں سمجھتا، ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے......

اجی صاحب! اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے ہیں، خلیفۂ راشد نہیں سمجھتے۔ اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفۂ راشد مراد نہیں......

اجی صاحب! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفۂ برحق اور خلیفۂ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے کہ جیسے اولاد کو ہر کوئی ''خلف'' کہتا ہے، پر ''خلف الرشید'' اس کو کہتے ہیں جو ''فرزند کامل'' ہو ورنہ یا تو ''ناخلف'' ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے۔ سو خلیفۂ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفۂ راشد ہیں نہ ناخلف۔ ہاں! فضیلت صحبت اور بزرگیٔ صحابیت اور اخوت اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی، اور اس لئے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے...... بالجملہ اہل سنت خلیفہ سبھی کو کہہ دیا کرتے ہیں، اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں، اس کے معنی فقط جانشین ہیں۔ سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے؟۔ اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدمعاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین (یعنی خلیفہ) تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔

ہاں! لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی: ایک خلیفۂ راشد، یہ تو چار یار اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے۔

دوسرا خلیفۂ غیر راشد، اور خلیفۂ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں، ہاں! عمر بن عبدالعزیزؒ البتہ مروانیوں میں سے خلیفۂ راشد ہوئے ہیں۔ [1]

[1] (اجوبۂ اربعین: ص ۱۸۵......۱۸۸ مطبوعہ: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالا، بحوالہ: سیدنا

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۶۶، ۱۶۷)

خلافت راشدہ موعودہ صرف خلفائے اربعہ ہی میں منحصر ہے!

خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف مہاجرین اوّلین چار خلفاء (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہی میں منحصر ہے۔کوئی دوسرا خلیفہ اس میں شامل نہیں ہوسکتا۔قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ألذين أخرجوا من ديارهم بغيرحق الا أن يقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا، ولينصرن الله من ينصره ، ان الله لقوي عزيز ، ألذين ان مكنهم في الأرض أقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ، ولله عاقبة الأمور .''[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ: ''ہمارا پروردگار اللہ ہے۔اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں،اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کریں گے۔بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا

ہے۔

یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم اِنہیں زمین اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے

قبضے میں ہے۔[2]

اس آیت تمکین میں اللہ تعالیٰ نے اُن مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اعلان فرمایا جنہیں

کافروں نے اُن کے گھروں سے نکال دیا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے کہ اگر ہم ان کو ملک

۱ (ألحج : ۲۲/ ۴۰ ، ۴۱)

۲ (آسان ترجمۂ قرآن :۲/ ۱۹۲۶، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

میں حکومت واقتدار دے دیں تو وہ ضرور ان چار کاموں (نماز کو قائم رکھنے، زکوٰۃ ادا کرنے، بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے منع کرنے) کی تکمیل کریں گے۔

اور چوں کہ ان مہاجرین اوّلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آنحضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار خلفاء (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) ہی کو ملکی اقتدار عطا فرمایا ہے، اس لئے ان کی خلافت کو خصوصی طور پر ''خلافت راشدہ'' کہا جاتا ہے۔

چنانچہ امام ابوجعفر طحاوی (المتوفی ۳۲۱ھ) عقیدۂ خلافت کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں:

''ونثبت الخلافة بعد رسول الله (صلي الله عليه وسلم) أوّلاً لأبي بكر الصديق (رضي الله عنه) تفضيلاً له وتقديماً عليٰ جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه ، ثم لعثمان رضي الله عنه ، ثم لعلي بن أبي طالب

رضي الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون .''۱

ترجمہ: اور ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں، اس طور پر کہ آپ رضی اللہ عنہ کو تمام اُمت پر تفضیل وتقدیم حاصل ہے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں اور یہی خلفائے

راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اورامام ابوالحسن الاشعری (المتوفی ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

" ونتولي سائر أصحاب النبي (صلي الله عليه وسلم) ونكف عما شجر بينهم وندين الله بأن الأئمة الأربعة خلفاء راشدون مهديون فضلا لايزاويهم في الفضل غيرهم ." [۲]

ترجمہ: اورہم سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اوران میں ہوئے اختلافات

[۱] (عقيدة الطحاوية : ص ۱۱)

[۲] (كتاب الابانة ص ۱۱)

سے اپنے آپ کودور رکھتے ہیں اوراللہ تعالیٰ کے یہاں اس بات کااقرارکرتے ہیں کہ یہ ائمہ اربعہ ہی خلفائے راشدین ومہدیین ہیں اورکوئی بھی فضیلت میں ان کی برابری نہیں کرسکتا۔

اورامام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

"يعرفون حق السلف الذين اختارهم الله – سبحانه – لصحبة نبيه (صلي الله عليه وسلم) ويأخذون بفضائلهم ويمسكون عما شجر بينهم صغيرهم و كبيرهم ويقدمون أبابكر ثم عمر ثم عثمان ثم عليا رضوان الله عليهم . ويقرون أنهم الخلفاء الراشدون المهديون أفضل الناس كلهم بعد النبي (صلي الله عليه وسلم) و يصدقون بالأحاديث التي جاء ت عن رسول الله (صلي الله عليه وسلم) ." [۱]

ترجمہ: (اہل سنت والجماعت) ان اسلاف کا حق پہچانتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا ہے، وہ ان کے فضائل کو لیتے ہیں اور جو اختلاف اُن کے چھوٹوں بڑوں میں چلے وہ اس اختلاف میں بحث کرنے سے پیچھے ہٹتے ہیں، اور سب سے مقدم وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رکھتے ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو، پھر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ یہی خلفائے راشدین مہدیین ہیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں اور اُن تمام احادیث کی تصدیق کرتے ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (ترجمہ ختم)

خلافت حسن رضی اللہ عنہ کی شرعی نوعیت:

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی موعودہ خلیفہ راشد ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ آپ کی
خلافت' خلافت راشدہ ہی کا تتمہ وتکملہ تھی، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ:

" ألخلافة في أمتي ثلاثون سنة ثم ملک بعد ذلک ." [۲]

[۱] (مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين للأشعري : ۱/۲۲۸ ، ألناشر : ألمكتبة العصرية)

۲ (جامع الترمذي : ٤/٥٠٣ ، ألناشر : شركة مكتبة و مطبعة مصطفىٰ ألبابي ألحلبي ، مصر)

ترجمہ: میری اُمت میں خلافت تیس (۳۰) سال تک رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔(ترجمہ ختم)

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے اِس حدیث کے پیشِ نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مذکورہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے، اِس لئے کہ مذکورہ بالا حدیث کے پیشِ نظر یہ تیس سال اُس وقت پورے ہوئے جب ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے خلافت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دے دی تھی اور خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

"وانما كملت الثلاثون بخلافة الحسن بن علي (رضي الله عنهما)

فانه نزل عن الخلافة لمعاوية في ربيع الأول من سنة احدي و أربعين."[۱]

اور تیس سال جو پورے ہوئے تو وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت پر پورے ہوئے کیوں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ماہِ ربیع الاوّل ۴۱ھ میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔

لیکن بعض دوسرے علماء نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان مذکورہ چار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے شمار نہیں کیا بلکہ حکماً آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد کہہ دیا ہے۔

چنانچہ امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بعض علمائے کرام نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور اُن کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کا اضافہ کیا ہے، مگر میں نے باتباعِ جمہور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خلافت راشدہ کو اس لئے ختم کر دیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت صرف چھ ماہ رہی، پھر اُنہوں نے خود ہی خلافت کی باگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کے ہاتھ میں دے دی اور خود بھی اُن سے بیعت کر لی۔'' ۲

اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۱ (ألبداية و النهاية لابن كثير : ۸/۱۷ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

۲ (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم: ص ۲۳۸، ۲۳۹)

''اور آیت ﴿ وعد الله الذين آمنوا منكم ﴾ میں ﴿ منكم ﴾ کی قید کی وجہ سے (خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے) بعد کے خلفاء اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیئے جا سکتے، خواہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور خواہ
حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوں۔'' ۱

اور مولانا مفتی محمد ظفر اقبال صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا عہد' خلافت راشدہ کا تتمہ و تکملہ تھا۔ اِس سے مراد یہ نہیں کہ
آپ کی خلافت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی طرح قرآن کی موعودہ خلافت خلافت راشدہ ہے۔'' ۲

علماء کے اقوال میں تطبیق:

ان دونوں طبقوں کے علماء کے اقوال کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ جن حضرات نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دیا ہے تو اُنہوں نے اصالۃً

نہیں بلکہ تبعاً قرار دیا ہے، اس لئے کہ آپ کی خلافت کے چھ ماہ کا زمانہ اگر چہ خلافت راشدہ کے اُن تیس سالوں میں ضرور آتا ہے جن کے بارے آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ: ''میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی۔'' لیکن دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ضرور تھی، لیکن خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی، اس لئے کہ خلافت راشدہ موعودہ صرف خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہی کی خلافت تھی اس لئے آپ کو حکماً خلیفہ راشد کہہ دیا ہے
اصالۃً نہیں کہا۔

اور جن دوسرے بعض حضرات نے آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو سرے سے خلافت راشدہ ہی تسلیم نہیں کیا تو وہ اس وجہ سے کہ ایک تو آپ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت' خلافت راشدہ کا تتمہ وتکملہ تھا ،حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت موعودہ کی طرح خلافت موعودہ نہیں تھی جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ اور دوسرے اس وجہ سے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا عہد' خلافت تامہ بھی نہیں تھا اس لئے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ماہِ ربیع الاوّل ۴۱ھ میں خلافت کی باگ ڈور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھما دی تھی اور
خود خلافت سے دست بردار ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ۳

۱ (سنی موقف: ۵۲، ۵۳)
۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گم راہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ: ص ۲۷۶، ۲۷۷)

=

اس لئے یہ حضرات بھی آپ رضی اللہ عنہ کو خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی طرح خلیفۂ راشد موعود
نہیں مانتے بلکہ حکماً خلیفہ کہہ دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اگر چہ علیٰ منہاج النبوۃ ضرور تھی لیکن خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی اس لئے آپ رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد موعود نہیں ہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے

فضائل عالیہ وصفاتِ کمالیہ کے سبب حکماً آپ رضی اللہ عنہ کو

خلیفۂ راشد کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی جدا ہے، اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اُن تیس سالوں کے بعد پہلے منازعت اور پھر مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کی صورت میں معرض وجود میں آئی تھی، جس کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی کر دی تھی، اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت نہ تو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی اور نہ ہی خلافت راشدہ موعودہ تھی، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ملوکیت کی شان غالب تھی اور آپ رضی اللہ عنہ سے ملوکیت و سلطنت کا زمانہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا اور ایک چنگیز خان، لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا جائے اور دونوں کے درمیان فرق مراتب کا کوئی امتیاز نہ کیا جائے،

بلکہ دونوں کے فرقِ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے منصف وعادل کو ظالم و جابر سے ضرور ممتاز کیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار اگر چہ ملوک وسلاطین میں ہوتا ہے لیکن ان ملوک وسلاطین میں نہیں کہ جن کا کام ہی ظلم وستم، قتل وغارت اور تعیش پسندانہ زندگی گزارنا ہوتا ہے، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار اُن ملوک وسلاطین میں ہوتا ہے کہ جن کا مقصد عدل وانصاف، امن وامان اور زاہدانہ زندگی گزارنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہی فضائل محمودہ وخصائل ستودہ کے پیش

نظر حکماً آپ رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفۂ راشد کہہ دیا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''سلطانِ کامل حکمی خلیفۂ راشد ہے، یعنی اگر چہ خلافت راشدہ تک نہیں پہنچا، لیکن خلافت راشدہ کے عمدہ آثار بعض ظواہر شریعت کی خدمت صدق واخلاص سے اس سے صادر

ہوں۔'' [1]

= '' وانما كملت الثلاثون بخلافة الحسن بن علي ، فانه نزل عن الخلافة

لمعاوية في ربيع الأول من سنة احدي

وأربعين ." (ألبداية والنهاية لابن كثير : ۱۷/۸ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

ل (منصبِ امامت (از: شاہ اسماعیل شہیدؒ):ص۹۹)

کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کیا؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت نانوتوی پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ اُنہوں نے حضرت معاویہ کو جلیل القدر صحابہ میں سے شمار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت نانوتویؒ زیرعنوان ''مذہب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دربارہ خلافت'' لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گواس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے، اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کواُنہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل نہ بھی جانا جاتا تواس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ اُنہوں نے افضل کو چھوڑ دیا، جیسا کہ گزشتہ مقدمات میں واضح ہوگیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔ لیکن اتنی بات کے باعث ترکِ افضل کا اِن پر گناہ نہیں تھوپا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوش سے ہم پیش آئیں۔ اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار نہیں کرتے ہیں (از اجلہ صحابہ نمی شماریم) کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔[1]

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہ فارسی مکتوب (بنام مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ) ان کے مجموعہ مکتوبات بنام ''قاسم العلوم'' میں شائع ہو چکا ہے۔[2]

پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کے اس قول کہ ''ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار نہیں کرتے'' کی تاویل کرتے ہوئے نیچے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ''یعنی چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کی طرح ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر اُن کی طرف سے ہم

[1] (انوار النجوم: ص۱۷۴، ۱۷۵، مترجمہ مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی فاضل دار العلوم دیوبند بحوالہ: سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص۱۶۷)

[2] (ملاحظہ ہو یادگارِ حسین: ص۳، مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۱۶۷)

معذرت پیش کریں۔‘‘ (حوالہ مذکورہ)

یعنی اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہوتے تو پھر ہم یزید کی ولی عہدی وغیرہ جیسے معاملات پر ’’سبّ وتنقید‘‘ کی صورت میں اُن کی طرف سے معذرت پیش کرتے۔

اوّل تو حضرت نانوتویؒ کی یہ بات ہی خلاف حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی نہیں تھے۔

علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ فرماتے ہیں کہ:

’’أقول قد صرح علماء الحديث بأن معاوية رضي الله عنه من كبار الصحابة ونجبائهم ومجتهديهم ولو سلم أنه من صغارهم فلا شک في أنه داخل عموم الأحاديث الصحيحة الواردة في تشريف الصحابة رضي الله عنهم بل قد ورد فيه بخصوصه أحاديث ...... [1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ علمائے حدیث نے صراحت کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ، اشراف اور مجتہد صحابہ میں سے ہیں۔ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ اصاغر صحابہ میں سے تھے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان صحیح احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کے شرف وفضیلت میں وارد ہوئی ہیں، بلکہ خاص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ﴿ **أللهم اجعله هاديا مهديا واهد به** ﴾ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿ **أللهم علم معاوية الحساب والكتاب وقه العذاب** ﴾ اسے امام احمدؒ نے روایت کیا...... بہر حال حضرت نانوتویؒ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع سے معذرت خواہی کے بارے میں یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ:

معذرت راخندہ می آید براستعذ ار‘‘ [2]

[1] (ألنبراس شرح لشرح العقائد: ۵۵۰)

۲؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۶۷، ۱۶۸)

ہنر بچشمِ عداوت بزرگ ترعیب است!

فاضل مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی سے دورانِ ترجمہ یہاں تھوڑا بہت تسامح اور سہو ہوگیا، اور اسی غلط فہمی کے نتیجے میں اُنھوں نے نیچے حاشیہ میں بھی غلطی کھالی، جس کی وجہ سے بات کہیں سے کہیں نکل گئی اور مخالفین ومعاندین پروفیسر طاہر ہاشمی وغیرہ نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم کرکے اُنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ٹھہرادیا۔

مولانا انوار الحسن شیر کوٹیؒ کا تسامح اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت:

لہٰذا ہم سب سے پہلے اصل کتاب قاسم العلوم (یعنی مکتوباتِ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی فارسی عبارت نقل کرتے ہیں اور اُس کے بعد سلیس اُردو زبان میں اُس کا ترجمہ کرتے ہیں، تاکہ اصل حقیقت ناظرین وقارئین حضرات کے سامنے واضح ہوسکے اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن وتنقید کے حوالے سے حاسدین ومخالفین پروفیسر طاہر ہاشمی وغیرہ نے جو پروپیگنڈا کھڑا کررکھا ہے اُس کا ازالہ ہوسکے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکھر کر علیحدہ علیحدہ ہوجائے۔

چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ''مذہب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دربارۂ خلافت'' عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''واین طرف مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دربارۂ خلافت آں بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائدازدیگراں باشد (گو افضل ازو باشند) افضل است از دیگراں، نظر بریں اورا افضل از دیگراں دانستند، واگر افضل نہ دانستند پس بیش ازیں نیست کہ کہ ترکِ افضل کردند۔ چنانچہ در مقدماتِ سابقہ واضح شدہ کہ استخلافِ افضل، افضل است نہ واجب، لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت کہ بسبّ وشتم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیش آئیم، ایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بہ نسبت ترک افضل واولیٰ ہم دریں چنیں اُمور معذرت نمائیم۔'' [1]

ترجمہ: اور خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہو (اگر چہ وہ دیگر اُمور میں اس سے

[1] (قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم: ص ۱۷۴، ۱۷۵ مطبوعہ ناشرانِ قران لاہور سن طباعت ۱۹۷۴ء)

افضل ہی کیوں نہ ہوں) وہ دوسروں سے افضل ہے۔ اسی بات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اُس (یعنی یزید) کو دوسروں سے افضل جانتے تھے۔ اور اگر اُس کو افضل نہ بھی جانتے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں (کہا جا سکتا) کہ اُنہوں نے افضل کو ترک کیا ہے (واجب کو ترک نہیں کیا)۔ چنانچہ گزشتہ مقدمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں ہے، لیکن اس (ترک افضل و ترک اولیٰ جیسے) قدرے (اور معمولی عمل) کو (بہر حال ایسا) گناہ نہیں کہا جا سکتا کہ جس کے سبب ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرنے لگ جائیں اور اس حوالے سے ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار نہ کریں، بلکہ ترکِ اولیٰ وافضل کی نسبت سے ہم اس جیسے (دیگر تمام) اُمور میں (اُن کی طرف سے) معذرت پیش کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل فارسی عبارت کا صحیح معنی و

مفہوم کہ جس کے پڑھ لینے اور سمجھ لینے کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے مثال محبت وعقیدت اور بے پناہ عاشقانہ دفاع کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔

مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے سہو اور تسامح کیا ہوا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے ہاتھ ایک بہت بڑا شکار لگ گیا اور وہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بغلیں بجانے لگ گئے اور اُسے اُنھوں نے اپنے مذموم عزائم اور فاسد اغراض کی خاطر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مستحسن امر کو ایک مطعون ومعیوب چیز کا نام دے دیا۔ ؎

ہنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیب است
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

﴿۱۵﴾

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: رشید احمد، لقب: قطب الارشاد، والد کا نام: ہدایت احمد، اور دادا کا نام: پیر بخش
ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''رشید احمد بن ہدایت احمد بن پیر بخش بن غلام حسن بن غلام علی بن علی اکبر بن محمد اسلم الانصاری الایوبی

......الخ۔‘‘

اور اِس طرح پینتیسویں پشت پر جا کر یہ سلسلہ مشہور میز بانِ رسول ﷺ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ
سے جاملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ٦ ذی القعدہ ١٢٤٤ھ کو یوم دوشنبہ (سوموار کے دن) چاشت کے وقت قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ اور جس وقت آپؒ کے والد ماجدؒ مولانا ہدایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہ
عمر پینتیس سال ١٢٥٢ھ میں گورکھ پور میں انتقال فرمایا اس وقت آپؒ کی عمر مبارک صرف سات برس کی تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دو حقیقی بھائی تھے۔ ایک بڑے حضرت مولانا عنایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو فارسی کی ابتدائی کتابوں میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی تھے۔ اور دوسرے چھوٹے جناب سعید احمد صاحب جو کہ صرف نو سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں آپؒ کی دو بہنیں بھی تھیں، ایک
حقیقی، جن کا نام ’’ **فصیحاً** ‘‘ اور دوسری سوتلی جن کا نام ’’ **أمة الحق** ‘‘ تھا۔

تحصیل علم:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سال بعد ١٢٦٢ھ میں اُستاذُ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (جو دہلی میں اجمیری دروازہ کے قریب صدر مدرس تھے) تعلیم شروع کی، اور پھر دونوں (حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ) ہم سبق ہو گئے اور بہت تھوڑے عرصہ میں کتابیں ختم کر لیں
اور حفظ قرآن پاک کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے۔

بعد ازاں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے نوعمری ہی میں فارسی کی کتابیں ’’کرنال‘‘ میں اپنے ماموں حضرت مولانا محمد تقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو فارسی کے قابل ترین

اُستاذ تھے۔فارسی کی کتابوں سے فارغ ہونے کے بعد آپؒ کو عربی کی کتابوں کے پڑھنے کا شوق ہوا،اور آپؒ نے ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں حضرت مولانا محمد بخش صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔اور اُستاذ کی ترغیب سے نے بہ عمر سترہ سال ۱۲۶۱ھ کو آپؒ نے دہلی کا سفر کیا اور حضرت مولانا قاضی احمد الدین صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم شروع کی۔

نکاح اور بیعت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح آپؒ کے حقیقی بڑے ماموں حضرت مولانا محمد نقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی ''خدیجہ'' خاتون علیہا الرحمۃ سے ہوا،اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر
سلاسل اربعہ میں بیعت ہوئے۔

اولاد واحفاد:

اِس خاتون سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحب زادے اور دو ہی صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ایک صاحب زادے ولادت کے بعد چند ایام ہی کی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔اور دوسرے صاحب زادے مولانا حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۷۸ھ کو پیدا ہوئے تھے۔اور ایک لڑکی بنام ''امھانی'' تین،چار سال کی عمر میں انتقال کر گئیں تھیں۔اور دوسری صاحب زادی ''صفیہ خاتون'' تھیں جو حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔

انگریز کے خلاف جہاد میں شرکت:

برطانیہ کے خلاف ہندوستان میں جب رمضان المبارک (۱۲۷۳ھ بمطابق ۱۸۵۷ء) میں تحریک آزادی شروع ہوئی تو اس جہاد میں (جس کو کم بخت مؤرخ غدر لکھنے سے نہیں چونکتے) حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ،حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ،حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ نے بھرپور حصہ لیا اور
مؤخر الذکر ''جہادِ شاملی'' میں شہید ہو گئے۔

اس جہاد کی پرزور تحریک کئی وجوہ کی بناء پر ناکام ہو گئی۔اور سابق تینوں حضرات کے

خلاف حکومت برطانیہ نے وارنٹ گرفتاری جاری کردیئے۔اور گرفتار کرنے والوں کے لئے صلہ اورانعام تجویز کیا۔اس لئے طالب دُنیا لوگ ان کی تلاش میں مساعی اوران کو گرفتار کرانے کی تگ ودو میں سرگرداں رہے۔حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید صادق جناب راؤ عبداللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''اصطبلِ اسپاں'' میں پنج لاسہ ضلع انبالہ میں رُوپوش ہوگئے۔کسی بدبخت مخبر نے حکومت کو خبر کردی اور سرکاری عملہ آ پہنچا اور راؤ صاحب علیہ الرحمۃ سے گھوڑوں کی دیکھ بھال کے بہانے پورے ''اصطبل'' کا محاصرہ کرکے تلاشی لی،مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کواُن کی نگاہوں سے اُوجھل رکھا اور وہ خائب وخاسر ہوکر بےنیل مرام واپس چلے گئے۔

لیکن ظالم برطانیہ کی آتشِ انتقام اس سے کب ٹھنڈی ہوسکتی تھی؟ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب اور تلاش بھی بدستور جاری رہی،آپؒ ظالموں کی نگاہ سے بچ کر رام پور چلے گئے اور حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں جا ٹھہرے اور وہیں سے ۱۲۷۶ھ کے شروع میں گرفتار کئے گئے اور سہارن پور کے جیل خانہ میں پہنچا کر جنگی پہرہ کی نگرانی میں دے دیئے گئے۔تین چار دن آپؒ کو کال کوٹھری میں اور پھر پندرہ دن جیل خانہ کے حوالات میں مقید رکھا گیا۔اس کے بعد پیدل ہی براستہ دیوبند مظفر نگر کے جیل خانہ میں منتقل کردیا گیا اور تقریباً چھ ماہ وہاں رہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے باعزت رہائی نصیب ہوئی۔

اس کی یہ وجہ تھی کہ ظالم برطانیہ کے قدم مضبوط ہوچکے تھے اور کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا، اس لئے مسلمانوں کی ایک مقتدر شخصیت کو رہا کرکے ہی ملکی شورش کو ختم کرنا مناسب سمجھا گیا اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا ابوالنصر علیہ الرحمۃ اوراُن کے والد مولانا عبدالغنی صاحب علیہ الرحمۃ وغیرہ متعلقین واحباب کی معیت میں گنگوہ پہنچے۔اور گنگوہ میں ۱۳۱۴ھ تک ایک کم پچاس برس تک ''برہما،سندھ،بنگال،پنجاب،مدراس،دکن،براراورافغانستان وغیرہ اطراف واکناف کے طلبۂ دین آپؒ سے مستفید ہوتے رہے۔

حج بیت اللہ کی سعادت:

۱۲۸۰ھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حج کی سعادت نصیب فرمائی اور یہ حج
فرض تھا۔ دوسرا حج ۱۲۹۴ھ میں نصیب ہوا جو حج بدل تھا۔ اور تیسرا حج ۱۲۹۹ھ میں کیا یہ بھی حج بدل تھا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے حقیقی اولاد سے نواز رکھا تھا تو وہیں روحانی نیک وصالح اولاد سے بھی نواز رکھا تھا۔ چنانچہ آپؒ نے روحانی اولاد کی صورت میں ہزاروں طلباء، سیکڑوں علماء اور بے شمار خلفاء
اپنے پیچھے چھوڑے۔

تصانیف:

اسی طرح صدقۂ جاریہ کی صورت میں بے مثال وباکمال نہایت ہی عالمانہ ومحققانہ تصانیف آپؒ نے یادگار چھوڑیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) فتاویٰ رشیدیہ (۲) اوثق العریٰ (۳) ہدایۃ الشیعۃ (۴) سبیل الرشاد (۵) امداد السلوک (۶) القطوف الدانیہ (۷) زُبدۃ المناسک (۸) لطائف رشیدیہ (۹) رسالہ تراویح (۱۰) رسالہ وقف (۱۱) فتویٰ ظہر احتیاطی (۱۲)
فتویٰ میلاد (۱۳) ہدایۃ المعتدی (۱۴) رسالہ خطوط وغیرہ۔

وفات حسرت آیات:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۳ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور لاکھوں عقیدت مندوں، ہزاروں
علماء اور بے شمار طلباء کو داغِ مفارقت دے کر مسافرانِ آخرت میں شامل ہو گئے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ حاسدین ومعاندین اور مختلف قسم کے مخالفین کے تیز وتند تیروں اور تلواروں
کے وار سے چاروں طرف سے ہمیشہ نشانہ پر رہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت گنگوہیؒ نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل تشیع کے سوالات کے جوابات دینے میں) جو انداز اور لب ولہجہ اختیار فرمایا ہے وہ ہرگز ہرگز کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ بلکہ حسب ذیل کلمات تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے مؤقف کے حامی دیگر صحابہ وتابعین کی توہین وتنقیص کے زُمرے میں آتے ہیں:

''اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں؟ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں، مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے......فسق وگناہِ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا۔ اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منعِ لعن کی ہوتی؟......ہاں! البتہ اس میں بہ سبب شبہ وتاویل کجی آ گئی تھی۔ اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو! اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اے بھائی! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں، کم وبیش آدھے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں......الخ۔'' [1]

ظاہر ہے کہ صحابہ وتابعین پر مشتمل تقریباً یہ نصف تعداد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل ''حرب'' کو جائز ہی سمجھ رہی تھی، تب ہی تو اُنہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ حضرات بھی اہل سنت میں شمار ہوتے ہیں؟ اس کا جواب نفی میں تو ہو نہیں سکتا۔ پھر اس فتوے یا فیصلے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ ''معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں، اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔'' [2]

[1] (مکتوباتِ امام ربانی (اُردو): ۵۸۰/۲، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۷۰، ۱۷۱)

۲؎ (ہدایۃ الشیعہ :ص۳۰،۳۱،بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۷۰،۱۷۱)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعوں کے سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں دراصل اس مسئلے پر گفتگو فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے۔اس ذیل میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت اگرچہ انہیں اور اُن کے جملہ اصحاب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب کے ساتھ جنگ لڑنے میں مجتہد مخطی مانتے ہیں،لیکن اس خطائے اجتہادی کے سبب وہ ایمان سے نہیں نکل جاتے، بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے گناہِ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہو،اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس عبارت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنا مسلک یا اپنا مؤقف ہرگز بیان نہیں فرمارہے کہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے جملہ اصحاب گناہِ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق تھے، بلکہ علی سبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ بفرضِ محال اگر انہیں مرتکب گناہِ کبیرہ اور فاسق مان بھی لیا جائے جب بھی اُن پر کسی قسم کا لعن طعن کرنا جائز نہیں۔**لأن الفاسق ليس بأهل اللعن** .

حضرت گنگوہیؒ پر اہل تشیع کے بارھویں امام کو اہل سنت کا پیشوا قرار دینے کا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنے خبث باطن کا زہر اُگلتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

''قارئین کرام! کیا حضرت (گنگوہیؒ) کا یہ فرمانا بھی حق ہے؟ کہ:

''ہم سب اہل سنت ائمہ اثنا عشر کو امام اور مقتدائے دین وقطب ارشاد عقیدہ رکھتے ہیں اور امام ظاہر بجز حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور چھ مہینے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو نہیں جانتے، اگرچہ ان میں لیاقت امامت ظاہرہ کی سب معاصرین سے زیادہ تھی، مگر وقوع اس کا بہ سبب ان کے زُہد کے تقدیر الٰہی سے نہ ہوا۔''[1]

اس عبارت میں موصوف نے اہل تشیع کے بارہویں فرضی امام مہدی کو بھی اہل سنت کا پیشوا، مقتداء اور قطب ارشاد (بحیثیت عقیدہ) قرار دیا ہے، جو بعد از ظہور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حد جاری کرنے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روضۂ

[1] (تالیفاتِ رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ: ص۵۸۴ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور، کراچی بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۷۴)

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکال کر ہزار مرتبہ روزانہ قتل کرے گا۔ حضرت گنگوہیؒ کی اس عبارت میں ''ائمہ اثنا عشر'' سے کسی فاسد ترین تاویل کے ذریعے بھی ہرگز ''سنی مہدی'' مراد نہیں لیا جاسکتا۔''[1]

حضرت گنگوہیؒ کی حقانیت اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا طشت از بام ہوتا دجل وفریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں پر بھی اپنے دجل وفریب اور ہیرا پھیری کا خوب سے خوب تر مظاہرہ کیا ہے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سباق حذف کر کے صرف اپنے مطلب کی عبارت قارئین کے سامنے پیش کی ہے، تاکہ قارئین کے ذہن میں عملی طور پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نفرتوں اور بدگمانیوں کا بیج بوکر اُنہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل طرح بدظن کیا جائے، لیکن ان شاء اللہ! حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فرزند پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کسی بھی صورت ان کے اِن مکروہ اور ناپاک عزائم میں کام یاب نہیں ہونے دیں گے۔

چنانچہ اب ہم ''تالیفاتِ رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ'' سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع سیاق وسباق کے ذکر کرتے ہیں کہ جس کا صرف ایک جزو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ذکر کر کے قارئین کو اپنے دجل وفریب کے شکار میں لینا چاہ رہے ہیں، تا کہ قارئین کرام کے سامنے اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اُن کا ذہن ''آئینہ تمثال'' کی طرح صاف وشفاف اور بے غبار ہوجائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل وفریب کی قلعی کھل جائے اور اُن کا دجل وفریب طشت ازبام ہو جائے۔

چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ہم سب اہل سنت ائمہ اثنا عشر کو امام اور مقتدائے دین وقطب ارشاد عقیدہ رکھتے ہیں اور امام ظاہر بجز حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور چھ مہینے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو نہیں جانتے، اگر چہ ان میں لیاقت امامت ظاہرہ کی سب معاصرین سے زیادہ تھی، مگر وقوع اس کا بہ سبب ان کے زُہد کے تقدیر الٰہی سے نہ ہوا، کیوں کہ امام کا کام انتظام رعایا کا اور داد مظلوم ظالم سے لینا اور جہاد وغیرہ اُمور ہوتے ہیں، اور پھر ان حضرات دہگانہ میں کبھی یہ بات ہوئی ہے جو ان کو امام ظاہر کہا جاوے، ورنہ یوں تو جس کو چاہو امام نام رکھ لو۔ ہاں! استحقاق ولیاقت

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۷۴)

میں کچھ کلام نہیں، مگر محض لیاقت سے تو کام نہیں چلتا۔ اگر لیاقت امام کا نام امام ہے تو اتنا تو ہم بھی مقر ہیں، ورنہ بہ قولِ سائل شیعہ کو وہی خواہش وہوا کا امام بنا کر پرستش کرنا پڑا۔ خیر! ہم یہاں زیادہ کچھ نہیں کہتے جواب سائل کو شافی حاصل ہو گیا۔ ہاں! البتہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کو زندہ تصور کر کے امام ٹھہرانا یہ بھی ایک مضحکہ صبیان ہے اور پابندی اپنے اُصول میں ایسی ہزل پر عقیدہ کرنا محض حماقت ہے۔''[۱]

قارئین کرام! اس عبارت میں صاف طور پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شیعوں کے مزعومہ اور فرضی امام مہدی کے زندہ تصور کرنے کو مضحکۂ صبیان کہہ رہے ہیں، نہ کہ سنیوں کے سُنی امام مہدی علیہ السلام کو، جس سے صاف اور واضح طور پر آشکارا ہو جاتا ہے کہ بارہویں امام سے

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد شیعوں کا مزعومہ وفرضی اور مضحکہ صبیان امام مہدی ہرگز ہرگز مراد نہیں، بلکہ اس سے مسلمانوں کے وہ (سُنی) امام مہدی علیہ السلام مراد ہیں جو قیامت کے قریب پیدا ہوں گے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت وفوقیت کا شبہ:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب پہلے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کر کے اور پھر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ذکر کر کے
دو مختلف اسالیب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا، اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منعِ لعن کی ہوتی؟...... ہاں! البتہ اس میں بہ سبب شبہ وتاویل کجی آگئی تھی اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو! اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔'' [۲]

''احتمالِ خطاء اور امکانِ زلت کے درجہ میں آپ (حضرت گنگوہیؒ) یقیناً بشر تھے

[۱] (تالیفاتِ رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ: ص۵۸۴ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور، کراچی)
[۲] (ہدایۃ الشیعہ: ص۳۲، ۳۳ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (مختصراً): ۱٦۹، ۱۷۰، ۱۷۱)

مگر ہادی ورہبر عالم ہونے کی حیثیت سے چوں کہ آپ اس بے لوث مسند پر بٹھائے گئے تھے جو بطحائے پیغمبر ﷺ کی میراث ہے، اس لئے آپؒ کی قدم قدم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نگرانی ونگہبانی ہوتی تھی۔ آپؒ اولیاء اللہ کے اُس اعلیٰ طبقہ میں رُکن اعظم بن کر داخل ہوئے تھے جن کے اقوال وافعال اور قلب وجوارح کی ہر زمانہ میں حفاظت کی گئی ہے، اور جن کی زبان اور اعضائے بدن کو تائید وتوفیق خداوندی نے مخلوق کو گم راہی سے بچانے کے لئے اپنی تربیت وکفالت میں لے رکھا تھا۔'' [۱]

یہاں دونوں قسم کے اُسلوب قارئین کرام کے سامنے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ چودھویں صدی میں حضرت مکیؒ کی تعلیم وتربیت سے حضرت گنگوہیؒ اس مقام تک پہنچ گئے کہ بہ تقاضائے بشریت ان سے خطاء ولغزش کا صرف ''احتمال'' اور ''امکان'' ہے دوسری طرف سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ''خطاؤں'' اور ''کبائر'' کا ''احتمال'' و ''امکان'' ہی نہیں بلکہ فی الواقع عملی طور پر ''صدور وارتکاب'' بھی ہوا ہے، البتہ اس کی وجہ سے وہ ''لعن'' کے مستحق نہیں ہیں۔'' [۲]

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو دو مختلف اسالیب ذکر کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ذاتوں کا باہم تقابل کرا کے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت وفوقیت ثابت کرتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد ٹھہرا کر اپنے خبث باطن کا ثبوت دیتے ہوئے جو بے جا استدلال اور غلط نتیجہ اخذ کیا ہے وہ کسی طرح بھی تام، صحیح اور درُست نہیں۔ اس لئے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (جیسا کہ پیچھے کافی تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے) شیعوں کے سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں دراصل اس مسئلے پر گفتگو فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے، اس ذیل میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت اگرچہ انہیں اور اُن کے جملہ اصحاب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب کے ساتھ جنگ

۱؎ (تذکرۃ الرشید:۲/۱۶،۱۷ بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ۱۷۴)
۲؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (مختصراً):ص ۱۷۸)
لڑنے میں مجتہد مخطی مانتے ہیں (نہ کہ مطلقاً مخطی)، لیکن اس خطائے اجتہادی کے سبب سے وہ ایمان سے نہیں نکل جاتے، بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے گناہِ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہے، اور
فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس عبارت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنا مسلک یا اپنا مؤقف ہرگز بیان نہیں فرما رہے کہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے جملہ اصحاب گناہِ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق تھے اور سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ سے ''خطاؤں'' اور ''کبائر'' کا ''احتمال'' و ''امکان'' ہی نہیں بلکہ فی الواقع عملی طور پر صدور'' وارتکاب'' بھی ہوا ہے، البتہ اس کی وجہ سے وہ ''لعن'' کے مستحق نہیں ہیں۔'' بلکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علی السبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ بفرضِ محال اگر اُنہیں مرتکب گناہِ کبیرہ اور فاسق مان بھی لیا جائے جب بھی اُن پر کسی
قسم کا لعن طعن کرنا جائز نہیں۔ **لأن الفاسق ليس بأهل اللعن .**

مولانا میرٹھیؒ کے والہانہ کلام کو حضرت گنگوہیؒ کے سر تھوپنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟:

جب کہ دوسری طرف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تعلیم و تربیت سے حضرت گنگوہی کے اس مقام تک پہنچ جانے کہ جس میں ان سے بہ تقاضائے بشریت صرف خطاء ولغزش کا امکان باقی رہ جانے کا ذکر کیا ہے تو یہ ایک مرید عاشق کا اپنے پیر و مرشد کے بارے میں والہانہ ووارفتہ گانہ کلام ہے،
ورنہ خود حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کبھی بھی اپنے آپ کو خطاء ولغزش سے مبرا نہیں سمجھا۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو لے کر حضرت گنگوہی قدس سرہ کو آڑے ہاتھوں لینا، اُن کو کوسنا اور اُن کو برا بھلا کہنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟ اگر حضرت گنگوہی

قدس سرہ اپنی اِس تعریف کوملاحظہ فرمالیتے تو
سختی سے منع کرتے اورفرماتے کہ میں توایک بندۂ گناہ گاروخطا کارہوں۔
حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے بعداُن کے ایک وارفتہ عاشق صادق کی
طرف سےاُن کی تعریف و
توصیف میں کہے گئے کلام مدح کے الزام کوحضرت گنگوہی قدس سرہ کے سرتھوپنااور:
''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا''
کا مصداق اُنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گستاخ ٹھہرانا اورناقدباور کرانااکابردُشمنی کا
عملی ثبوت نہیں توپھراور
کیاہے؟۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کوکھلا چیلنج:

نیز مولانا عاشق الٰہی صاحب کا حضرت گنگوہیؒ کوخطاؤں کے وقوع سے محفوظ کہنا
اپنے جائزے کے لحاظ سے ہے۔البتہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کواگر حضرت گنگوہی قدس سرہ
کی اپنی کسی خطاء کاعلم ہےتو ہمیں آگاہ کریں، اگر ثابت ہوجائے تو اُسے کسی کوبھی ماننے میں ذرّہ
برابرتامل نہیں ہوگا، اِس لئے کہ ہم اُنہیں بشرہی مانتے ہیں، فرشتہ
نہیں۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کے
درمیان خطاؤں اورغلطیوں کا جو بے جاباہمی تقابل کرایاہے اگر بہ نظرِعمیق دیکھا جائے تو یہ تقابل
توخود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی پایا جاتا ہے کہ بعض عام صحابہ رضی اللہ عنہم سے چھوٹی موٹی غلطیاں تک صادر
نہیں ہوئیں اورحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتنی بڑی بڑی غلطیاں صادرہوئی ہیں، تو کیا اب کوئی
شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم سے تو چھوٹی موٹی غلطیاں بھی صادرنہیں ہوئیں اورحضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدراورکاتب وحی صحابی سے اتنی بڑی بڑی غلطیاں کیوں کرصادرہوئی
ہیں؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی عقل مند شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تقابل کوصحیح اوردُرست نہیں مان سکتا
۔پس اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ اورحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پروفیسر طاہر ہاشمی

صاحب نے جو بے جا تقابل کرایا ہے اسے بھی کسی طرح صحیح
اور دُرست نہیں کہا جا سکتا۔

دراصل بات یہ ہے کہ جو شخصیت جتنی بڑی ہوتی ہے اِسی قدر زیادہ اُس کی ہر ہر بات کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اِس میں جہاں لاکھوں بھلائیاں اور اچھا شامل ہوتی ہیں تو وہیں اُس کی چند لغزشیں اور تھوڑی بہت خطائیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ہزاروں صحابہ ایسے ہیں کہ جن کی ایک نماز کا بھی قضاء ہونا یا نماز میں سہو ہو جانا کہیں بھی منقول نہیں، مگر اِس کے بالمقابل خود آنحضرت کی نمازوں کا قضاء ہونا اور متعدد بار نماز میں سہو ہو جانا بھی منقول ہے، حالاں کہ سب اِس کے قائل ہیں اور کوئی بھی اِس سے اِنکار نہیں کر سکتا، لیکن اِس کے باوجود کوئی شخص بھی نہیں کہتا کہ یہ توہین رسالت

ہے۔

الزامی جواب:

اور اگر یہی بات ہے تو پھر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ماعزؓ سے تو زنا بھی صادر ہوا ہے اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ نے تو حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت بھی لگائی تھی حالاں کہ ہزاروں تابعین، فقہاء، ائمہ مجتہدین وغیرہ حضرات میں سے کسی ایک کی زندگی میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ رُونما نہیں ہوا تو کیا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ان ہزاروں تابعین، فقہاء، ائمہ مجتہدین وغیرہ حضرات کی فضیلت وفوقیت حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر ثابت کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے اور ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ پس اسی طرح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی فضیلت وفوقیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی بھی طرح ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت وفوقیت کسی بھی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ثابت نہیں ہو سکتی تو پھر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت لے کر خواہ مخواہ بحث ومباحثہ کا بازار گرم کرنا اور جو چیز کسی کا اعتقاد ہی نہ ہو اُس پر چڑھائی کرنا شقاوت و حماقت اور بدبختی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿۱۶﴾

خاتمۃ المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۳۵۲ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: محمد انور، لقب: خاتمۃ المحد ثین، اور والد کا نام: محمد معظم ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''انور شاہ بن معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ محمد عارف بن شاہ عبدربہ بن
شاہ علی بن شیخ عبداللہ بن شیخ مسعودی نروری کشمیری......الخ۔''

آگے جا کر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ مسعود نرد ری کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن ''بغداد'' تھا۔ وہاں سے ملتان، ملتان سے لاہور اور پھر لاہور سے کشمیر سکونت اختیار کی۔ بلکہ اگر اِس سے بھی اوپر جایا جائے تو علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ٢٧ شوال المکرّم ١٢٩٢ھ بمطابق ١٨٧٥ء یوم شنبہ (ہفتہ کے دن) بوقت
صبح وادیٔ کشمیر کے علاقہ ''لولاب'' کے مقام ودوان میں مولانا معظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآنِ مجید سمیت فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر ڈالے۔ اِس کے بعد مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر کشمیر اور ہزارہ سمیت مختلف مدارس سے علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد دارالعلوم دیوبند سے بیس، اکیس برس کی عمر میں نمایاں شہرت وعزت کے ساتھ حضرت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۱۲ھ سند فراغت حاصل کی۔

شیوخ واساتذہ:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو جن اصحاب علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی

اُن میں سے چندایک کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۲﴾ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۳﴾ حضرت مولانا محمد اسحاق امرت سری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۴﴾ حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔اِس کے بعد کشمیر، دہلی دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل میں تدریسی

فرائض سرانجام دیتے رہے۔

زیارت حرمین شریفین:

۱۳۲۳ھ میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت میں حرمین شریفین کی زایرت سے مشرف ہوئے۔اِس سفر میں طرابلس، بصرہ، مصر اور شام کے جلیل القدر علماء نے آپؒ کی بہت عزت کی اور سب نے آپؒ کی

خداداد استبداد اور بے نظیر لیاقت کو دیکھ کر سندات حدیث عطا فرمائیں۔

عقد نکاح:

تینتالیس (۴۳) برس کی عمر میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے بزرگوں کے پُرزور اصرار پر رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے، جس سے سات صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔

صاحب زادوں میں مولانا محمد انظر شاہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ازہر شاہ

قیصر رحمۃ اللہ علیہ زیادہ معروف ہیں۔

تلامذہ وشاگرد:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم دیوبند کے اٹھارہ سالہ قیام کے دوران تقریباً دو ہزار طلباء آپؒ سے

بلاواسطہ مستفید ہوئے جن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

﴿۱﴾ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۲﴾ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثانی رحمۃ اللہ علیہ (مفتیٔ اعظم پاکستان) ﴿۳﴾ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۴﴾ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۵﴾ حضرت مولانا سید بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۶﴾ حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۷﴾ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۸﴾ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۹﴾ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرت سری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۱۰﴾ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

رحمۃ اللہ علیہ۔

علمی مقام:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وعملی کمالات میں سے جو چیز آپؒ کو اقران واعیان میں سب سے زیادہ ممتاز کرتی ہے وہ آپؒ کی جامعیت اور تبحر علمی ہے۔ علوم عقلیہ وشرعیہ میں سے کوئی بھی ایسا علم نہیں ہے جس میں آپؒ کو مہارت تامہ حاصل نہ ہو۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علمائے متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ و

نقلیہ ہستیاں شاذ ونادر ہی ملتی ہیں۔

تصانیف:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے دینی، تدریسی اور تبلیغی خدمات کے علاوہ تصنیف و تالیف میں بھی اپنے قلمی

جوہر خوب دکھائے اور اُن کے ذریعہ ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ جن میں سے چند ایک

تصانیف کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ **ألتصريح بما في تواتر نزول المسيح** ﴿۲﴾ **عقيدة الاسلام في حيات عيسي عليه السلام** ﴿۳﴾ **فصل الخطاب في مسألة أم الكتاب** ﴿۴﴾ **خاتم النبيين** . اِن کے علاوہ چند تقریریں ہیں جو درس کے وقت آپؒ املاء کرواتے تھے اور جنہیں آپؒ کے اجلہ تلامذہ نے قلم بند کیا تھا۔اُن میں سے ایک پہلی تقریر ﴿۵﴾ "**فيض الباري شرح صحيح البخاري**" ہے جو آپؒ کے تلمیذ رشید مولانا سید بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان میں قلم بند کی تھی اور وہ چار جلدوں میں چھپی ہے۔اور دوسری دوسری تقریر ﴿۶﴾ "شرح صحیح مسلم" ہے جو آپؒ کے دوسرے تلمیذ رشید علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کی ہے۔اور تیسری تقریر ﴿۷﴾ "حاشیہ سنن ابی داؤد" ہے جو آپؒ کے ایک اور مایہ ناز شاگرد مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کی ہے (لیکن یہ حاشیہ تا ہنوز زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکا، اگر کوئی صاحب استعداد فاضل ہمت کر کے اِسے منصۂ شہود پر لانے کی سعی فرمائیں تو یہ ایک گراں قدر علمی خدمت اور صدقۂ جاریہ ہوگا۔رفیع) اور چوتھی تقریر ﴿۸﴾ "**ألعرف الشذي حاشية جامع الترمذي**" ہے جو آپؒ کے ایک اور تلمیذ رشید مولانا چراغ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ درس اردو سے عربی میں قلم بند کی تھی اور آج کل ترمذی کے متداول نسخوں کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔پانچویں تقریر ﴿۹﴾ "انوار الباری شرح صحیح البخاری" ہے جو اردو زبان میں آپؒ کے ایک اور نامور شاگرد مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ

علیہ کے قلم سے ۳۲ صفحات میں تقریباً ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر دینی و علمی خدمات کے علاوہ تحریک ختم نبوت ﷺ میں بھی آپؒ کی گراں قدر

دینی و علمی خدمات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔

وفات حسرت آیات:

بالآخر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اُنسٹھ سال تین ماہ اور پانچ دن کی عمر میں مؤرخہ ۲

صفر المظفر ۱۳۵۲ھ بمطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کوشب کے آخری حصہ میں دیوبند میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اِس جہانِ فانی کو ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ دیا۔

آپؒ کے وصالِ پُر ملال پر مؤرخِ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تعزیتی نوٹ میں فرمایا:

''مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اُس سمندر کی سی تھی جس کی اُوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اِس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر وسخن سے بہرہ منداور زُہد وتقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں اِن کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے ''قال اللہ'' اور ''قال الرسول'' کا نعرہ بلند رکھا۔ مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ، اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے، ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بالکل بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔''

۱

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم رتبت اور عظمت کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہاں اُن کا تفرد اور اس پر تبصرہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے، کیوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت منصوص اور یقینی ہے، وہ تو خیر ایک جلیل القدر صحابی ہیں ،مسلک اہل سنت

کے مطابق یہ جملہ اکابر واولیاء وتابعین کسی ادنیٰ صحابی کی خاکِ پا کے برابر نہیں ہو سکتے۔

امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت میں یہ روایات لائے ہیں جن یہ میں بتایا گیا کہ:

” أوتر معاوية بعد العشاه بركعة وعنده مولي لابن عباس ، فأتي ابن عباس ، فقال دعه ، فانه قد صحب رسول الله (صلي الله عليه وسلم) . قيل لابن عباس : هل لک في أمير المؤمنين معاوية ؟ فانه ما أوتر الا بواحدة

قال : أصاب انه فقيه .“ [۲]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی، اُن کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک غلام (کریب) بیٹھا تھا، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا (اور ایک رکعت پڑھنے پر اعتراض کیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’ان کے متعلق کچھ نہ کہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ: ’’کیا آپ کو امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ اعتراض ہے کہ اُنہوں

[۱] (یادِ رفتگان کراچی ۱۹۵۵ء: ص ۱۶۹، ۱۷۰ بحوالہ: اکابر علمائے دیوبند: ص ۹۵......۱۰۳)

[۲] (صحيح البخاري ، باب ذكر معاوية بن أبي سفيان ، بحوالہ: سیدنا معاویہ کے ناقدین: ص ۱۸۵)

نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اُنہوں نے ٹھیک اور درُست کام کیا، کیوں کہ وہ فقیہ ومجتہد ہیں۔'' (ترجمہ ختم)

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ مذکورہ روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" قلت : وليس فيه تصويب له بل اغماض ونحو تسامح عنه وعند الطحاوي : فقام معاوية فركع ركعة واحدة ، و قال ابن عباس : من أين تري أخذها الحمار ؟ فان الكلمة شديدة ." [۱]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول ﴿ **أصاب انه فقيه** ﴾ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تائید وتصویب نہیں، بلکہ چشم پوشی'' اور ''تسامح'' ہے۔ اور طحاویؒ کے نزدیک یہ روایت یوں ہے کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو اُنہوں نے ایک رکعت وتر نماز پڑھی۔'' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''اس ''حمار'' نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟۔''

گویا موصوف کے نزدیک صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی مذکورہ روایت زیادہ صحیح اور راجح ہے، حالاں کہ رکعاتِ وتر میں اختلاف فقہی فروعی اور اجتہادی ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعاتِ وتر کی مختلف تعداد ثابت ہے۔ اس اختلاف کے باعث کسی کو ''حمار'' کہنے کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟۔ طحاوی کی زیر بحث روایت کے بعد اسی سند سے یہ روایت بھی منقول ہے جس میں ''حمار'' کا لفظ نہیں پایا جاتا:

" حدثنا عمران وذكر باسناده مثله الا أنه لم يقل الحمار ." [۱]

کاش! حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی تدریس کے دوران طحاوی کی اس روایت کا حوالہ دے دیتے جس میں لفظ ''حمار'' منقول نہیں ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جس تصویب کو حضرت شاہ

[۱] (فيض الباری شرح صحيح البخاري : ٤ / ٧٠ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے

ناقدین:ص۱۸۵)

صاحبؒ نے ''اغماض'' و ''تسامح'' قرار دیا ہے اُسے امام طحاویؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا

''تقیہ'' کہا ہے:

''وقد یجوز أن یکون قول ابن عباس ﴿ أصاب معاویة علیٰ التقیة ﴾

أي له أصاب في شئ آخر لأنه کان في زمنه .'' ۲؎

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کے ماتحت تھے، اس لئے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے، اس لئے اُنہوں نے بطورِ تقیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کی تائید و تصویب کی۔ ان کی زبان پر تو ﴿ **أصاب معاویة** ﴾ کے الفاظ تھے، لیکن دل میں اُنہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی کسی

دوسری بات کی تصویب کا قصد کیا ہوا تھا۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلي العظیم.**

طحاوی کی اس روایت سے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے تردیدی بیان: ﴿ **قلت لیس فیه تصویب له بل اغماض ونحو تسامح عنه** ﴾ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔ ۳؎

ہاشمی صاحب کی نرالی گپ:

مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ پر دو بڑے اور بین السطور چند

چھوٹے موٹے اعتراضات کئے ہیں۔

ذیل میں وہ تمام اعتراضات اور اُن کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں:

پہلا اعتراض:

پہلا اعتراض پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا ہے کہ آپؒ نے صحیح
بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پرمبنی (لفظ ''حمار'' والی) روایت کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔

۱؎ (طحاوي : ۱/۱۹۹ باب الوتر ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۸۶)
۲؎ (طحاوی : ۱/۱۹۹ باب الوتر ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۸۶)
۳؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۸۵،۱۸۶)

اعتراض کا جواب:

پہلے تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کس عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے طحاوی کی توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پرمبنی روایت کو صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے؟ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف ایک موضوع کے متعلق دو مختلف روایات نقل فرمائی ہیں، ایک بخاری کی اور دوسری طحاوی کی، اور طحاوی کی روایت کے بارے میں فرمایا ہے:
"فان الكلمة شديدة ."۱؎
ترجمہ: کہ (اس روایت میں لفظ ''حمار'' والا) کلمہ سخت ہے۔

گویا اس عبارت میں تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی کی روایت کو مرجوح اور سخت کلمہ والی روایت کہہ دیا ہے اور بخاری کی روایت پر تو کوئی تبصرہ ہی نہیں فرمایا۔
نیز کیا ایک موضوع کے متعلق مختلف روایات نقل کرنا اور بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دینا مبنی بر توہین ہوتا ہے؟۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پرمبنی طحاوی کی لفظ ''حمار'' والی روایت کے بلاتبصرہ نقل کرنے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کا پہلو نہیں نکلتا، اس لئے کہ اس روایت کے نقل کرنے سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنا ہرگز نہیں، بلکہ ایک موضوع پر
مختلف روایات کا نقل کرنا مقصود ہے۔

اور چوں کہ طحاوی کی اس کے بعد والی روایت اور صحیح بخاری کی روایت میں کوئی خاص
فرق نہ تھا اس لئے
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نقل کرنے کو ضروری نہیں سمجھا۔

طحاوی شریف کی بعض قابل اعتراض عبارات کا علمی و تحقیقی جائزہ:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار (طحاوی شریف) میں بعض ایسی
روایات نقل کی ہیں کہ جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے
میں بعض شنیع قسم کے الفاظ مذکور ہیں، مناسب معمول ہوتا ہے کہ پہلے ان روایات کا علمی و تحقیقی
جائزہ لیا جائے اور پھر بفرضِ صحت روایات ہذا کی کوئی معقول اور
مناسب توجیہ پیش کی جائے تا کہ یہ اُلجھا ہوا معاملہ کسی طرح سلجھ جائے۔

ا (فيض الباري شرح صحيح البخاري للكشميري : ٤/٤٩٥ ، ألناشر : دار
الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

" فان قال قائل : فقد روي عن ابن عباس رضي الله عنهما خلاف هذا (أي أنه يوتر وترا لم يتقدمه تطوع) فذكر ماحدثنا محمد بن عبد الله بن ميمون البغدادي قال : ثنا الوليد بن مسلم عن الأوزاعي ، عن عطاء قال : قال رجل لابن عباس : هل لک في معاوية أوتر بواحد ، وهو يريد أن يعيب معاوية . فقال ابن عباس: أصاب معاوية قيل له:قد روي عن ابن عباس رضي الله عنهما في فعل معاوية هذا ما يدل عليٰ انكاره اياه عليه . وذلک أن أبا غسان مالک ابن يحيي الهمداني حدثنا قال: ثنا عبد الوهاب بن عطاء قال: أنا عمران بن حدير عن عكرمة أنه قال : كنت مع ابن عباس عند معاوية نتحدث حتي ذهب هزيع من الليل فقال معاوية : فركع ركعة واحدة ، فقال ابن عباس : من أين تري أخذها الحمار؟

حدثنا أبوبكرة قال : ثنا عثمان بن عمر ، قال : ثنا عمران ، فذكر باسناده مثله الا أنه لم يقل الحمار . وقد يجوز أن يكون قول ابن عباس (أصاب معاوية) عليٰ التقية له ، أي أصاب في شيٍّ آخر ، لأنه كان في زمنه ولا يجوزعليه عندنا أن يكون ما خالف فعل رسول الله صلي الله عليه وسلم ألذي قد علمه عنه صواباً . وقد روي عن ابن عباس في الوتر أنه ثلاث ."[1]

طحاوی شریف کی مذکورہ بالا روایات کا ماحصل:

اس عبارت میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت نمازِ وتر اداء کرنے پر ابتداءً حضرت ابن عباس سے اُن کی تائید وتصویب ذکر کی ہے، جو بالفاظِ ذیل درج ہے:

" فقال ابن عباس : أصاب معاوية ."

اس کے بعد امام طحاوی نے قولِ مذکور کی تزییف کرنے کے لئے تمام کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

لے (شرح معاني الآثار للطحاوي : ۱/۲۸۹ ، ألناشر : عالم الكتب ، بيروت)

ا-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا کلام بھی منقول ہے:

" **فقال ابن عباس : من أين تري أخذها الحمار؟.** "

اگرچہ اِس روایت کے ایک دوسرے طریق میں لفظ ﴿ **ألحمار** ﴾ مفقود ہے، گویا یہ لفظ اِس جملے کا جز و نہ تھا اور اِس کلام کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا جملے کو ردّ کرنے کے لئے پیش کیا ہے تو اِس صورت میں
﴿**أصاب معاوية**﴾ کا قول کس طرح دُرست ہوسکتا ہے؟۔

۲-دوسری چیز یہ ہے کہ ﴿**أصاب معاوية**﴾ کا قول **علي سبيل التقية** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صادر ہوا، اِس وجہ سے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے دورِ خلافت میں تھے (یعنی اِن کی مخالفت نہیں
کر سکتے تھے)۔

طحاوی شریف کی مذکورہ بالا روایات کا جواب:

یہ دونوں اعتراض فی نفسہ اپنے اپنے مقام پر دُرست نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سابقہ قول: ﴿**أصاب معاوية**﴾ بالکل دُرست ہے۔ اور اِس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقیناً صحیح نہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر تقیہ کا الزام لگانا سراسر ناانصافی ہے۔ وہ تقیہ کے قائل ہرگز نہ تھے۔ اور
یہ واقعات کے برخلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علمی وقار اور وثاقت دینی کے متضاد ہے۔

قرائن وشواہد:

اب اِس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کئے جاتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اِس فعل ﴿ أوتر بر كعة واحدة ﴾ کی تصویب کی ہے، یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات اور واقعات سے اِس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تغلیط وتردید ہر گز نہیں کی تھی کہ وہ
آپ کو سخت اور درُشت الفاظ کہتے۔ آئندہ مندرجات پر نظر فرمائیں تسلی ہو جائے گی:

۱-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح ومصالحت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، یہ بیعت مجبوری سے نہیں بلکہ رضامندی سے تھی اور بیعت کے لائق شخصیت سے کی تھی۔
یہ چیز مسلمات میں سے ہے جس پر کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔

۲-**ان كريباً مولىٰ ابن عباس (رضي الله عنهما) أخبره أنه رأىٰ ابن عباس (رضي الله**
عنهما) يصلي في المقصورة مع معاوية." [۱]

ترجمہ: کریبؒ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ "مقصورہ" میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔
یہ چیز باہم ارتباط اور عدم انقباض کی دلیل ہے۔

۳-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب مسئلہ وتر میں عددِ رکعت کی بحث ہوئی اور اِس ضمن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

"**دعه فانه قد صحب رسول الله صلي الله عليه وسلم .**" [۲]

ترجمہ: اُنہیں چھوڑ دو! کیوں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اُٹھائی ہے۔
اور ایک جگہ فرمایا:

"**ليس أحد منا أعلم من معاوية .**" [۳]

ترجمہ: ہم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا:

" أصاب (معاوية) انه فقيه . " [۴]

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ نے ٹھیک کیا کیوں کہ وہ فقیہ ہیں۔

یعنی یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں، وہ صاحب اجتہاد اور فقیہ ہیں، اُن کو اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے۔

[۱] (ألمصنف لعبد الرزاق : ۲/ ۴۱۴ ، بحوالہ: مسئلہ اقرباء نوازی: ص ۱۳۹، ۱۴۰)

[۲] (صحيح البخاري : ۲۸/۵ ، ألناشر : دار طوق النجاة)

[۳] (ألسنن الكبريٰ للبيهقي : ۳۹/۳ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)
و (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۴۱/
۷۵ و ۱۶۵/۵۹ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[۴] (صحيح البخاري : ۲۸/۵ ، ألناشر : دار طوق النجاة ، بحوالہ: مسئلہ اقرباء نوازی: ص ۱۳۸،) و (جامع الأصول لابن أثير الجزري : ۶/ ۵۰ ، ألناشر : مكتبة الحلواني ، مطبعة الملاح ، مكتبة دار البيان) و (مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي: ۳۹۹/۱ ، ألناشر : ألمكتب الاسلامي ، بيروت) و (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للقاري : ۹۵۴/۳ ، ألناشر :
دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

۴-عن عطاء (بن أبي رباح) أتيٰ رجل (كريب موليٰ ابن عباس) اليٰ ابن عباس فقال:

هل لک في معاوية يوتر بركعة ؟ يريد أن يعيبه ، فقال ابن عباس : أصاب معاوية ." [۱]

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی (کریب

مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ وہ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں؟''۔اُس کا ارادہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عیب لگانے کا تھا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ''معاویہ نے ٹھیک کیا۔'' (ترجمہ ختم)

۵-(وأخرج المروزي)من طريق علي بن عبد الله بن عباس قال بت مع أبي عند معاوية

فرأيته أوتر بركعة ، فذكرت ذلک لأبي ، فقال : يا بني ! هو أعلم .'' ۲

ترجمہ: حضرت علی بن عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ: ''میں نے اپنے والد کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہاں شب باشی کی، تو میں نے دیکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر (کی نماز) ایک رکعت پڑھی، پس میں نے اپنے والد سے اِس کا ذکر کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: ''بٹیا! وہ زیادہ جانتے ہیں۔'' (ترجمہ ختم)

۶-وفي روايته قال ابن أبي مليكة أوتر معاوية بعد العشاء بركعة وعنده مولي ابن عباس

فأتي ابن عباس فأخبره ، فقال : دعه فانه قد صحب النبي صلي الله عليه وسلم .'' ۳

۷-مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت قصر شعر مشقص کے متعلق منقول ہے کہ عطاء (شاگرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ: یہ روایت تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

" ما كان معاوية علي رسول الله صلي الله عليه وسلم متهماً .'' ۴

۱ (مختصرقيام الليل وقيام رمضان و كتاب الوتر للمروزي: ۲۸۲/۱، ألناشر: حديث أكادمي ، فيصل آباد ، ألباكستان)

۲؎ (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني : ۷/۱۰۴ ، ألناشر : دار الممعرفة ، بيروت)

۳؎ (صحيح البخاري : ۵/۲۸ ، ألناشر : دار طوق النجاة) و (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۵۹/۱۶۴ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

۴؎ (مسند امام أحمد بن الحنبل: ۲۸/۷۷ ، ۱۳۶) و (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۵۹/۵۶ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة

والنشر والتوزيع)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگانے والے نہیں تھے۔

یہ وہ صحیح روایات اور اقوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہیں جنہیں محدثین اور مؤرخین نے اپنی صحیح اسانید کے ساتھ اِس مقام پر نقل کیا ہے، لہٰذا ان کے مقابلہ میں طحاوی شریف کی مذکورہ روایات شاذ ہوں گی اور قابل اعتناء نہ ہوں گی۔ نیز ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اِس مقام پر اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں متعدد اقوال بھی درج کئے ہیں، جن میں سے کسی ایک مقام پر بھی ﴿ألحمار﴾ کا لفظ ذکر نہیں کیا، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''وثاقت'' کے کلمات ذکر کئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ

اصل روایت میں یہ شدید لفظ منقول نہیں تھا، بعد میں راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کر دیا ہے۔

روایت حدیث کے قبول وعدم قبول میں محدثین عظام کا اُصول:

۱-طحاوی شریف کی جس روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لفظ ''حمار'' سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں، لہٰذا یہ روایت شاذ اور اہل فن کے نزدیک نا قابل قبول ہے۔ اس لئے کہ

اِن الفاظ کے ساتھ اِس روایت کے نقل کرنے میں عکرمہ (مولیٰ ابن عباس ؓ) متفرد ہے اور اِس کا کوئی متابع نہیں۔

۲-دوسری بات یہ ہے کہ لفظ ''حمار'' والی روایت مذکورہ بالا اُن تمام معروف روایات کے برخلاف پائی گئی
ہے جو بالکل صحیح اور محدثین کے نزدیک معروف ومقبول ہیں۔ **كما مر آنفا.**

اس لئے اِس صورت میں لفظ ''حمار'' والی روایت منکر یا شاذ قرار پائے گی۔ پس معروف روایات کو لے لیا
جائے گا اور منکر یا شاذ روایت کو ترک کردیا جائے گا۔

۳-واذا اختلف كلام امام فيؤخذ مايوافق الأدلة الظاهرة ويعرض عن ما خالفها .''[۱]

ترجمہ: اور جب کسی امام کے کلام میں اختلاف کیا جائے تو وہ کلام لے لیا جائے گا جو ظاہری دلائل کے
موافق ہو، اور جو اِن کے مخالف ہوگا اُن سے اعراض کیا جائے گا۔ (ترجمہ ختم)

اِس قاعدہ کے اعتبار سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا صرف وہی کلام قبول کیا جائے گا جو ظاہر
دلائل کے موافق ہے اور جو اِس کے خلاف ہے وہ غیر مقبول اور متروک ہوگا۔

عکرمہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) میزانِ جرح وتعدیل میں:

کبار علماء نے عکرمہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) کی کمالِ توثیق کے باوجود یہ بات تحریر کی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف غلط چیز کا انتساب کردیتا تھا۔ (بلکہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ، علی بن عبداللہ بن عباسؓ، سعید بن مسیّبؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ (شاگردِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) وغیرہ حضرات نے
تصریح کردی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ لگاتا تھا۔ [۲]

اگر یہ بات موجود ہے تو پھر عکرمہ نے ہی یہ الفاظ روایت میں زیادہ کردیے ہوں تو کیا بعید ہے؟۔

عکرمہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) پر نقد کے لئے مقامات ذیل ملاحظہ ہوں:

١-ألكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٦/٤٦٩ ...... ٤٧٧ ، ألناشر : دار الكتب العلمية بيروت، لبنان) *یہاں جرح ومدح دونوں دستیاب ہیں اور یہ چیز بھی مذکور ہے کہ(یہ)ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف*
عنہما کی طرف بعض دفعہ جھوٹ منسوب کرتا تھا اور خارجیوں کی رائے رکھتا تھا۔

٢- تاريخ دمشق لابن عساكر : ٤١/١١٠، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع ۔

۳-عقیلی کی عبارت ملاحظہ ہو:

" عن عبد الله بن الحارث قال: دخلت علي عليٍّ بن عبد الله بن عباس ، فاذا عكرمة في وثاق عند باب الحسن ، فقلت له ألا تتقي الله ؟ قال
فان هذا الخبيث يكذب عليٰ أبي ." ۳

۱ (ألزواجر عن اقتراف الكبائر : لابن حجر ألهيتمي : ١/٥٧ ، ألانشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان) و (ردالمحتار علي
الدر المختار لابن عابدين الشامي : ٤/٢٣١ ، ألناشر : دار الفكر بيروت ، لبنان)

۲ **"عن يحيي البكاء سمعت ابن عمر يقول لنافع اتق الله ويحک يا نافع ولاتكذب علي كما كذب عكرمة علي ابن عباس.وقال ابراهيم بن سعد عن أبيه عن سعيد بن المسيب أنه كان يقول لغلامه برد يا بدرلاتكذب علي كما يكذب عكرمة علي ابن عباس.......وقال جرير بن عبد الحميد عن يزيد بن أبي زياد دخلت علي علي بن عبد الله بن عباس وعكرمة مقيد علي باب الحش قال قلت ما لهذا قال انه يكذب علي أبي.......وقال فطر بن خليفة قلت لعطاء أن عكرمة يقول سبق الكتاب المسح علي الخفين فقال كذب عكرمة سمعت بن عباس يقول أمسح علي الخفين وان خرجت من الخلاء . "**(تهذيب

التهذيب لابن حجر العسقلاني : ٢٦٧/٧ ، ٢٦٨ ، ألناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، ألهند)

۳ (ألضعفاء الكبير للعقيلي : ٣٧٣/٣ ، ألناشر : دار المكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان) و (تهذيب التهذيب لابن حجر
العسقلاني : ٢٦٧/٧ ، ألناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، ألهند)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ’’میں حضرت علی بن
عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا، تو عکرمہ کو باب حسن کے پاس ایک بندھن میں (باندھا ہوا) دیکھا، میں نے حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے (کہ اپنے غلام عکرمہ کو باندھا ہوا ہے اور سزا دے رہے ہیں) تو اُنہوں نے فرمایا کہ (سزا اِس لئے میں اِس کو دے رہا ہوں کہ) یہ خبیث میرے والد حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

۴- یعقوب بن عبداللہ بسوی کی عبارت ملاحظہ ہو:

**’’ثنا ابراهيم بن سعدعن أبيه عن سعيد بن المسيب: أنه كان يقول:
لبرد مولاه يا برد ! لا تكذب علي كما كذب عكرمة علي ابن عباس .‘‘** ۲

ترجمہ: سعید بن مسیّبؒ اپنے غلام برد کو فرمایا کرتے تھے کہ اے برد! تو مجھ پر ایسے
جھوٹ مت باندھنا جیسے عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔

۵- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

" وقال أبو خلف الخزار عن يحيي البكاء سمعت ابن عمر يقول لنافع : اتق الله ويحک يا نافع ! ولا تكذب عليّ كما كذب عكرمة علي
ابن عباس ." [1]

ترجمہ: حضرت یحییٰ بکاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ نافع سے فرمارہے تھے کہ اللہ سے ڈر، تیرا بھلا ہوا ے نافع !اور تو مجھ پر جھوٹ مت
باندھ جیسا کہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔(ترجمہ ختم)

۶-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دیگر شاگرد حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

[1] (كتاب المعرفة والتاريخ لأبي يوسف الفسوي : ٥/٢ ، ألناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت) و(تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ٢٦٨/٧ ، ألناشر : مطبعة دائرةالمعارف النظامية ، ألهند) و (ألمعارف لابن قتيبة : ٤٣٨/١ ، ألناشر : ألهيئة المصريه العامة للكتاب ، ألقاهرة) و (تاريخ دمشق لابن عساكر : ١٠٩/٤١ ، ألناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

”عن فطر قلت لعطاء أن عكرمة يقول : ابن عباس سبق الكتاب المسح عليٰ الخفين .“ فقال : كذب عكرمة اني رأيت ابن عباس يمسح عليهما .“ ؎۲

ترجمہ: حضرت فطر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ عکرمہ کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں کتاب اللہ پر سبقت لے گئے ہیں تو اُنھوں نے فرمایا کہ عکرمہ جھوٹ کہتا ہے میں نے حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہما کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(ترجمہ ختم)

۷-طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

”وعجب الناس من اجتماعهمافي الموت واختلاف رأيهماعكرمة يظن أنه يريٰ رأي الخوارج يكفر بالنظرة وكثير شيعي يؤمن بالرجعة .“ ؎۳

ترجمہ: اور اِن دونوں (عکرمہ اور کثیر عزہ شاعر) کے موت میں متفق ہونے اور رائے میں مختلف ہونے پر لوگوں نے تعجب کیا۔گمان کیا جاتا ہے کہ عکرمہ خوارج کی رائے رکھتا تھا کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوبارہ دُنیا میں واپسی کے) انتظار پر تکفیر کرتا تھا، اور کثیر شیعی تھا کہ
وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوبارہ دُنیا میں) واپس آنے پر ایمان رکھتا تھا۔(ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ ۱۰۵ھ میں ایک ہی روز مدینہ شریف میں یہ دونوں صاحبان فوت ہوئے اور بعد نمازِ ظہر ایک ہی مقام پر ان کا جنازہ پڑھایا گیا اور اختلافِ نظریات ان کا اس طرح تھا کہ عکرمہ خارجی ذہن اور کثیر شیعی ذہن
رکھتا تھا۔“

قدیم مؤرخ اور محدث امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۳ھ) نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل

کلام کیا ہے:

" قال يحيي : وبلغنا عن عكرمة أنه كان لايقول هذا (أي قول

۱ (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ٢٦٧/٧ ، ألناشر : مطبعة دائرةالمعارف النظامية ، ألهند)

۲ (ألدراية في تخريج أحاديث الهداية لابن حجر العسقلاني : ٧٦/١ ، ألناشر : دار المعرفة بيروت)

۳ (ألطبقات الكبريٰ ألمعروف بطبقات ابن سعد : ٢٢٤/٥، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

الخوارج و هذا باطل) ۱

ترجمہ: امام یحیٰی (بن معین) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ

عکرمہ یہ نہیں کہتا تھا (یعنی خوارج کا قول اور یہ باطل ہے، بلکہ وہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔)

مصعب بن عبداللہ الزبیری فرماتے ہیں:

" كان عكرمة يريٰ رأي الخوارج فطلبه بعض ولاة المدينة فتغيب عند داؤد بن الحصين حتي مات عنده . قالوا : وكان عكرمة كثير الحديث
والعلم بحراً من البحور وليس يحتج بحديثه ويتكلم الناس فيه ." [۲]

ترجمہ:عکرمہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔اُسے مدینہ کے کسی والی نے طلب کیا اورداؤدابن الحصین کے پاس پوشیدہ کردیا یہاں تک کہ اُنہیں کے پاس اُس کی وفات ہوگئی۔لوگوں نے کہا کہ عکرمہ کثیرالحدیث، کثیرالعلم اور(علم کے) دریاؤں میں سے ایک دریا تھا۔اُس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔لوگ اُس کے(ثقہ ہونے)
کے بارے کلام
کرتے ہیں۔(ترجمہ ختم)

کئی علماء نے عکرمہ کے حق میں رائے خوارج کا ذکر کیا ہے۔جب یہ بزرگ خارجی ہےتو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونا ایک کھلی بات ہے۔خارجی جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں،اسی طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھی خلاف ہیں۔تو اس اعتبار سے بھی مسئلہ ہذا صاف ہوگیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ ألحمار ﴾ نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ شدید الفاظ عکرمہ اپنی طرف سے کہہ گیا ہے۔اوراس طرح کے قبیح الفاظ سے اُس نے اپنا قلبی بغض ظاہر کیا ہے۔

عکرمہ کا حدیث پیغمبر میں ثقہ ہونا اور بات ہےاور آحادِ اُمت کے بارے میں سیاسی اختلاف کی بناء پراس
قسم کی باتیں کہہ جانا دوسری بات ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے توثیق عکرمہ کے بعد لکھا ہے کہ:

[۱] (تاریخ ابن معین (رواية الدوري : ۳/۱۰٦ ، ألناشر : مركز البحث العلمي واحياء التراث الاسلامي ، مكة المكرمة)

[۲] (ألطبقات الكبريٰ ألمعروف بطبقات ابن سعد : ۵/۲۲٤ ، ألناشر : دار الكتب

العلمية ، بيروت ، لبنان) و (المعارف

لابن قتيبة : ۱/۴۵۷ ، ألناشر : ألهيئة المصرية العامة للكتاب ، مصر)

”كذبه مجاهد و ابن سيرين و مالک ...... قال أحمد كان يري رأي الخوارج الصفرية . وقال ابن المدائيني : كان عكرمة يري رأي نجدة

الحروري ، وقد وثقه جماعة واحتجوا به .“[۱]

ترجمہ: مجاہد، ابن سیرین اور امام مالکؒ نے عکرمہ کو جھوٹا کہا ہے......امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عکرمہ خوارج صفریہ کی رائے رکھتا تھا۔ امام ابن المدائینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عکرمہ نجدہ حروری کی رائے رکھتا تھا۔ علماء کی ایک جماعت نے

عکرمہ کی توثیق کی ہے اور اسے حجت مانا ہے۔(ترجمہ ختم) [۲]

شاہ صاحبؒ پر ابن عباسؓ کی تصویب کو اغماض وتسامح پر محمول کرنے کا الزام:

دوسرا اعتراض پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحب اور امام طحاوی رحمہما اللہ پر یہ کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جس تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”اغماض وتسامح“ (چشم

پوشی) قرار دیا ہے اُسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ”تقیہ“ کہا ہے۔

شاہ صاحبؒ کا ابن عباسؓ کی تصویب کو اغماض وتسامح پر محمول کرنے کا مطلب:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو ”اغماض وتسامح“ پر محمول کیا ہے تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے غلام کریب کے سوال کرنے پر اگر یہ فرما دیتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے غلط کیا ہے تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف عیب جوئی اور طعنہ

زنی کرنے کے مزید مواقع فراہم ہوجاتے اوراس طرح عظیم صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں طعن وتشنیع اور ہدف وتنقید کا ایک نیاباب کھل جاتا،اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کوخاموش کرنے کی نیت سے ''اغماض وتسامح'' سے کام لیااورحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی بظاہر تصویب فرمائی اوراعتراض کرنے والے کو بتادیا کہ وہ ایک مجتہد وفقیہ صحابی ہیں،اُنہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا ہے۔گوکہ رکعات وتر کی تعداد کے بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یکسر مختلف ہےاور حضرت

۱ (ذکر أسماء من تکلم فیه وهو موثق للذهبي : ۱۳٦/۱ ، ألناشر : مكتبة المنار ، ألزرقاء)

۲ (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (بحذف وتغیر) :۵۵۴/۲......۵۶۱،ناشر:دارالکتاب،اردو بازار،لاہور)

معاویہ رضی اللہ عنہ کا مذہب آپ کی نظر میں مرجوح ہے،لیکن اس سب کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اغماض وتسامح اور چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات کوطعن وتشنیع اورقدح وملامت کا محل بننے
سے محفوظ رکھا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو''تقیہ'' پرمحمول کرنے کا مطلب:

اورتقریباً یہی جواب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اُس عبارت کا بھی ہے کہ جس میں آپؒ نے حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہما کی اسی تصویب کو''تقیہ''فرمایا ہے۔چنانچہ طحاوی کی اسی ''تقیہ'' والی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے
علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" يجوز أن يكون معني قول ابن عباس رضي الله عنهما : "
أصاب معاوية ." عليٰ التقية منه له أي عليٰ التقية منه لأجل معاوية يعني
دفعاً عنه ما يعيب به ذلک الرجل عليه حتي يمتنع من أن يعيب عليه ،
فقال أصاب يعني أصاب في شئٍ آخرغير ايتاره بر كعة واحدة ، وهذا
من باب الايهام و التورية وهو باب شائع ذائع ." [1]

ترجمہ: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا یہ قول: ﴿أصاب معاوية﴾ اُن کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے "تقیہ" کی بناء پر ہو ،یعنی اس کلام سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اُس عیب کو دفع فرمارہے ہوں جس سے سائل آپ کی ذات کو معیوب بنانا چاہتا ہے، تاکہ وہ آپ کی ذات پر عیب لگانے سے رُکا رہے۔ پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے اِس عمل کی تصویب فرمادی ہو، یعنی ایک رکعت وتر پڑھنے کے علاوہ آپ کے کسی دوسرے فعل کی تصویب فرمائی ہو، اور یہ ایہام [1] اور توریہ [2] کے باب میں سے ہے اور یہ باب شائع وذائع اور خوب عام ہے۔

[1] (نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبارفي شرح معاني الآثار: ٨٢/٥، ألناشر: وزارة الأوقاف والشؤوم الاسلامية قطر)

[2] اصطلاحِ شعر میں وہ صنعت جس میں شاعر اپنے کلام میں ایک ایسا لفظ لائے جس کے دو معنی ہوں، ایک اُس مقام کے قریب دوسرا بعید
لیکن شاعر معنی بعید مراد لے۔ رفیع

[2] علم بدیع کی وہ صنعت کہ جس میں ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور دوسرا بعید، لیکن متکلم اس سے معنی بعید مراد لے۔ رفیع

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اغماض وتسامح (چشم پوشی) پر محمول کیا ہے تو اِس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ایسا کرنے سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد فرمانا تھا، بلکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تو اِس سے یہ تھا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اِس کلمہ شدیدہ کی کوئی ایسی مناسب اور معقول توجیہ بیان کریں کہ جس سے آپ کے کلام کا شنیع و مذموم ہونا لازم نہ آئے، بلکہ اِس سے آپ کے مقام صحابیت کا کسی
حد تک دفاع ہو سکے۔

بالکل اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو تقیہ وغیرہ پر محمول کیا ہے تو اِس سے اُن کی مراد وہ مخصوص ''تقیہ'' ہرگز نہیں کہ جس میں آدمی کسی کے خوف اور ڈر کی وجہ سے حق بات بھی اپنی زبان کی نوک پر لانے کی طاقت وقدرت نہ رکھتا ہو، جیسا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے گمان کر رکھا ہے، بلکہ اِس ''تقیہ'' سے فن بلاغت میں علم بدیع کی وہ مشہور و معروف صنعت ''ایہام'' اور ''بدیع'' مراد ہے کہ جس میں متکلم ایک ایسا کلمہ بولے کہ جس کے دو معنی ہوں ایک معنی قریب اور دوسرا معنی بعید، متکلم اُس سے خلافِ توقع معنی بعید مراد لے، جب کہ مخاطب اُس سے بظاہر مفہوم ہونے والا معنی قریب مراد لے اور یہ چیز متکلم کے فصیح و بلیغ ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ قرینہ اِس بات کا یہ ہے کہ اگر اس سے بقولِ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے یہی مراد ہے کہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کے ماتحت تھے، اس لئے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔'' تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''حمار'' کا لفظ بولا تو اُس وقت اُنہوں نے شدت انکار کی بناء پر اِس سخت کلمہ کے اظہار کی جرأت کیسے کر لی تھی؟ اِس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر نماز ادا کرنے کے عمل پر ردّ عمل کرتے ہوئے جو اُن کے بارے میں ''حمار'' کا لفظ نوکِ زبان پر لایا تھا تو اُس کے تین ہی زمانے ممکن ہیں: (۱) یا تو حضرت معاویہ کے خلیفہ بننے سے پہلے انہوں نے یہ لفظ بولا ہوگا۔ (۲) یا عین اُن کی خلافت کے زمانہ میں بولا ہوگا۔ (۳) اور یا پھر اُن کی وفات کے بعد بولا ہوگا۔ وفات کے بعد والا تیسرا زمانہ تو اِس لئے مراد نہیں لیا جا سکتا کہ اُس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کا وجود ہی ناممکن ہے،

رہے پہلے دو زمانے، ایک خلافت سے پہلے کا اور دوسرا خلافت کے بعد کا کہ اِن دونوں زمانوں میں اِس عمل کا وجود ممکن ہے، لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اِس کلمہ شدیدہ وشنیعہ پر کسی بھی قسم کا کوئی مثبت یا منفی، سخت یا نرم، عفوو درگزر

کرنے یا انتقام لینے کا کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا؟۔

تحقیق جواب:

ممکن ہے کہ ہمارے الزامی جواب سے کچھ حضرات مطمئن نہ ہوں اور وہ یہ کہیں کہ یہ جواب دِل کو نہیں لگتا تو اُن حضرات کی خدمت میں ہم امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اپنا ایک تحقیقی جواب پیش کرتے ہیں، اُمید ہے

کہ اُس سے اِن حضرات کی اطمینانِ قلبی کا سامان ہو سکے گا۔

سو اِس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ ایک تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث قابل اعتراض لفظ ''حمار'' والی روایت ﴿رُوِيَ﴾ صیغۂ مجہول کے ساتھ ذکر کی ہے، جس سے اِس کا ضعیف ہونا خود بخود سمجھ میں آرہا ہے، اور دوسرے یہ کہ یہ کم زور اور شاذ و شنیع قسم کی روایت نقل کرنے کے عین متصل بعد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت ایک دوسرے طریق اور ایک دوسری سند سے بھی ذکر کی ہے، جس میں ''حمار'' کا لفظ موجود نہیں ہے، اور اِس روایت کے ذکر کرنے سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مذکورہ بالا جملے (لفظ ''حمار'') کو ردّ کرنا ہے۔

پس جب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا قابل اعتراضات روایات کو ایسے انداز اور ایسے الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ جس سے خود بخود اِن روایات کے ضعیف اور شاذ ہونے کی طرف اشارہ ہورہا ہے، نیز اِن روایات کے نقل کرنے کے عین متصل بعد جب یہی قابل اعتراض لفظ ''حمار'' والی روایت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری سند کے ساتھ بھی ذکر کر دیتے ہیں جس میں ''حمار'' کا لفظ نہیں ہے تو پھر اِس کا سوائے اِس کے اور کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ حقیقت میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے سے

بالکل پاک اور صاف شفاف ہے۔

نیز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام کے پیش نظر بہت بلکہ عین ممکن ہے کہ مذکورہ بالا حقیقت اُن کے علم میں ہو جب ہی تو وہ طحاوی کی یہ روایت خاموشی سے نقل کر کے آگے کی طرف چل پڑے اور بطورِ اشارہ کے
صرف اتنا فرما دینا کافی سمجھا کہ اِس روایت میں لفظ ''حمار'' ایک سخت قسم کا کلمہ ہے۔

گویا صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی لفظ ''حمار'' والی روایت کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صرف اتنا فرما دینا بھی صحیح بخاری کی روایت کے صحیح اور راجح ہونے اور طحاوی شریف کی روایت
کے ضعیف، شاذ اور مرجوح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

طحاوی کی لفظ ''حمار'' والی روایت کی بابت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

زیر بحث طحاوی کی لفظ ''حمار'' والی روایت کے متعلق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے اس عمل پر سختی سے انکار کرتے
ہوئے آپ کے لئے ''حمار'' کا لفظ بول دیا تھا۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

'' **وقوله : ﴿ ألحمار ﴾ اشارة الیٰ شدة انكاره عليه في ايتاره بركعة واحدة .**''[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لفظ ''حمار'' بولنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر
پڑھنے کے عمل پر سختی کے ساتھ انکار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ بفرضِ صحتِ روایاتِ مذکورہ لفظ ''حمار'' یہاں اپنے حقیقی معنیٰ (سب و شتم اور گالم گلوچ) میں ہرگز مستعمل نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ حضرت معاویہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے ردّ عمل کے نتیجہ میں شدت انکار کے بناء
پر غیر اختیاری طور پر حضرت ابن عباس کی نوکِ زبان پر آ گیا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو ''اغماض وتسامح'' پر اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تقیہ'' پر محمول کیا ہے تو اس میں کسی بھی طرح نہ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی توہین ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں خوب شرح وبسط
کے ساتھ گزر چکا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ پر حضرت مغیرہؓ وعمرو بن العاصؓ کو فتنہ پرداز قرار دینے کا الزام:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت کاشمیریؒ نے ایک مسئلہ کی توضیح میں بالکل غیر ضروری طور پر
حضرت
مغیرہ بن شعبۃ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو ''مفسد'' اور ''فتنہ پرداز'' قرار دے دیا:

" و كان المغيرة من دهاة الحرب حتي قال الحسن البصري أفسد

[1] (نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار: ۸۲/۵ ، طبع وزارة الأوقاف والشؤوم الاسلامية، قطر)

الناس اثنان المغيرة و عمرو بن العاص ."[1]

تاكيد المدح بما يشبه الذم :

﴿دُھاۃ﴾ اصل میں کہتے ہیں چالاک اور ہوشیار آدمی کو کہ جسے کوئی دوسرا شخص دھوکہ نہ دے سکے اور وہ اپنی ذہانت وزیرکی کے سبب کسی کے نرغے نہ آتا ہو۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ لفظ نقل کیا ہے تو اِس سے حضرت شاہ صاحب کا اِن کی تعریف وتوصیف کرنا اور اِن کا مقام صحابیت بیان فرمانا مقصود ہے کہ وہ کوئی عام

اور سادہ قسم کے آدمی نہیں تھے کہ دورانِ جنگ کسی کے دھوکے اور نرغے میں آجاتے بلکہ وہ تو جنگ کے جملہ اُمور اور اُس کی خفیہ چالوں کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور چالاک اور زیرک قسم کے آدمی تھے۔ اِس ضمن میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''بلکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ: ''لوگوں میں سب سے زیادہ فساد پھیلانے والے حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔''

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول کے نقل کرنے سے یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان دونوں حضرات کو مفسد اور فتنہ پرداز سمجھتے ہیں، بلکہ مقصد صرف اُن کی ہوشیاری بتانا تھا، اس لئے اُنہوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر دیا۔ اور چوں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر اس بات پر یقین کرنا خاصا مشکل ہے اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے دفاع میں اُن کی اس روایت پر تبصرہ کرنا کوئی ضروری خیال نہیں فرمایا۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے خدا واسطے کا بیر:

اِس سے ثابت ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ''مفسد'' اور ''فتنہ پرداز'' قرار نہیں دیا، بلکہ اُنہوں نے تو اس بارے میں صرف حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور قول نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ: ''لوگوں میں سب سے زیادہ ہوشیار اور جنگی چال وچلن کو سب سے زیادہ سمجھنے والے حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔'' اور اگر بالفرض اِس سے فتنہ وفساد برپا کرنے والا شخص ہی مراد لے لیا جائے تو پھر تو یہ اعتراض حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے براہ راست حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر پڑتا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو چھوڑ کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو طعن و تشنیع کا محل کیوں بنا لیا؟۔

❁……❁……❁

باقی رہی یہ بات کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف بھی اِس قول کی نسبت کرنا صحیح ہے یانہیں؟ تواِس کی مکمل تحقیق گزشتہ صفحات میں ''شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ'' کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔

[۱] (فيض الباري : ۳۸٦/۳ ، بحوالہ:سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۱۸۷)

﴿۱۷﴾

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۲ء)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: کفایت اللہ،لقب: ابوحنیفہ ثانی،اور والد کا نام: عنایت اللہ تھا۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:
’’کفایت اللہ بن عنایت اللہ بن فیض اللہ......الخ۔‘‘

ولادت باسعادت:

آپؒ ہندوستان کے مشہور صوبے ’’اتر پردیش‘‘ کے معروف علاقے ’’شاہ جہان پور‘‘
میں ۱۲۹۲ھ بمطابق
۱۸۷۵ء کو ایک نہایت ہی نیک اور نفیس صاحب تقویٰ بزرگ شیخ عنایت اللہ کے یہاں پیدا
ہوئے۔

تحصیل علم:

آپؒ نے ابتدائی تعلیم پانچ برس کی عمر میں اپنے محلے ہی میں حافظ برکت اللہ صاحب
سے حاصل کرنا شروع کی، اور پھر اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپؒ مدرسہ شاہی
مراد آباد میں داخل ہوئے اور تقریباً دو
سال تک وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

۱۳۰۰ھ میں دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور
دیگر اکابر اساتذہ سے علوم وفنون کی مختلف کتابیں پڑھیں اور پھر ۱۳۱۵ھ میں مولانا عبد العلی
میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ
علیہ سے دورۂ حدیث کر کے سند فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد کچھ عرصہ شاہ جہان پور میں درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا، اور پھر
شوال ۱۳۲۱ھ کو مولوی محمد امین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے دہلی تشریف لے
گئے اور مدرسہ امینیہ دہلی میں درس و
تدریس شروع کر دی۔

مدرسہ امینیہ (جیسا کہ نام سے ظاہر ہے) مولوی محمد امین الدین صاحب نے ربیع
الثانی ۱۳۱۵ھ میں قائم کیا تھا۔ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر مدرس

تھے۔ان کے چلے جانے کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کے تمام انتظامات سنبھالے۔مولوی محمد امین الدین صاحب کی وفات ۱۹۲۰ء کو ہوئی
اس کے بعد ۲۶ جون ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ امینیہ کا اہتمام بھی آپؒ ہی کے حوالے کر دیا۔

آزادئ ہند کا مطالبہ:

۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر ہند ''لارڈ مائیکو'' ہندوستان آیا۔اس موقع پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی قومی اور مذہبی اغراض کی حفاظت کے لئے ایک پمفلٹ میں حکومت سے خود اختیاری (آزادئ ہند)
کا مطالبہ کیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے لئے جدوجہد:

۱۹۱۸ء میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ''رولٹ ایکٹ'' کے نفاذ اور ''تحریک شیخ الہندؒ'' (تحریک ریشمی رمال) کے قائدین کی گرفتاری اور جلاوطنی کے بعد ''انجمن اعانت نظر بندانِ اسلام'' قائم فرمائی، جس کے
سرپرست مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم تھے۔

تحریکات میں حصہ:

رولٹ بل ۱۹۱۹ء کے خلاف جب گاندھی جی نے خلافت کمیٹی کی شرکت میں ستیہ گرہ شروع کی تو حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بڑے انہاک سے اس تحریک میں حصہ لیا۔
آپؒ کے دولت خانے پر ہندوستانی لیڈروں
کے بڑے بڑے مشورے ہوتے تھے۔

جمعیت علمائے ہند کی صدارت:

جمعیت علمائے ہند کی تاسیس کے وقت حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو نائب صدر بنایا گیا تھا اور جمعیت کی صدارت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے لئے محفوظ رکھی گئی تھی، جو اُس وقت ''مالٹا'' میں نظر بند تھے۔چنانچہ جمعیت کے دوسرے اجلاس منعقدہ دہلی کی صدارت حضرت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ اگر چہ علالت کی وجہ سے اجلاس میں تشریف نہ لا سکے اور اجلاس کے بعد آپؒ کا وصال بھی ہو گیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۹۳۹ھ تک حضرت مفتی صاحب قدس سرہ جمعیت علمائے ہند کے صدر رہے۔

وفات حسرت آیات:

بالآخر نصف صدی دینی وسیاسی جدوجہد میں گزار کر، زمانے کی ناسازگاریوں سے تھک ہار کر، ملت اسلامیہ کا یہ عظیم شہسوار مؤرخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ھ شب ساڑھے دس بجے رحمت خداوندی کی آغوش میں ابدی نیند سو کر محو
استراحت ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ حاسدین ومعاندین کے حسد وعناد کے زہر آلود تیروں سے کسی بھی طرح
محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے ہاتھ پر ولی عہدی کی بیعت کرنے والے جملہ صحابہؓ وتابعینؒ کے بارے میں مفتی صاحبؒ سے حسبِ ذیل ایک غیر موزوں اور نامناسب
بلکہ خلافِ واقع فتویٰ صادر ہو گیا:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی، کیوں کہ
یزید سے بہتر اور اولیٰ وافضل افراد موجود تھے۔'' [۱]

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں غلطی کی تھی تو پھر جن صحابہؓ وتابعینؒ نے یزید کی بیعت کی تھی اُنہوں نے جانتے بوجھتے ایک غلط کام پر اتفاق
کیسے کر لیا تھا؟'' [۲]

۱؎ (کفایت المفتی: ج ا ص ۲۳۸، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۹۲، ۱۹۳)

۲؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (بحذف واختصار): ص ۱۹۲، ۱۹۳)

یزید کی ولی عہدی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی!:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس غلطی سے رائے، تدبیر اور نتائج کی اجتہادی غلطی مراد ہے، جس پر بعض صحابہ وتابعین حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق وانتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ایک نیک مصلحت کے
تحت یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

''جمہور اُمت کا مؤقف اس (یزید کی ولی عہدی) کے بارے میں یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اِس فعل کو بہ لحاظِ تدبیر ورائے تو غلط کہا جا سکتا ہے، لیکن اُن کی نیت پر
حملہ کرنے اور اُن پر مفاد پرستی کا الزام عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں۔'' ۱؎

اس لئے کہ جس وقت یزید کو ولی عہد بنایا جا رہا تھا اُس وقت بہ کثرت قابل، افضل اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم صلحائے اُمت رحمہم اللہ اور مدبرین ہستیاں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ کی صورت میں موجود تھیں، جن کے سامنے یزید پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ ایسے ماحول میں یزید کو خلافت کے لئے نا اہل یا غیر موزوں سمجھنا کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین رحمہم اللہ کا تھا۔ اُمت میں خیر وصلاح کا دور دورہ تھا۔ تو ایسے حالات میں خلافت کے لئے عدالت وتقویٰ کے جس بلند اور اہم معیار کی ضرورت تھی، یزید کسی بھی طرح اُس پر پورا نہیں اُتر سکتا تھا، اسی لئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم
نے یزید کی اس نامزدگی کی خوب کھل کر مخالفت کی تھی۔

بحالات موجودہ بیعت یزید ناگزیر تھی!:

باقی رہی بات اُن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کی کہ جنہوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اُن حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق وانتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ایک نیک مصلحت کے تحت
بحالات موجودہ یزید کی بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

''تیسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ وہ تھا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت

ابن

ا (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ص۱۱۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں یزید کو خلافت کے لئے بہتر تو نہیں سمجھتا
تھا، لیکن اِس خیال سے اِس کی خلافت کو گوارا کر رہا تھا کہ اُمت میں افتراق وانتشار
برپا نہ ہو۔ مثلاً حمید بن عبدالرحمانؒ کہتے ہیں کہ: ''میں یزید کی ولی عہدی کے وقت
حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے
پاس گیا جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، تو اُنہوں نے فرمایا:

'' یقولون انما یزید لیس بخیر اُمة محمد صلي الله علیه وسلم
وأنا
أقول ذلک ، ولکن لأن یجمع الله أمة محمد أحب الي من أن تفترق
.'' [۱]

[۱] (تاریخ الاسلام للذهبي : ۲/۲٦۷،۲٦۸ بحوالہ: حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ۱۲۳)

ترجمہ: لوگ کہتے ہیں کہ یزید اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بہتر نہیں ہے اور
میں بھی
یہی کہتا ہوں، لیکن اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جمع ہو جانا مجھے افتراق کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ
ہے۔

اسی طرح علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل (یعنی
یزید کی ولی عہدی) کو غیر
مستحسن قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ان معاوية ترک الأفضل في أن يجعلها شوريٰ وأن لا
يخص بها أحداً من قرابته فكيف ولداً ، و أن يقتدي بما أشار به عبد
الله بن الزبير في
الترک أو الفعل ."[۱]

ترجمہ: بلاشبہ افضل یہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے معاملے کو شوریٰ
کے سپرد کردیتے اور اپنے کسی رشتہ دار اور خاص طور سے بیٹے کے لئے اِس کو مخصوص نہ
کرتے ، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اِن کو جو مشورہ دیا تھا، ولی عہد بنانے یا نہ بنانے
میں اسی پر عمل کرتے
لیکن اُنہوں نے اِس افضل کام کو چھوڑ دیا۔ (ترجمہ ختم)

حاصل کلام:

پس ثابت ہوا کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اِس اِقدام
کو غلط کہنا اپنی جگہ

[۱] (ألعواصم من القواصم لابن العربي ألمالكي: ۱/۲۲۲، ألناشر: وزارة الشؤون
الاسلامية والأوقاف والدعوة والارشاد
ألمملكة العربية ، ألسعودية)

بالکل صحیح اور درُست ہے۔اس لئے کہ اہل سنت والجماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں
عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے
بلکہ اُن سے گناہ ومعصیت کے صدور کے قائل ہیں، البتہ اُنہیں مغفور ضرور مانتے ہیں۔

لیکن یہاں پر تو گناہ اور معصیت کا نام بھی نہیں بلکہ غلطی کا ذکر ہے۔تو اِس میں شک
ہی کیا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک اجتہادی غلطی تھی کہ اُنہوں یزید جیسے شخص کو اپنا ولی عہد
مقرر کیا، جس نے خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا اور اُس کے عہد میں ایسے بدترین نتائج برآمد
ہوئے کہ جن کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ بالخصوص واقعہ کربلا، جنگ حرہ

اور کعبہ پر سنگ باری یہ ایسے واقعات ہیں کہ اِنہوں نے پوری دُنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا ۔

۱۹

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۲ء)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالشکور اور والد کا نام ناظر علی ہے۔ آپ لکھنؤ سے گیارہ کلومیٹر دور ''اودھ'' کے تاریخی اور مردم خیز قصبہ ''کاکوری'' میں مؤرخہ ۲۳/ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ بمطابق ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو بہ وقت صبح صادق مولانا حافظ ناظر علی صاحب رحمہ اللہ کے یہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کی خوش خبری حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ہنسوی صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۸۱ھ) نے پہلے ہی آپ کے والد ماجد کو دے دی تھی اور فرمادیا تھا کہ ان شاء اللہ تمہارا ایک نیک فرزند پیدا ہوگا، جس سے تمہارے گھر میں خیر و برکت ہوگی۔ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا گیا۔ عقیقہ کے بعد حضرت شاہ ہنسوی صاحب رحمہ اللہ نے آپ پر باطنی توجہ فرمائی اور فرمایا کہ بیج ڈال دیا گیا ہے ان شاء اللہ! بارآور ہوگا۔ ان مبشرات کے ساتھ آپ کا بچپن گزرا۔

تعلیم کا آغاز:

جب کم سنی کا زمانہ ختم ہوا اور آپ سنِ شعور کو پہنچے تو آپ کے والد ماجد نے اپنے پیر ومرشد حضرت شاہ ہنسوی صاحب رحمہ اللہ ہی سے آپ کی بسم اللہ کرائی، اِس موقع پر حضرت شاہ ہنسوی صاحب رحمہ اللہ نے آپ کے لئے یہ دعاء فرمائی تھی:

''خداتعالی برخوردار راازعلوم نافعہ بہرہ ور گرداند!''

ترجمہ: یعنی اے اللہ! برخوردار کو علوم نافعہ سے بہرہ ور فرمائیے!۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے فتح پور میں نشو ونما پائی جہاں ان کے والد حکومت کی طرف سے خراج کے محصل تھے۔ وہاں رہ کر آپؒ نے ابتدائی کتابیں حضرت مولانا نور محمد فتح پوری رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ اِس کے بعد لکھنؤ کا سفر کیا اور دیگر تمام درسی کتابیں حضرت مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی رحمہ اللہ سے ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۱۷ھ کے دوران پڑھیں، اور کافی عرصہ اُن کی خدمت میں رہے۔ علم طب کی تحصیل آپؒ نے حکیم عبدالولی مرحوم سے کی۔

عقد نکاح اور شادی:

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے والد ماجد حضرت مولانا ناظر علی صاحب رحمہ اللہ نے دورانِ تعلیم ہی آپؒ کا نکاح سید ذاکر علی کی دختر نیک اختر نجیب الطرفین سیدہ کے ساتھ کر دیا تھا۔

درس وتدریس:

درسِ نظامی سے فرغت کے بعد آپؒ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک اپنا مشغلہ تدریس جاری رکھا۔ پھر دہلی چلے گئے اور مرزا حیرت کے مطبع میں کام کرتے رہے۔ مرزا حیرت کی طرف سے قرآن مجید اور صحیح بخاری کا ترجمہ کیا۔ پھر لکھنؤ آ کر اپنے استاذ کے مدرسہ جامعہ فاروقیہ لکھنؤ میں تدریس کرنے لگے اور ایک مدت تک وہاں پڑھاتے رہے۔

بحث ومناظرہ:

۱۳۳۴ھ میں جامعہ فاروقیہ لکھنؤ سے بھی علیحدگی اختیار کی اور تصنیف وتالیف اور مناظرہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ انیسویں صدی میں ہندوستان میں عیسائیوں سے تو مناظروں اور مباحثوں کا بازار گرم تھا ہی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اہل تشیع واہل بدعت سے بھی مناظروں کی نوبت آ گئی تھی۔ چناں چہ ۱۸۹۲ء میں لکھنؤ میں جب پہلا مناظرہ مولانا عین القضاۃ صاحب رحمہ اللہ کا شیعوں کے ساتھ ہوا تو اُس وقت آپؒ طالب علم تھے اور اسی دورانِ طالب علمی آپؒ اپنے استاذ مولانا عین القضاۃ صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ بہ طورِ معاون خصوصی مناظرے میں شریک

ہوئے۔ اِس کے بعد آپؒ کا بہ راہِ راست پہلے ایک مناظرہ ۱۹۰۸ء میں لکھنو میں ہوا۔ اور دوسرا مناظرہ ۱۹۱۰ء میں لکھنؤ ہی میں مولوی سجاد علی لکھنوی سے ہوا، جس میں آپؒ نے اپنے مدمقابل مولوی سجاد علی لکھنوی کو واضح اور یقینی شکست سے دوچار کیا۔

ردّ روافض پر مناظرے:

ردّ روافض کے سلسلے میں سب سے پہلے آپؒ نے ۱۹۱۳ء میں ضلع سیوان (بہار) کا پہلا سفر کیا۔ اور پھر ۱۹۱۴ء میں ضلع سیوان (بہار) کا دوسرا سفر کیا۔ اِس کے بعد ۱۹۱۴ء میں مستقل طور پر آپؒ نے میدانِ مناظرہ میں قدم رکھا اور فرقِ باطلہ بالخصوص ردّ روافض کی صفوں کو اپنے دلائل قویہ وحجج بینہ کے ذریعے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ چناں چہ آپؒ کا پہلا مناظرہ ۱۹۱۴ء کو بمبئ میں ہوا۔ دوسرا مناظرہ ۱۹۱۸ء کو چکوال ضلع جہلم پنجاب میں ہوا۔ تیسرا مناظرہ ۱۹۲۰ء کو مکیریان ضلع ہوشیار پور میں ہوا۔ چوتھا مناظرہ ۱۹۲۰ء ہی میں امروہہ ضلع مرادآباد میں ہوا۔ پانچواں مناظرہ ۱۹۲۲ء کو بشیر کوٹ ضلع چوبیس پرگنہ (مغربی بنگال) میں ہوا۔ چھٹا مناظرہ ۱۹۲۳ء کو لوتارڑ ضلع گوجراں والہ میں ہوا۔ ساتواں مناظرہ ۱۹۳۰ء کو منٹگمری ساہیوال میں ہوا۔ جن میں آپؒ نے اپنے مدمقابلین کو چاروں شانے چت کیا اور اُنہیں انتہائی عبرت ناک وشرم ناک اور ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

فرقِ باطل کا تعاقب:

علاوہ ازیں مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے ہندوؤں، عیسائیوں، بدھ متوں، آتش پرستوں، آریہ سماج، غیر مقلدوں، بریلویوں سمیت جملہ اہل ضال وبدعت اور ہوا پرستوں وغیرہ مختلف ادیانِ ضالہ وفرقِ باطلہ سے بھی مناظرے ومباحثے کیے اور اہل حق کی صحیح معنوں میں ترجمانی کر کے اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام کی خدمات کے فرائض سرانجام دیئے۔

تصانیف وتالیف:

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے دیگر موضاعات کے علاوہ بہ طورِ خاص اہل سنت اور روافض کے درمیان تقریباً تمام نزاعی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ آپؒ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپؒ جس موضوع پر آپؒ قلم اٹھاتے اُس کا حق ادا کر دیتے تھے۔ چناں چہ آپؒ

کی تصانیف میں یہ چیز روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے۔آپؒ کی جملہ تصانیف یہ ہیں:
﴿۱﴾مسلک المرجان فی مصادر القرآن ﴿۲﴾تحفۃ الانصاف لصاحب الاختلاف فی تفسیر آیت الاستخلاف ﴿۳﴾رسالہ ہدایت بجواب غوایت ﴿۴﴾مختصر سیرت قدسیہ ﴿۵﴾سیرت الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع ﴿۶﴾نفحۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ ﴿۷﴾اردو ترجمہ شمائل ترمذی ﴿۸﴾اردو ترجمہ چہل حدیث للامام شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ ﴿۹﴾علم الفقہ (چار جلد) ﴿۱۰﴾اردو ترجمہ فقہ اکبر ﴿۱۱﴾وصاف اردو ترجمہ الانصاف ﴿۱۲﴾سیرت خلفائے راشدین ﴿۱۳﴾اردو ترجمہ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ﴿۱۴﴾تنویر الایمان اردو ترجمہ تطہیر الجنان ﴿۱۵﴾کراماتِ موسویہ ﴿۱۶﴾الخطب الشوقیۃ فی حضرۃ المجد دیہ ﴿۱۷﴾اردو ترجمہ تاریخ طبری ﴿۱۸﴾شجرۂ طیبہ ﴿۱۹﴾راحۃ القلوب بذکر المحبوب ﴿۲۰﴾ابو الائمہ کی تعلیمات (مذکورہ کتاب عن قریب دار الکتاب لاہور سے تحقیق و تعلیق کے ساتھ طبع ہونے والی ہے)
﴿۲۱﴾اردو ترجمہ ازالۃ الخلفاء بنام کشف الغطاء عن السنۃ البیضاء ﴿۲۲﴾افاضۃ العینین علی شہادۃ الحسین الملقب بہ تحقیقی شہادت نامہ ﴿۲۳﴾احیاء المیت فی تحقیق الآل واہل البیت ﴿۲۴﴾باقیات الصالحات فارسی ترجمہ آیات بینات ﴿۲۵﴾صحابہ کی مخالفت میں آیت قرآنی سے غلط استدلال اور اس کا جواب شیعوں کی معتبر کتابوں سے ﴿۲۶﴾ارشاد الامم بجواب مصباح الظلم ﴿۲۷﴾قاطع اللسان بجواب دافع البہتان ﴿۲۸﴾،نصرۃ الشریعہ شرح نصیحۃ الشیعہ ﴿۲۹﴾ ترجمہ وتحشیہ تحفہ اثناعشریہ ﴿۳۰﴾عقلِ سلیم اور صراط مستقیم ﴿۳۱﴾ائمہ اثناعشر اور ان کا مذہب ﴿۳۲﴾لقول الصواب۔ ﴿۳۳﴾حرمت متعہ کا ثبوت آیت قرآنیہ سے ﴿۳۴﴾کشف الاستار (استبصار کا ترجمہ اور تنقید) ﴿۳۵﴾کشف اللفافہ لاظہار مافی النبوۃ والخلافہ ﴿۳۶﴾ معجزۃ القرآن ﴿۳۷﴾نصرۃ القرآن ﴿۳۸﴾قاتلانِ حسین کی خانہ تلاشی ﴿۳۹﴾قصہ قرطاس کا مختتم فیصلہ ﴿۴۰﴾تنبیہ الحائرین بحمایۃ الکتاب المبین ﴿۴۱﴾تفضیح الجائرین (تکملہ تنبیہ الجائرین) ﴿۴۲﴾انتصار الاسلام بر داستقصاء الافخام ﴿۴۳﴾،مولوی اعجاز حسین بدایونی کا جواب،مناظرہ اور اظہارِ حق (نو جلد) ﴿۴۴﴾مخالفین اہل سنت کے دو سو مسائل (الاول من المائتین) ﴿۴۵﴾اقامۃ البرہان علیٰ ان الشیعۃ اعداء القرآن (حصہ اول) ﴿۴۶﴾قطع الوتین

من الذی یستبدل الشک بالیقین (حصہ دوم)،﴿۴۷﴾نہایۃ الخسر ان لمن ترک القرآن (حصہ سوم)﴿۴۸﴾اجوبۃ المتحرفین فی ترک الکتاب المبین (حصہ چہارم)﴿۴۹﴾(الثانی من المأ تین) تحذیر المسلمین عن خداع الکاذبین (حصہ اول)﴿۵۰﴾الحجۃ القویۃ بذکر مواقع التقیۃ (حصہ دوم)﴿۵۱﴾،التحفۃ البہیۃ فی نتائج التقیۃ (حصہ سوم)﴿۵۲﴾(الثالث من المأ تین) ﴿۵۳﴾مسئلہ بدا کی تحقیق ﴿۵۴﴾الرابع من المأ تین شرح حدیث ثقلین ﴿۵۵﴾الخامس من المأ تین شرح مسئلہ امامتین چند حصوں پر مشتمل ہے﴿۵۶﴾مقدمہ جائس ﴿۵۷﴾النصرۃ الغیبیۃ علی الفرقۃ الشیعیۃ ﴿۵۸﴾اردو ترجمہ ازاحۃ العیب عن مبحث علم الغیب ﴿۵۹﴾ رفع النزاع عما یتعلق بالسماع ﴿۶۰﴾صداقت کا نشان بجواب نبی کی پہچان ﴿۶۱﴾ہدایت اہل امریکہ﴿۶۲﴾القول الاحکم ﴿۶۳﴾نبوت کی ضرورت ﴿۶۴﴾تحفہ محمدیہ﴿۶۵﴾کتاب الصلوٰۃ ﴿۶۶﴾تحفۃ الاسلام لجمیع الاقوام۔ان کے علاوہ بیس کے قریب مناظرے ومباحثے بھی ہیں جومختلف عنوانات سے مطبوع ہو چکے ہیں۔

بیعت وخلافت، فقہی جامعیت اور افکار ونظریات:

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے شاہ ابو احمد خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن سے خلافت حاصل کی۔آپؒ حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب رحمہ اللہ کے بلاواسطہ شاگرد تھے۔اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی اور فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ کے ایک واسطہ سے شاگرد تھے۔ اِس لئے آپؒ کا فقہی مسلک وہی تھا جو ان علماء کا تھا۔علاوہ ازیں آپؒ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہما اللہ کے بھی معتمدین میں سے تھے۔مزید برآں آپؒ قدیم ہندی علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فقہی خیالات سے بھی متاثر تھے۔فقہ میں آپؒ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد وپیروکار تھے۔آپؒ نے ''تقلید'' کے جواز میں ایک رسالہ ''درِ فرید'' کے نام سے لکھا تھا جو اب ناپید ہو چکا ہے۔النجم میں ایک موقع پر آپؒ نے لکھا کہ: ''ہندوستان میں بالخصوص امامنا الاعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید اہم واجبات میں سے

ہے‘‘البتہ بعض فروعی مسائل میں آپ دیگر علماء سے ہٹ اپنے علیحدہ رائے بھی رکھتے تھے۔

تردیدِ شیعیت کا مجددانہ طرز:

امامِ اہلِ سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کو علمائے اہلِ سنت نے لکھنؤ کے مخصوص حالات اور وہاں مقبول شیعی کی آمد اور شیعہ ذاکرین کی شرانگیزیوں (جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) سے مجبور ہو کر لکھنؤ میں قیام اور ردّ رافضیت پر کام کرنے کی دعوت دی، تو آپؒ لکھنؤ تشریف لے آئے اور وہاں آکر اِس کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ چناں چہ جہاں کہیں کا پتہ چلتا کہ وہاں اہلِ سنت کو تنگ کیا جا رہا ہے، یا جہاں کہیں بھی مناظرے کے چیلنج دیے جاتے تو آپؒ فوراً وہاں پہنچ جاتے تھے۔ آپؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ فریقِ مخالف کو عام طور سے انہی کے مذہب کی کتابوں سے غلط ثابت کرتے تھے۔

دیگر موضوعات کے علاوہ ردّ رفض میں جو آپ نے تحقیقی کام کیا ہے بالخصوص ’’عقیدۂ تحریفِ قرآن‘‘ اور ’’عقیدۂ امامت‘‘ جیسے دو بنیادی عقائد پر آپؒ نے جس شرح و بسط کے ساتھ تحریری و تقریری کام کیا ہے وہ آپؒ ہی کا خاصہ ہے۔ آپؒ نے اِن ہی دونوں عقائد کی بنیاد پر اس فرقہ کے بارے میں حتمی فیصلہ کر کے یہ ثابت کیا کہ شیعیت ایک علیحدہ مذہب ہے، جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ کیوں کہ جس کا ایمان اِس موجودہ قرآن مجید پر نہ ہو اور جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متوازی ’’عقیدۂ امامت‘‘ کو مانتا ہو تو اُس کا اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہو سکتا۔

آپؒ کا نظریہ یہ تھا کہ چوں کہ شیعہ موجودہ قرآنِ مجید کو محرف مانتے ہیں، اِس لئے اُن کا ایمان موجودہ قرآن مجید پر نہیں ہو سکتا اور جب قرآن مجید پر سے ایمان اُٹھ گیا تو پھر اسلام سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہ سکتا۔ بس یہیں سے ہماری اور اُن کی راہ الگ ہو جاتی ہے۔

چناں چہ آپؒ فرماتے ہیں:

’’اس مسئلہ نے اب دوسرے مسائل میں شیعوں سے بحث کرنے کی حاجت نہیں رکھی۔ اب نہ شیعوں سے ’’مطاعنِ صحابہؓ‘‘ کی بابت بحث کرنے کی حاجت، نہ مسئلہ ’’امامت وخلافت‘‘ پر بحث

کرنے کی ضرورت، ’’نہ توہین انبیاءؑ‘‘ میں ان سے اُلجھنے کی ضرورت اور ’’نہ متعہ وزنا و شراب خوری وتقیہ‘‘ وغیرہ پر ردّ وقدح کی حاجت (باقی رہی) جب ان کا ایمان ہی قرآن پاک پر نہیں ہے تو ان مباحث سے اُن کا کیا تعلق ہے؟‘‘

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کا رجحان اِس بات کی طرف ہے کہ رفض کی تکفیر کی بنیاد عقیدہ تحریف قرآن ہے اور اس پر ان کی جو تحقیق ہے وہ اس تحقیق میں تمام اُمت سے ممتاز ہیں اور تحقیق بھی ایسی کہ باوجود دنیائے شیعیت کے بڑے بڑے مجتہدین کو چیلنج دینے کے وہ اس کاردسپیش نہ کر سکے اور نہ کبھی کر سکتے ہیں۔ آپؒ نے ثابت کیا ہے کہ روافض کے ہاں ’’تحریف قرآن‘‘ کی روایتیں متواتر ہیں۔ غرضے کہ آپؒ کی تحقیق کے مطابق روافض کے کفر کی بنیاد ’’عقیدۂ تحریف قرآن‘‘ ہے۔ مزید تفصیل کے لیے آپؒ کی کتاب ’’تنبیہ الحائرین‘‘ ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔

عبادت وریاضت:

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ انتہائی درجہ کے متبع سنت بزرگ تھے۔ آپؒ کے شب روز سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ دار تھے۔ اپنے اعمال اور معمولات میں اخفاء کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ زہد وقناعت میں اسلاف کا پرتو تھے۔ رمضان المبارک میں اکابر واسلاف کی طرح آپؒ کے یہاں بھی اعمالِ خیر مثلاً تلاوتِ قرآن پاک، دُعاء، نوافل، ختم خواج گان، درسِ قرآن، درسِ حدیث وغیرہ کا خوب اہتمام ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح ہر صورت کرتے تھے اور کسی قانون کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ چناں چہ اسی جرم کی پاداش میں دو مرتبہ آپؒ کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، جن سے فائدہ اٹھا کر جیل میں رہتے ہوئے اپنی عمر مبارک کے اخیر حصے میں تھوڑے سے عرصہ میں آپؒ نے مکمل قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت عطا فرمائی تھی۔

امام اہل سنت کا لقب:

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ ردّ شیعیت میں شمشیر بے نیام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی زبان وقلم سے دفاعِ صحابہؓ کا عظیم کام لیا، جس کی بناء پر بجا طور پر آپؒ کو ’’امام

اہل سنت'' کا عظیم خطاب عطاء کیا گیا۔

فن مناظرہ کی تعلیم وتربیت:

آپؒ نے اپنے قائم کردہ ادارے ''**دارُ المبلّغین**''لکھنؤ میں آخر دم تک دفاعِ صحابہؓ واہل بیت اور مسلک اہل سنت والجماعت کی حفاظت واشاعت کے نا قابل فراموش تاریخی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔اِس دوران آپؒ نے مختلف علماء کوفن مناظرہ کی تربیت دی اور مختلف فرقِ باطلہ سے ٹکر لینے کے علمی اندازاور نفسیاتی گُر سکھائے۔یوں آپؒ کا یہ علمی فیض تقریباً نصف صدی تک خوب آب وتاب کے مسلسل جاری رہا اور تشنہ گانِ علوم اُس سے خوب سیرابی حاصل کرتے رہے۔تاہم زندگی کے آخری پچیس،تیس سالوں میں آپؒ خاموشی وگوشہ نشینی اختیار کرکے ''موتوا قبل أن تموتوا'' کی عملی تفسیر بن گئے تھے۔

وفات حسرتِ آیات:

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ ایک روز دارالمبلّغین کے بالائی حصہ سے اُترتے ہوئے گر گئے،جس سے سخت علیل ہوگئی اور پھر یہی علالت آگے چل کر مرض الموت کا سبب بنی۔بالآخر آپؒ نے مؤرخہ ۱۷رذی القعدہ ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۱رمئی ۱۹۶۲ءکو بروز دو شنبہ(سوموار کے روز) بعدازنمازِ عصر چار بج کر بیس منٹ پر اِس جہانِ آب وگل کو خیر آباد کہا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

تجہیز وتکفین اور تدفین:

وفات کے بعد مناظر اسلام حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے آپؒ کو غسل دیا،جس میں آپؒ کے صاحب زادگان اور دیگر علماء نے معاونت کی۔اُس کے بعد آپؒ کا کی میت جنازہ گاہ لائی گئی جہاں آپؒ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا عبدالسلام فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ نے آپؒ کا نمازِ جنازہ پڑھایا۔جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔اور پھر آپؒ کو مرزا چپ شاہ میاں کے احاطہ میں آسودۂ خاک کردیا گیا۔

منظوم خراجِ عقیدت:

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی وفات پر شاعر اسلام عبدالرشید خان قمر افغانی لکھنوی نے آپؒ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا:

اپنی مثال عالم اسلام میں تھا
یکتائے عالمان زمانہ کہیں جسے
سب ہیں امام اہل تسنن نہیں کوئی
غماض سنت شہ بطحا کہیں جسے
عبد الشکور بانی دار المبلغین
اسلام کا مبلغ اعلیٰ کہیں جسے
روشن کیا ہے محفل دنیا میں وہ چراغ
حل کردہ مسائل عقبا کہیں جسے
رخصت ہوا ہے آج وہ کچھ اس طرح قمر
بے ساختہ مشیت مولیٰ کہیں جسے[۱]

[۱] (یہ مضمون ''ماہنامہ الفاروق ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ، آزاد دائرۃ المعارف ویکی پیڈیا'' اور چند دیگر کاغذات سے ماخوذ ہے۔)

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل و کمال آپؒ معاندین و حاسدین کی نگاہِ بد سے کسی طرح محفوظ نہیں رہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت موصوف کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ''تنقیصی'' جملہ نکل گیا تھا، جسے بعد میں نہ صرف شہرت حاصل ہوئی، بلکہ اُسے مبنی بر اعتدال بھی قرار دے دیا گیا۔

چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ بروایت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے (مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے) ارشاد فرمایا: ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے۔[۱]

امام اہل سنتؒ کے عظیم کام اور بلند علمی مقام کے پیش نظر بالکل یقین نہیں آتا کہ اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تقابل کرتے ہوئے یہ کہا ہوگا کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں اگر صف نعال (یعنی جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو اُن کے لئے سعادت اور باعث افتخار ہے۔'' لیکن مولانا محمد منظور نعمانیؒ، سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، نبیرۂ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھنویؒ، اور مفتی محمد سعید خان صاحب کی تصدیقات نے اسے تسلیم

[۱] (تحفۂ خلافت: ص ۱۵۔ ناشر تحریک خدام اہل سنت پاکستان، جہلم، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۱۷)

کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ قول اِن ہی کا ہوگا۔'' [1]

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کی مختلف توجیہات:

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کے متعلق ہمارے بعض اکابر علماء نے چند مختلف توجیہات پیش فرمائی ہیں اُنہیں ملاحظہ فرمائیے۔

۱-مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ موصوف کے اس قول کی تحسین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تصوف کا اثر کہیے یا مولانا کی سلامت طبع اور حقیقت پسندی کہ فرقہ اثنا عشریہ سے طویل مناظرہ کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے ہمیشہ فرقِ مراتب کا لحاظ رکھا ہے۔'' [2]

۲-اور نبیرۂ امام اہل سنت پروفیسر محمد عبدالحی فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''(مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے) جہاں اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کو محبت واحترام کے ساتھ بیان کیا ہے، وہیں اسی پاس ولحاظ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی اور کاتب وحی الٰہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے بھی فضائل ومناقب کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دونوں بزرگوں میں جو فرقِ مراتب تھا اس کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا ہے......الخ۔'' [3]

۳-اور مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ان (مذکورہ بالا دونوں شہادتوں) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپؒ (مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) نے مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اختلافی اُمور میں کبھی جادۂ حق سے انحراف نہیں کیا اور ہمیشہ مسلک وسط کو اختیار کیا ہے......الخ۔'' [4]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۱۸)

[2] (پرانے چراغ: حصہ دوم ص ۲۲۳)

[3] (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم: ص ۱۲، ۱۳ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۱۹، ۲۲۰)

۱؎ (امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حیات وخدمات: ص ۶۲۶، ۶۲۷)

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث جملہ کی بہترین توجیہ:

اوّل تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ استدلال ہی بالکل غلط ہے، اس لئے کہ موصوف نے ''صف نعال'' کا ترجمہ ''جوتوں کی صف'' سے کیا ہے، کیوں کہ علمائے لغت نے اِس کا ترجمہ اُس صف سے کیا ہے جو باہر کی جانب مجلس والوں کے جوتے اُتارنے کی جگہ سے متصل ہو۔

چنانچہ مولانا محمد غیاث الدین بسال رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۴۲ھ) لکھتے ہیں:

''صف نعال: بکسر نون، صف آخرین کہ بجانب بیرون باشد کہ اہل مجلس متصل آن نعلین از پا گزارند۔'' ۱؎

ترجمہ: ''صف نعال'' نون کی زیر کے ساتھ، وہ آخری صف جو باہر کی جانب ہوتی اُس کے متصل اہل مجلس پاؤں سے جوتے اُتارتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور دوسرے یہ کہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کا یہ قول اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں، بلکہ مجازی معنی پر محمول ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صف اوّل کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آخری صفوں کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔

حسب مراتب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ طبقات:

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ علمائے کرام نے ترتیب کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند (بارہ طبقے) بیان فرمائے ہیں، اُن میں سے ایک امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کتاب ''**علوم الحدیث**'' میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرح بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے:

پہلا طبقہ:

وہ لوگ جو مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائے بعثت کے وقت اسلام لائے۔ یہ لوگ تمام مسلمانوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ جیسے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی

اللہ عنہا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور باقی عشرہ مبشرہ۔
۱؎ (غیاث اللغات (فارسی): ص۴۳۲، باب صاد مہملہ، ناشر: قدیمی، کتب خانہ، آرام باغ، کراچی)

دوسرا طبقہ:

دار الندوہ والے صحابہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جو آپ کے ساتھ مسلمان تھے اُنہیں ''دار الندوہ'' کی طرف بھیج دیا۔ جس کی وجہ سے اہل مکہ کی ایک جماعت نے اسلام قبول کرلیا۔

تیسرا طبقہ:

اُن لوگوں کا ہے کہ جنہوں نے مشرکین (مکہ) کی تکلیفوں سے بھاگ اپنے دین کی خاطر حبشہ کی طرف
ہجرت کی۔ جن میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ ہیں۔

چوتھا طبقہ:

عقبۂ اولیٰ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، جو انصار سے پہلے اسلام لائے۔ اور یہ چھ حضرات ہیں۔ اور عقبۂ ثانیہ کے
صحابہ رضی اللہ عنہ کا ہے جو آئندہ سال پیش آیا، اور یہ بارہ حضرات ہیں۔

پانچواں طبقہ:

عقبۂ ثالثہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور یہ ستر (۷۰) انصار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ جن میں براء بن معرور رضی اللہ عنہ عبداللہ
بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (وغیرہ حضرات شامل) ہیں۔

چھٹا طبقہ:

اُن مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے جو ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں تھے
اور ابھی تک مسجد قباء نہیں بنی تھی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔

ساتوں طبقہ:

بدرِ کبریٰ کے صحابہ کا ہے۔ حضورِ اقدس نے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں حضرت عمر سے فرمایا کہ:

آٹھواں طبقہ:

اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے کہ جو بدر اور حدیبیہ کے درمیانی زمانہ میں اسلام لائے۔

نواں طبقہ:

بیعت رضوان والے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''ان شاء اللہ! درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک بھی (جہنم کی) آگ میں
داخل نہ ہوگا۔''

دسواں طبقہ:

اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے جو حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ جیسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ اس سلسلہ میں بعض علماء حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کرتے ہیں، لیکن حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اُنہوں نے حدیبیہ سے
پہلے اور خیبر کے بعد بلکہ خیبر کے آخر میں ہجرت کی ہے۔

گیارھواں طبقہ:

اُن لوگوں کا ہے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ اور یہ بہت زیادہ لوگ ہیں۔ اِن میں سے بعض نے تو دلی رغبت اور خوشی سے اسلام قبول کیا، اور بعض نے تنگ اور مجبور ہو کر اسلام قبول کیا۔ پھر اِن میں سے بعض کا اسلام اچھا

ہوگیا۔واللہ اعلم بھم .

بارہواں طبقہ:

وہ مسلمان بچے کہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا اور اُنہوں نے فتح مکہ کے سال اور اُس کے بعد حجۃ الوداع وغیرہما میں آپ ﷺ کی زیارت کی۔جیسے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ ١

١ طبقات الصحابة : وقد ذكر العلماء للصحابة ترتيبا علي طبقات ، وممن قسهم كذلک الحاكم في " علوم الحديث " ألطبقة الأولیٰ : قوم أسلموا بمكة أول البعث ، و هم سباق المسلمين ، مثل : خديجة بنت خويلد ، و علي بن أبي طالب ، و أبي بكر الصديق ، و زيد ابن حارثة ، و بقية العشرة . وقد تقدم الخلاف في أوّل من أسلم في المقصد الأول . ألمقصد الثانية:أصحاب دار الندوة . بعد اسلام عمر بن الخطاب حمل النبي صلي الله عليه وسلم و من معه من المسلمين الي دار الندوة ، فأسلم لذلک جماعة من أهل مكة . ألطبقة الثالثة :ألذين هاجروا الي الحبشة فراراً بدينهم من أذي المشركين أهل مكة ،منهم : جعفر بن أبي طالب ، و أبو سلمة بن عبد الأسد

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن ہی فرقِ مراتب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بلیغ استعارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باہمی مقام ومرتبہ بیان فرمایا ہے ۔اِس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تشریف لائیں تو اُنہیں جوتوں کی جگہ ملے گی یا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جوتوں کی جگہ میں بیٹھنے کے قابل ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار صف اوّل کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے،اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اگرچہ جلیل القدر اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں،لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت آپ کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اُن آخری صفوں کے لوگوں میں ہوتا ہے جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آئے تھے۔اور یہ بات اوپر آپ نے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے اسلام

قبول کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو علماء نے طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دسویں طبقہ میں شمار کیا ہے۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق یہ بات کتب تواریخ میں قطعی طور پر مذکور ہے کہ اُنہوں

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

=ألطبقة الرابعة : أصحاب العقبة الأولي وهم سباق الأنصار الي الاسلام ، و كانوا ستة ، و أصحاب العقبة الثانية من العام المقبل و كانوا اثني عشر وقد قدمت أسماء أهل العقبتين في المقصد الأولي .ألطبقة الخامسة :أصحاب العقبة الثالثة و كانوا سبعين من الأنصار منهم ألبراء بن معرور وعبد الله بن حرام وسعد بن عبادة وسعد بن الربيع وعبد الله بن رواحة.ألطبقة السادسة : ألمهاجرون ألذين وصلوا الي النبي صلي الله عليه وسلم بعد هجرته و هو بقباء ، قبل أن يبني المسجد ، وينتقل الي المدينة . ألطبقة السابعة : أهل بدر الكبريٰ : قال صلي الله عليه وسلم : لعمر في قصة حاطب ابن أبي بلتعة : وما يدريک لعل الله اطلع علي هذه العصابة من أهل بدر ، فقال : اعملوا ماشئتم ، فقد غفرت لكم. (رواه مسلم) ألطبقة الثامنة : ألذين هاجروا بين بدر والحديبية . ألطبقة التاسعة : أهل بيعة الرضوان ألذين بايعوا بالحديبية تحت الشجرة ، قال صلي الله عليه وسلم : لا يدخل النار ان شاء الله تعالي من أصحاب الشجرة أحد . (رواه مسلم). ألطبقة العاشرة : ألذين هاجروا بعد الحديبية و قبل الفتح كخالد بن الوليد وعمرو بن العاص ومثل بعضهم بأبي هريرة لكن قال الحافظ العراقي : لايصح التمثيل به فانه هاجر قبل الحديبية عقيب خيبر بل في أواخرها . ألطبقة الحادية عشر : ألذين أسلموا يوم الفتح وهم خلق كثير فمنهم من أسلم طائعا ومنهم من أسلم كارها ثم اسلام بعضهم . والله أعلم بهم . ألطبقة الثانية عشر : صبيان أدركوا النبي صلي الله عليه

وسلم ، ورأوه عام الفتح وبعده في حجة الوداع وغيرهما كالسائب بن يزيد
."(ألمواهب اللدنية
بالمنح المحمدية للقسطلاني : ۲/ ٦٩٩ ، ۷۷۰ ، ألناشر : ألمكتبة التوفيقية ، ألقاهرة ، ألمصر)

نے عمرۃ القضاء ۷ھ کے موقع پر اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن فتح مکہ تک اُنہوں نے اپنا اسلام اپنے والدین کے ڈر سے چھپائے رکھا، یا فتح مکہ کے دن ۸ھ میں (علیٰ حسب اختلاف الاقوال) آپ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اِس لئے کہ سن سات، یا آٹھ ہجری سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔

پس جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دسویں طبقہ میں ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار پہلے طبقہ میں ہوتا ہے، تو ایسے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے برابر یا اُس کے قریب قریب کیوں کر رکھا جا سکتا ہے؟۔

بہر حال جس شخص نے اپنی پوری زندگی مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم وردّ قدح صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے رفیع العظمت اور عظیم المرتبت کام میں بسر کی ہو اُس کی ذات سے ایسے بلیغ استعارات کے صادر ہونے کو اِس قسم کے غلط معنی پر محمول کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں، بلکہ عقل اور سمجھ سے باہر ہے۔

ولی عہد بنتے وقت یزید کی کیفیت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''موصوف (نبیرۂ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھنوی) بحوالہ علامہ ابن حجر مکیؒ تحریر کرتے ہیں کہ:

''......لیکن اس کے باوجود بعض (صحابہؓ) سے ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو اُن کے مرتبہ کے لائق نہ تھیں، جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ بنادیا۔ بیٹے کی شدید محبت نے اُس کے کمالات اُن کی نظر میں جمادیئے تھے اور اُس کے عیوب اُن کی نظروں سے پوشیدہ کردیئے تھے حالاں کہ اُس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ رُوشن تھے۔ پس یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے لحاظ سے لغزش تھی (جس پر) اللہ اُن کو بخش دے گا۔ مگر کسی دوسرے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقلید اس فعل میں جائز نہیں۔ اور جو شخص اس بات میں ان کی تقلید کرے گا وہ سرنگوں کرکے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔''[۱]

مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہوگیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

سے

[۱] (امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ۔ حیات وخدمات: ۶۲۷، ۶۲۸، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۲۵)

انہیں امیر بنانے میں خطائے اجتہادی ہوئی تھی۔ تطہیر الجنان کا اردو میں ترجمہ کر کے حضرت لکھنویؒ نے دوبارا سے شائع کیا تھا، مگر اس مقام پر انہوں نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لگایا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس رائے سے متفق تھے، ورنہ ضرور اس کے خلاف اپنی رائے تحریر کرتے۔

موصوف کی اس توضیح ''کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس استخلاف میں معذور تھے ، کیوں کہ وہ اس کے ''فاسقانہ وفاجرانہ'' اعمال سے بے خبر تھے۔اور دوسری طرف یہ فرمانا کہ: ''اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ رُوشن تھے، مگر بیٹے کی شدت محبت نے اُس کے عیوب ان کی نظروں سے پوشیدہ کردئے تھے۔'' کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برأت ''بعید از فہم'' ہے۔سخت حیرت ہے کہ جس شخص کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ رُوشن ہوں اُس سے خود اس کا اپنا والد اور اپنے وقت کا عظیم سیاست دان، مدبر اعظم اور خلیفۂ وقت بے خبر ہو؟ پھر ایسے فاسق وفاجر بیٹے کو محض ''شدت محبت'' سے مغلوب ہو کر اُمت مسلمہ پر
مسلط کردیا جائے۔فیا أسفا!۔''

تعجب بالائے تعجب یہ کہ دیگر سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم اور ہزاروں تابعینؒ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طویل دورانیے میں اس کے ''فاسقانہ وفاجرانہ'' اعمال سے آگاہ کرنے کے بجائے اُلٹا پہلے ولی عہدی اور بعد میں خلافت کی بیعت کر کے اسی خطائے اجتہادی کا ارتکاب کرلیا۔ [1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ایک سوال:

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ یہ عبارت حضرت لکھنوی کی نہیں بلکہ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جیسا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:
''موصوف بحوالہ علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں کہ:......الخ۔'' [2]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص ۲۲۴،۲۲۵)

۲؎ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۲۴)

پھر معلوم نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس عبارت کو اُٹھا کر مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کیوں اعتراض اُٹھا رہے ہیں؟۔

ایک وہم اور اُس کا ازالہ

ہاں زیادہ سے زیادہ اِس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس عبارت:

"**يغفرها الله .**" ۱؎

کا ترجمہ (اللہ اُن کو بخش دے گا) مستقبل کے صیغہ کے ساتھ کیا ہے، جس کا مطلب بقول پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے یہ بنتا ہے کہ: "ابھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بخشش نہیں ہوئی۔"

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس سے اُخروی مغفرت اور بخشش مراد ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دُنیا میں مغفرت اور بخشش کی ہے، اسی طرح آخرت میں بھی وہ ان کی مغفرت اور بخشش کرے گا۔

ہاشمی صاحب کی تلبیس اور علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی توضیح:

اور دوسرے یہ کہ یہاں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے انتہائی دجل و تلبیس سے کام لیا ہے، اور قارئین باتمکین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام سی کوشش کی ہے کہ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال اور یزید کی عیوب و نقائص کو شئ واحد کے طور پر ذکر کیا ہے جس سے بجا طور پر ہر شخص کے ذہن میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے عیوب و نقائص آفتاب سے بھی زیادہ رُوشن ہوں تو اُس سے خود اُس کا اپنا والد اور اپنے وقت کا عظیم سیاست دان، مدبر اعظم، اور خلیفہ وقت کیوں کر بے خبر ہو سکتا ہے؟۔

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بے خبر ہونا اور چیز ہے اور اِس کے عیوب و نقائص کا آفتاب سے زیادہ رُوشن ہونا دوسری چیز ہے۔ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بے خبر ہونے کا مطلب یہ ہے

کہ یزید خلیفہ بننے سے پہلے چھپ چھپ کر بعض خلاف شرع اُمور کا ارتکاب کرتا تھا جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سمیت سب بے خبر تھے۔

۱؎ (تطهير الجنان و اللسان عن الخطور والتفوه بثلب معاوية بن أبي سفيان للهيتمي : ص ٥٩، مكتبة الحقيقة ، شارع دار الشفقة ، فاتح ٥٧ ، استنبول ، تركي)

اور اِس کے عیوب ونقائص کا آفتاب سے زیادہ رُوشن ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس کی فطرتی عادات مثلاً عدم برداشت، جلد بازی، اور غصہ وغیرہ آفتاب سے زیادہ رُوشن تھیں، اور اِنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ہر شخص خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔

چنانچہ ولی عہد بنتے وقت یزید کے فسق وفجور کے واقعات مستور تھے اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھے، اِن کا ظہور تو خلافت کے دوسرے، اور تیسرے سال میں ہوا، جب اُس نے خوب کھل کر خلاف شرع کام کرنے شروع کر دیئے، اور بالآخر اُنہی خلاف شرع کاموں کے باعث مدینہ میں اُس کے خلاف خروج ہوا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی تھی تو وہ اُس کے اُمورِ عادیہ وخصائل فطریہ کی بناء پر ہی کی تھی، نیز اِس وجہ سے کی تھی تا کہ خلافت کی جگہ ملوکیت نہ لے لے، اِس وجہ سے نہیں کی تھی کہ ولی عہد بنتے وقت یزید میں فسق وفجور آفتاب سے زیادہ رُوشن تھے، بلکہ تھے بھی تو لوگوں کی نظروں سے مستور اور پوشیدہ تھے وگرنہ تو پھر بقول پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے بات اُس وقت کے سیکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم اور ہزاروں تابعین رحمہم اللہ پر آجاتی ہے کہ اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اِس طویل دورانیے میں یزید کے ''فاسقانہ وفاجرانہ'' اعمال سے آگاہ کرنے کے بجائے اُلٹا پہلے خود یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا ہے اور بعد میں خلافت کی بیعت کر کے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

۲۰

شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء)

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ ایک مشہور و معروف اور صاحب تصنیف عالم دین ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ محبت وعقیدت کی وجہ سے نسبت ''نعمانی'' ان کی پہچان بن گئی ہے۔ایک عرصہ تک جامعہ اسلامیہ بہاول پور بطورِ استاذِ حدیث تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے، جب کہ اس دور میں شیخ الحدیث کا منصب مولانا سید احمد سعید کاظمی کے پاس تھا۔موصوف نے بعد میں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بھی کچھ عرصہ تک تدریسی ذمہ داری نبھائی، لیکن انہیں سب سے زیادہ شہرت محمود احمد عباسی کے افکار ونظریات کا انتہا پسندانہ تعاقب کرنے کی وجہ سے حاصل

ہوئی۔

مولانا نعمانیؒ پر پہلا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

’’ایک مرتبہ علماء کی ایک مجلس (جس میں مولانا عبداللہ شہیدؒ، مولانا پیر سیف اللہ خالدؒ اور مولانا عبدالرشید نعمانیؒ وغیرہ حضرات بھی شریک تھے) کے دوران مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے عرض کیا کہ: ’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی، طاغی، جائر اور مخطی وغیرہ کہنے کے بجائے اگر اُن کے اس اقدام کی کوئی ایسی مناسب تاویل وتوجیہ کر لی جائے جس سے ان کو یہ کچھ کہنا نہ پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟۔‘‘ حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے برجستہ جواب فرمایا کہ: ’’ہاں! کتاب الحدود میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہہ تم کر سکتے ہو وہ

یہاں بھی کر لو!...... نیز فرمایا کہ: ’’حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی اتنے

بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول وفعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں۔‘‘

حضرت مولانا نعمانی کی یہ دونوں باتیں نہ صرف حد درجہ غلط اور لغو ہیں، بلکہ ان کی

سبائیت گزیدگی کی بین دلیل بھی ہیں۔‘‘ [۱]

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی توضیح:

خلیفۂ برحق یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کی صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو خطائے اجتہادی صادر ہوئی ہے اُس کی وجہ سے وہ یقیناً دُنیوی احکام کے اعتبار سے بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے جمہور علمائے سلف وخلف نے دُنیوی احکام کے اعتبار سے اُنہیں ’’باغی‘‘ کہا ہے، لیکن چوں کہ وہ ایک صحابی مجتہد تھے اور اُن کا یہ عمل ان کی اجتہادی رائے سے وجود میں آیا تھا اگرچہ اُن کا یہ اجتہاد غلط ہی تھا، اس لئے اُن کے مجتہد ہونے کی بناء پر اُن کے اس عمل کو دُنیوی احکام کے اعتبار سے بغاوت کہا جائے گا۔ نیز چوں کہ اُن کا یہ اجتہاد غلطی پر مبنی تھا اس لئے اس اجتہاد میں اُنہیں مجتہد مخطی مان کر دُنیوی احکام کے اعتبار سے باغی کہیں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی تاویل ایسی ممکن ہی نہیں کہ جس کی وجہ سے انہیں دُنیوی احکام کے اعتبار سے باغی واجتہادی خاطی کہنے کے بجائے اُن کے اس اقدام کو کسی طرح درُست

کہا جاسکے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو اگر حقیقت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو بلا شبہ اُن کا یہ عمل خروج کے زُمرے میں آتا ہے، اور وہ اس اقدام کی وجہ سے دُنیوی احکام کے اعتبار سے باغی کہلائیں گے۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُن کے اجتہاد میں مصیب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُن کے اجتہاد میں مخطی مان لیا جائے تو پھر اُس صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا ناحق ہونا لازم آئے گا، اور یہ بات اجماعِ اُمت اور مسلک اہل سنت کے بالکل خلاف ہے۔ اور اگر اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل شام کے مؤقف کے مقابلہ میں مجتہد مصیب مان لیا جائے (جیسا کہ واقعہ میں بھی ہے) تو ایسی صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کا خطائے اجتہادی پر ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ بات جمہور علمائے سلف وخلف کے نزدیک زیادہ قرین قیاس ہے۔

ل (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۷۳، ۲۷۴)

چنانچہ اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جنگ میں مجتہد مصیب اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مخطی اور آپ کے ساتھی خطاء پر تھے۔ اِس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''باغی'' کہلائیں گے۔

پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کے اِس غلط اقدام کی بناء پر سوائے اِس کے اور کچھ بھی ممکن نہیں کہ اُنہیں لشکر علویؓ کے مقابلے میں دُنیوی احکام کے اعتبار سے باغی اور اجتہادی خاطی قرار دیا جائے، اور یہی مؤقف تمام اہل سنت کا ہے، جسے مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، اور جسے پروفیسر آں موصوف سبائیت گزیدگی کی مثال قرار دے رہے ہیں، حالاں کہ حقیقت میں وہ خود ناصبیت گزیدہ ہیں، اگر ہمت ہے تو مولانا نعمانی رحمہ اللہ کو کوسنے کے بجائے اُن کی دلیل کا جواب دیں!۔

باقی جہاں تک بات ہے مولانا نعمانیؒ کی اِس تحقیق کی کہ:

''حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں۔''

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اِس بات کی نسبت کرنا خلاف تحقیق ہے۔ لگتا یوں ہے کہ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحقیق ''انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم'' سے نقل کی ہے، جو اِس کے مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمہ اللہ سے دورانِ ترجمہ سہواً و نسیاناً غلط ترجمانی کے نتیجہ میں واقع ہوئی ہے۔

ہم نے اِس حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے ''حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ'' کے عنوان کے تحت گزشتہ صفحات میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں فاضلانہ بحث کی ہے، اور مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی کی نشان دہی کر کے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر سے نقد معاویہ رضی اللہ عنہ کے بدنما داغ کو مکمل طرح سے صاف کیا ہے۔ من شاء فلیراجع .

مولانا نعمانیؒ پر دوسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی اُمیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہو گیا تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو شیعہ مروانیہ اُمویہ اور شیعہ عثمانیہ بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہو گیا، اور پھر دُنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہو گئی۔'' [۱]

'' للأكثر حكم الكل '' کا قاعدہ:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ اُنہوں نے ایک ہی لاٹھی سے ہانک کر بلا استثناء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور تمام بنواُمیہ کو نواصب اور ان کے وجود کو ناپاک کہا ہے۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موقع پر مولانا عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا کہ:

’’استثناء بربنائے اعمالِ صالحہ ہر حال میں قدرتی طور پر موجود ہے اور حکم اکثر پر ہوتا ہے
۔‘‘ ۲

اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے اعمالِ غیر اُمویہ و اتباعِ سنت شیخین جلیلین کی بناء پر ان مذکورہ بالا بنو اُمیہ کے دونوں اوصافِ قبیحہ و صفاتِ شنیعہ سے کلی طور پر مستثنیٰ ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

’’ وفي الحديث الصحيح قال الحاكم : عليٰ شرط الشيخين . عن أبي برزة رضي الله عنه كان أبغض الأحياء أوالناس اليٰ رسول الله صلي الله عليه وسلم بنو اُمية . ومعاوية من بني اُمية فهو من الأشرار ...... وجوابه انما المراد من الحديث أن أكثر بني اُمية موصوف بالشرية و الأبغضية فلا ينافي

أن أقلهم ليسوا أشراراً ولا مبغوضين بل هم من خيار الأمة وأكبر الأئمة.‘‘ ۳

ترجمہ: ایک صحیح حدیث میں آیا ہے (امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ

۱ (حادثۂ کربلا کا پس منظر: ۱۳۱، ۱۳۲ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۲۷۵)

۲ (ماہنامہ الہلال، کلکتہ ۱۹۱۳ء)

۳ (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب معاوية بن أبي سفيان للهيتمي : ص ۳۰ ، ألناشر : مكتبة الحقيقة شارع دار الشفقة ، فاتح ۵۷ ، استنبول ، تركي)

حدیث شیخین کی شرط پر ہے) کہ حضرت ابو برزۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تمام قبیلوں یا تمام لوگوں میں حضور ﷺ کو مبغوض ترین بنواُمیہ (کے لوگ) تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بنواُمیہ قبیلہ سے ہیں پس وہ بھی ناپسندیدہ لوگوں میں سے ہوئے......تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اکثر بنواُمیہ شر کے ساتھ موصوف ہیں۔ پس یہ بات اِس کے منافی نہیں کہ اِن میں سے بہت سے کم لوگ مبغوض اور ناپسندیدہ نہ ہوں، بلکہ (یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے) بعض بہت کم لوگ خیارِ اُمت ائمہ کبار میں سے ہوں۔ (جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے۔)
(ترجمہ ختم)

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض:

مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ "مؤلفة القلوب" میں سے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے "طلقاء" میں ان کا شمار ہے۔" [۱]

مولانا نعمانیؒ کی اس عبارت پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تحقیقی اعتبار سے موصوف (مولانا نعمانیؒ) کا یہ دعویٰ ہی بالکل غلط اور باطل ہے کہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ "فتح مکہ" کے موقع پر اسلام لائے تھے اور ان کا شمار "طلقاء" اور "مؤلفة القلوب" میں ہوتا تھا۔" [۲]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے متعلق تحقیق!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور آپ رضی اللہ عنہ کے اور آپ کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے "مؤلفة القلوب" اور "طلقاء" میں سے ہونے کے متعلق شروع کتاب میں کافی شرح وبسط سے کلام ہو چکا ہے، اس لئے

یہاں اُس کا اعادہ نہیں کیا جاتا، البتہ یہاں اُس کا لب لباب نقل کیا جاتا ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ''فتح مکہ'' سے پہلے یا ''فتح مکہ'' کے بعد

۱ (حادثۂ کربلا کا پس منظر: ص۲۹۱، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۲۷۷، ۲۷۸)

۲ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۲۷۷، ۲۷۸)

اسلام لانے اور حضرت معاویہ کے ''طلقاء'' اور ''مؤلفة القلوب'' میں سے ہونے کے بارے میں دونوں قسم کے اقوال کتب تواریخ میں پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے '' طلقاء '' اور '' مؤلفة القلوب ''میں سے
ہونے کے بارے میں تو تقریباً تمام ہی مؤرخین کا اتفاق ہے۔

لہٰذا اس تناظر میں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قول اختیار کیا ہے وہ راجح نہیں بلکہ مرجوح ہے، لیکن اس کے بجائے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا دعوے کو قطعی اور یقینی طور پر بالکل ہی غلط اور باطل کہنا بجائے خود تحقیقی طور پر غلط اور باطل بلکہ فتنہ کا موجب ہے۔ اللہ
تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ وہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو مرنے سے پہلے پہلے سیدھی راہ سلجھا دے تو زہے نصیب!۔

مولانا نعمانیؒ پر چوتھا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

''یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جو لوگ ان حضرات کو ''طلقاء''
اور ''مؤلفة القلوب'' میں شمار کرتے تھے اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لقب ان کے لئے موجب مذمت ہے اور اسے بطورِ تحقیر استعمال کرتے ہیں۔ حالاں کہ کسی صحابی کو حقارت آمیز کلمہ سے تعبیر کرنا
''رفض خفی'' ہے۔''۱

’’طلقاء‘‘اور مؤلفۃ القلوب‘‘میں سے ہونا کوئی عیب نہیں ہے!

اوّل تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہ بات بلاحوالہ نقل کی ہے کہ ’’طلقاء‘‘ اور ’’مؤلفة القلوب‘‘ کے الفاظ اِن لوگوں کے لئے موجب مذمت اور بطورِ تحقیر کے استعمال کیے جاتے تھے۔اور دوسرے یہ کہ یہ الفاظ صرف ان لوگوں کی معافی اور ان کی تالیف قلب کے لئے وضع کئے گئے تھے،ان کی مذمت یا حقارت وتحقیر کے لئے ہرگز وضع نہیں کیے گئے تھے۔اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ان حضرات کے حق میں باہمی حقارت وتنفر کی نہ فضاء قائم تھی اور

نہ ہی یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطورِ طعن استعمال کیے جاتے تھے۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کلمہ ’’طلقاء‘‘ کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’نیز’’ ألطلقاء‘‘ کا کلمہ صرف معافی کے الفاظ ہیں، یہ کلمہ کوئی مذمت یا حقارت و

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:ص۲۷۸)

تحقیر کے لئے نہیں کہ جس سے عوام میں تنفر ونفرت پیدا کی جائے۔مزید برآن یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے صحابہ کرام کے دور میں باہمی حقارت وتنفر قائم نہیں تھا اور نہ یہ

الفاظ ان حضرات کے حق میں بطورِ طعن استعمال کیے جاتے تھے۔[1]

اور کلمہ ’’مؤلفة القلوب‘‘ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

’’صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت

عمل میں لائی گئی۔یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے۔[2]

۱؎ (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۴۸۳/۲، ناشر: دارالکتاب، اردو بازار، لاہور)
۲؎ (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۴۹۰/۲، ناشر: دارالکتاب، اردو بازار، لاہور)

﴿۲۰﴾
مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی محمد امین، لقب صؔفدر، والد کا نام میاں ولی محمد، اور دادا کا نام میاں پیر محمد ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''محمد امین بن میاں ولی محمد بن میاں پیر محمد......الخ۔''

ولادت باسعادت:

آپؒ مؤرخہ ۴راپریل ۱۹۳۴ء کو ریاست بیکانیر ضلع گنگانگر میں پیدا ہوئے، جہاں آپؒ کے دادا جان میاں پیر محمد نے اپنی محنت شاقہ سے تین مربع زمین خرید رکھی تھی۔آپؒ کا خاندانی تعلق ''آرائیں'' خاندان سے ہے جو کئی پشتوں سے ''باغبانی'' کا کام کرتا چلا آ رہا ہے۔

تحصیل علم:

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ شروع ہی سے نہایت ذہین وفطین تھے۔جب آپؒ اپنے سن شعور کو پہنچے تو والد محترم نے قرآنِ مجید کی تعلیم دلوانے کی غرض سے آپؒ کو حافظ محمد رمضان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چھوڑ دیا جو بدقسمتی سے غیر مقلد تھے،اِن کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے سے غیر مقلدیت کے جراثیم آپؒ میں بھی سرایت کر گئے۔پھر جب آپؒ نے سکول میں عصری تعلیم حاصل کرنا شروع کی تو آپؒ کے والد ماجد نے آپؒ کے لئے عربی کا مضمون رکھوایا تاکہ دینی علوم کے حصول میں یہ مضمون آپؒ کا ممد ومعاون ثابت ہو۔جب آپؒ نویں جماعت میں گئے تو عربی زبان میں دسترس حاصل کرنے کے لئے آپؒ نے مولانا عبدالجبار کنڈیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں،لیکن بدقسمتی سے یہ بھی ایک بہت بڑے غیر مقلد تھے،اب اِن کی صحبت میں رہ کر آپؒ صحیح غیر مقلد بن گئے۔لیکن پھر ۱۹۵۳ء میں جب جامعہ محمودیہ عیدگاہ میں مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دیوبند) اور مولانا عبد الحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دیوبند) کا تقرر ہوا تو اِن دونوں حضرات کی محنت اور اپنے والد ماجد کی پُرخلوص دُعاؤں کی برکت سے غیر مقلدیت سے تائب ہو کر آپؒ جادۂ مستقیم پر گام

زن ہوگئے اور پھر اپنی تعلیم کا سلسلہ اِنہی دونوں حضرات کے ساتھ جوڑ لیا۔ علاوہ ازیں آپؒ نے اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے درسِ نظامی کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور حدیث کے اسباق مولانا عبدالحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاگردِ رشید مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے۔

اصلاحی تعلق:

چوں کہ شروع میں مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ میں غیر مقلدیت کے جراثیم سرایت کر گئے تھے، اس لئے آپؒ اِس سے تائب ہو جانے کے بعد بھی پیری مریدی اور بیعت مرشد کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ کوئی بیعت کی ترغیت دیتا تو آپؒ اُس کا مذاق اُڑاتے۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ مولانا بشیر احمد پسروی رحمۃ اللہ علیہ عیدگاہ تشریف لائے، تمام طلباء اُن سے مصافحہ کرنے کے لئے گئے، جب آپؒ نے اُن سے مصافحہ کیا تو اُنہوں نے مصافحہ فرما کر آپؒ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ نام پوچھا اور فرمایا یہ شخص ایک بہت بڑے علاقے کو سنبھال سکتا ہے اور آپؒ کو بار بار بیعت ہونے کی ترغیب دیتے رہے، لیکن آپؒ جواب میں یہی کہتے رہے کہ بیعت کون سی ضروری چیز ہے؟ لیکن حضرت کا اصرار بڑھتا گیا کہ تم ضرور مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرلو!، چنانچہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے وعدہ کرلیا اور پھر کچھ عرصہ بعد حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے۔

تجدید بیعت:

جب مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی تو آپؒ کے قلق واضطرار میں اضافہ ہوگیا۔ اس لئے تجدید بیعت کی خاطر آپؒ اپنے مرشد زادے مولانا عبیداللہ انورؔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے مولانا عبیداللہ انورؔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بیعت کرنے کے بجائے آپ کو مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، جس پر آپ نے فوراً عمل کیا اور چکوال جا کر آپ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔

علمی مقام اور فرقِ باطلہ کا تعاقب:

مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بہترین مناظر، نامور محقق اور کثیر التصانیف عالم تھے۔ آپؒ کے طرزِ استدلال، قوت گرفت، حاضر جوابی کے سامنے کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ آپؒ نے اپنے زمانے کے مشہور باطل فرقوں، روافض، منکرین حدیث، قادیانی، چکڑالوی، بہائی اور غیر مقلدیت کا بہترین تعاقب اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ آپؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اِن تمام باطل فرقوں کی بنیاد عدم تقلید اور خود رائی ہے۔ اصل دین وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہنچا ہے، غیر مقلدیت ایک بہت بڑا منبعِ فتن ہے، باقی تمام فتنے اسی سے نکلتے ہیں، اس لئے کہ آدمی غیر مقلد ہونے کے بعد کسی بھی
وقت منکر حدیث، قادیانی، چکڑالوی، بہائی اور رافضی ہو سکتا ہے۔

وفات حسرتِ آیات:

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمائے حرمین شریفین کے اصرار پر رمضان المبارک میں عمرہ پر جانے کا ارادہ تھا کہ اچانک طبیعت خراب ہوگئی اور دِل کا دورہ پڑ گیا۔ ۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۰ء کا دِن آپؒ نے گھر میں گزارا، رات کو عشاء کی نماز آپؒ نے گھر پر ہی ادا کی اور نو بجے کے قریب دوبارہ دِل کا دورہ پڑا جس کے ساتھ ہی آپؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اس طرح دُنیائے علم و تحقیق کا یہ چہچہاتا بلبل اپنا نغمہ سناتے سناتے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل و کمال آپ اپنے حاسدین و معاندین کی طعن و تشنیع اور اُن کے دو دھاری خنجروں کے وار سے کسی بھی طرح مامون اور سالم نہیں رہے۔

یزید کی کردار کشی:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ ''زبدۃ المحد ثین وسلطان المحققین'' کردارِ یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کرتے ہوئے یزید کے خلاف اور اپنے مؤقف کی تائید میں حسب ذیل روایت کو ''صحیح'' سمجھ کر نقل فرماتے ہیں کہ:

''خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف اُس وقت تک نہیں اُٹھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ اب نہ اُٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں۔ یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی اُن لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا۔'' [1]

یزید کی کردار کشی کو حضرت معاویہ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی ناانصافی ہے!:

مذکورہ بالا روایت کی حیثیت جو بھی بہر حال اِس کے نقل کرنے سے مولانا امین اوکاڑوی صاحب رحمہ اللہ پر یہ الزام کسی بھی طرح عائد نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے کردارِ یزید کی آڑ میں (نعوذ باللہ!) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کی ہے، اس لئے کہ یزید نے مذکورہ بالا جتنے بھی سیاہ کارنامے انجام دیئے ہیں وہ سب کے سب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد انجام دیئے ہیں۔ اِن تمام اعمالِ سیئہ کا ذمہ دار خود یزید ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اِن سے کوئی تعلق نہیں۔ اِس لئے کہ اُس کے اِن اعمالِ سیئہ کے ذکر کرنے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کا نام دینا بہت بڑی ناانصافی کی بات ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یزید کے مذکورہ بالا اعمالِ سیئہ کی آڑ میں مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہیں کی بلکہ یزید کی کردار کشی کی اور اُس کا بھانڈا پھوڑا ہے، جس پر اُنہیں ملامت نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کی تادیب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''فاتح مذاہب باطلہ اور حامل علوم وہبیہ جناب صفدر کبیر مزید فرماتے ہیں:

''یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ: ''بیٹا! ایسے کام نہ کرو کہ

۱ (تجلیاتِ صفدر:۱/۵۴۰، ناشر: جمعیت اشاعت العلوم الحنفیہ، طبع اوّل، اکتوبر ۱۹۹۶ء بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:۲۸۱)

جس سے مروّت ختم ہو جائے، دُشمن خوش ہوں، دُوست برا سمجھیں۔'' اور فرمایا: ''کم از کم دِن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، کتنے فاسق ہیں کہ دِن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔'' ۱

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب:

یہ روایت اصل میں طبرانی کی ہے جسے امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے۔ مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ نے بحوالہ طبرانی البدایہ والنہایہ سے یہ روایت نقل کی ہے، لیکن پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب ملاحظہ فرمائیں کہ اُنہوں نے مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کی عبارت کے شروع میں دانستہ طور پر طبرانی کا نام کاٹ کر اور آخر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا اِس سے اخذ کردہ مطلب چھوڑ کر بہ راہِ راست اِس روایت کی نسبت مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کی طرف کی ہے تاکہ مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کو اپنے مکروفریب اور دجل وتلبیس کے ذریعے جتنا زیادہ ہو سکے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد وگستاخ ثابت کیا جا سکے اور اُن کے خلاف اپنے دل کی خوب بھڑاس نکالی جا سکے۔ مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کی عبارت یوں ہے:

''طبرانی میں ہے یزید نوجوانی ہی میں شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ: ''بیٹا! ایسے کام نہ کرو کہ جس سے مروّت ختم ہو جائے، دُشمن خوش ہوں، دُوست برا سمجھیں۔'' اور فرمایا: ''کم از کم دِن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، کتنے فاسق ہیں کہ دِن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت اُس حدیث کے موافق ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی گندگیوں میں مبتلا ہو جائے تو اُس کی پردہ پوشی کرے۔'' [۱]

[۱] (البدایہ والنہایہ بحوالہ تجلیاتِ صفدر: ۱/ ۵۶۸، ۵۶۹)

ملاحظہ فرمایئے کہ اِس روایت کے بارے میں مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ نے صاف اور واضح طور پر تصریح کی ہے کہ یہ روایت میں نے بحوالہ طبرانی امام ابن کثیر کی تاریخ البدایہ والنہایہ سے نقل کی ہے، تاکہ کل کلاں کوئی عاقبت نااندیش شخص اسے بہ راہِ راست میرے سر نہ تھوپ دے، لیکن ناقدین ومعاندین کو کون لگام دے سکتا ہے کہ اُن کا تو کام ہی پر سے کوا بنا کر اُڑانا ہوتا ہے اور اپنے مدمقابل کو جس طرح بھی ہو اپنے مکر وفریب اور دجل وتلبیس سے بچھاڑنا ہوتا ہے اور یہ سارا کام پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے کر دکھلایا ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ یہ روایت اور اِس قسم کی دیگر روایات جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کے شراب نوشی اور دوسری بدکاریوں کا ذکر پایا جاتا ہے حددرجہ ضعیف، مشکوک، ناقابل اعتماد اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک روایت امام طبرانی اور امام ابن کثیر رحمہما اللہ نقل فرمائیں تو وہ اپنے اپنے فن کے امام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ٹھہرائے جائیں اور وہی روایت مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اِن ہی علماء کے حوالے سے نقل فرمائیں اور اِن کے حوالے بھی دیں تو وہ ناقدین معاویہؓ کی فہرست میں شامل ہو جائیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع نہیں بلکہ یزید پلید کے فسق وفجور اور اُس کی بدکرداریوں پر پردہ

ڈالنا ہے تاکہ یزیدیت کا خوب پرچار ہو اور ناصبیّت کو مزید پھلنے پھولنے کا موقع ملے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''چناں چہ ''زبدۃ المحدثین'' اور سلطان المحققین'' کردارِ یزید کی آڑ میں برادرِ نسبتی رسولؐ خال المؤمنین، کاتب وحی، صحابیٔ رسولؐ، خلیفہ راشد و عادل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کرتے ہوئے یزید کے خلاف اور اپنے مؤقف کی تائید میں حسبِ ذیل روایت کو ''صحیح'' سمجھ کر کر نقل فرماتے ہیں کہ: ''خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف اُس وقت تک نہیں اُٹھے، یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ اب نہ اُٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں۔ یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی اُن لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی۔ اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا۔'' (تجلیاتِ صفدر: جلد اوّل ص ۵۴۰، ناشر: جمعیت اشاعت العلوم الحنفیہ، طبع اوّل اکتوبر ۱۹۹۶ء، بحوالہ سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۲۸۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید سے منسوب کفریہ اعمال اور زنا بالمحارم جیسے الزامات جیسے اپنے باپ کی اُن لونڈیوں سے (جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی ہے) اور بیٹیوں اور بہنوں سے صحبت کرنے کی روایات واقعی ضعیف اور کمزور ہیں تاہم اِس کے دیگر قبیح افعال اور بدکرداریاں جیسے شراب نوشی، ترکِ نماز، اور شر پسندی وغیرہ تاریخ کی پختہ اور صحیح روایات سے ثابت ہیں۔ چناں چہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید کے خلاف جو بغاوت کی اور اُس کے نتیجے میں جنگ حرہ کا جو الم ناک واقعہ پیش آیا اس کا پیش خیمہ یہی اُس کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال اور اُس کا برا کردار تھا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"واللہ ماخرجنا علیٰ یزیدحتي خفنا أن نرمي بالحجارة من السماء ان کان رجلا ینکح أمھات الأولاد والبنات والأخوات و یشرب الخمر و یدع الصلوٰۃ ." ۲؎

ترجمہ: اللہ کی قسم! ہم یزید کے خلاف اُس وقت تک نہیں اُٹھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ انہ اُٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں، یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی اُن لونڈیوں سے صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی ہے اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے، اور نماز نہیں پڑھتا۔ (ترجمہ ختم)

۱؎ (تجلیات صفدر: ۱/ ۵۲۰......۵۲۴، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۸۲)

۲؎ (ألصواعق المحرقة في الرد علي أهل البدع والزندقة للهيتمي : ۲۲۱ ، ألناشر مكتبة الحقيقة ، استنبول ، تركي)

بلاشبہ یزید کے یہ قبیح افعال اور اُس کی یہ بدکرداریاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں، لیکن معلوم نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے آخر کس بنیاد پر مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کو کردارِ یزید کی آڑ میں لے کر اُنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار کش اور آپؓ کا ناقد و گستاخ ٹھہرادیا؟

چنانچہ مؤرخِ اسلام مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم ارقام فرماتے ہیں:

"بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جانشین یزید کے دور میں حادثۂ کربلا، سانحۂ حرہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف مکہ معظّمہ پر فوج کشی کے دردناک واقعات رونما ہوئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان حالات سے نبردآزما ہونے میں یزید سے بعض غلط فیصلے صادر ہوئے۔ مگر یہ سب حالات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔ جب اُنہوں نے یزید کا تقرر کیا تھا تو اپنے دور کے سیاسی منظر نامے کو سامنے رکھ کر اور آئندہ کے حالات کا اندازہ کرکے یہ قدم اُٹھایا تھا۔ یہ ۵٦ھ کی بات ہے۔ اس کے پانچ برس بعد جب حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے، تب یہ سانحے پیش آئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ اُن کے بعد ایسے حادثات رونما ہوں گے، یا یزید کچھ خلافِ حکمت فیصلے کرگزرے گا یا زیادتیوں کا مرتکب ہوگا۔ اُنہوں نے اپنے طور پر نیک نیتی اور اُمت کی خیر خواہی کے تحت یزید کی جانشینی کا فیصلہ کیا تھا۔ اگر نتائج اُن کی اُمید کے برخلاف نکلے تو ہم اُن کی نیت پر حملہ نہیں کر سکتے۔ خود ہمارے ساتھ ایسا بارہا ہوتا ہے کہ ہم زندگی کا کوئی اہم فیصلہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر اور پورے نیک جذبے سے کرتے ہیں، مگر بعد میں نتائج برعکس نکلتے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ نامناسب تھا۔ اب یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اِس تجربے سے سبق حاصل کر کے آئندہ اِس غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے، مگر کوئی ہمیں اِس فیصلے کی بناء پر خائن، بدنیت، بدکردار یا احمق مشہور کر دے تو ہمارے احساسات کیا ہوں گے؟۔ اِس قسم کے فیصلے تو دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی صادر ہوئے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف بھیجے جانے والے ابتدائی لشکر کا امیر حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ وہ حکمت عملی کے برخلاف رومیوں کے علاقے میں زیادہ آگے بڑھ گئے اور حریف کے نرغے میں آ کر بری طرح شکست سے دوچار ہوئے۔ بہ مشکل چند افراد کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُنہیں ہٹا کر حضرت ابوعبیدہ، حضرت معاویہؓ اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم کو اِس مہم پر تعینات کیا جو فتح یاب ہوتے چلے گئے۔ (تاریخ طبری: ۳/ ۳۸۸) اب اگر کوئی کہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر مسلمانوں کے لئے ہلاکت کا انتظام کیا تھا تو کیا اسے ایک دُرست تبصرہ کہا جائے گا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ کو ایران کی ابتدائی مہم کا امیر مقرر کیا تھا جو ایک تابعی تھے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے ماتحت ہو کر محاذ پر گئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ مسلمانوں کی شکست فاش کا باعث بن گئی (تاریخ طبری: ۳/ ۴۴۶) مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلط آدمی کا تقرر کیا تھا، یا اُنہیں افراد کی پہچان نہ تھی، یا اِس شکست کی ذمہ داری اصل میں اُن پر ہے؟ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ انسان کے بس میں بہترین تدبیر اور کوشش ہے، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک سب نے اپنے وقت کے لحاظ سے جس موقع پر جو مناسب سمجھی اختیار کی۔'' (تاریخ اُمت مسلمہ:۲/ ۹۴۶، ۹۴۷، ناشر: المنہل پبلشرز کراچی)

مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی نیت پر حملہ کرنے کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''حجۃ اللہ فی الارض مزید فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۰ھ) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوجہ کبرسنی امارتِ کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اِس کی جگہ گورنر بنایا جائے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ اِس پر نادم ہوئے اور اُنہوں نے آکر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں ولی عہد بنا دے! تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟۔ یزید نے کہا: ''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے۔'' معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اِس کو امارتِ کوفہ پر برقرار رکھا اور اِسے حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے کوشش کرو، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کوشش شروع کر دی......الخ۔'' [1]

[1] (تجلیات صفدر:۱/ ۵۲۱، ۵۲۲، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:۲۸۱، ۲۸۲)

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (مولانا اوکاڑویؒ) کے بیان کردہ ارشادات کا خلاصہ حسب

ذیل

ہے:

''۷-حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گورنری بچانے کے لئے حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا۔

۸-حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور بطورِ

انعام

گورنری پر برقرار رکھا۔

۱۳-اوکاڑوی صاحبؒ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی نیت پر بھی بدترین

حملہ کیا ہے کہ اُنہوں نے گورنری بچانے کے لئے یزید کی ولی عہدی کا مشورہ ہی نہیں دیا

بلکہ بڑی محنت کے ساتھ رُکاوٹیں دُور کیں اور راستہ ہموار کیا۔'' [۱]

الزام کا دفعیہ:

یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خبث باطن اور اُن کی اکابر دُشمنی ہے کہ وہ ہر سیدھی چیز کو اُلٹی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اکابر کی جو تحقیق یزیدیت ازم اور ناصبیت ازم کے خلاف پڑ رہی ہو وہ اُس کو ہر طرح سے ردّ کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

دراصل مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ ''اَلبدایۃ والنہایۃ'' سے نقل کیا ہے (جس پر قرینہ مولانا موصوف کے ترجمہ کے الفاظ ہیں) اور ابن خلدونؒ اور کامل ابن اثیرؒ میں بھی اِس واقعہ کے بعض حصوں کا ذکر ہے۔ لیکن نہ تو البدایہ والنہایہ میں کسی ایسی بات کا ذکر ہے کہ جس کی بناء پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی اِس تجویز کو ذاتی مفاد پر مبنی قرار دیا جائے اور نہ ہی مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ نے ترجمہ میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ البدایہ والنہایہ میں تو اور بھی زیادہ واضح اور صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ: ''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس خود آکر امارتِ کوفہ سے استعفاء دیا تھا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ براویت امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ل (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین:۲۸۳،۲۸۴)

" فروي ابن جرير من طريق الشعبي أن المغيرة كان قد قدم علي معاوية و أعفاه من امرة الكوفة فأعفاه لكبره وضعفه وعزم علي توليتها سعيد بن العاص فلما بلغ ذلک المغيرة كأنه ندم فجاء الي يزيد بن معاوية فأشار عليه بأن يسأل من أبيه أن يكون ولي العهد فسأل ذلک من أبيه فقال : من أمرک بهذا؟ قال: ألمغيرة فأعجب ذلک معاوية من المغيرة ورده الي عمل الكوفة وأمره أن يسعي في ذلک ...... ألخ ." ل

ترجمہ: ابن جریرؒ نے شعبیؒ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور امارتِ کوفہ سے استعفاء دیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُنہیں اُن کے ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے امارت کوفہ سے معزول کردیا، اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اِس کی جگہ گورنر بنایا جائے، تو مغیرہ رضی اللہ عنہ اِس پر نادم ہوئے اور اُنہوں نے آکر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمھیں ولی عہد بنادے! تو یزید نے باپ سے عرض کردیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمھیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے کہا: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے!۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اِس کو امارتِ کوفہ پر برقرار رکھا اور اِسے حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے کوشش کرو......الخ۔"

ل (ألبداية والنهاية لابن كثير : ٨٦/٨ ، ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت بہ وجوہ ناقابل قبول ہے:

۱- اوّلاً تو اِس وجہ سے کہ اِس کی سند میں علی بن مجاہد ہے جو متروک ہے۔ یحییٰ بن معین نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ وہ روایت کے لئے من گھڑت سند بھی بنالیتا تھا۔ اِس لئے یہ روایت

انتہائی ضعیف ہے۔

۲-ثانیاً اِس وجہ سے کہ اکثر مؤرخین کے نزدیک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ۵۰ھ میں وفات پا گئے تھے۔ایک قول ۵۱ھ کا اور ایک قول ۴۹ھ کا بھی ہے۔

اِس پر اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا تو وہ اپنی وفات تک وہاں کے گورنر رہے۔دوسری طرف یزید کی ولی عہدی کی بات ۵۶ھ میں شروع ہوئی تھی۔

صحیح بخاری میں صراحت ہے کہ مدینہ میں یزید کی ولی عہدی کا اعلامیہ گورنر مروان بن الحکم نے سنایا تھا۔(صحیح البخاري:ح ۴۸۲۷،کتاب التفسیر،باب والذي قال لوالدیہ) یہ بات طے ہے کہ مروان ۴۹ھ سے ۵۴ھ تک مدینہ منورہ کا گورنر نہیں تھا۔اِس دوران گورنری حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔مروان پہلے ۴۱ھ تا ۴۸ھ گورنر رہا اور پھر ۵۴ھ تا ۵۸ھ۔(دیکھئے تاریخ طبری،تاریخ خلیفہ،الکامل فی التاریخ اور البدایہ والنہایہ میں اِن سالوں کے حالات)

۴۱ھ سے ۴۸ھ تک ولی عہدی کا مسئلہ چھیڑا ہی نہیں گیا تھا۔اِس لئے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جب یہ اعلان مدینہ میں گورنر مروان نے سنایا تو یہ مروان کی امارتِ مدینہ کے دوسرے دور یعنی ۵۴ھ کے بعد ہی کسی سال میں ہوسکتا تھا۔اور مؤرخین نے لکھ دیا ہے کہ وہ ۵۶ھ تھا۔

اب پورے معاملے پر غور کریں کہ جب حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ۵۰ھ میں وفات پا گئے تو ۵۶ھ میں وہ یہ تجویز کیسے دے سکتے ہیں؟

یہ تاویل بے سود ہے کہ تجویز ۵۰ھ میں دی ہوگی اور اُس پر عمل سالوں میں ہوا ہوگا۔ کیوں کہ اسی روایت میں مغیرہ رضی اللہ عنہ کے کوفہ جا کر مہم چلانے اور دِمَشق وفد بھیجنے کا بھی ذکر ہے۔گویا روایت خود یہ بتا رہی ہے کہ اُنھوں نے صرف تجویز نہیں دی بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ولی عہدی کے لئے راہ بھی ہموار کی اور اُس کے لئے وفود بھیجے۔حالاں کہ معتبر روایات کے مطابق ولی عہد پر مشورہ اور اُس کا اعلان سب ۵۶ھ میں ہوا تھا۔غرض اِس

روایت کو گھڑنے والے نے تاریخ سے ناواقفیت کی بناء پر جگہ جگہ مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں۔(تاریخ اُمت مسلمہ:۲/ ۹۳۷، ناشر: المنہل گلستان جوہر یونی ورسٹی روڈ کراچی)

چلیں اگر اِس روایت کی صحت کو کسی درجہ تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی اِس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو عہدہ اور منصب کی خواہش دوبارہ واپس لائی تھی، اِس لئے کہ روایت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امارت کوفہ سے آپؓ کو خود معزول نہیں کیا تھا بلکہ آپؓ نے خود اپنے ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے استعفاء پیش کیا تھا اور آپؓ کو اِس عہدے اور منصب کی قطعاً کوئی خواہش نہ تھی۔

ایک سوال اور اُس کا جواب:

لیکن اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو گورنری کا اِتنا ہی زیادہ شوق تھا کہ وہ اُس کے لئے اُمت محمدیہ ﷺ کے مفاد کو قربان کر سکتے تھے تو سوال یہ ہے کہ پھر اُنہوں نے خود آ کر استعفاء کیوں پیش کیا؟۔تو اِس سوال کا ایک جواب تو وہ ہے جو علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے دیا ہے اور یہی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی سوئے ظن کی بناء پر مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ سے شکایت ہے کہ درحقیقت یہ استعفاء بھی اپنی قیمت بڑھانے کی ایک چال تھی۔اُنہیں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے اِن کو معزول کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا اُنہوں نے یزید کی ولی عہدی کو آڑ بنا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہی، مگر یہ سمجھا کہ اگر بحالاتِ موجودہ یہ رائے پیش کروں گا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھ جائیں گے کہ یہ تجویز محض گورنری بچانے کے لئے پیش کی جارہی ہے۔اِس لئے اُنہوں نے پہلے مصنوعی طور پر استعفاء پیش کر دیا، تاکہ لوگوں پر اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ واضح ہو جائے میں اُن کا سچا خیر خواہ ہوں اور پھر وہ زبردستی مجھے گورنر بنا دیں گے۔

لیکن اِس موقع پر یہ ذہن نشین رہے کہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الکامل فی التاریخ'' میں اِس واقعے کو بغیر کسی سند کے متعدد اضافہ جات کے ساتھ بڑی تفصیل سے پیش فرمایا ہے، جو اِس سے پہلے کسی دوسری تاریخ کی کتاب میں نہیں ملتے۔اِن کا اندازِ تاریخ نگاری یہ ہے کہ وہ واقعے کی ایک مکمل اور مربوط تصویر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور

اُس میں صحیح وضعیف کا لحاظ کیے بغیر ہر قسم کا مواد چن لیتے ہیں۔اور کسی چیز کی سند بیان نہیں کرتے۔پس کسی علمی بحث میں اِس قسم کی روایات کا کوئی وزن نہیں ہوسکتا۔(تاریخ اُمت مسلمہ:۲/ ۹۳۸، ناشر:المنہل گلستان جوہر یونی ورسٹی روڈ کراچی)

دوسرا جواب:

دوسرا جواب مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ کی طرف سے یہ دیا جاسکتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے واقعتاً خلوص کے ساتھ اپنے ضعف کی بناء پر استعفاء پیش کیا تھا،لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ کہے بغیر استعفاء منظور کر کے دوسروں کو گورنر بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ تمہارے استعفاء دینے سے امیر المؤمنین ناراض ہوگئے ہیں(جیسا کہ پرانے ماتحت کے اچانک استعفاء دے دینے سے عموماً افسر بالا کو گرانی ہوا کرتی ہے)اِس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ واضح کرنا چاہا کہ میں نے کسی رنجش یا ملت کے اُمور سے عدم دِل چسپی کی بناء پر استعفاء نہیں دیا، بلکہ ضعف کی بناء پر استعفاء دیا ہے،ورنہ جہاں تک اُمت کے اجتماعی اُمور کا تعلق ہے اُن سے میری دِل چسپی اَب بھی قرار ہے،جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو ولی عہد بنانا چاہتا ہوں جو میری نظر میں خلافت کا اہل ہے،اور اُس کی ولی عہدی میرے خیال میں اُمت کو افتراق سے بچاسکتی ہے۔اور اگر اِس مقصد کے لئے دوبارہ گورنری کی ضرورت پیش آئی تو میں یہ خدمت دوبارہ انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔

اِس واقعہ کی جو عبارت طبریؒ،ابن کثیرؒ اور ابن خلدونؒ نے نقل کی ہے اُس میں واقعہ کی اِن دونوں توجیہات کی یکساں گنجائش ہے،یہ عبارتیں نہ پہلے مفہوم میں صریح ہیں،نہ دوسرے مفہوم میں،بلکہ پہلے مفہوم پر بھی کچھ عقلی اعتراضات وارد ہوسکتے ہیں اور دُوسرے مفہوم پر بھی اور دونوں ہی صورتوں میں واقعہ کے مبہم خلاء کو قیاسات سے پر کرنا پڑتا ہے۔

اب یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ پہلے مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں یا دوسرے مفہوم کو۔خود ہمارا اور مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ سمیت تمام علمائے اہل سنت کا ضمیر یہ کہتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی جلالت شان اور اُن کے مقام صحابیت کے پیش نظر دوسرا

مفہوم اختیار کیا جائے، کیوں کہ جس صحابی کی ساری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی خدمت میں گزری ہو، اُس سے محض اقتدار کی مدت کچھ اور بڑھانے کی خاطر جھوٹ، فریب، رِشوت، ضمیر فروشی اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری جیسے سنگین اور گھناؤنے جرائم کا ارتکاب بعید از قیاس بلکہ ناممکن نظر آتا ہے، اِس لئے اِس تاریخی واقعہ کی جو تعبیر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ ابن اثیرؒ کے حوالے سے مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ سے سوئے ظن کی بناء پر اختیار کی ہے بالکل جھوٹ، غلط اور اصل واقعہ کے خلاف ہے۔

﴿۲۲﴾

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۳/ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۶/ جنوری ۲۰۰۴ء)

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ بمطابق ۲۰/ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو بمقام "بھیں"، ضلع چکوال مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ عیہ کے یہاں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۵۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے داخلہ لیا۔ اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب مولانا محمد اعزاز

علیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور مفسر قرآن علامہ شمس الحق افغانی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ جب کہ شیخ الاسلام
مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل ہے۔

دیوبند سے فراغت اور وطن مراجعت کے بعد ابتلاء میں مبتلاء ہو گئے۔ اس کا آغاز خود قاضی صاحبؒ کے بقول یوں ہوا کہ گاؤں کے ایک متنازعہ مکان کے سلسلہ میں دوسرے گاؤں سے آئے ہوئے ایک شخص کے وار کے دفاع میں میرے طرف سے اُسے ایک کاری ضرب لگ گئی، وہ بھاگ کھڑا ہوا، میں نے اُس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے پکڑا لیکن پھر اس کے کہنے پر اسے چھوڑ بھی دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ہسپتال میں دم توڑ گیا۔ میں نے مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے ورثہ سے معافی مانگنے کے سلسلہ میں استفسار کیا تو آپؒ نے فرمایا اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

ہاشمی صاحب کا زبردست قیاس مع الفارق:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مذکورہ بالا واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موصوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادی ودفاعی اقدام کو تو برملاء اور بہ تکرار غلط کہتے ہوئے انہیں ''مخطی'' قرار دیتے ہیں، جب کہ اپنے دفاعی اقدام کو صحیح سمجھتے ہیں۔''[1]

ضروری نہیں کہ عدم ضرورت صحت کو بھی مستلزم ہو!

یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا اپنا اجتہاد ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رہائی کے بعد مقتول کے ورثاء سے معافی مانگنے کی عدم ضرورت کا مطلب یہ لے رہے ہیں کہ اس سے قاضی صاحبؒ اپنا دفاعی اقدام صحیح سمجھ رہے ہیں۔ اِس لئے کہ کسی کام کی عدم ضرورت اُس کام کی صحت کو ہر گز مستلزم نہیں ہوتی۔ یعنی یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں کہ جو کام ضروری نہ ہو وہ صحیح بھی ہو، بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک کام ضروری بھی نہ ہو اور صحیح بھی نہ ہو۔ چناں چہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا تھا کہ اُنہوں نے اپنے استاد کے مشورہ پر عمل

کرتے ہوئے مقتول کے ورثہ سے معافی مانگنے کو ضروری نہیں سمجھا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اس دفاعی کام کو صحیح نہیں بلکہ غلط سمجھتے تھے۔ باقی اِس میں شک ہی کیا ہے کہ مصالحت کر لینے کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ''مجتہد مخطی'' تھے۔ اِس پر جمہور علمائے اہل سنت کا اجماع ہے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کر لینے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سابقہ اجتہاد کو ''صواب'' کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ ہاشمی صاحب کا اپنا قیاس ہے جو مع الفارق ہونے کے ساتھ ساتھ مضحکہ خیز بھی ہے۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''(قاضی صاحب نے) اسلام کی ساری تاریخ میں پہلی مرتبہ ''خلافت راشدہ'' کے جواب میں ''حق چار یار'' کے نعرے کا بھی اجراء فرمایا۔...... اہل تشیّع کا مقصد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خارج قرار دینا تھا، جب کہ اہل سنت کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر کے چاروں خلفاء کا دفاع کرنا تھا۔ خلافت کے حوالے سے ''حق چار یار'' کے نعرے سے یہ تصور اُبھرتا ہے کہ بس یہی چار خلفاء ''حق'' ہیں۔ کیا باقی خلفاء صحابہ (حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت مروان رضی اللہ عنہم) ''حق'' نہیں ہیں؟ کوئی مؤمن بالقرآن خلفائے اربعہ کے علاوہ باقی خلفاء صحابہؓ کے ''برحق'' ہونے کی نفی نہیں کر سکتا۔ جب خلفاء صحابہ بھی ''حق'' ہی ہیں تو پھر ''حق چار یار'' کا نعرہ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟ جس کا خیال پوری اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ صرف اور صرف حضرت قاضی صاحب کو یاد آیا۔ یہ نعرہ سراسر منفی ہے جو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''خلفائے راشدین'' کی فہرست سے خارج کرنے ہی کے لئے ''وضع'' کیا گیا ہے۔ [۲]

''حق چار یار'' سے مراد ''خلافت راشدہ'' موعودہ کا اثبات ہے!:

اِس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ ''حق چار یار'' کے نعرے سے

صرف اور صرف ''حضرات خلفائے اربعہ (حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمانِ غنی اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ) کی قرآنی خلافت راشدہ موعودہ مراد ہے۔ اور علمائے اہل سنت اسے صدیوں سے عقیدے کا درجہ دیتے چلے آرہے ہیں۔

ا (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۲۸۸)

۲ (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۴۱، کاجی فتنہ حصہ دوم ص ۶۴۶ طبع اوّل بحوالہ: سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ۲۹۰، ۲۹۱)

امام طحاوی رحمہ اللہ کا حوالہ:

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:

" ونثبت الخلافة بعد رسول الله صلي الله عليه وسلم أولا لأبي بكر الصديق رضي الله عنه تفضيلا له وتقديما علي جميع الأمة ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه ثم لعثمان رضي الله عنه ثم لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون ."

ا

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خلافت ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں، کیوں کہ وہ تمام اُمت پر مقدم اور افضل ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں اور پھر حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں۔ اور یہی (چار حضرات) خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں۔

امام ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابو الاحسن الاشعری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۴ھ) حضرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل سنت کا اعتقاد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ويقرون أنهم الخلفاء الراشدون المهديون ." ۲

ترجمہ: اہل سنت اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہی (چار حضرات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر ؓ حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ) خلفائے راشدین، مہدیین ہیں۔ (ترجمہ ختم)

امام الحرمین رحمہ اللہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابوالمعالی امام الحرمین الجوینی رحمہ اللہ (المتوفی ٤٧٨ھ) لکھتے ہیں:

ا (ألعقيدة الطحاوية لأبي جعفر الطحاوي : ١/٨١ ، ألناشر : ألمكتب الاسلامي ، بيروت)

٢ (مقالات الاسلاميين و اختلاف المصلين للأشعري : ١/٢٢٨ ، ألناشر : ألمكتبة العصرية)

" ألخلفاء الراشدون ...... بعد رسول الله (صلي الله عليه وسلم)أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم أجمعين ." ا

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ؓ ہیں۔ (ترجمہ ختم)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کا حوالہ:

اسی طرح حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ (المتوفی ٥٠٥ھ) لکھتے ہیں:

" فأما الخلفاء الراشدون فهم أفضل من غيرهم ." ٢

ترجمہ: بہرحال خلفائے راشدین ؓ دیگر صحابہ ؓ سے افضل ہیں۔

امام عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابومحمد تقی الدین عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی ٦٠٠ھ) حضرات خلفائے اربعہ ؓ کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

" فهؤلاء الخلفاء الراشدون المهديون ." ٣

ترجمہ: پس یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین، مہدیّین ہیں۔

علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ ابومحمد موفق الدین ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۲۰ھ) حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

" هٰؤلاء الخلفاء الراشدون المهديون ." ؎۴

؎۱ (لمع الأدلة في قواعد عقائد أهل السنة والجماعة لامام الحرمين ألجويني : ۱۲۹/۱ ، ألناشر : عالم الكتاب ، لبنان)

؎۲ (ألاقتصاد في الاعتقاد للغزالي : ۱۳۲/۱ ، ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

؎۳ (ألاقتصاد في الاعتقاد للمقدسي: ۲۰۰/۱ ، ألناشر : مكتبة العلوم والحكم ، ألمدينة المنورة ، ألسعودية) و (عقيدة الحافظ تقي الدين عبد الغني بن عبد الواحد المقدسي : ۹۹/۱ ، ألناشر : مطابع الفردوس ، ألرياض ، ألسعودية)

؎۴ (لمعة الاعتقادلابن قدامة ألمقدسي: ۳۶/۱ ، ألناشر:وزارةالشؤون الاسلامية والأوقاف والدعوةوالارشاد،ألسعودية)

ترجمہ: یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین، مہدیین ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۱۱ھ) حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" فهم الخلفاء الراشدون ." ؎۱

ترجمہ: پس یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین ہیں۔

اکابر علمائے اہل سنت کی اِن واضح اور دوٹوک تصریحی عبارات سے معلوم ہوا کہ اہل روافض کے ردّ میں علمائے اہل سنت نے جو "خلفائے اربعہ" کی اصلاح ایجاد کی تھی، اسی کو حضرت قاضی صاحب نے اپنے الفاظ میں بطورِ نعرہ کے جاری فرمایا، جس سے یہی تاثر اُبھرتا ہے کہ یہ چاروں خلفاء ایک دوسرے کے مخالف نہیں تھے بلکہ آپس میں ایک دوسرے

دست وبازو تھے۔

اور یہ بات تو بالکل ہی خلافِ تحقیق بلکہ ضدوہٹ دھرمی پر مبنی ہے کہ اسلام کی ساری تاریخ میں پہلی مرتبہ (حضرت قاضی صاحب نے) خلافت راشدہ کے جواب میں ''حق چاریار'' کے نعرے کا اجراء فرمایا۔

اِس لئے کہ اگر تعصب اور ہٹ دھرمی کا چشمہ اُتار کر اسلام کی تاریخ کا بہ غور مطالعہ کیا جائے تو ایسے کئی ادوار کی مثالیں سامنے آتی ہیں جن میں خلافت راشدہ موعودہ کی بناء پر حضرات خلفائے اربعہ کو ''چاریار'' کہا جاتا رہا ہے۔

چناں چہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ ہی تحریر فرماتے ہیں:

''امتیازی اور موعودہ خلافت راشدہ کی بناء پر اِن خلفائے اربعہ کے لئے ''چاریار'' کی اصطلاح تو قدیمی ہے۔ چناں چہ:

ا۔سکندر نامہ (فارسی) (جو دینی درس گاہوں میں فارسی نصاب کی آخری کتاب ہوتی تھی) میں حضرت نظامی گنجوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''

بہ از گوہر جاں نثارش کنم

ثنا خوانیٔ چاریارش کنم

ب: بدائع منظوم (فارسی) (درسی کتاب) تصنیف ۱۱۲۳ھ میں ہے:

شکر دیگر کہ آمدم بہ حساب

از محبانِ آل وہم اصحاب

بہ خصوصِ آں چہار عنصر دیں

خلفائے رسول حق بہ یقیں

ج: نام حق (فارسی) تصنیف ۶۹۳ھ میں حضرت شرف الدین بخاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

شکر حق را کہ پیشوا داریم

پیشوائے چوں مصطفیٰ داریم
اُمت اَوو دوست دارے ایم
دوست دار چہار یاروی ایم
(کلیاتِ امدادیہ)

ایک صدی پہلے اکابر دیوبند کے مرشد اعلیٰ امام چشتیہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے اپنے اشعار میں ''چاریار'' کی نشان دہی فرمائی تھی۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

چار اُس کے ہیں چاروں خاص حق
ساری اُمت پر وہ رکھتے ہیں سبق
ہیں ابوبکر وعمر وعثمان وعلی
دوست پیغمبر کے اور حق کے ولی

سنی سلاطینِ اسلام کو عقیدۂ خلافت راشدہ اور اسلام وایمان ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ '' کے تحفظ کا اتنا دینی احساس تھا کہ اُنہوں نے اپنے شاہی سکوں پر درمیان میں کلمہ طیبہ اور اِرد گرد ابوبکر، عمر، عثمان، علی چاروں خلفائے راشدین کے نام کندہ کیے تھے۔ چناں چہ جلال الدین اکبر بادشاہ کا سکہ بھی اسی طرح کا ہے، جس پر دوسری طرف اُس کا نام اور ۹۱۱ھ کندہ ہے۔ آئین اکبری میں اکبر بادشاہ کے سکہ کے متعلق لکھا ہے: '' سکے کے دوسری طرف وسط میں کلمہ طیبہ اور ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب لکھا ہوا ہے۔ اور چاروں طرف حضرات چار یار کے اسمائے گرامی کندہ ہیں۔ (آئین اکبری: جلد اول ص ۱۰۱) علاوہ ازیں شاہ جہاں بادشاہ کے سکہ پر بھی کلمہ طیبہ اور چار یار کے نام کندہ ہیں۔ اور صفدر حیات خان صفدر کی مؤلفہ کتاب ''عہد مغلیہ مع دستاویزات: ص ۲۵۳'' پر لکھا ہے کہ: ''شیر شاہ سوری کے دور میں سکوں پر دو قسم کی زبان کے الفاظ کندہ ہوتے تھے۔ ایک طرف فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں بادشاہ کا نام، سنہ اور ٹکسال کا نام ہوتا تھا۔ دوسری طرف درمیان میں کلمہ ہوتا تھا۔ سنی العقیدہ ہونے کے باعث کلمہ کے چاروں طرف خلفائے راشدین کے نام کندہ ہوتے تھے۔ اہل السنّت والجماعت کی مساجد میں یہ شعر

لکھنے کا رواج چلا آ رہا ہے:

چراغ و مسجد و محراب و منبر

ابوبکر و عمر و عثمان و حیدر

اِس میں بھی خلفائے اربعہ کی خلافت راشدہ کی نشان دہی پائی جاتی ہے۔ ورنہ اصحاب و یارانِ رسول کی تعداد تو تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت قاضی صاحب نے اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے ''حق چار یار'' کے نعرے کا اجراء نہیں کیا بلکہ آپ سے پہلے بھی علمائے اہل سنت ''خلفائے اربعہ'' کے جواب میں ''حق چار یار'' کا نعرہ لگاتے آئے ہیں۔

ہاشمی صاحب کا اپنے ہی اُصول سے انحراف:

دوسری بات یہ کہ یہاں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے خود اپنے اُصول کی خلاف ورزی کی ہے۔ اِس لئے کہ اُنہوں نے یہ اُصول اپنا رکھا ہے کہ: ''عام مؤرخین کے مقابلے میں خود صاحب معاملہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا ہی زیادہ صحیح ہے۔'' (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۳۰) تو جب حضرت قاضی صاحب نے اپنی مراد کی وضاحت بھی فرما دی کہ: ''چار یار'' سے وہی چار ''خلفائے راشدین'' مراد ہیں، جن کو قرآنی وعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ عطاء فرمائی ہے۔'' (خارجی فتنہ: حصہ اوّل ص ۳۹۲) تو پھر سوال یہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب جیسے عام شخص کے مقابلے میں صاحب معاملہ یعنی حضرت قاضی صاحب کے اپنے قول کو ترجیح دینا ہی زیادہ صحیح کیوں کر نہیں ہوسکتا؟

بات دراصل یہ ہے کہ ''حق چار یار'' کے نعرے سے شیعوں کے اُس عقیدہ پر ضرب لگانی مقصود ہوتی ہے جس میں وہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو (العیاذ باللہ!) ظالم، غاصب، بلکہ کافر و مرتد تک قرار دیتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل قرار دیتے ہیں۔ تو اُس کا ردّ کرتے ہوئے علمائے اہل سنت اِن چاروں خلفاء کا ذکر ''خلفائے اربعہ'' کے نام سے ایک ساتھ ہمیشہ کرتے آئے ہیں، تاکہ اِس سے رافضیت کا پروپیگنڈا ٹھنڈا پڑے اور اِس بات کا تاثر سامنے آئے کہ یہ چاروں حضرات خلفائے راشدین

باہم ایک دوسرے کے دُشمن اور مخالف نہیں بلکہ آپس میں شیر وشکر تھے۔ گویا علمائے اہل سنت ''حق چار یار'' کا نعرہ لگا کر روافض کو یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے تم تو صرف ایک یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کے قائل ہو، اور ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت چاروں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے برحق ہونے کے قائل ہیں۔

چناں چہ خود مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۴۲۵ھ) لکھتے ہیں:

''چار یار'' سے وہی چار خلفائے راشدین مراد ہیں، جن کو قرآنی وعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ عطا فرمائی ہے۔ اِس خلافت راشدہ کے اعلان کے جواب میں ''چار یار'' پکارا جاتا ہے اور قرآن کی خلافت راشدہ کا مصداق صرف یہی چار خلفاء ہیں، جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' میں چار یار ہی کے عنوان سے اِن کا امتیاز کیا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ گو برحق خلیفہ ہیں اور اِن کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ

[1] (حقيقة السنة والبدعة ألأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع للسيوطي : ۲۰۹/۱ ، ألناشر : مطابع الرشيد)

بھی خلیفہ برحق ہیں اور اِن کو رُشد وہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت اِن کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اوّلین کے ساتھ مختص ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔'' [1]

گویا ''حق چار یار'' کا نعرہ خلافت راشدہ منصوصہ کے حق میں قید احترازی کے طور پر لگایا جاتا ہے، بعد کے نیک خلفاء کے برحق نہ ہونے سے قید احترازی کے طور پر ہرگز نہیں لگایا جاتا۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ انوکھی سوچ ہے کہ وہ ہر سیدھی بات کو بھی اُلٹی نگاہ ہی سے دیکھتے ہیں، غالباً وہ پاؤں اوپر اور سر نیچے کر کے جی رہے ہیں، تب ہی تو سب کچھ اُنہیں اُلٹا دکھائی دے رہا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ:

ہنر بہ چشم عداوت بزرگ ترعیب است
گل است وسعدی ودر چشم دُشمناں خاراست

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے قول وفعل میں تضاد:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ایک جگہ حضرت قاضی صاحب کی نیت پر بے جا حملہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ:

''(حق چار یار'' کا) یہ نعرہ سراسر منفی ہے جو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کی فہرست سے خارج کرنے کے لئے ہی ''وضع'' کیا گیا ہے۔(سیدنا معاویہؓ کے ناقدین:ص ۲۹۱)

جب کہ اسی صفحہ کے آخر میں ایک دوسری جگہ اپنی پارٹی کا ناحق دفاع کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے والوں کو ''یزیدی، ناصبی اور خارجی'' قرادے کر اہل سنت والجماعت بلکہ صحیح تر الفاظ میں ''تحریک خدام اہل سنت'' سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ دل کے بھیدوں کو جاننے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔(سیدنا معاویہؓ کے ناقدین:ص ۲۹۱، ۲۹۲)

پھر معلوم نہیں کہ ''جب دل کے بھیدوں کو جاننے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے'' (اور یقیناً وہی ہے) تو پھر سوال یہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت قاضی صاحب کے دل کے بھید کو کیسے ٹٹول لیا کہ ''اُنہوں نے ''حق چار یار'' کے نعرے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کی فہرست سے خارج کرنے کے لئے ہی ''وضع'' کیا تھا ؟'' یقیناً یہ حضرت قاضی صاحب کی نیت پر بدترین ڈاکہ زنی ہے جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے موصوف کی وفات کے تقریباً آٹھ سال بعد اپنے بڑھاپے کے زمانے میں ڈالی ہے۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قاضی صاحب کے توہین و تنقیص پر مبنی چند ''افکار'' نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں:

''اور چوں کہ وعدۂ خداوندی حکومت و خلافت کا مؤمنین صالحین ہی کے لئے تھا اس لئے ثابت ہوا کہ ارادۂ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحابِ اربعہ کو ہی منصب خلافت عطاء کیا جائے گا، اس لئے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مؤمن بالقرآن انکار نہیں کرسکتا۔ برعکس اس کے اگر ﴿ **منکم** ﴾ اور ﴿ **ألذین أخرجوا من دیارهم** ﴾ کو نظر انداز کردیا جائے اور اس وعدۂ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مؤمنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا، پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا۔ اور خلفائے اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہوجائے گا کہ وہ مؤمنین صالحین میں سے تھے، مخالفین کے لئے بحث کا دروازہ کھل جائے گا۔'' [۲]

[۱] (خارجی فتنہ: ۱/۳۹۲، ناشر: خدام تحریک اہل سنت والجماعت، پاکستان)

[۲] (موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ: ص ۳۹ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۳۰۳)

''اس عبارت سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قاضی صاحبؒ کے نزدیک ''مؤمنین صالحین میں سے نہیں تھے۔ اگر وہ مؤمن صالح ہوتے تو پھر انہیں ضرور خلیفہ راشد تسلیم کرلیا جاتا۔'' [۱]

ہاشمی صاحب کا دجل اور قاضی صاحبؒ کی عبارت کی توضیح:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل و فریب ملاحظہ فرمائیے کہ وہ حضرت قاضی صاحب کی ایک ایسی عبارت سے اپنی مرضی کا مطلب کشید کر کے موصوف کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص پر استدلال کررہے ہیں جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام تک نہیں ہے۔ اور وہ اِس کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں کہ (معاذ اللہ!)

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مؤمن صالح ہی تسلیم نہیں کیا ورنہ خلیفہ راشد ضرور تسلیم کر لیتے۔ حالاں کہ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کسی بھی طرح سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ادنیٰ گستاخی بھی نہیں پائی جاتی۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تو محض سمجھانے کی غرض سے ایک مثال بیان فرما رہے ہیں کہ اگر بالفرض آیت استخلاف سے ﴿ منکم ﴾ اور آیت تمکین سے ﴿ألذین أخرجوا من دیارھم ﴾ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اِس وعدۂ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے تو قیامت تک آنے والے تمام خلفاء کا مؤمنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا اور پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا، حالاں کہ اُن میں بہت سے فاسق و فاجر بھی ہوں گے۔ لہٰذا خلفائے اربعہ کے بعد کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مؤمنین صالحین میں سے تھا یا نہیں اور اِس طرح کرنے سے مخالفین کے لئے بحث کا ایک نیا دروازہ کھل جائے گا۔

لہٰذا حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی اِس عبارت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مؤمنین صالحین میں سے نہیں تھے کہ اگر وہ مؤمن و صالح ہوتے تو ضرور اُنہیں خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جاتا۔'' بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ مؤمنین صالحین میں سے تھے اور خلیفہ برحق تھے۔ لہٰذا اُن کو رُشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآنِ مجید کی اِس خاص اصطلاح کے تحت اُنہیں خلیفہ راشد ہرگز نہیں کہہ سکتے، اِس لئے کہ یہ خلافت راشدہ صرف مہاجرین اوّلین کے ساتھ ہی خاص ہے کیوں کہ وہ اِس آیت کے بہ راہِ راست مخاطب ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو مہاجرین اوّلین میں سے ہیں اور نہ ہی وہ اِس آیت کے بہ راست مخاطب ہیں کیوں کہ وہ اِس آیت کے نازل ہونے کے وقت ابھی تک ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔

دوسرے یہ کہ جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی اِس عبارت میں تو حضرت معاویہ رضی اللہ کا نام بلکہ آپؓ کی ذات مبارکہ کی طرف اشارہ تک نہیں ہے، اِس لئے کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے تو علی الاطلاق قیامت تک آنے والے تمام مسلم حکم رانوں کی بات کی ہے، جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر آیت تمکین و استخلاف میں ﴾

منکم ﴾ اور ﴿ **ألذين أخرجوا من ديارهم** ﴾ کی قیدیں نہ ہوتی تو پھر یزید، حجاج مامون، معتصم اور پرویز مشرف جیسے بدعتی اور فاسق حکمران بھی اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق قرار دیتے۔

لے (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۳۰۳)

چنانچہ ''آیت تمکین'' و ''آیت استخلاف'' کی تشریح کرتے ہوئے خود حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''آیت تمکین'' میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایک اعلان فرمایا ہے (جن کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا تھا اور وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے) کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت واقتدار دے دیں تو وہ ضرور اِن چار کاموں کی تکمیل کریں گے، اور چوں کہ اِن مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف اِن چار اصحاب رضی اللہ عنہم ہی کو ملکی اقتدار عطا فرمایا ہے، یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اِس لئے حسبِ اعلانِ خداوندی قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لئے یہ قطعی عقیدہ لازم ہے کہ اِن چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم نے ضرور وہ کام سرانجام دیئے ہیں جن کا اِس آیت میں ذکر ہے، یعنی اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اور اگر کوئی شخص باوجود اِس اعلانِ خداوندی کے اِن خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو برحق تسلیم نہیں کرتا تو وہ اِس آیت کا منکر ہے اور اُس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مذکورہ اعلان صحیح ثابت نہیں ہوا۔ العیاذ باللہ!۔ اور اِس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جا سکتا کہ مذکورہ تمکین واقتدار کا وعدہ مابعد کے خلفاء کے لئے ہے، کیوں کہ یہ اعلان ﴿ **ألذين أخرجوا من ديارهم** ﴾ کے لئے ہے، جو مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، اور سوائے اِن چار خلفاء کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اور کسی مہاجر صحابی کو خلافت نہیں ملی۔ اسی بناء پر اِن چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت کو خصوصی طور پر ''خلافت راشدہ'' کہتے ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت ہے، اور یہ خلافت اِن چار یار رضی اللہ عنہم ہی میں منحصر ہے...... اسی طرح ''آیت استخلاف'' میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ایمان وعمل صالح والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے جو اِس آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے، جس پر لفظ ﴿ منکم ﴾ دلالت کرتا ہے۔ اور چوں کہ نبی کریم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمانِ ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہی خلافت اور جانشینی کا عظیم شرف نصیب ہوا ہے، اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن خلفاء کے متعلق اِس آیت میں وعدہ فرمایا تھا وہ یہی چار ہیں اور اِن کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے، اور اگر اِن چار خلفاء کو اِس آیت کا مصداق نہ قرار دیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ثابت نہیں ہوسکتا، اور آیت میں ﴿ منکم ﴾ کی قید کی وجہ سے بعد کے خلفاء اِس آیت کا مصداق قرار نہیں دیے جاسکتے، خواہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما اور خواہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا قربِ قیامت میں پیدا ہونے والے حضرت مہدی علیہ السلام جو اُمت محمدیہ ﷺ کے آخری ہادی اور مجدد ہوں گے، اور جن کی عادلانہ اسلامی حکومت کے بارے میں احادیث میں پیش گوئی موجود ہے۔ اِن مابعد خلفاء کو بعض حضرات نے جو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے تو وہ لغوی معنی میں ہے کہ اِن کی حکومتیں بھی برحق خلافتیں ہیں اور وہ بھی رُشد و ہدایت والے ہیں۔ لیکن اصل خلفائے راشدین یہی خلفائے اربعہ (چار یار) ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت کا صحیح مصداق ہیں اور ان کے بعد آنے والے خلفاء اِس آیت کے موعودہ خلفاء نہیں قرار دیے جاسکتے، کیوں کہ حسبِ آیت تمکین اِس آیت استخلاف سے مراد بھی وہی خلفاء ہیں جو مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہوں گے۔'' [1]

اِس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن خلفاء کے متعلق آیت تمکین میں یہ

فرمایا ہے کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت واقتدار دے دیں تو وہ ضرور اِن چار کاموں (اقامت صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کی تکمیل کریں گے، تو وہ یہی چار خلفاء یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ نے ملکی اقتدار اور خلافت عطا فرمائی، اور اِنہی چار خلفاء کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے۔ اِن کے بعد آنے والے دیگر خلفاء کو آیت تمکین میں بقید لفظ ﴿منکم﴾ کے اور آیت استخلاف میں بقید ﴿ألذین أخرجوا من دیارھم﴾ کے قرآنِ مجید کی موعودہ خلافت کا کسی بھی طرح مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

[۱] (سنی مؤقف: ص۵۲،۵۳)

قاضی صاحب کے حامیانِ یزید کے تعاقب پر ہاشمی صاحب کی برہمی:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''موصوف (حضرت قاضی صاحب) نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے والوں کو ''حامیانِ یزید'' قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: ''حامیانِ یزید جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآنِ مجید کی آیت ﴿أولئک ھم الراشدون﴾ کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں، یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے، لیکن اُن کا یہ استدلال غلط ہے۔'' [۱]

ہاشمی صاحب کا دجل اور قاضی صاحب رحمہ اللہ کی عبارت کی وضاحت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے مدعا پر مشتمل بارہ سطروں کے ایک پیرائے کو ڈیڑھ سطر میں بیان کر کے اُس کا سباق حذف کر کے اپنے دجل و تلبیس سے کام لیتے ہوئے قارئین باتمکین کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ (العیاذ باللہ!) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد ہی تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اُلٹا آپ رحمہ اللہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے والوں کو ''حامیانِ یزید'' قرار دیتے ہیں، حالاں کہ حقیقت میں

ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ اگر آپ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا فسوں خود ٹوٹتا ہوا نظر آئے گا۔

چنانچہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''خلیفہ راشد'' کے لغوی و اصطلاحی معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حامیانِ یزید جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآنِ مجید کی آیت ......﴿ أولئک هم الراشدون ﴾ کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں، یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بہ حیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے، لیکن اُن کا یہ استدلال غلط ہے۔ بے شک شخصی طور پر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی راشد ہیں اور حضرت امام

ل خارجی فتنہ حصہ دوم: ٦٤٦ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۳۰۲)

بلکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مع اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنت کے جوانوں کے سردار ہیں لیکن بوجہ مہاجرین اوّلین میں نہ ہونے کے قرآنِ مجید کے موعودہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں شمار نہیں ہوسکتے اور ﴿عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين﴾ میں بھی وہی قرآن کے معیاری چار خلفائے راشدین مراد ہیں، کیوں کہ اِن چار کی خلافت باقتضائے نص قرآنی اللہ تعالیٰ کی ہر طرح سے پسندیدہ خلافت ہے۔ لہٰذا شرعی اصطلاح میں سوائے اِن خلفائے اربعہ (چار یار) کے اور کوئی خلیفہ راشد نہیں ہوگا اور لغوی معنی میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم جو منصب خلافت پر متمکن ہوئے ہیں یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی خلیفۂ راشد ہوں گے۔''

ل

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطلق خلیفۂ راشد ہونے کا ہرگز انکار نہیں فرمایا بلکہ جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے اصطلاحی خلیفہ راشد ہونے کا انکار فرمایا ہے، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے بھی اصطلاحی خلیفہ راشد ہونے کا انکار فرمایا ہے، اس لئے کہ آیت تمکین و آیت استخلاف کی رُو سے اصطلاحی خلفائے راشدین صرف خلفائے اربعہ (چار یار) ہی ہیں، البتہ لغوی اعتبار سے آپؒ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تینوں حضرات کو خلیفہ راشد کہا ہے، اور اِس میں کوئی اشکال نہیں۔

البتہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اصطلاحی خلیفہ راشد قرار دینے والوں کو ''حامیانِ یزید'' کہنا بالکل مبنی بر حقیقت ہے، کیوں کہ یہ نیا عقیدہ وہی لوگ الاپ رہے ہیں جو دراصل یزیدی ہیں اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آڑ لے کر یزید پلید کی حکومت کو خلافت راشدہ کا تسلسل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کو ''عقائد اہل سنت'' میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''از روئے تحقیق متقدمین و متاخرین اہل سنت والجماعت مشاجراتِ صحابہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ عقائد اہل سنت میں شمار کیا جاتا ہے۔'' کشف خارجیت: ص ۲۸) قاضی صاحب نے ''والذین اتبعوھم باحسان'' کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنا مؤقف واضح طور پر پیش فرمادیا ہے جسے کسی تاویل سے بھی صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ مؤقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''رضائے الٰہی'' سے محروم ظاہر کرتا ہے۔ کیوں کہ قاضی صاحب کے ارشادات کے مطابق:

۱- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضاء مہاجرین وانصار کی اچھے طریقے سے پیروی کے ساتھ مشروط تھی۔ ۲- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیروی کے بجائے نہ صرف قولاً وعملاً ڈٹ کر مخالفت کی بلکہ آخر وقت تک عدم اطاعت کے ساتھ ساتھ قتال بھی کیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ راشد وموعود یکے از سابقین اوّلین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ''اتباع باحسان'' رضائے الٰہی کی شرط آخر وقت تک پوری نہیں کی تو اِس کا نتیجہ اِس کے

علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ آخری وقت تک بھی ''رضي الله عنهم ورضوعنہ'' کے مصداق نہیں بن سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۳۰۶)

قاضی صاحبؒ پر حضرت علیؓ کو منصبِ نبوت پر فائز کرنے کا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''۲-آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بہ حکم ورضائے

خداوندی ''منصبِ

۱ (خارجی فتنہ: ۲/ ۴۷۷)

نبوت'' پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص لینے کی شرط پیش کردی۔'' ۱

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے کرتے قاضی صاحبؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''منصبِ نبوت'' پر بھی فائز کردیا۔ فیا أسفا! (ظاہر ہے کہ یہ ''کتابت'' کی غلطی ہے) ۲

''منصبِ خلافت'' کی جگہ ''منصبِ نبوت'' لکھنا کاتب کا سہو ہے!:

جی ہاں! بالکل آپ نے بجا فرمایا کہ واقعتاً یہ کتابت ہی کی غلطی ہے جو کاتب (کمپوزر) اور ناشر کے سہو و کاہلی کی وجہ سے کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں بھی درُست نہ ہوسکی۔ اصل لفظ ''منصبِ خلافت'' ہی ہے جو غلطی سے ''منصبِ نبوت'' لکھ دیا گیا۔ اِس لئے کہ ایک عام قسم کے سطحی آدمی سے اِس بات کی توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ''منصبِ نبوت'' جیسے عہدے پر فائز کرسکے تو پھر قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ سے ایسی کسی بات کی توقع کیوں کر رکھی جاسکتی ہے کہ اُنہوں نے حضرت علی رضی

اللہ عنہ کو ''منصبِ نبوت'' جیسے عہدے پر براجمان کر دیا ہے۔ یقیناً یہ کاتب (کمپوزر) اور ناشر کا سہو ہے جو اُن کی سستی و کاہلی کی وجہ سے بدقسمتی سے کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں بھی دُرست نہ ہو سکا جس پر ہم نے بھی اُنہیں متنبہ کیا ہے اور اُنہوں نے کتاب کے نئے ایڈیشن میں اِس غلطی کی تصحیح کا وعدہ فرمایا ہے۔ اُمید ہے کہ کتاب کے نئے ایڈیشن میں بہرحال اِس غلطی کا ازالہ کر دیا جائے گا۔

حضرت قاضی صاحبؒ کے الزامی جواب دینے پر نقدِ معاویہؓ کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''حضرت قاضی صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شروع سے ہی من جانب اللہ مستقل تھی اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپؓ کا دورِ خلافت عبوری نہ تھا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُس کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہ کی، بلکہ شرائط پیش کرتے رہے...... اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ''**والذین اتبعوھم باحسان**'' کے طبقہ میں تھے، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کی حسن اُسلوب سے پیروی کریں...... قاضی صاحب نے ''**والذین اتبعوھم باحسان**'' کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنا مؤقف واضح طور پر پیش کر دیا ہے جسے کسی تاویل سے بھی صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ مؤقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو رضائے الٰہی سے محروم ظاہر کرتا ہے۔ کیوں کہ قاضی صاحب کے ''ارشادات'' کے مطابق: (۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اللہ کی رضا مہاجرین و انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کے ساتھ مشروط تھی۔ (۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیروی کی بجائے نہ صرف قولاً و عملاً ڈٹ کر مخالفت کی، بلکہ آکر وقت تک عدم اطاعت کے ساتھ ساتھ قتال بھی کیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ راشد موعود یکے از سابقین اوّلین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ''اتباع باحسان'' کر کے رضائے الٰہی کی شرط آخری وقت تک پوری نہیں کی تو اِس کا نتیجہ اِس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آخری وقت تک بھی ''**رضي الله عنهم ورضوا عنه**'' کے مصداق نہیں بن سکے۔ انا

للہ وانا الیہ راجعون۔'' (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۲۰۴، ۲۰۶)

کہتے ہیں کہ: ''چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے'' پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں بھی اپنے اسی مکروفریب اور دجل و تلبیس کا مظاہرہ کیا ہے جو وہ شروع کتاب سے کرتے آرہے ہیں۔ چناں چہ موصوف نے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی ایک ایسی عبارت کو اپنے نشانے پر لے لیا جسے وہ اپنے مدمقابل کے سامنے الزامی جواب کے طور پر پیش فرما رہے تھے۔

اِس سے قبل مولانا محمد اسحاق سندیلوی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: ''اِن دستوری مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ حق انتخاب خلیفۂ بدری مہاجرین وانصار کے ساتھ مخصوص ہے۔ چناں چہ جب صفّین کے موقع پر بعض قرائے عراق نے بیچ میں پڑ کر فریقین کے درمیان مصالحت کی کوشش شروع کی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا کہ ہم لوگوں کے مشورے کے بغیر اِن کا انتخاب کیسے مکمل ہوگیا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

" **انما الناس مع المهاجرين و الأنصار فهم شهود الناس علي ولايتهم وأمر دينهم ورضوا وبايعوني .**" ترجمہ: سب (عام مسلمان) مہاجرین وانصار کے ساتھ ہیں، کیوں کہ یہی حضرات ان کی حکومت اور دینی اُمور کے بارے میں ان کے نمائندے ہیں اور وہ (یعنی مہاجرین وانصار) (میری خلافت) پر راضی ہوگئے اور اُنہوں نے مجھ سے بیعت کی) اِس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ بہت سے انصار ومہاجرین یہاں (شام) میں بھی موجود ہیں، اُن کی شرکت اور اُن کی ووٹوں کے بغیر انتخاب کو کیسے صحیح کہا جاسکتا ہے؟ جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''انما ھذا البدریین دون غیرھم۔'' یہ (انتخابِ خلیفہ کا حق) صرف اُن مہاجرین وانصار کو حاصل ہے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے اور کسی کو نہیں حاصل ہے۔'' ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے کا ماخذ سورۂ توبہ پارہ گیارہ کی مندرجہ ذیل آیت تھی: ''**والسبقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه .**'' مہاجرین وانصار میں سابقین اوّلین اور جن

لوگوں نے خوبی کے ساتھ پیروی کی اللہ تعالیٰ اُن سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ وجہ استدلال واستنباط یہ ہے کہ آیت مہاجرین وانصار میں سے سابقین اوّلین کو سب مسلمانوں کا متبوع اور مقتدا قرار دے رہی ہے اور اُن کی اتباع کو دوسرے مسلمانوں کے لئے رضائے الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے اِس لئے نصب خلیفہ کے معاملے میں بھی وہی متبوع ومقتدا سمجھے جائیں گے اور بدری ہی حضرات سابقون اوّلون میں تھے۔ان سے اوّل الذکر قول منقولہ بالا میں ان کی دوسری دلیل یعنی تعامل کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔حضرات خلفائے ثلاثہ کا انتخاب مہاجرین و انصار ہی نے کیا تھا۔اِس تعامل (Convention) میں تبدیلی کو وہ صحیح نہ سمجھتے تھے۔شرعی زاویۂ نظر سے ان کا مؤقف بالکل صحیح تھا اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں حق انتخاب کا معیار بھی بدل گیا، اب نصب خلیفہ کے حق کو بدری اصحاب یا مہاجرین وانصار تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پیش نظر سورۂ شوریٰ کی یہ آیت تھی: "**وأمرهم شوري بينهم**" اُن (یعنی صحابہ کرامؓ) کے کام باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔آیت عال اور سب صحابہؓ کو شامل ہے۔اِس لئے امر خلافت جو بہت اہم امر ہے سب کے مشورے سے انجام پانا چاہیے۔اور مہاجرین وانصار کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ کو بھی شریک مشورہ کرنا چاہیے۔اِس سے سب صحابہؓ کے لئے حق رائے دہی ثابت ہوتا ہے۔"

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ نے مولانا محمد اسحاق سندیلوی صاحب رحمہ اللہ کی اسی آیت "**والسبقون الاولون** ......**الخ**" کو (جو اُنہوں نے اپنے استدلال میں پیش فرمائی تھی) الزامی جواب کے طور پر اُن ہی کے خلاف پیش فرما ڈالی اور اُنہیں الزام دیا کہ آپ جس آیت سے استدلال کر کے نصب خلیفہ کے حق کو اصحابِ بدر یا مہاجرین و انصار تک محدود کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلط وکالت کر کے آیت شوریٰ کو دوبارہ انتخابِ عام کی دلیل میں پیش فرما رہے ہیں، وہی آیت اُصولی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف حق وصواب کی تائید کرتی ہے، کیوں کہ اِس میں اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے: (۱) مہاجرین اوّلین (۲) الانصار، اِن دونون طبقوں کا مقام

معیاری ہے: (۳) تیسرا وہ طبقہ ہے جو مہاجرین وانصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے۔ (**والذین اتبعوھم باحسان**) اِس تیسرے طبقے سے رضائے الٰہی مشروط ہے مہاجرین اوّلین اورانصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ۔اب سندیلوی صاحب ہی اپنے علم وفضل کا زور لگا کر جواب دیں کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ مہاجرین اوّلین میں سے ہیں۔ پھران کوموعودہ خلفائے راشدین میں سے چوتھا مقام حاصل ہے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔آپؓ تیسرے طبقے سے وابستہ ہیں۔ان کے لئے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی پیروی لازمی تھی بہ وجہ ان کے مہاجرین اوّلین میں ہونے اور بہ وجہ خلیفہ ہونے کے۔ بہرحال ازروئے نُص قرآنی حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی پیروی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لازم ہے،لیکن بہ جائے پیروی کے اُنہوں نے مخالفت کی اورصرف زبانی مخالفت نہیں بلکہ بہ جائے اطاعت کے قتال کیا (خواہ دفاعی ہی ہو) تو اِس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کوکون صحیح کہہ سکتا ہے؟ (خارجی فتنہ: جلد اوّل ص ۳۵۰......۳۵۳)

گویا حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ نے مولانا محمد اسحاق سندیلوی صاحب رحمہ اللہ کو یہ الزام دیا ہے کہ ”**والسبقون الاولون......الخ**“ والی جس آیت سے استدلال کرکے آپ نصب خلیفہ کے حق کواصحابِ بدر یا مہاجرین وانصار تک محدود کرکے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلط وکالت کرکے آیت شوریٰ کودوبارہ انتخابِ عام کی دلیل میں پیش فرما رہے ہیں،اُسی آیت سے اُصولی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف حق وصواب کی تائید ہورہی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی نمایاں ہورہی ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ پر حضرت معاویہؓ کی صریح توہین وتفسیق کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''قاضی صاحب اپنے ایک دوسرے جوابی مضمون میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صریح ''توہین وتفسیق'' کا ارتکاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''میرے پیش کردہ مذکورہ مؤقف پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ مولانا ابوریحان صاحب نے تو اجتہادی خطاوصواب کے حتمی اور یقینی ہونے پر یہ قید لگائی ہے کہ اِن کا یقینی ہونا کسی نص سے ثابت ہوجائے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے صواب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کے ثابت کرنے کے لئے کون سی نص پائی جاتی ہے؟۔ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا موعودہ خلفائے راشدین ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں:

''خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو جوان میں نیک ہیں، پیچھے ان کو حکومت دے گا، اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا، اور وہ بندگی کریں گے بغیر شرک۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا، پہلے خلیفوں سے اور زیادہ، پھر جو کوئی اِس نعمت کی

ناشکری کرے ان کو بے حکم (فاسق) فرمایا۔ جو کوئی ان کی خلافت کا منکر ہو اس کا حال سمجھا گیا:

(ومن کفر بعد ذلک فأولئک هم الفاسقون)۔"

حضرت دہلویؒ نے واضح فرمادیا کہ جو کوئی اِن چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم یعنی نافرمان ہے۔

اب فرمائیے کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ نہیں کی؟۔

(اس طرح قاضی صاحبؒ نے محقق اہل سنت مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی نوراللہ مرقدہ کے سوال کے جواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا "نص" سے ثابت کردی۔ معلوم نہیں کہ جو خطا "نص" سے ثابت ہو تو اُسے "خطائے اجتہادی" کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟۔)......[1]

نص سے ثابت ہونے والی اجتہادی خطا کو آخر کیا کہا جائے؟:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر آپ ہی بتائیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نص حدیث سے ثابت ہونے والی "اجتہادی خطاء" کو "خطائے اجتہادی" نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں؟ اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو خطاء خلیفہ برحق یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کی صورت میں واقع ہوئی تھی تو وہ حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اگر چہ حدیث عمارؓ: ﴿تقتلک ألفئة الباغية﴾ کی رُو سے بالاجماع بشری خطاء تھی، لیکن اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرفِ صحابیت، شرعی اجتہاد، اور علم وفضل کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کی بناء پر "خطائے اجتہادی" کہا جاتا ہے۔ ورنہ اگر یہی خطاء کسی عام شخص سے صادر ہوتی جو شرعی اجتہاد کے مقام پر فائز نہ ہوتا تو اُس پر گناہِ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام اجتہاد، آپ کا شرف صحابیت اور آپ کا علم وفضل یہ لازم کرتا ہے کہ اگر فسق ومعصیت کے اطلاق سے مفر کی کوئی شکل ہو تو اُسے اختیار کیا جائے اور وہ واحد شکل یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے

مقام اجتہاد، آپ رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت اور آپ رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کی بناء پر اِس خطاء کو ''اجتہادی خطاء'' قرار دیا جائے۔

چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

''جب کہ جمہور اہل سنت مانتے ہیں کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اقدام شرعاً غلط اور معصیت تھا، لیکن چوں کہ اس کی بنیاد اجتہادی خطاء پر تھی، اس لئے ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں، بلکہ ان کو اجتہاد کے ایک اجر کا مستحق جانتے ہیں، حالاں کہ اپنی غلطی سے انہوں نے کبھی رجوع نہیں کیا، اس پر قائم رہے اور دُنیا سے اسی حالت میں چلے گئے، اور یہ اہل سنت کا مشہور متفقہ مسلک ہے۔''

(شریعت و طریقت کا تلازم: ص ۲۴۹)

اسی طرح شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت نہایت مضبوط سے منعقد ہو چکی تھی اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلاشبہ غلط تھا اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''بغاوت'' کے ذیل میں آتا تھا جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہِ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا، لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر مبنی سہی لیکن دیانت دارانہ تھے اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل ''اجتہادی غلطی'' کے ذیل میں آتا ہے، اسی لئے ان پر طعن کرنا جائز نہیں۔''

(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق: ص)

یہ تو علمائے اہل سنت والجماعت کی انتہائی احتیاط ہے کہ اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام اجتہاد، آپ رضی اللہ عنہ کے شرفِ صحابیت اور آپ کے علم وفضل کے پیش نظر انتہائی تعظیم و تکریم سے کام لیا ہے اور کوشش کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے اِس عمل کی وجہ سے کسی بھی طرح آپ رضی اللہ عنہ پر فسق ومعصیت کا اطلاق نہ ہونے دیا جائے۔ مگر ناصبیت اِس پر کہاں راضی ہوتی ہے؟ بلکہ وہ تو مصر ہے اِس بات پر کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہرحال مصیب ہی مانا جائے چاہے کسی نص شرعی اور حدیث متواتر کا حلیہ ہی کیوں نہ بگاڑنا پڑے۔ **أعاذنا الله منه .**

[۱] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۳۰۷، ۳۰۸)

کتابیات

﴿١﴾ ...... ألقرآن الحكيم ـ ألمنزل من الله العلي الرحيم علي النبي الأمي الكريم صلي الله تعالي عليه وعلي آله وأصحابه وبارك وسلم ـ

﴿......آ......﴾

﴿٢﴾ ...... ألآحاد والمثاني لأبي بكر بن أبي عاصم أحمد بن عمرو بن الضحاك بن مخلد الشيباني(ألمتوفي سنة ٢٨٧هجرية) ألمحقق : د ـ باسم فيصل أحمد الجوابرة ، ألناشر : دار الراية ، ألرياض ، ألطبعة الأولي سنة ١٤١١ هجرية ألمطابق ١٩٩١ عيسوية ـعدد الأجزاء : ٦ـ

﴿٣﴾ ...... *آسان ترجمۂ قرآن، از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی زیدمجدہم، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی۔*

﴿......ا......﴾

﴿٤﴾ ...... ألأجوبة العراقية علي الأسئلة اللاهورية ، لشهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الآلوسي (ألمتوفي سنة ١٢٧٠ هجرية) ألناشر : مطبعة الحميدية ، بغداد ـ عام النشر : ١٣٠١هجرية ـ عدد الأجزاء : ١ـ

﴿٥﴾ ...... ألأحاديث المختارة أو المستخرج من الأحاديث المختارة مما لم يخرجه البخاري ومسلم في صحيحهما ، لضياء الدين أبي عبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسي (ألمتوفي سنة ٦٤٣ هجرية ـ دراسة وتحقيق : معالي الأستاذ الدكتور عبد الملك بن عبد الله بن دهيش ـ ألناشر : دار خضر للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان ـ ألطبعة الثالثة : ١٤٢٠ هجرية – ٢٠٠٠ عيسوية ـ عدد الأجزاء : ١٣ـ

﴿٦﴾ ...... أحكام القرآن ، لأحمد بن علي أبي بكر الرازي الجصاص الحنفي (ألمتوفى سنة ٣٧٠ هجرية) ألمحقق : محمد صادق القمحاوي– عضو

لجنة مراجعة المصاحف بالأزهر الشريف ـ ألناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ـ تاريخ الطبع : ١٤٠٥ هجرية ـ

﴿٧﴾ ...... أحكام القرآن ، للقاضي محمد بن عبد الله أبي بكر بن العربي المعافري الأشبيلي المالكي (ألمتوفي سنة ٥٤٣ هجرية) ألناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ـ راجع أصوله وخرج أحاديثه وعلق عليه : محمد عبد القادر عطاء ـ ألطبعة الثالثة : ١٤٤٢ هجرية – ٢٠٠٣ عيسوية ـ عدد الأجزاء : ٤

ـ

﴿٨﴾ ...... أخبار الأخيار

﴿٩﴾ ...... أخبار الطوال

﴿﴾ ...... ألارشاد

﴿﴾ ...... ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء

﴿﴾ ...... ألأساليب البديعة

﴿﴾ ...... ألاستذكار

﴿﴾ ...... أسد الغابة

﴿﴾ ...... ألاستيعاب في معرفة الأصحاب

﴿﴾ ...... ألأسرار المرفوعة

﴿﴾ ...... اسم معاویہؓ پر علمی وتحقیقی جائزہ

﴿﴾ ...... ألاصابة في تمييز الصحابة

﴿﴾ ...... أصول مذهب الشيعة الامامية

﴿﴾ ...... ألاعتبار في الناسخ والمنسوخ

﴿﴾ ...... اعلاء السنن

﴿﴾ ...... ألاقتصاد

﴿﴾ ......اکابر علمائے دیوبند

...... ألامام أبوبكر الجصاص ومنهجه في التفسير

...... أللباب

...... أنباء الغبر

...... ألأنس الجليل

...... ألأنساب

...... أنوار البروق

...... ماہنامہ ''الہلال'' کلکتہ ۱۹۱۳ء

...... ب ......

...... ألبحر الرائق شرح كنز الدقائق

...... ألبحر المديد

...... ألبداية والنهاية

...... ألبدء والتاريخ

...... ألبدر المنير

...... برأت عثمان

...... بستان المحدثين

...... بغية الوعاة

...... بيان الوهم واليهام

...... ت ......

...... تاج العروس من جواهر القاموس ٥٤٣٢

...... تاريخ أسمآء الثقات

...... تاريخ ابن خلدون

...... تاريخ ابن الوردي

...... تاريخ ابن معين رواية الدراوردي

❁ ...... تاریخ اُمت مسلمہ

❁ ...... تاريخ أبي زرعة

❁ ...... تاريخ الخلفاء

❁ ...... تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام

❁ ...... تاريخ اسلام

❁ ...... تاريخ خليفة بن الخياط

❁ ...... تاريخ دمشق

❁ ...... تاريخ طبري

❁ ...... ألتاريخ الكبير

❁ ...... تاريخ اليعقوبي

❁ ...... تاليفات رشيديه

❁ ...... تبيين كذب المفتري

❁ ...... تثبيت دلائل النبوة

❁ ...... تجليات صفدر

❁ ...... تحرير المعني السديد

❁ ...... تحفۂ اثنا عشرية

❁ ...... تحفة الأحوذي

❁ ...... تحفة التحصيل

❁ ...... ألتحقيق في أحاديث الخلاف

❁ ...... تذكرة الحفاظ

❁ ...... تذكرة المحدثين

❁ ...... تذکرۂ علمائے ہند

❁ ...... تطهير الجنان

- ...... ألتعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة
- ...... تفسير مقاتل بن سليمان
- ...... ألتفسير المظهري
- ...... تقريب التهذيب
- ...... تنزيه الشريعة المرفوعة
- ...... ألتوضيح شرح الجامع الصحيح
- ...... ألتوضيح لمتن التنقيح
- ...... ألتمهيد لأبي شكور السالمي
- ...... ألتنبيه على مشكلات الهداية
- ...... توضيح الأفكار
- ...... تهذيب الأسمآء واللغات
- ...... تهذيب التهذيب
- ...... تهذيب الكمال في أسمآء الرجال
- ...... تيسير التحرير

ث

- ...... ألثقات لابن حبان

ج

- ...... جامع الأصول
- ...... جامع الترمذي
- ...... ألجامع الصغير للسيوطي
- ...... ألجرح والتعديل لأبي حاتم
- ...... جمهرة انساب العرب
- ...... جوامع السيرة

- ...... ألجواهر المضية
- ...... ألجوهرة النيرية علي مختصر القدوري

ح

- ...... حاشية الطحطاوي علي مراقي الفلاح
- ...... حاشية شيخ الهند علي مختصر المعاني
- ...... حاشية اللكنوي علي الهداية
- ...... حضرت معاويه اور تاريخى حقائق
- ...... حقوق آل البيت لابن تيمية
- ...... حقيقة السنة
- ...... حلية الأولياء
- ...... حياة الصحابة
- ......حیات ولی، از: محمد رحیم بخش، ناشر: مکتبہ سلفیہ لاہور

خ

- ......خارجی فتنہ
- ...... خصائص علي للنسائي
- ...... خلاصة تهذيب الكمال
- ...... خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفي
- ...... ألخلافة
- ......خلفائے راشدین مولانا عبد الشکور لکھنوی

د

- ...... دراسات في تاريخ العرب القديم
- ...... ألدراية في تخريج أحاديث الهداية
- ...... درر الحكام

﴿﴾......سیدنا معاویہ کے بارے میں گم راہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ

﴿﴾......سیرت سیدنا امیر معاویہ مولانا نافع

﴿......ش......﴾

﴿﴾ ...... ألشذ الفياح من علوم ابن الصلاح

﴿﴾ ...... شذرات الذهب في أخبار من ذهب

﴿﴾ ...... شرح الترمذي لابن العربي

﴿﴾ ...... شرح التلويح

﴿﴾ ...... شرح السنة للبغوي

﴿﴾ ...... شرح العقائد النسفية

﴿﴾ ...... شرح عقائد سفاريني

﴿﴾ ...... شرح عقيدة الواسطية

﴿﴾ ...... شرح علل الترمذي

﴿﴾ ...... شرح معاني الآثار

﴿﴾ ...... شرح المقاصد

﴿﴾ ...... شرح المواقف

﴿﴾ ...... شرح نهج البلاغة

﴿﴾ ...... ألشيعة والتشيع

﴿......ص......﴾

﴿﴾ ...... صحيح ابن حبان

﴿﴾ ...... صحيح البخاري

﴿﴾ ...... صحيح المسلم

﴿﴾ ...... ألصواعق المحرقة

﴿......ض......﴾

۞ ...... ألضعفاء لابي زرعة الدمشقي

۞ ...... ألضعفاء للعقيلي

۞ ...... ألضعفاء والمتروكين

۞......ط......۞

۞ ...... طبقات ابن سعد

۞ ...... طبقات الشافعية الكبري

۞......ظ......۞

۞ ...... ظفر المحصلين بأحوال المصنفين

۞......ع......۞

۞ ...... عارضة الأحوذي

۞ ...... ألعبر في خبر من غبر

۞ ...... عقود الجمان

۞ ...... عقيدة الطحاوية

۞ ...... علل الحديث لأبي حاتم

۞ ...... عمدة القاري شرح صحيح البخاري

۞ ...... ألعواصم من القواصم

۞......غ......۞

۞......**غياث اللغات**

۞......ف......۞

۞ ...... ألفتاوي الكبري لابن تيمية

۞ ...... فتح الباري

۞ ...... فتح القدير شرح جامع الصغير

۞ ...... فتح القدير للعاجز الفقير

…… فتوح البلدان

…… ألفرق الاسلامية

…… ألفصل في الملل والأهوآء والنحل

…… ألفوائد المجموعة

…… فيض الباري شرح صحيح البخاري

ق

…… قاسم العلوم مع ترجمه انوار النجوم، ناشر: ناشرانِ قرآن لاهور

…… ألقاموس في اللغة

…… ألقاموس المحيط

ک

…… ألكاشف في معرفة من له الرواية

…… ألكامل في التاريخ

…… ألكامل لابن عدي

…… كتاب المعرفة والتاريخ

…… كتاب الوحي

…… كشف الخطاء ومزيل الألباس

…… كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون

…… ألكليات معجم في الاصطلاحات

…… كنز الدرر وجامع الغرر

…… كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال

…… ألكني والأسمآء

…… ألكواكب النيرات

ل

...... أللباب في تهذيب الأنساب

...... لسان العرب

...... لسان الميزان

...... لمع الأدلة

...... لمعة الاعتقاد

م

...... ألمبسوط للسرخسي

...... مجمع الأنهر في شرح ملتقي الأبحر

...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد

...... مجموع الفتاوي لابن تيمية

...... محاضرات تاريخ الأمم الاسلامية

...... ألمحبر

...... ألمحلي لابن حزم

...... ألحيط البرهاني في اثبات مذهب النعماني

...... مختصر المعاني

...... مختصر تحفة الاثنا عشرية

...... مختصر خلافيات البيهقي

...... ألمختصر في أخبار البشر

...... مختصر قيام الليل

...... مرآة الجنان وعبرة اليقضان

...... مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح

...... ألمسامرة شرح المسائرة

...... ألمستخرج من كتب الناس

﴿﴾ ...... ألمستدرك علي الصحيحين

﴿﴾ ...... مسلمانوں کا عروج و زوال

﴿﴾ ...... مسند أبي يعلي الموصلي

﴿﴾ ...... مسند الامام أحمد بن الحنبل

﴿﴾ ...... مشكاة المصابيح

﴿﴾ ...... مصباح الأريب

﴿﴾ ...... مصنف بن أبي شيبة

﴿﴾ ...... مصنف عبد الرزاق

﴿﴾ ...... ألمطول

﴿﴾ ...... ألمعجم الكبير للطبراني

﴿﴾ ...... معرفة علوم الحديث

﴿﴾ ...... ألمفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام

﴿﴾ ...... مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی

﴿﴾ ...... مکتوبات شاہ عبد العزیزمع مقدمہ، از: محمد ایوب قادری، ناشر: پاک اکیڈمی حیدر آباد کراچی نمبر ١٨

﴿﴾ ...... ألمنتظم في تاريخ الملوك والأمم

﴿﴾ ...... ألمنمق

﴿﴾ ...... ألمعارف

﴿﴾ ...... معارف القرآن

﴿﴾ ...... معالم التنزيل

﴿﴾ ...... معجم الأدباء

﴿﴾ ...... ألمعجم الأوسط

﴿﴾ ...... ألمعجم الكبير

﴾ ...... معرفة الثقات للعجلي

﴾ ...... ألمغني في الضعفاء

﴾ ...... مقالات الاسلاميين

﴾ ...... مقام صحابه

﴾ ...... ألمقتني في سرد الكني

﴾ ...... ألمقدمة السنية(متصل الناهية)

﴾ ...... مقدمة العلل الكبير

﴾ ...... ألمنتقي من منهاج الاعتدال

﴾ ...... منهاج السنة النبوية

﴾ ...... ألمنهاج علي صحيح مسلم بن الحجاج

﴾ ...... موارد الظمآن الي زوائد ابن حبان

﴾ ...... موجز التاريخ الاسلامي منذ عهد آدم الي عصرنا الحاضر

﴾ ...... ألمؤتلف والمختلف

﴾ ...... ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال

﴿......ن......﴾

﴾ ...... ألناهية

﴾ ...... ألنبراس علي شرح العقائد النسفية

﴾ ...... نخب الأفكار

﴾ ...... نزهة الخواطر

﴾ ......نزهة النظر

﴾ ...... نسب قريش

﴾ ...... نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية

﴾ ...... ألنكت علي مقدمة ابن الصلاح